فتاوی رضویہ
مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات
امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
7
رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
پاکستان

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہفتم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ہفتم
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز
ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور
پیش لفظ ________ مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی و مولانا سردار احمد حسین و مولانا محمد عمر ہزاروی
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
ترتیب فہرست ________ مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری
صفحات ________ ۷۲۰
اشاعت ________ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ / دسمبر ۱۹۹۴ء
مطبع ________ آر اینڈ ڈبلیو، یس پرنٹرز لاہور
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________ ۲۵۰

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی، صاحب ردالمحتار

ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر : الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر : الدرر شرح الغرر، ملاخسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر : البحرالرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ : فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر : النہرالفائق، سراج الدین عمر بن نجیم

فتح : فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ : غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ : حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ اعلی حضرت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصہ شہود پرلانے کے لئے "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے قائم شدہ ادارہ انتہائی سرعت رفتاری اور کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔ اس سے قبل فتاوٰی رضویہ کی چھ مجلدات آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظرعنایت سے ساتویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری نے کیاہے جبکہ جلد ششم کاترجمہ بھی انہیں کی رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔

جلدہفتم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد سوم سے **باب الجماعۃ** سے **باب احکام المساجد** تک ۲۶۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چار مستقل ابواب زیر بحث ہیں:

۱۔باب الجماعۃ

۲۔باب مفسدات الصلوٰۃ

۳۔باب مکروہات الصلوٰۃ

۴۔باب الوتر والنوافل

اس کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل سات رسائل بھی پیش نظر جلد میں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ (۱۳۱۲ھ)

مولوی اشرف علی تھانوی کے چار فتووں کارَدِّ بلیغ

۲۔القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ (۱۳۱۳ھ)

جماعت ثانیہ کے ثبوت سے متعلق نادر تحقیقات

۳۔تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب (۱۳۲۰ھ)

محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث

۴۔اجتناب العمال عن فتاوی الجہّال (۱۳۱۶ھ)

قنوتِ نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوی کارد

۵۔انہار الانوار فی یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)

نماز غوثیہ کے ثبوت میں تحقیق رضوی

۶۔ازہار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)

نماز غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ

۷۔وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح (۱۳۱۲ھ)

ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان

مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہ ہوسکے:

۱۔حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ

جماعت اولٰی کے بیان میں

۲۔رعایۃ المنہ فی ان التہجد نفل اوسنہ

نماز تہجد نفل یا سنت

۳۔الرد الاشد البہی فی ہجر الجماعۃ الگنگہی

جماعت ثانیہ کے بیان میں

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ۷ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل میں پڑھے گئے مقالہ کا وہ حصہ جو فتاوٰی رضویہ سے متعلق ہے جلد ہفتم میں شامل کیا جارہا ہے۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۲۳جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
۲۹اکتوبر ۱۹۹۴ء

فتاوٰی رضویہ کی غیر معمولی اہمیت

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ دین قیم کے اسرار وحکم اور دقائق وحقائق انہی قلوب پر منکشف ہوتے ہیں جو مجلّا ومصفّٰی ہیں اور حسن مطلق کی جلوہ گاہ ہیں۔ چنانچہ یہی لوگ ہیں جو دین اور معاشرے کے تعلق پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دین، دنیا میں مخلوق خدا کی بہتری کے لئے آیا ہے، اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو آدمی اپنے معاشرے کے احوال وظروف سے آگاہ نہیں وہ "عالم" کہلانے کا مستحق نہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے فتاوٰی میں معاشرے کے رسم ورواج اور عرف وعادات کو نگاہ میں رکھا ہے اور مقدور بھر سعی کی ہے کہ ایک مسلمان آسانی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو سرانجام دینے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں بنیادی نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کو رضاء مخلوق پر مقدم رکھے اور فتنہ وفساد سے بچنے اور انسانی قلوب کی مدارات ومراعات کے لئے غیر اولٰی امور کو ترک کردیا جائے۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد چہارم (طبع جدید) میں فرماتے ہیں:

"پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلق پروانہ کرے، اور اتیان مستحب وترک غیر اولٰی پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت، ایذاء اور وحشت کا باعث ہونے سے بچے"۔

یہ بات شاید کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ جو لوگ شریعت مطہرہ کی روح اور حکمت وعلت سے تغافل برتتے ہیں اور ظاہری الفاظ کی پیروی کرنے پر زور دیتے ہیں، وہ بعض اوقات امّت میں اختلاف وتشتّت کا باعث بنتے ہیں اور لوگوں کو مشقت وتنگی سے دوچار کرتے ہیں۔ اگر ان کی نگاہ سے شریعت کا بنیادی مقصد اوجھل نہ ہوتا تو ان کا زہد خشک لوگوں کو غیر اولٰی اور لایعنی باتوں میں الجھنے نہ دیتا۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفّع وتنزّہ کے لئے خلاف وجدال نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور

مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار! کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ و حکمت جلیلہ و کوچہ سلامت و جادہ کرامت ہے جس سے بہت (سے) زاہدان خشک اور اہل تکشف جاہل وغافل ہوتے ہیں، وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت و مقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں"۔ (فتاوٰی رضویہ ۴ (جدید) ص۵۲۸)

میں یہاں مولانا مرحوم کے فتاوٰی سے اور مثالیں دینا چاہتا تھا، لیکن تنگی وقت کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کو اسلامی فقہ میں جو عبور و رسوخ حاصل ہے اس کی بنیادی وجہ قرآن وسنّت سے ان کی گہری شیفتگی اور وابستگی ہے۔ چنانچہ میری اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے فتاوٰی کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور فلسفہ دین اور روح عصر سے آگاہ ہو کر لوگوں کے مسائل حل کریں اور انہیں مشقت و تنگی میں گرفتار ہونے سے بچائیں۔

فہرست مضامین

فہرست ضمنی مسائل

باب الجماعۃ

(جماعت کا بیان)

مسئلہ ۸۴۶: از میرٹھ خیر نگر دروازہ خیر المساجد مرسلہ مولوی ابوالعارف محمد حبیب اللہ صاحب قادری برکاتی ۲رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسجد خیر نگر دروازہ کا صحن محراب کے ہر دو جانب میں مساوی نہیں ہے بلکہ دست راست کی جانب ۱۶فٹ بڑھاہوا ہے گرمی برسات وغیرہ میں جب نماز صحن مسجد میں پڑھی جاتی ہے توجماعت اس سرے سے اس سرے تک قائم ہوتی ہے جو محراب کی نسبت سے دائیں جانب ۱۶فٹ متجاوز ہوتی ہے جس کاایک خاکہ بھی مرسلہ خدمت ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ جب صحن مسجد میں جماعت قائم ہوجائے توامام کو رعایت وسط صف کی لازم ہے یامحاذاتِ محراب ضروری ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو توامام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتورث ہے، محراب صوری کہ طاق نماایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنانا حادث ہے اُسی محراب حقیقی کی علامت ہے، یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کااتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث **توسطوا الامام** (امام درمیان میں کھڑا ہو۔ت)، جس مسجد میں مسقف حصہ نہ ہو وہاں یہ محراب صوری ہوتی ہی نہیں جیسے افضل المساجد مسجد الحرام شریف، اور اس میں ہر مسجد کا صحن داخل ہے کہ باختلاف موسم مسجد مستقل ہے فقہائے کرام درجہ مسقفہ کو مسجد شتوی کہتے ہیں اور غیر مسقف کو مسجد صیفی جب ان کے وسط متطابق نہ ہوں توہر مسجد کے لئے اس کااپنا وسط معتبر ہے پس صورت مستفسرہ میں جبکہ مسجد صیفی مسجد شتوی سے سولہ فٹ جانب راست زائد ہے توامام محراب صوری اندرونی کی محاذات سے آٹھ فٹ جانب راست ہٹ کر صحن میں کھڑا ہو

کہ اس مسجد کی محراب میں قیام حاصل ہو۔ درمختار میں ہے: **یصف الامام و یقف وسطا**[1] (امام صف بنوائے اور درمیان میں کھڑا ہو۔ت) درایہ شرح ہدایہ میں ہے:

السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام مبسوط[2]۔	سنت یہ ہے کہ امام صف کے محاذی درمیان میں کھڑا ہو، کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا تمام محرابیں مساجد کے وسط میں بنائی گئی ہیں اور وہ مقام امام کا تعین کررہی ہیں، مبسوط۔(ت)

امام بکر خواہر زادہ میں ہے:

لوقام فی احد جانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه[3] الخ اثرھما ش۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر امام صف کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک طرف کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے، اگر مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور مسجد بھری ہو تو امام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ امام کی دونوں طرف لوگ برابر ہوں الخ ان دونوں عبارتوں کو شامی نے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۴۷: ازاروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسؤلہ مرسلہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان شریف ۱۳۳۰ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے باہر در میں جو مشرق کی جانب ہوتا ہے اس میں تنہا امام کو کھڑے ہو کر نماز پڑھانی کیسی ہے اور اکثر مساجد میں باہر کا صحن اندر کے صحن سے بہت نیچا ہوتا ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

فی ردالمحتار عن معراج الدرایة عن	ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے ہے کہ

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

[3] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

سیدنا الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[1]۔	سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں کہ امام دوستونوں کے درمیان کھڑا ہو۔(ت)

پھر امام و مقتدیان کا درجہ بدلا ہونا کہ امام درجہ مسقف میں ہے اور سب مقتدی صحن میں، یہ دوسری کراہت ہے[2] کما فی جامع الرموز (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) پھر اگر در کی کرسی صحن سے بقدر امتیاز بلند ہوئی تو یہ تیسری کراہت ہے[3] کما فی الدرالمختار والتفصیل فی فتاوٰنا (جیسا کہ درمختار میں ہے اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴۸: از ڈھاکہ بنگالہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طالب علم پر جو طلب علم دین کرتا ہے جماعت نماز پنجگانہ واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا تؤجروا۔

الجواب:

علماء نے طالب و مشتغل علم کو احیاناً ترک جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شرائط، اس کا اشتغال خاص علم فقہ سے ہو کہ مقصود اصلی ہے نہ نحو و صرف و لغت و معانی و بیان و بدیع وغیرہا اگرچہ بوجہ آلیت داخل علم دین ہیں، اور وہ اشتغال بدرجہ استغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ یہ کہ اشتغال فقہ کا بہانہ کرکے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت و فضولیات میں گزارے جیسا کہ بہت طلبائے زمانہ کا انداز ہے، یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اہتمام جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کرسکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلاً ایک مجمع طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے، پھر بایں ہمہ کسل نفس کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بنا کر ترک جماعت پر مداومت نہ کرے بلکہ احیاناً واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحق تعزیر ٹھہرے گا، درمختار میں دربارہ اعذار ترک جماعت لکھا۔

کذا اشتغاله بالفقه لابغیرہ کذا جزم به الباقانی تبعا للبهنسی ای الااذا واظب	اسی طرح جو طالبعلم فقہ میں مشغول ہو نہ کہ کسی دوسرے فن میں، اس پر بہنسی کی اتباع میں باقانی نے جزم کیا ہے مگر

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۴

[3] درمختار، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۹۲

تکاسلا فلایعذر ویعزر[1]۔	اس صورت میں جب وہ سستی کی وجہ سے دوام اختیار کرے تو وہ معذور نہ ہوگا اور اس پر تعزیر ہوگی۔(ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

(وتکرار فقه) لانحو ولغة (بجماعة تفوته) ولم یداوم علی ترکھا[2]۔	(اور تکرار فقہ) نہ کہ نحو ولغت کا (جماعت کے ساتھ جو فوت ہوجائے)اور نہ جماعت کے ترک پر دوام اختیار کرنے والا ہو۔ (ت)

قنیہ کے لفظ یہ ہیں:

من لایحضرھا لاستغراق اوقاته فی تکریر الفقه الخ[3]۔	جو جمیع اوقات میں تکرار فقہ کی وجہ سے حاضر جماعت نہیں ہوسکتا الخ(ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

ثم اشتغال لابغیر الفقه فی بعض من الاوقات عذر معتبر[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بعض اوقات میں وہ اشتغال جو فقہ کے علاوہ میں ہو معتبر عذر نہیں ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۴۹: از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر صف اول کے مقتدی امام کے ایسے متصل کھڑے ہوں کہ ان کے پنجے امام کی ایڑی کے برابر ہوں یا ایک بالشت امام کی ایڑی سے پیچھے ہوں اس غرض سے کہ دوسری صف بھی مسجد کے اندر ہوجائے حالانکہ صحن میں جگہ ہے اور صف اول کا کوئی مقتدی امام کے پیچھے نہ ہو اس صورت میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کیسی کراہت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیشک کراہت تحریمی ہوگی اور ایسے امر کے مرتکب آثم وگنہگار کہ امام کا صف پر مقدم ہونا سنت دائمہ ہے جس پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی اور مواظبت دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی، اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

[1] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۲/۱
[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۳
[3] ردالمحتار بحوالہ القنیہ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۱
[4] ردالمحتار، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۲/۱

ترك التقدم لامام الرجال محرم وكذا صرح الشارح وسماه فى الكافى مكروها وهو الحق اى كراهة تحريم لان مقتضى المواظبة على التقدم منه عليه الصلاة والسلام بلاترك الوجوب فلعدمه كراهة التحريم [1]۔	مردوں کے امام کے لئے تقدیم کاترک حرام ہے، شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، کافی میں اسے مکروہ کا نام دیا اور یہی حق ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور اسے کبھی ترک نہ کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کا ترک کراہت تحریمی ہوتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

مقتضى فعله صلى الله تعالٰى عليه وسلم التقدم على الكثير من غير ترك الوجوب [2]۔	مقتدی کثیر ہونے کی صورت میں حضور علیہ السلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور کبھی ترک نہ فرمانا وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

التقدم واجب على الامام للمواظبة من النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للاثم [3]۔	امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ اسی پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور واجب کا ترک کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کا مقتضی ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق ظاہر ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ تقدم ہمیشہ یونہی تھا کہ صف کے لئے پوری جگہ عطافرماتے نہ وہ ناقص و قاصر تقدم جو سوال میں مذکور ہوا۔ دلیل واضح اس پر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکمیل صف کانہایت اہتمام فرماتے اور اس میں کسی جگہ فرجہ چھوڑنے کو سخت ناپسند فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو ارشاد ہوتا:

اقيموا صفوفكم وتراصوا فانى اركم من وراء ظهرى [4] اخرجه البخارى والنسائى	اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۹

[3] بحر الرائق ، باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ، ۱/۳۵۱

[4] صحیح البخاری باب الزاق لمنکب بالمنکب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ، ۱/۱۰۰، سنن النسائی احث الامام علی رص الصفوف والمقاربۃ بینھا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه و مسلم بلفظ اتموا الصفوف فانی ارٰكم خلف ظهری [1]۔	دیکھتاہوں۔اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے اور مسلم شریف میں ان الفاظ سے ہے: اپنی صفیں مکمل کرو کیونکہ میں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

سدوالخلل فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلة الحذف [2]۔ رواہ الامام احمد عن امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه۔	یعنی صف چھدری نہ رکھو کہ شیطان بھیڑکے بچے کی وضع پراس چھوٹی ہوئی جگہ میں داخل ہوتاہے۔اسے امام احمد نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

اور یہ مضمون حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالفاظ عدیدہ مروی ہوا امام احمد بسند صحیح ان سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

راصوا الصفوف فان الشیاطین تقوم فی الخلل [3]۔	یعنی صفیں خوب گھنی رکھو جیسے رانگ سے درزیں بھردیتے ہیں کہ فرجہ رہتاہے تواس میں شیطان کھڑاہوتاہے۔

نسائی کی روایت صحیحہ میں ہے:

راصّوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیده انی لاری الشّیطین تدخل من خلل الصف کانها الحذف [4]۔	اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بیشک میں شیاطین کو رخنہ صف میں داخل ہوتے دیکھتاہوں گویا وہ بھیڑکے بچے ہیں۔

[1] صحیح مسلم ، باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، ۱/۱۸۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی امامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۲۶۲

[3] مسند احمد بن حنبل، از مسند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۱۵۴

[4] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یوں ہے:

اقیموا صفوفکم وتراصوا فوالذی نفسی بیدہ انی لاری الشیاطین بین صفوفکم کانھا غنم عفر[1]۔	اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک میں شیاطین کو تمہاری صفوں میں دیکھتا ہوں گویا وہ بکریاں ہیں بھکسے رنگ کی۔

فائدہ: بھیڑ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اکثر دیکھا ہے کہ جہاں چند آدمی کھڑے دیکھے اور دو شخصوں کے بیچ میں کچھ فاصلہ پایا وہ اس فرجہ میں داخل ہو کر اِدھر سے اُدھر نکلتے ہیں یوں ہی شیطان جب صف میں جگہ خالی پاتا ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کو آگھستا ہے اور بھکسے رنگ کی تخصیص شاید اس لئے ہے کہ حجاز کی بکریاں اکثر اسی رنگ کی ہیں یا شیاطین اس وقت اسی شکل پر متشکل ہوئے۔ چوتھی حدیث میں اس تاکید شدید سے ارشاد فرمایا:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصفوف الملئکۃ وحاذوابین المناکب وسدوالخلل ولینوا فی ایدی اخوانکم ولاتذروا فرجات للشیاطین ومن وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفاقطعھا للہ[2]۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والطبرانی فی الکبیر والحاکم وابن خزیمۃ وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وعند النسائی والحاکم عنہ بسند صحیح الفصل الاخیراعنی من قولہ من وصل[3] الحدیث۔	یعنی صفیں درست کرو کہ تمہیں توملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور اپنے شانے سب ایک سیدھ میں رکھو اور صف کے رخنے بند کرو اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ اور صف میں شیطان کے لئے کھڑکیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کرے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، حاکم اور ابن خزیمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور حاکم نے انہی سے سند صحیح کے ساتھ آخری جملہ من وصل صفًا کو فصل کرکے روایت کیا ہے الحدیث۔

[1] مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث ۲۱۰۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ص ۲۸۲

[2] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۹۸

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ من وصل صفا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۱۳، سنن النسائی کتاب الامامۃ من وصل صفا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

ملائکہ کی صف بندی کا دوسری حدیث میں خود بیان آیا:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال الاتصفون کما تصف الملئِکة عن ربھا فقلنا یارسول اللہ کیف تصف الملئِکة عند ربھا قال یتمون الصف الاول ویتراصّون فی الصف [1]۔ اخرجه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے باہر تشریف لاکر ارشاد فرمایا: ایسے صف کیوں نہیں باندھتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسی صف باندھتے ہیں: فرمایا: اگلی صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسے امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجانا یہ کہ اگر اگلی صف میں کچھ فرجہ رہ گیا اور نیتیں باندھ لیں اب کوئی مسلمان آیا وہ اس فرجہ میں کھڑا ہونا چاہتاہے مقتدیوں پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے تو انہیں حکم ہے کہ دب جائیں اور جگہ دے دیں تاکہ صف بھر جائے۔ فتح القدیر و بحر الرائق و مراقی الفلاح و درمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشرنبلالی قال بعد ایراد الحدیث الرابع وبھذا یعلم جھل من یستمسك عند دخول احد بجنبه فی الصف یظن انه ریاء بل ھوا عانة علی ماامربه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [2]۔	علامہ شرنبلالی نے چوتھی حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ لکھے کہ اس حدیث سے اس شخص کی جہالت واضح ہوجاتی ہے جو ریاکاری کا تصور کرتے ہوئے صف میں اپنی کسی جانب نمازی کو شامل ہونے سے روکتا ہو بلکہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کے حکم کی بجاآوری پر دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۱۱۹ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱، مسند احمد بن حنبل حدیث جابر بن سمرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۱۰۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، سنن نسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

اور نہایت یہ کہ اگر اگلی صف والوں نے فرجہ چھوڑا اور صف دوم نے بھی اس کا خیال نہ کیا مگر اپنی صف گھنی کرلی اور نیتیں بندھ گئیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ صف اول والوں نے بے اعتدالی کی تھی تو یہ پہلے اس کی تکمیل کرکے دوسری صف باندھتے، اب ایک شخص آیا اور اس نے صف اول کا رخنہ دیکھا اسے اجازت ہے کہ اس دوسری صف کو چیر کر جائے اور فرجہ بھر دے کہ صف دوم بے خیالی کرکے آپ تقصیروار ہے اور اس کا چیر ناروا۔ قنیہ و بحر الرائق و شرح نور الایضاح و در مختار وغیرہ میں ہے:

واللفظ لشرح التنوير لووجد فرجة فی الاول لاالثانی، له خرق الثانی لتقصيرهم [1]۔	شرح تنویر کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے صف اول میں رخنہ پایا حالانکہ دوسری میں نہ تھا تو اس کے لئے دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے دوسری صف کو چیر ناجائز ہوگا۔ (ت)۔

بحر میں: لاحرمة له لتقصيرهم [2] (دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے بعد میں آنے والے کو دوسری صف چیر ناجائز ہے) یونہی اس رخنہ بندی کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امر عظیم میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کردی۔ قنیہ میں ہے:

قام فی اخرالصف فی المسجد وبینه وبین الصفوف مواضع خالية فللداخل ان يمر بين يديه ليصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا ياثم المار بين يديه [3]۔	ایک آدمی آخری صف میں کھڑا ہوگیا حالانکہ اس کے اور دوسری صفوں کے درمیان خالی جگہیں تھیں تو آنے والے نمازی کو اجازت ہے کہ وہ اس کے آگے سے گزر کر صف مکمل کرے کیونکہ آخر میں کھڑے ہونے والے نے اپنا احترام خود ختم کیا ہے لہذا اس کے سامنے سے گزرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ (ت)

حدیث میں ہے:

من نظر الى فرجة فی صف فليسدها بنفسه فان لم يفعل فمرمار فليتخط علی رقبته فانه لاحرمة له [4]۔ اخرجه الديلمی	یعنی جسے صف میں فرجہ نظر آئے وہ خود وہاں کھڑا ہو کر اسے بند کردے اگر اس نے نہ کیا اور دوسرا آیا تو وہ اس کی گردن پر قدم رکھ کر چلا جائے کہ اس کے لئے

---

[1] در مختار باب الامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۴

[2] بحر الرائق باب الامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۴

[3] القنیہ باب فی السترۃ، مطبوعہ کلکتہ بھارت، ص ۳۹۸

[4] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس حدیث ۱۱۱۸۴، اور ۱۱۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/ ۱۱۳، ۱۰۵

ف: مسند الفردوس مجھے دستیاب نہیں اور ماثور الخطاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی۔ نذیر احمد سعیدی

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما	کوئی حرمت نہ رہی۔ اسے دیلمی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

یونہی اگر صف دوم میں کوئی شخص نیت باندھ چکا اس کے بعد اسے صف اول کا رخنہ نظر آیا تو اجازت ہے کہ عین نماز کی حالت میں چلے اور جا کر فرجہ بند کردے کہ یہ مشی قلیل حکم شرع کے امتثال کو واقع ہوئی، ہاں دو صف کے فاصلہ سے نہ جائے کہ مشی کثیر ہوجائے گی۔

علامہ ابن امیر الحاج حلیہ میں ذخیرہ سے ناقل:

ان کان فی الصف الثانی فرأی فرجۃ فی الاول فمشی الیہا لم تفسد صلاتہ لانہ مامور بالمراصّۃ قال علیہ الصلاۃ والسلام تراصّوا فی الصّفوف ولو کان فی الصف الثالث تفسد[1]۔	اگر کوئی آدمی دوسری صف میں کھڑا تھا کہ اس نے پہلی میں رخنہ دیکھا اور وہ اسے پر کرنے کے لئے چلا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز میں مل کر کھڑا ہونا حکم شرعی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: صفوں میں خوب مل کر کھڑا ہوا کرو۔ اور اگر نمازی تیسری صف میں تھا تو اب نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

ظاہر التعلیل بامر انہ یطلب منہ المشی الیہا تامل[2]۔	امر کے ساتھ علت بیان کرنا بتارہا ہے کہ اس نمازی سے رخنہ پر کرنے کا مطالبہ ہے تامل۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق یہ احکام فقہ وحدیث باعلٰی ندا منادی کہ وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لویعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیرالہ من ان یمر بین یدیہ[3]۔ اخرجہ الائمۃ احمد و الستۃ عن ابی جہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الحافظ فی بلوغ المرام و وقع	اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستّہ نے حضرت ابوجہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حافظ نے بلوغ المرام میں کہا کہ مسند بزار

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب اثم المار بین یدی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۳

فی البزار من وجه اُخر اربعین خریفا [1] قلت والاحادیث یفسر بعضها بعضا	میں ایک اور سند سے مروی الفاظ یہ ہیں: چالیس سال، میں کہتا ہوں احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لویعلم احدکم ماله فی ان یمربین یدی اخیه معترضا فی الصلاۃ کان لان یقیم مائة عام مخیرله من الخطوۃ التی خطاھا [2]۔ رواہ احمد وابن ماجة عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔	اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے پر کیاگناہ ہوتا ہے تو وہ اس ایک قدم چلنے سے سوسال تک کھڑے رہنے کو بہتر سمجھے گا۔ اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اس میں سو برس کھڑا رہنا اس ایک قدم رکھنے سے بہتر فرمایا۔ امام طحطاوی فرماتے ہیں: پہلے چالیس ارشاد ہوئے تھے پھر زیادہ تعظیم کے لئے سو'' (سال) فرمائے گئے۔ تیسری حدیث میں ہے:

لویعلم المار بین یدی المصلی لاحب ان ینکسر فخذہ ولایمر بین یدیه [3]۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه عن عبدالحمید بن عبد الرحمٰن منقطعا۔	اگر نمازی کے آگے گزرنے والا دانش رکھتا ہو تو چاہتا اس کی ران ٹوٹ جائے مگر نمازی کے سامنے سے نہ گزرے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں شیخ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن سے منقطع طور پر روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث میں ارشاد فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا صلی احدکم الی شیئ یستُرہ من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیه فلیدفعه فان ابی فلیقاتله فانما ھو شیطان [4]۔ اخرجه	جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور کوئی سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے دفع کرے اگر نہ مانے تو اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے

[1] بلوغ المرام مع مسک الختام باب سترۃ المصلی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (انڈیا) ۱/۱۷۵

[2] سنن ابن ماجہ باب المرور بین یدی المصلی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۸

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کان یکرہ ان یمر الرجل الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۲

[4] صحیح البخاری، باب لیرد المصلی من مرّبین یدیہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ، ۱/۷۳

احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اسے احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا شدید امر جس پر یہ تشدیدیں اور سخت تہدیدیں ہیں اسی وقت روار کھا گیاہے جب دوسرا اس سے زیادہ اشد اور افسد تھا کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

ایک دلیل: اس وجوب اور فرجہ رکھنے کی کراہت تحریمی پر یہ ہے۔

دلیل دوم: احادیث کثیرہ میں صیغہ امر کا وارد ہونا کما سمعت وما ترکت لیس باقل مما سردت (جیسا کہ تونے سن لیا اور جن روایات کو میں نے ترک کردیا ہے وہ بیان کردہ سے کم نہیں ہیں۔ت) اس لئے ذخیرہ وحلیہ میں فرمایا: انہ، مامور بالمراصّۃ[1] (کیونکہ مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ت) فتح القدیر و بحرالرائق وغیرہما میں فرمایا: سد الفرجات المأمور بھا فی الصف[2] (صف کے درمیانی رخنہ کو پر کرنے کا حکم ہے۔ت) اور اصول میں مبرہن ہوچکا ہے امر مفید وجوب ہے الا ان یصرف عنہ صارف (مگر اس صورت میں جب اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔ت)

دلیل سوم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ صف میں جگہ چھوٹی ہو تو اور مقام پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

فی الخانیۃ والدرالمختار وغیرھما واللفظ للعلائی لوصلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ[3]۔	خانیہ، درمختار اور دیگر کتب میں ہے علائی کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے رفوف مسجد میں نماز ادا کی حالانکہ صحن مسجد میں جگہ تھی تو مکروہ ہوگی جیسا کہ ایسی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو ایسی صف کے پیچھے ہو جس میں رخنہ تھا۔(ت)

اور کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے،

الا اذا دل دلیل علی خلافہ کما نص علیہ	مگر جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو جیسا کہ فتح، بحر، حواشی در

[1] ردالمحتار بحوالہ حلیہ عن الذخیرۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۴

[3] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

فی الفتح والبحر وحواشی الدر وغیرھما من تصانیف الکرام الغر۔	اور دیگر تصانیف علماء عظام میں تصریح ہے۔(ت)

دلیل چہارم احادیث سابقہ میں حدیث رابع کے وعید شدید **من قطع صفا قطعه الله** (جس نے صف قطع کی اللہ اسے قطع کرے گا۔ت) علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی زیر عبارت مذکورہ درمختار فرماتے ہیں:

قوله کقیامه فی صف الخ هل الکراهة فیه تنزیهیة اوتحریمیة ویرشد الی الثانی قوله علیه الصلٰوة والسلام من قطع صفا قطعه الله انتهی فافهم[1]۔	قولہ جیسا کہ کھڑا ہونا اس صف میں الخ اس میں کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد من قطع الله الخ کراہت تحریمی کی طرف راہنمائی کرتا ہے انتہی فافہم (ت)

جب یہ امر واضح ہوگیا تو اب صورت مذکورۂ سوال میں دوسری وجہ کراہت تحریم کی اور ثابت ہوئی ظاہر ہے کہ جب امام صف اول میں صرف اس قدر فاصلہ قلیلہ چھوٹا تو بالیقین صف اول ناقص رہے گی اور امام کے پیچھے ایک آدمی کی جگہ چھوٹے گی وہ بھی ایسی جسے بوجہ تنگئی مقام کوئی بھر بھی نہ سکے گا تو یہ فعل ایک مکروہ تحریمی کو مستلزم، اور جو مکروہ تحریمی کو مستلزم ہو خود مکروہ تحریمی ہے، محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد عبارت منقولہ صدرِ جواب کے فرماتے ہیں:

واستلزم ماذکر ان جماعة النساء تکره کراهة تحریم لان ملزوم متعلق الحکم اعنی الفعل المعین ملزوم لذلك الحکم[2] انتهی	مذکورہ بات اس کو مستلزم ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ملزوم متعلق حکم یعنی فعل معین کا اس حکم کو ملزوم ہوتا ہے۔ انتہی۔(ت)

بحمداللہ اس تحقیق انیق سے چند مسائل نفیسہ ثابت ہوئے:

اوّلاً: ہر صف پر تقدّم جو بنص ہدایہ وکافی وغیرہما واجب ہے وہ صرف تھوڑا آگے بڑھ جانے سے ادا نہیں ہوتا جب تک پوری صف کی جگہ نہ چھوٹے۔

ثانیاً: ہر صف میں اول سے آخر تک دوسری صف کے لئے صف کامل کی جگہ بچنا واجب ہے۔

ثالثاً: کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، جب تک اگلی صف پوری نہ کرلیں صف دیگر ہرگز نہ باندھیں۔

---

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶

رابعًا: صورت مذکورۂ سوال دو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے ایک ترک تقدم دوسری بقائے فرجہ۔

خامسًا : اکثر واقع ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی تھا دوسرا آیا بائیں ہاتھ کو کھڑا ہوگیا یہاں تک تو کراہت تنزیہی تھی لترک السنۃ پھر اور لوگ بھی آتے اور یونہی برابر کھڑے ہو جاتے ہیں نہ امام آگے بڑھتا ہے نہ مقتدی پیچھے ہٹتے ہیں یہ صورت مکروہ تحریمی کی ہے کہ اگرچہ اکیلے مقتدی کے حق میں سنت یہ ہے کہ امام کے داہنی جانب بالکل اس کے محاذی کھڑا ہو نہ متاخر، اور یہ سنت عوام میں صدہا سال سے متروک ہے اکیلا بھی امام سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

الواحد یقوم عن یمینہ ای ان کان مع الامام واحد وقف عن یمین الامام لانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام صلی بابن عباس فاقامہ عن یمینہ ولایتأخر عن الامام فی ظاھر الروایۃ، وعن محمد انہ یضع اصابعہ عند عقب الامام وھوالذی وقع عند العوام انتھی[1] قلت وعوام زماننا قدتعدواحتی خرجوا عن روایۃ محمد ایضا کماھو مشاھد۔	اکیلا نمازی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو یعنی اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو نماز پڑھائی تو ان کو آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور ظاہر روایت کے مطابق وہ امام سے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور عوام میں یہی طریقہ جاری ہے انتہی۔ میں کہتا ہوں ہمارے دور کے لوگ تجاوز کرگئے ہیں حتی کہ وہ امام محمد سے مروی روایت سے بھی نکل گئے ہیں جیسا کہ مشاہدہ میں ہے۔ (ت)

پھر جو بعد کو آئے وہ اس مقتدی کی محاذات میں کھڑے ہوں گے جس کے باعث امام کو قدرے تقدم رہے گا اس صورت میں وہ توسط جس کی نسبت درمختار میں فرمایا:

لوتوسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لو اکثر[2]۔	اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

اگرنہ بھی مانا جائے تاہم اس صورت میں کراہت تحریم ہی رہے گی کہ توسط نہ سہی فرجہ رکھنا اور صف کامل کی جگہ نہ چھوڑنا خود موجب کراہت تحریمی ہے، یہ مسائل واجب الحفظ ہیں اکثر اہل زمانہ ان سے غافل ولعلك لاتجد ھذا التحقیق الخطیر بھٰذا الایضاح والتقریر فی غیر ھذا التحریر (شاید ایسی بے مثال

---

[1] کافی شرح وافی

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۳

تحقیق اپنی وضاحت وتفصیل کے ساتھ اس تحریر کے علاوہ کہیں نہ ملے (ت) والحمدللہ علی ماعلم اللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵۰: یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سمجھ وال لڑکا آٹھ نو برس کا جو نماز خوب جانتاہے اگر تنہا ہو تو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہوسکتاہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اسے صف سے دور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے

فان صلاۃ الصبی الممیز الذی یعقل الصلاۃ صحیحۃ قطعا، وقد امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسد الفرج والتراص فی الصفوف ونھی عن خلافہ بنھی شدید۔	کیونکہ وہ بچہ جوصاحب شعور ہو اور نماز کوجانتا ہو اس کی نماز بالیقین صحیح ہےاور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف کے رخنہ کو پر کرنے اور اس میں مل کر کھڑے ہونے کاحکم دیاہے اوراس کے خلاف سے سخت منع فرمایا ہے۔(ت)

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں۔ درمختار میں ہے: لوواحدًا دخل فی الصف[1] (اگر بچہ اکیلا ہو توصف میں داخل ہوجائے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال[2]۔	اگر بچے زیادہ نہ ہوں تو بچہ مردوں کے درمیان کھڑا ہوجائے (ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخل نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کردیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

امامحاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الامن شذولامتمسك لہ فی الروایۃ کماصرحوا بہ	بے ریش بچے کے محاذی ہونے پر تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگرشاذ طور پر کوئی فساد نماز کا قائل ہے اور اس کے لئے کوئی دلیل نہ روایت

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۴/۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

الروایۃ کما صرحوا بہ ولا فی الدرایۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	میں ہے جیسا کہ فقہا نے اس کی تصریح کی ہے اور نہ ہی درایت میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۵۱تا۸۵۴: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عمر جلیل ۱۶شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں:

(۱) اگر کوئی نماز کسی وجہ سے دہرائی جائے تو وہ شخص کہ نماز مشکوکہ میں شریک نہیں تھا وہ جماعت ثانیہ میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) امام فرض پڑھارہاہے ایک مقتدی دوسری یا تیسری رکعت میں ملاتواس کاجوفرض چھوٹ گیاہے بآوازِ بلندپڑھے یاآہستہ؟

(۳) قضاعمری کو امام وداع جمعہ کو فجر سے عشاء تک بجہر پڑھادے تو سب کی عمر بھر کی قضاکیاادا ہوجائے گی؟

(۴) نماز جمعہ میں اگر کوئی شخص تشہد میں شریک ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**

الجواب: (۱) نماز اگر ترک فرض کے سبب دہرائی جائے نیا شخص شریک ہوسکتاہے ورنہ نہیں۔

(۲) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں منفرد ہے، اور تصریح فرماتے ہیں کہ منفرد کوجہری رکعتوں میں جہر جائز بلکہ افضل ہے مگراس میں یہ دقت ہے کہ منفرد کاجہر اور کے شامل ہونے کاداعی ہوگااور یہ دعوت خیر ہے کہ دونوں کو جماعت مل جائے گی لیکن مسبوق کاجہر کہ ناواقف کو شرکت کی طرف داعی ہو، امر ناجائز کی طرف داعی ہوگا اوراس کاوہ عمل باطل ہوجائے گالہٰذایہی اصوب معلوم ہوتاہے کہ وہ جہر نہ کرے۔

(۳) یہ قضاعمری کی جماعت جاہلوں کی ایجاد اور محض ناجائز و باطل ہے۔

(۴) اسلام سے پہلے جو شریک ہوگیااسے جمعہ مل گیا۔ **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۵۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی ابھی التحیات پوری نہ کرنے پایاتھاکہ امام کھڑاہوگیایاسلام پھیر دیاتومقتدی التحیات پوری کرلے یااتنی ہی پڑھ کر چھوڑدے؟ **بینوا وتوجروا**

الجواب:

ہر صورت میں پوری کرلے اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہوجائے لان التشھد واجب والواجب

[1] فتح القدیر، باب الامامۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۳۱۲

لایترك لسنة والمسئلة منصوص علیها فی الخانیة وغیرها فی کتب العلماء (تشہد واجب ہے اور واجب کو کسی سنت کی وجہ سے ترک نہیں کیاجاسکتا اس مسئلہ پر خانیہ اور دیگر علماء کی کتب میں نص موجود ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵۶تا۸۵۷: از فیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید مسجد یاخلاف آں نماز فرض پڑھارہاہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یا کوئی اور رکعت، اور بکر تنہا یا دو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہونے یا ہوجانے کے بکر تنہا یا دونوں شخصوں نے اسی مقام پر اور اسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیاحکم ہے ان کی نماز کا؟ یا پہلے ان کو اطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رابع نے بآواز بلند کہہ دیا، اب کیاحکم ہے بکر کی نماز کا، آیا وہ نماز درست ہوئی؟ اگر نہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہوچکی ہے وہیں سے ترک کردے یا پوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمایئے۔

(۲) اگر ہیجڑا یا عورت یا نابالغ یا شیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نماز فرض پڑھ رہاہے مسجد میں یا باہر، اور زید بھی نماز فرض پڑھنا چاہتاہے آیا اسی مصلے پر نماز پڑھ سکتاہے یانہ؟ کیااس شخص کی نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب:

(۱) اگر زید قابل امامت تھا اور انہیں معلوم تھاکہ یہ فرض پڑھ رہاہے اور انہوں نے اقتدانہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تو اگر جماعت اولٰی ہوچکی ہے جب تو فضل سے محروم رہے اور اگر یہی جماعت اولٰی ہوئی تو گنہگار ہوئے اور اگر زید قابل امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابل امامت تھا تو اب بھی وہی احکام ہیں، اور اگر ان میں بھی کوئی قابل امامت نہیں تو اصلاً حرج نہ ہوا اور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہوجائے گی اور نیت توڑ دینا صرف جماعت قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کے فرض شروع کئے ایک رکعت یا اس سے کم پڑھنے پایا تھاکہ جماعت قائم ہوئی نیت توڑدے، باقی جماعت معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت نہیں۔

(۲) پڑھ سکتاہے اور ختم نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵۸: از میرٹھ کمبوہ دروازہ کارخانہ داروغہ یادالٰہی صاحب مرسلہ جناب مرزاغلام قادربیگ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۰۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ کی نسبت کیاحکم ہے؟ یہاں بعض لوگوں کواس کی ممانعت میں تشدد ہے جماعت اولٰی کے بعد آٹھ آٹھ دس دس آدمی جمع ہوجاتے ہیں مگر جماعت نہیں کرتے برابر کھڑے ہوکر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں یہ کیساہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) مسجد اگرشارع عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب توبالاجماع اس میں تکرار جماعت باذان جدید وتکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جولوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں۔
(۲) اوراگرمسجد محلّہ ہے تواگراس کے غیراہل جماعت کرگئے ہیں تواہل محلّہ کو تکرار جماعت بلاشبہ جائز۔
(۳) یااول اہل محلّہ ہی نے جماعت کی مگربے اذان پڑھ گئے۔
(۴) یااذان آہستہ دی توان کے بعد آنے والے باذان جدید بروجہ سنت اعادہ جماعت کریں۔
(۵) یااگرامام میں کسی نقص قرات وغیرہ یافسق یامخالفت مذہب کے باعث جماعت اولٰی فاسد یامطلقاً مکروہ یا باقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیراکمل واقع ہوئی جب بھی انہیں اعادہ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں توقطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلّہ ہے اوراس کے اہل بروجہ مسنون اذان دے کرامام نظیف موافق المذہب کے پیچھے جماعت کرچکے اب غیرلوگ یااہل محلّہ ہی سے جو باقی رہ گئے تھے آئے، انہیں بھی اس مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یانہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے ظاہرالروایہ سے حکم کراہت نقل کیاگیااور علامہ محقق اجل مولی خسرو نے درر وغرر اور مدقق اکمل علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی نے خزائن الاسرار میں فرمایاکہ اس کراہت کا محل صرف اس صورت میں ہے جب یہ لوگ باذان جدید جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں، اوراسی طرف درمختار میں اشارہ فرمایااورایسے ہی منح وغیرہ میں تصریح کی، اور قول محقق منقح یہ ہے کہ اگریہ لوگ اذان جدید کے ساتھ اعادہ جماعت کریں تومکروہ تحریمی، ورنہ اگرمحراب نہ بدلیں تومکروہ تنزیہی ورنہ اصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اوریہی ماخوذ للفتوی، درمختار میں ہے:

یکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق او مسجد لاامام لہ ولامؤذن[1]۔	محلّہ کی مسجد میں اذان وتکبیر کے ساتھ جماعت کاتکرار مکروہ ہے البتہ راستہ کی مسجد اورایسی مسجد میں مکروہ نہیں جہاں امام اور مؤذن نہ ہو۔(ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۲

ردالمحتار میں ہے:

عبارتہ فی الخزائن اجمع مماھنا ونصہا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الااذاصلی بہما فیہ اولا غیراھلہ اواھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولوکرراھلہ بدونہمااوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولامؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علیحدۃ کما فی امالی قاضی خاں[1] ھ ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلۃ مالہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیراذان حیث یباح اجماعا[2] ھ ثم قال اعنی الشامی بعد مانقل الدلیل علی الکراھۃ. مقتضی ھذا الاستدلال کراھۃ التکرار فی مسجد المحلۃ ولو بدون اذان ویؤیدہ ما فی الظہیریۃ لودخل جماعۃ المسجد بعد	اس کی عبارت خزائن میں یہاں سے زیادہ جامع ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ مسجد محلّہ میں جدید اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب یہاں پہلے کسی غیر اہل محلّہ اذان واقامت کے بغیر تکرار جماعت کریں یا مسجد راستہ کی ہو تو بالاتفاق جماعت جائز ہوگی جیسا کہ اس مسجد کا حکم ہے جس کا امام اور مؤذن مقرر نہیں اور لوگ گروہ در گروہ اس میں نماز ادا کرتے ہوں، تو یہاں افضل یہی ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرے جیسا کہ امالی قاضی خاں میں ہے اھ اور اسی کی مثل درر میں ہے محلّہ کی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس کا امام اور جماعت معلوم ہو جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے، منبع میں ہے مسجد کو محلّہ کے ساتھ مقید کرنا شارع عام کی مسجد سے احتراز ہے اور اذان ثانی کے ساتھ مقید کرنا اس صورت سے احتراز ہے جب مسجد محلّہ میں بغیر اذان کے جماعت ہوگئی ہو کیونکہ اب بالاتفاق (تکرار جماعت) مباح ہے اھ پھر کراہت پر دلیل نقل کرنے کے بعد شامی نے فرمایا اس استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے اگرچہ تکرار بغیر اذان کے ہو اور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

ماصلی فیہ اہلہ یصلون وحدانا وھوظاہر الروایۃ ھ وھذا مخالف لحکایۃ الاجماع المارۃ [1] الخ، وقال قبل ھذا فی باب الاذان بعد نقل عبارۃ الظھیریۃ، وفی آخر شرح المنیۃ وعن ابی حنیفۃ لوکانت الجماعۃ اکثر من ثلثۃ یکرہ التکرار والافلا وعن ابی یوسف اذالم تکن علی الھیأۃ الاولی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیأۃ کذا فی البزازیۃ ھ وفی التاتر خانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ [2]۔	بھی کرتی ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئے جب اہل محلّہ اس میں جماعت کرواچکے تھے تو وہ اکیلے اکیلے نماز ادا کریں اور یہی ظاہر روایت ہےاھ اور یہ گزشتہ منقول اجماع کے مخالف ہے الخ اس سے پہلے باب الاذان میں عبارت ظہیریہ کے نقل کرنے کے بعد شامی نے کہااور شرح منیہ کے آخر میں ہےاور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر افراد جماعت تین سے زیادہ ہوں تو تکرار مکروہ ہوگاورنہ نہیں اور امام یوسف سے مروی ہے جب ہیئت اولٰی پرنہ ہو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ، اور یہی صحیح ہے اور محراب سے اعراض کرلینے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے، بزازیہ میں یونہی ہےاھ اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ کے حوالے سے ہے کہ ہم اس پرعامل ہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

قد علمت ان الصحیح انہ لایکرہ تکرار الجماعۃ اذالم تکن علی الھیأۃ الاولٰی [3]۔	آپ جان چکے کہ صحیح یہی ہے کہ تکرار جماعت مکروہ نہیں جبکہ وہ ہیئت اولٰی پرنہ ہو۔(ت)

بالجملہ جماعت ثانیہ جس طرح عامہ بلاد میں رائج ومعمول درر ومنبع وخزائن شروح معتمدہ کے طورپر تو بالاجماع اور عندالتحقق قول صحیح مفتی بہ پر بلاکراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدید اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پرلازم کہ ائمہ فتوٰی جس امر کی ترجیح وتصحیح فرماگئے اس کااتباع کریں۔درمختار میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وماصححوہ کما لوافتونافی حیاتھم [4]۔	رہاہمارامعاملہ تو ہم پراس قول کی اتباع لازم ہے جسے علماء نے ترجیح دی اور جس کی انہوں نے تصحیح فرمائی، جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

[3] ردالمحتار باب الاذان ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲

[4] درمختار مقدمہ کتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ، ۱/۱۵

پھر خلاف صحیح مذہب اختیار کرکے اسے ناجائز وممنوع بتانا اور اس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔

ثم اقول: حال زمانہ کی رعایت اور مصلحت وقت کالحاظ بھی مفتی پر واجب، علماء فرماتے ہیں:

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔	جو شخص اپنے دور کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔(ت)

اب دیکھئے کہ جماعت ثانیہ کی بندش میں کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام جماعت اولٰی کاالتزام تام کرلیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جورہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر ناحق روافض سے مشابہت پاتے ہیں حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالٰی اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکات عالیہ ظاہریہ وباطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعت اولٰی کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمام التزام معلوم، جماعت کی جو قدرے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے جب بفتوٰی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کئے تو ایک تومرگ انبوہ جشنے دارد دوسرے شدہ شدہ عادت پڑجاتی ہے چندروز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گر جائے گی اور اس کے ساتھ ہی سستی وکاہلی اپنی نہایت پر آئے گی، اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی وندامت کا صدمہ اٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہوچکی اول ہوچکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمہ فتوی رحمہم اللہ تبارک وتعالٰی کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح وتصحیح فرمایا کرتے ہیں من وتو سے ان کے علوم وسیعہ عقول رفیعہ لاکھوں درجے بلند وبالا ہیں روایت ودرایت ومصالح شریعت وزمانہ وحالت کو جیساوہ جانتے ہیں دوسرا کیاجانے لگا پھر ان کے حضور دخل درمعقولات کیسا! **فاللہ الھادی وولی الایادی** اس مسئلہ میں کلام طویل ہے اور عبد ذلیل پر فیض مولٰی عزیز وجلیل، اگر تفصیل کیجئے رسالہ مبسوط ہوتا ہے لیکن

ع: درخانہ اگر کس است یکحرف بس است

(اگرخانہ عقل میں کچھ ہے تو اس کے لئے ایک حرف بھی کافی ہے)

تنبیہ: مگر یہ ان کے لئے ہے جو احیاناً کسی عذر کے باعث حاضری جماعت اولٰی سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے بھروسہ پر قصداً بلاعذر مقبول شرعی جماعت اولٰی ترک کریں یہ بلاشبہہ ناجائز ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵۹: از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمّہ اللہ تعالیٰ ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دو جماعت دریک مسجد دریک وقت بلاعلمی پس نماز مصلین جماعت ثانیہ جائز است یانہ؟ **بینوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بغیر علم ایک وقت میں ایک مسجد میں دو جماعت ہونا کیسا ہے؟ پھر دوسری جماعت کے نمازیوں کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

درجواز بمعنی صحت شک نیست اگرچہ باوصف علم باشد آرے بحال علم جواز بمعنی حل نیست مگر آنکہ امام اول ناشایان امامت باشد۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**	جواز بمعنی صحت میں کوئی شک نہیں (یعنی درست ہے) اگرچہ جماعت ثانیہ کا باوصف علم ہو البتہ باوصف علم جواز بمعنی حل لینا درست نہیں مگر اس صورت میں کہ امام اول امامت کے لائق نہ ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)

مسئلہ ۸۶۰: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ جماعت جو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے جیسے پانچ چھ مقتدی امام کے برابر کھڑے ہیں یا امام کی آستین کہنیوں تک چڑھائی ہوئی ہیں یا وہ کلام مجید صحیح نہیں پڑھتا اس میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غلط خوانی امام اگر تاحدِّ فساد ہے جب تو ظاہر کہ اس جماعت میں شرکت نہ کی جائے کہ شرعًا وہ جماعت و نماز ہی نہیں اور اگر صرف اس قدر کہ مثلاً حرف صحیح تو خوب ادا کرلیتا ہے مگر پورے اوصاف زائد مثل تفخیم وترقیق لام وراو غیرہما نہیں ادا ہوتے یا اظہار واخفا یا مدوقصر وتحقیق وتسہیل وغیرہا ان قواعد تجوید کی رعایت نہیں کرتا جن کی مراعات اگرچہ تجویدًا واجب ہو فقہًا صحت نماز کے لئے کچھ ضرور نہیں تو ضرور شریک ہو کہ جماعت کا ترک یا اس سے اعراض صرف اتنی بات پر ہرگز روا نہیں، یونہی اگر جماعت کراہت تحریم پر مشتمل ہو تو شرکت نہ کرے **فان سلب المفاسد اھم من جلب المصالح** (کیونکہ مفسدات کو ختم کرنا مصلحات کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ت) اور اگر صرف کراہۃ تنزیہیہ ہو جیسے امامت فاسق غیر معلن میں تو اگر دوسری جماعت پاکیزہ ملے اس میں بھی شرکت نہ چاہئے ورنہ شریک ہو جائے کہ ترک جماعت کراہت تنزیہی سے اشد ہے بخلاف کراہت تحریم کہ اس کا مرتبہ قول سنیت جماعت پر ترک جماعت سے بدتر، اور مسلک معتمد یعنی وجوب جماعت

پر ہمسر وبرابر ہے،

فی حاشیة الحلبی ثم الشامی علی الدر، الجماعة واجبة فتقدم علی ترك کراھة التنزیه[1] ھ وفیه فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لانه فی غیرھا یجد اماماغیرہ ھ قال فی الفتح وعلیه فیکرہ فی الجمعة اذا تعددت اقامتھافی المصر علی قول محمد المفتی به لانه بسبیل الی التحول[2] ھ وفی الدر عن النھر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة[3]ھ فی ردالمحتار افاد ان الصلاۃ خلفھمااولی من الانفراد[4]ھ وفیه لوانتظر امام مذھبه بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعة للعلم بانه یرید جماعة اکمل من ھذہ الجماعة[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم	حاشیہ حلبی پھر شامی علی الدر میں ہے کہ جماعت واجب ہے پس یہ کراہت تنزیہی کے ترک پر مقدم ہوگی اھ اور اسی میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحاب احناف نے فرمایاہے کہ نماز جمعہ کے علاوہ کسی نماز میں فاسق کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ غیر نماز جمعہ میں دوسرے امام کو پایا جاسکتاہے اھ فرمایا: فتح میں ہے کہ اس دلیل کی بناء پر امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ میں بھی فاسق کی اقتدا مکروہ ہوگی جبکہ شہر میں متعدد جگہ پر جمعہ قائم ہوتا ہو کیونکہ اس صورت میں دوسری جگہ نماز جمعہ کا میسر آنا ممکن ہے اھ اور در میں نہر اور اس میں محیط کے حوالے سے ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جاتاہے اھ ردالمحتار میں ہے، اس سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے اولٰی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص صفوں سے دور کھڑے ہوکر اپنے ہم مذہب امام کا انتظار کرتاہے تو یہ جماعت سے اعراض شمار نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ تو اس جماعت سے اعلٰی جماعت کے ارادے میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب فی الاقتداء بشافعی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۶

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[3] در مختار باب الامامۃ باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۵

[5] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

مسئلہ ۸۶۱ : از کلکتہ غلام قادر بیگ صاحب مرسلہ غلام قادر بیگ صاحب ۵رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی برابر کھڑا ہے دوسرااور آیا نہ وہ مقتدی اول پیچھے ہٹا نہ امام آگے بڑھاتو یہ اس مقتدی کونیت باندھ کر کھینچے یا بے نیت باندھے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: دونوں صورتیں جائز ہیں، فتح القدیر سے مستفاد کہ نیت باندھ کر کھینچنا اولٰی ہے، اور خلاصہ میں تصریح فرمائی کہ پہلے کھینچ کرنیت باندھنی مناسب ہے، بہرحال دونوں طریقے روا ہیں، فتح کی عبارت یہ ہے:

لواقتدی واحد باخرفجاء ثالث یجذب المقتدی بعد التکبیر ولوجذبہ قبل التکبیر لایضرہ[1]۔	اگرایک آدمی نے دوسرے کی اقتداکی کہ تیسراآگیاتو وہ مقتدی کو تکبیر کے بعد کھینچے، اگراس نے تکبیر سے پہلے ہی کھینچ لیاتو بھی کوئی حرج نہیں۔(ت)

خلاصہ کانص یہ ہے:

ینبغی ان یجذب احدا من الصف فی المسجد او فی الصحراء اولاثم یکبر[2]۔	مناسب یہی ہے کہ وہ کسی ایک نمازی کوصف سے پہلے کھینچ لے خواہ مسجد ہو یاصحرا پھر تکبیر کہے۔(ت)

مگریہاں واجب التنبیہ یہ بات کہ کھینچنااسی کو چاہئے جو ذی علم ہو یعنی اس مسئلہ کی نیت سے آگاہ ہو ورنہ نہ کھینچے کہ مباداوہ بسبب ناواقفی اپنی نماز فاسد کرلے، تحقیق منقح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز میں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول کے سوادوسرے سے کلام کرنا مفسد ہے یونہی اللہ ورسول کے سوا کسی کا کہنا ماننا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پس اگر ایک شخص نے کسی نمازی کو پیچھے کھینچا یاآگے بڑھنے کو کہااور وہ اس کاحکم مان کر پیچھے ہٹا نماز جاتی رہی اگرچہ یہ حکم دینے والانیت باندھ چکاہو اور اگر اس کے حکم سے کام نہ رکھابلکہ مسئلہ شرع کے لحاظ سے حرکت کی تو نماز میں کچھ خلل نہیں اگرچہ اس کہنے والے نے نیت نہ باندھی ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً حرکت نہ کرے بلکہ ایک ذرہ تامل کرلے تاکہ بظاہر غیر کے حکم ماننے کی صورت بھی نہ رہے جب فرق صرف نیت کاہے اور زمانہ پر جہل غالب، تو عجب نہیں کہ عوام اس فرق سے غافل ہو کر بلاوجہ اپنی نماز خراب کرلیں، ولہذا علماء نے فرمایا: غیر ذی علم کواصلًا نہ کھینچے اور یہاں ذی علم وہ جو اس مسئلہ اور نیت کے فرق سے آگاہ ہو، درمختار میں ہے:

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر مایتصل بصحۃ الاقتداء الخ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ، ۱/۱۵۷

لو امتثل امر غیرہ فقیل لہ تقدم فتقدم فسدت بل یمکث ساعۃ ثم یتقدم برایہ قھستانی معزیا للزاھدی[1] ملخصا۔	اگر نمازی کسی غیر کا حکم بجالایا مثلاً اسے کہا گیا آگے ہو جا وہ آگے ہوگیا تو نماز فاسد ہوجائے گی بلکہ وہ ایک گھڑی ٹھہرے اور پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے قہستانی بحوالہ زاہدی ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح بعد ان ذکر لوجذبہ اٰخر فتاخر الاصح لاتفسد صلاتہ وفی القنیۃ قیل لمصل منفرد تقدم فتقدم بامرہ فسدت وعللہ فی شرح القدوری بانہ امتثال لغیر امر اللہ تعالٰی ھ کلام المصنف وذکر الشرنبلالی ان امتثالہ انما ھو لامر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلایضر اھ قال ط لو قیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلاتفسد وبین کونہ امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا[2] ھ مافی رد المحتار ملتقطا **اقول**: وھذا التفصیل کما تری من الحسن بمکان بل ھو المحل لکلمات العلماء وبہ یحصل التوفیق وباللہ التوفیق۔	منح میں اس کے بعد ہے کہ اگر اس کو کسی دوسرے نے کھینچا اور وہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور قنیہ میں ہے منفرد (تنہا) نمازی کو کہا گیا آگے ہو اور وہ اس کے حکم کی بنا پر آگے ہوا تو نماز فاسد ہوگی۔ شرح قدوری میں اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ غیر اللہ کا حکم بجالانا ہے اھ کلام مصنف ختم ہوا، شرنبلالی نے فرمایا یہ بجاآوری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر تھی لہذا نقصان دہ نہیں اھ طحطاوی نے فرمایا کہ اگر تفصیل بیان کی جائے درمیان اس کے کہ اگر شارع کا امر سمجھتے ہوئے بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور درمیان اس کے اگر داخل ہونے والے کے امر کی وجہ سے اس کے ارادے کی رعایت کرتے ہوئے بجالایا امر شارع کی طرف نظر کئے بغیر، تو نماز فاسد ہوگی، تو یہ (تفصیل بیان کرنا) بہتر ہوتا اھ یہ ردالمحتار کی گفتگو کا خلاصہ تھا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ تفصیل اس جگہ احسن ہی نہیں بلکہ کلمات علماء کا محل بھی ہے اور اس کے ساتھ ان کے کلام میں تطبیق بھی پیدا ہوجاتی ہے وباللہ التوفیق (ت)

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۲

درمختار میں ہے:

یجذب احد الکن قالوا فی زماننا ترکه اولٰی [1] ملخصاً۔	کسی کو کھینچ لے، مگر ہمارے زمانے کے علماء نے فرمایا نہ کھینچنا ہی بہتر ہے ملخصًا (ت)

خزائن الاسرار میں ہے:

ینبغی التفویض الی رأی المبتلی فان رأی عالماً جذبه [2]۔	اس معاملہ کو مبتلا ہونے والے شخص پر چھوڑ دیا جائے اگروہ محسوس کرتا ہے کہ یہ آدمی مسئلہ جانتا ہے تواسے کھینچ لے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوتوفیق حسن اختارہ ابن وھبان فی شرح منظومته [3]۔	یہ بہت اچھی تطبیق ہے اسے ابن وہبان نے اپنی شرح منظومہ میں اختیار کیا ہے۔(ت)

رہا یہ کہ جب نہ مقتدی ہٹے نہ امام بڑھے نہ وہ ذی علم ہو کہ یہ کھینچ سکے یا مثلاً امام قعدہ اخیرہ میں ہو جہاں ان باتوں کا محل ہی نہیں تو ایسی صورت میں اس آنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اگرامام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اس کے بائیں ہاتھ پر یہ مل جائے کہ امام کے برابر دو مقتدیوں کا ہونا صرف خلاف اولٰی ہے۔

قال الشامی الظاھران ھذا اذا لم یکن فی القعدۃ الاخیرۃ والا اقتدی الثالث عن یسارالامام ولا تقدم ولاتاخر [4]۔	امام شامی نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ قعدہ اخیرہ میں نہ ہو ورنہ (یعنی اگر قعدہ اخیرہ میں ہو) تو تیسرا شخص امام کے بائیں جانب اقتداء کرے، نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔(ت)

اور اگر پہلے سے دو ہیں تو یہ پیچھے شامل ہو جائے کہ امام کے برابر تین مقتدیوں کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

فی الدر لوتوسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لو اکثر [5]۔	در میں ہے اگر دو کے درمیان امام کھڑا ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔(ت)

---

[1] درمختار، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[2] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[3] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[4] ردالمحتار باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

[5] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۳

مراقی الفلاح میں ہے

جذب عالما بالحکم لایتاذی به والاقام وحدہ ھ[1] **قلت** فارشد الی القیام وحدہ صونا لصلوۃ غیرہ عن الفساد المحتمل فکیف اذا کان فیه صون صلاۃ نفسه وغیرہ جمیعا عن الخلل المتیقن الموجب للاعادۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حکم مسئلہ سے آگاہ نمازی کو کھینچ لے تاکہ اسے پریشانی نہ ہو اور اگرامام صاحب علم نہیں تو تنہا ہی کھڑا ہو جائے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) جب اس کا تنہا کھڑا ہونا اس لئے بہتر ہے تاکہ فساد محتمل سے دوسرے کی نماز بچائی جاسکے تو اس وقت تنہا کھڑا ہونا کیوں نہ بہتر ہوگا جب اپنی اور دوسرے دونوں کی نماز ایسے خلل یقینی سے بچائی جارہی ہو جو اعادہ کا موجب ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

اَلْقِلَادَۃُ الْمُرَصَّعَۃُ فِیْ نَحْرِ الْاَجْوِبَۃِ الْاَرْبَعَۃِ ۱۳۱۲ھ

(چار جوابوں کے مقابلہ میں پرویا ہوا ہار)

(مولوی اشرف علی تھانوی کے چار [۴] فتووں کا رَدِّ بلیغ)

مسئلہ ۸۶۲ : از کان پور بازار میدہ دکان نور بخش و محمد سلیم مرسلہ مولوی محمد شفیع الدین صاحب نگینوی تلمیذ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری ۱۶صفر ۱۳۱۲ھ

بخدمت مجمع کمالات عقلیہ ونقلیہ جناب احمد رضاخاں صاحب دامت افضالہم السلام علیکم، ایک استفتاخدمت شریف میں ارسال ہے پہلا جواب مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا تھا دوسرا جواب مولوی قاسم علی مرادآبادی نے لکھا ہے چونکہ دونوں جوابوں میں تخالف ہے لہٰذا ارسال خدمت شریف میں کیا گیا ہے جو جواب صحیح ہو اس کو مہرودستخط سے مزین فرمائیں، اگر دونوں جواب خلاف تحقیق ہیں تو جناب علیحدہ جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں ما جوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء رحمکم اللہ تعالٰی! تمہارا جواب اس سلسلہ میں کیا ہے؟۔ت) ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنے ایک پیر سے معذور ہے چونکہ اس کو شب کو دوبارہ مسجد میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ شخص مسجد میں قبل اذان وجماعت کے اپنی نماز عشاء ہمراہ ایک شخص کے اقامت کہہ کر پڑھ لیتا ہے پس شخص مذکور کو جماعت کا ثواب ہوگا یانہ۔ اور جو جماعت مع اذان کے بعد کو ہوگی اس میں کچھ کراہت ہوگی یانہ؟

(۲) ہمراہ شخص مذکور کے جو نماز پڑھتا ہے تو بعد والی جماعت بسبب فوت ہونے تہجد کے ترک کرتا ہے جائز ہے یانہ؟

(۳) ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعت اولٰی ترک ہوجاتی ہے اور عذر اس کا خوف فوت تہجد ہے جائز ہے یانہ؟

(۴) چند شخصوں کو کوئی ضرورت درپیش ہے وہ چند شخص قبل اذان وجماعت اپنی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھیں جائز ہے یانہ؟ **بینوا توجروا**

جواب کان پور:

جواب سوال اول: نفس جماعت کاثواب ملے گا مگر جماعت اولٰی کی فضیلت سے محروم رہے گا، جماعت اولٰی وہی ہوگی جو اذان واقامت سے اس کے بعد ہوگی اور اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

جواب سوال دوم: خوف فوت تہجد ترک جماعت اولٰی میں عذر نہیں ہے۔

جواب سوال سوم: یہ عذر ترک جماعت ظہر نہیں ہوسکتا۔

جواب سوال چہارم: ضرورت شدیدہ میں ترک جماعت اولٰی جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ

اشرف ۱۳۰۰ علی از گروہ اولیا

جواب مرادآباد:

جواب سوال اول: کایہ ہے کہ شخص مندرجہ سوال کاجماعت کرنا مکروہ تحریمہ ہے ثواب جماعت اصلًا نہ ہوگا اس لئے کہ اولًا تومعذور ہے جماعت ساقط ہے بلکہ بلاجماعت امید حصول ثواب بوجہ معذوری کے ہے۔

کما فی الھندیۃ وتسقط الجماعۃ بالاعذار حتی لاتجب علی المریض والمقعد والزمن ومقطوع الید والرجل من خلاف والمفلوج الذی لایستطیع المشی و الشیخ الکبیر العاجز اوکان قیما لمریض اویخاف ضیاع مالہ[1] انتھی ملخصا۔	جیسا کہ ہندیہ میں ہے عذر کی وجہ سے جماعت ساقط ہوجاتی ہے حتی کہ مریض، بیٹھ کر چلنے والے، لُولے اور جس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت کٹے ہوئے ہوں، ایسا فالج زدہ جو چلنے کی طاقت نہ رکھتاہو، نہایت ہی عاجز بوڑھا یاوہ شخص کسی بیمار کانگہبان ہو یااسے اپنے مال کے ضیاع کاخطرہ ہو مذکور سب افراد پر جماعت واجب نہیں ہے **انتھی ملخصا** (ت)

ومع ھذا (اور اس کے باوجود۔ت) اس شخص کابغیر اذان واقامت کے جماعت کرنا علی الخصوص ایسے شخص کے ساتھ کہ وہ شرعًا معذور نہیں ہے موجب کراہت تحریمہ کا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

لکھاہے:

ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیراذان واقامۃ[1]۔	مسجد میں فرض نماز بغیر اذان و قامت باجماعت اداکرنامکروہ ہے۔(ت)

ونیز درانست (نیزاسی میں ہے۔ت)

الاذان سنۃ لاداء المکتوبۃ بالجماعۃ وقیل انہ واجب، الصحیح انہ سنۃ مؤکدۃ[2]۔	باجماعت فرض نماز کی ادائیگی کے لئے اذان سنت ہےاور بعض نے اسے واجب کہاہے صحیح یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

پس حصول ثواب نفس جماعت کہاں بلکہ بوجہ ترک سنّت مؤکدہ کے موجب معصیت ہے۔

کماقال العلامۃ الشامی صرح العلامۃ ابن نجیم فی رسالتہ المؤلفۃ فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر[3] وصرح ایضا بانھم شرطوا لاسقاط العدالۃ بالصغیرۃ الادمان[4] علیھا۔	جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا علامہ ابن نجیم نے اپنے اس رسالہ میں جو انہوں نے بیان معاصی میں تحریر کیاہے فرمایا: ہر مکروہ تحریمی صغائر میں سے ہے، اور یہ بھی صریح کی ہے کہ اہل علم نے صغیرہ کے سبب اسقاط عدالت کے لئے اس پر ہیشگی کو شرط قرار دیاہے۔(ت)

اور جو جماعت بعد کو مع اذان ہوگی وہ بلا کراہت ہوگی کمامر (جیساکہ گزرا۔ت) فقط

جواب سوال دویم: کایہ ہے کہ جواب سوال اول سے بخوبی مبرہن ہوگیاکہ شرعًا یہ جماعت مکروہ تحریمہ ہے پس دوسرے شخص کااس معذور کے ساتھ قبل اذان کے بخوف فوت نماز تہجد کے نماز پڑھناترک کرنا جماعت کاہےاور ترک جماعت کہ سنت مؤکدہ قریب واجب کے ہے واسطے ادائے صلٰوۃ تہجد کے کہ مستحب ہے درست نہیں اس واسطے کہ ترک سنت معصیت ہے برخلاف امر مندوب کہ وہ معصیت نہیں، درمختار میں لکھاہے:

ومن المندوبات رکعتا السفر والقدوم منہ	سفر پر جانے اوراس سے واپسی پر دو۲ رکعت اور

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃواحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃواحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۳
[3] ردالمحتار مطلب المکروہ تجزی من الصفائر الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۳۳
[4] ردالمحتار مطلب المکروہ تجزی من الصفائر الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۳۳

وصلوۃ اللیل[1]۔	رات کی نماز مندوبات سے ہے۔(ت)

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی البحر الذی یظھر من کلام اھل المذہب ان الاثم منوط بترك الواجب اوالسنۃ المؤکدۃ علی الصحیح لتصریحھم بان من ترك سنن الصلوات لخمس قیل لایأثم والصحیح انہ یأثم وتصریحھم بالاثم لمن ترك الجماعۃ مع انھا سنۃ مؤکدۃ علی الصحیح[2]۔ فقط	بحر میں ہے کہ اہل مذہب کے کلام سے یہ ظاہر ہورہاہے کہ صحیح مذہب پر گناہ تب ہوگا جب ترک واجب یاترک سنت سنت مؤکدہ ہو کیونکہ علماء کی تصریح ہے جو شخص صلوات خمسہ کی سنن ترک کردے ایک قول کے مطابق گنہگار نہ ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ گنہگار ہوگااور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جماعت کاترک گناہ ہے حالانکہ وہ صحیح قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

جواب سوال سوم: بہتر یہ ہے کہ بخوف فوت تہجد کے اس قدر قیلولہ نہ کرے کہ جو موجب ترک فضیلت جماعت اولٰی کاہووے ولہذا اگر کرے توجائز ہے بشرطیکہ جماعت ترک نہ ہوجائے کہ جماعت ثانیہ ہووے اس لئے کہ ہمارے اساتذہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک قول محقق یہی ہے کہ جماعت ثانیہ بلاکراہت درست ہے اور مساوی ہے ثواب میں نفس جماعت اولٰی کے، اور جماعت اولٰی، اولی ہے، چنانچہ میرے استاد کامل ومحدث والد ماجد قدس سرہ، کااثبات جماعت ثانیہ کے بارہ میں ایک رسالہ مبسوط ہے **من شاء فلیطلع علیھا** (جو شخص تفصیل چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ت) بناءً علیہ واسطے ادائے نماز تہجد کے کہ اعلٰی درجہ کی مستحب ہے اس قدر قیلولہ کرناکہ جس سے جماعت اولٰی ترک ہوجائے نہ مطلق جماعت بلاشبہ جائز ہے اس لئے کہ فضیلت جماعت کی مساوی فضیلت تہجد کے نہیں ہے بلکہ کمتر ہے **من شاء فلیطالع الاحادیث المرویۃ فی ھذاالباب من الصحاح والحسان** (جو شخص تفصیل چاہتا ہے وہ ان احادیث صحیحہ اور حسان کامطالعہ کرے جواس مسئلہ کے بارے میں مروی ہیں۔ت) فقط۔

جواب سوال چہارم: بحالت عذر شرعی کے بھی قبل اذان کے مسجد میں جماعت کرنااشخاص مندرجہ سوال کادرست نہیں مکروہ ہے البتہ بعد اذان کے درست ہے

کما فی الھندیۃ ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیر اذان واقامۃ[3]۔	جیساکہ ہندیہ میں ہے مسجد میں اذان واقامت کے بغیر فرض نماز کی جماعت مکروہ ہے۔(ت)

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۹۶/۱
[2] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۷۷/۱
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۴/۱

یہی حکم صور مسؤلہ کا کہ تحریر ہوا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمأب فقط حررہ العبد المفتقر الی اللہ الغنی محمد قاسم علی عفی عنہ

قاسم علی خلف ۱۲۹۶ مولٰنا محمد عالم

الجواب الصحیح و المجیب نجیح بینظیر من ۱۳۰۱ھ شگفتہ محمد گل

الجواب:

اللّٰھم ھدایة الحق والصواب

(اے اللہ ! حق اور صواب کی ہدایت عطافرما)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o الحمدللہ الذی یدہ علی الجماعة والصلٰوۃ والسلام علی صاحب الشفاعة وألہٖ وصحبه اولی البراعة وسائر اھل السنة والجماعة۔	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحمت والا اور مہربان ہے، تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس کا مبارک ہاتھ جماعت پر ہے اور صلٰوۃ وسلام اس ذات اقدس پر ہو جو صاحب شفاعت ہے اور آپ کی آل اور اصحاب پر جو صاحب فضیلت ہیں، اور تمام اہل سنت وجماعت پر۔(ت)

جواب سوال اوّل وچہارم: ہاں فعل مذکور مکروہ ومحظور ہے نہ اس وجہ سے کہ معذور سے جماعت ساقط یا اسے بے جماعت ثواب ثابت کہ: **اولاً** ساقط وجوب ہے نہ جواز بلکہ جماعت افضل اور عزیمت،

وفی ردالمحتار قوله من غیر حرج قید لکونھا سنّة مؤکدة اوواجبة فبالحرج یرتفع الاثم ویرخص فی ترکھا ولکنه یفوته الافضل[1] الخ۔	ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول من غیر حرج قید ہے اس بات کی کہ جماعت سنت مؤکدہ یاواجب ہے اور حرج کی وجہ سے گناہ ختم، اور جماعت کے ترک میں رخصت ہوگی البتہ وہ افضل کو فوت کردے گاالخ(ت)

ثانیاً نہ بے جماعت ثواب مانع جماعت فشتان مابین الحکم والحقیقة (حکم اور حقیقت میں نہایت ہی فرق ہے۔ت) سورۂ اخلاص ثلث قرآن عظیم کے برابر ہے کیا تین بار اسے پڑھنے والا ختم قرآن سے ممنوع ہوگا (نماز مع) جماعت عشاء قیام نصف شب اور مع جماعت فجر قیام تمام لیل کے مساوی ہے کیا یہ نمازیں جماعت سے پڑھنے والا احیائے لیل سے بازرکھا جائے گا، شرع میں اس کی نظائر ہزار دوہزار ہیں۔

[1] ردالمحتار مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۰

| فی الحدیث المتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل ھواللہ احد تعدل ثلث القرآن [1] اخرجه مالك واحمد و البخاری و ابو داؤد و نسائی عن ابی سعید الخدری و البخاری عن قتادۃ بن النعمان و احمد ومسلم عن ابی الدرداء ومالك واحمد ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ہریرۃ واحمد والترمذی وحسنه والنسائی عن ابی ھریرۃ واحمد والترمذی وحسنه والنسائی عن ابی ایوب الانصاری واحمد والنسائی والضیاء فی المختارۃ عن ابی بن کعب والترمذی وحسنه عن انس بن مالك واحمد وابن ماجۃ عن ابی مسعود البدری،وفی الباب عن عـــہ۱ عبداللہ بن مسعود وعبداللہ عـــہ۲ بن عمرو ومعاذ عـــہ۳ بن جبل و جابر عـــہ۴ بن عبداللہ وعبداللہ عـــہ۵ بن عباس و ام عـــہ۶ کلثوم بنت عقبۃ وغیرھم عـــہ۷ | نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر روایت میں ہے سورہ اخلاص "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت قرآن کی تہائی کے برابر ہے۔اسے امام مالک، احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ بخاری نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛مالک،احمد، مسلم،ترمذی، نسائی،ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛احمد و ترمذی اور انہوں نے اس روایت کو حسن قرار دیا؛ اور نسائی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد، نسائی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ ترمذی نے اسے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو، |

عـــہ۱ رواہ عنه الطبرانی فی الکبیر ۱۲ منه

(اس کو ان سے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیاہے۔ت)

عـــہ۲ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ ۱۲منه

اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیاہے۔(ت)

عـــہ۳ الطبرانی فی الکبیر ۱۲منه

(اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیاہے۔ت)

عـــہ۴ البزار ۱۲ منه

(اس کو بزار نے روایت کیاہے۔ت)

عـــہ۵ ابوعبیدہ ۱۲منه

(اس کو ابوعبیدہ نے روایت کیاہے۔ت)

عـــہ۶ الامام احمد ۱۲منه

(اس کو امام احمد نے روایت کیاہے۔ت)

عـــہ۷ رواہ البیہقی فی السنن عن رجاء الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنه فھؤلاء خمسۃ عشر صحابیا ۱۲منه

اس کو بیہقی نے سنن کبرٰی میں رجاء غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے یہ پندرہ کے پندرہ صحابی ہیں (لہذا حدیث متواتر ہوئی) ۱۲منہ غفرلہ

[1] صحیح البخاری باب فضل قل ھواللہ احد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۵۰

رضی اللہ تعالٰی عنھم، مالك واحمد ومسلم عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من صلی العشاء فی جماعة فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعة فکانما صلی اللیل کله[1]۔	معاذ بن جبل، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، ام کلثوم بنت عقبہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔ مالک، احمد اور مسلم نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی گویا اس نے تمام رات قیام کیا (ت)

ثالثاً ایسی حالت میں بے ادائے جماعت ثواب جماعت ملنا ثابت۔

قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر و العلامة ابراھیم الحلبی فی الغنیة فی مسألة الاعمی وقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم له ماأجدلك رخصة معناه لااجد لك رخصة تحصل لك فضیلة الجماعة من غیرحضورھا لاالایجاب علی الاعمی لانه علیه الصلٰوة والسلام رخص لعتبان بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه علی مافی الصحیحین[2]۔ **تنبیه اقول:** استشھادنا انما ھو بھما افادامن عدم حصول الفضیلة ولولمعذور بدون الحضور وفیه	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں مسئلہ اعمٰی کے تحت یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نابینا کو فرمانا کہ "میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا" اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے لئے جماعت کی فضیلت وثواب بغیر حاضری جماعت کے نہیں پاتا اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے حاضری جماعت کے نابینا پر لازم فرمائی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے دوسرے صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسی عذر کی بنا پر جماعت سے رخصت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں موجود ہے (ت) **تنبیہ اقول:** (میں کہتا ہوں) ہمارا استشہاد ودلیل ان دونوں بزرگوں کے اس افادہ سے ہے کہ فضیلت جماعت حاضری کے بغیر حاصل نہ ہوگی

---

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۲۳۲/۱

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی ص ۵۱۰

ایضاً تفصیل یعلم بالرجوع الی المراقی وغیرھا اما کون معی الحدیث ھذا فعندی محل نظر یعرفہ من جمع طرق الحدیث ففی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل اعمی فقال یارسول اللہ انہ لیس لی قائدیقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یرخص لہ فیصلی فی بیتہ فرخص فلما ولی دعاہ فقال ھل تسمع النداء بالصلاۃ فقال نعم قال فاجب[1] واخرجہ السراج فی مسندہ مبینافقال اتی ابن ام مکتوم الاعمی[2] الحدیث وعند الحاکم عن ابن ام مکتوم قلت یارسول اللہ ان المدینۃ کثیرۃ الھوام والسباع قال اتسمع حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح قال نعم فحی ھلا[3] وعند احمد وابن خزیمۃ	خواہ وہ شخص معذور ہی کیوں نہ ہو، اور اس میں بھی تفصیل ہے جس کے جاننے کیلئے مراقی وغیرہ کی طرف رجوع ضروری ہے، باقی حدیث کا یہ معنی کرنا میرے نزدیک محل نظر ہے جس کی معرفت حدیث کے طرق کو جمع کرنے سے ہوگی۔ تو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی مسجد میں لانے والا نہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چاہا کہ آپ اسے اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ گھر میں نماز ادا کرلے، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، جب وہ لوٹے تو آپ نے دوبارہ بلایا اور پوچھا: کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کا جواب دو (یعنی باجماعت نماز پڑھو) اور اسے سراج نے مسند میں تفصیلاً بیان کرتے ہوئے اس صحابی کا نام لیا کہ آپ کی خدمت میں حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے الحدیث۔ حاکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مدینہ طیبہ میں بہت سے کاٹنے والے کیڑے اور درندے ہیں، فرمایا: تم حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح سنتے ہو؟ عرض کیا ہاں۔

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲
[2] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ السراج فی مسندہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۳
[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۷

والحاکم عنه بسند جید ایسعنی ان اصلی فی بیتی قال اتسمع الاقامة قال نعم قال فأتها[1] وفی اخری قال فاحضرها[2] ولم یرخص له ۔ و للبیهقی عنه سأله ان یرخص له فی صلاة العشاء والفجر قال هل تسمع الاذان قال نعم مرة اومرتین فلم یرخص له فی ذلک[3] وله عن کعب بن عجرة جاء رجل ضریر الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیه ایبلغك النداء قال نعم قال فاذا سمعت فاجب[4] ولاحمد وابی یعلی والطبرانی فی الاوسط و ابن حبان عن جابر واللفظ له قال اتسمع الاذان قال نعم قال فأتها ولو حبوا[5] فکان ذلك فیما نری والله تعالٰی اعلم انه رضی	فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ مسند احمد، ابن خزیمہ اور حاکم نے انہی سے سند جید کے ساتھ نقل کیا کہ میں نے عرض کیا کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں گھر میں نماز ادا کرلوں ؟ فرمایا: کیا اقامت سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ دوسری روایت میں ہے: اس میں حاضری دو توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے رخصت نہ دی۔ بیہقی نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی روایت کیاکہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بات کی رخصت چاہی کہ ان کو عشاء اور فجر کی نماز میں جماعت سے رخصت دے دیں۔ فرمایا: کیا تم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ایک یادودفعہ پوچھاآپ نے انہیں اس بارے میں رخصت نہ دی۔ بیہقی میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ ایک نابینا شخص رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اسی میں ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تجھے اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ بتایا : جب تو سنتاہے تو جواب دے (یعنی جماعت میں حاضری دے) مسند، ابویعلی، طبرانی کی اوسط میں اور

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عمر بن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۲۳
[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۷
[3] مجمع الزوائد باب فی ترک الجماعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۴۳
[4] مجمع الزوائد باب فی ترک الجماعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۴۲
ف: یہ دونوں حوالے مجمع سے اس لئے نقل کئے کہ سنن بیہقی اور شعب الایمان للبیہقی سے نہیں ملے، ہوسکتا ہے یہ لفظ للبیہقی کی بجائے للطبرانی ہو کیونکہ مجمع نے طبرانی اوسط کے حوالے سے یہ دونوں حدیثیں نقل کی ہیں۔ نذیر احمد سعیدی
[5] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان باب فرض الجماعۃ والاعذار الخ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۲۵۲

اللہ تعالٰی عنہ لم یکن یشق علیہ المشی وکان یھتدی الی الطریق من دون حرج کمایشاھد الآن فی کثیر من العمیان ثم راجعت الزرقانی علی المؤطا فرأیتہ نص علی ذلك نقلا فقال و حملہ العلماء علی انہ کان لایشق علیہ المشی وحدہ ککثیر من العمیان[1] اہ وحٍ یترجح بحث العلامۃ الشامی حیث بحث ایجاب الجمعۃ علی امثال ھؤلاء ، فقال بل یظھر لی وجوبھا علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلاقائد ولاکلفۃ ویعرف ای مسجد ارادہ بلاسؤال احد لانہ حینئذ کالمریض القادر علی الخروج بنفسہ بل ربما تلحقہ مشقۃ اکثر من ھذا تامل[2] ھ ثم رأیت الامام النووی نقل فی شرح مسلم ماذکر المحققان من معنی الرخصۃ عن الجمھور فقال اجاب الجمھور عنہ بانہ سأل

ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی الفاظ ابن حبان کے ہیں کیا تم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کی طرف آؤ خواہ گھٹنوں کے بل آنا پڑے،اس سلسلہ میں ہماری رائے یہی ہے، حقیقت حال سے اللہ ہی آگاہ ہے کہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چلنا دشوار نہ تھا اور وہ بغیر کسی حرج کے راستہ پالیتے تھے جیسا کہ اب بھی بہت سے نابینا لوگوں میں یہ مشاہدہ کیا جاتا ہے پھر میں نے زرقانی علی المؤطا کا مطالعہ کیا تو اس میں بعینہٖ یہی بات منقول تھی کہ تمام اہل علم کی یہی رائے ہے کہ ان پر تنہا چلنے میں دشواری نہ تھی جیسا کہ اب بھی بہت نابینا افراد پر تنہا چلنا دشوار نہیں ہے اھ اور اب علامہ شامی کی وہ بحث بھی ترجیح پائے گی جو انہوں نے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب قرار دیتے ہوئے کی ہے تو کہا بلکہ مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ایسے نابینا لوگوں پر جمعہ واجب ہوگا جو بغیر کسی قائد اور بلامشقت تنہا راستہ جان کر چل سکتے ہوں اور اس مسجد تک بغیر پوچھے پہنچ سکتے ہوں جہاں انہوں نے نماز ادا کرنی ہو کیونکہ یہ اس وقت اس مریض کی طرح ہوں گے جو خود بخود نکلنے پر قادر ہو بلکہ بعض اوقات مریض کو اس سے کہیں زیادہ مشقت اٹھانا ہوتی ہے تامل اھ پھر میں نے امام نووی کی شرح مسلم دیکھی اس میں انہوں نے دونوں محققین کا جمہور سے معنی رخصت ذکر کیا ہوا نقل کرکے فرمایا جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا فصل صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۲

هل له رخصة ان یصلی فی بیته و تحصل له فضیلة الجماعة بسبب عذره فقیل لا قال ویؤید هذا ان حضور الجماعة یسقط بالعذر باجماع المسلمین ودلیله من السنة حدیث عتبان بن مالک[1] الخ۔	ابن مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ مجھے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے اور عذر کی بناپر حاضر نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو، تو اس کا جواب نفی میں آیا امام نووی نے فرمایا اس گفتگو سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عذر کی بناپر حاضری جماعت کے سقوط پر تمام اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل سنت سے وہ حدیث ہے جو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس بارے میں مروی ہے، الخ (ت)
اقول: وقد علمت مافی هذا التائید فان الشان فی ثبوت الحرج له رضی الله تعالٰی عنه و لعل عتبان کان ممن یتحرج بالمشی وحده دون ابن ام مکتوم رضی الله تعالٰی عنهما، ثم ان الامام النووی استشعر ورود قوله صلی الله علیه وسلم فاجب فاجاب باحتمام انه بوحی نزل فی الحال وباحتمال تغیر اجتهاده صلی الله تعالٰی علیه وسلم وبان الترخیص کان بمعنی عدم الوجوب وقوله فاجب ندب الی الافضل۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس تائید میں جوکچھ ہے وہ آپ جان چکے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ابن مکتوم کے لئے حرج ثابت ہو، شاید حضرت عتبان رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تنہا چلنا دشوار ہو بخلاف ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ان کے لئے ایسا معاملہ نہ تھا، پھر امام نووی نے حضور علیہ السلام کے ارشاد "فاجب" کے ورود سے یہ بات سمجھی تو جواب احتمال سے دیا کہ ممکن ہے یہ حکم اسی حال میں وحی نازل ہونے کے ساتھ دیا اور بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اجتہاد میں تبدیلی ہوئی ہو، یہ بھی ہوسکتاہے کہ رخصت بمعنی عدم وجوب ہو اور آپ کا ارشاد فاجب افضل کی طرف متوجہ کررہاہو۔

[1] شرح مسلم للنووی مع مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

اقول: اما الاولان فتسلیم للقول واما حمل فاجب علی الندب فخلاف الظاهر لاسیما مع بنائه علی سماع الاذان فان الندب حاصل مطلقا فافهم والله تعالٰی اعلم۔	اقول: (میں کہتا ہوں) پہلے دونوں احتمال قول کی وجہ سے تسلیم مگر فاجب کو ندب پر محمول کرنا خلاف ظاہر خصوصًا جب اس کی بنا اذان کے سماع پر ہو کیونکہ ندب تو ہر حال میں حاصل تھا، فافهم والله تعالٰی اعلم (ت)

رابعا: سب سے قطع نظر کیجئے تو پاؤں کا عذر عذر فی الحضور ہے نہ عذر للحاضر کالمطر والطین وامثالهما بلکہ وجہ اولٰی وہی اتیان جماعت بے اذان کہ در باب استنان موکد اذان اگرچہ مواہب الرحمان و مراقی الفلاح ورد المحتار کے اطلاقات بہت وسیع ہیں

ویعارضها کثیر من روایات المبسوط والمحیط والخانیة والخلاصة والبزازیة والهندیة وغیرها من المعتبرات حتی نفس ردالمحتار ومشروحه الدرالمختار کما بیناه فیما علقناه علی هامشه۔	مبسوط، محیط، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، ہندیہ اور دیگر معتبر کتب کی اکثر روایات اس کے معارض ہیں حتی کہ خود ردالمحتار اور اس کا متن درمختار میں بھی معارض ہیں جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ (ت)

مگر اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نماز پنجگانہ عـــہ۱ سے جو نماز وقتی رجال احرار غیر عُراۃ مسجد میں باجماعت ادا کریں اس کے لئے سوا بعض صور مستثناۃ عـــہ۲ کے وقت میں اذان کا پہلے ہولینا سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے اور بے اس کے

عـــہ۱ دخلت الجمعة وخرجت صلٰوۃ العیدین والکسوف والجنازة والاستسقاء وغیرها والفوائت وجماعة النساء والصبیان و العبید والعراة وجماعة البیوت والصحراء ومستند کل ذلك مذکور فیما علقناه علی ردالمحتار ۱۲ منه غفرله (م)	اس میں جمعہ داخل اور عیدین، کسوف، جنازہ اور استسقاء وغیرہ اور قضا اور جماعت خواتین، بچوں، غلاموں، ننگوں اور گھریلو جماعت اور جنگل کی جماعت اس سے خارج ہے اور ہر ایک پر دلیل ہم نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـــہ۲ مثلاً جمعہ کے دن شہر یا قصبہ میں جو معذور ظہر پڑھیں انہیں اذان کی اجازت نہیں اگرچہ جماعت کریں کہ انہیں جماعت کرنا بھی جائز نہیں، موسم حج میں عصر، عرفہ وعشائے مزدلفہ کے لئے تکبیر ہوتی ہے نہ اذان (باقی برصفحہ آئندہ)

جماعت کرلینا مکروہ وگناہ یہاں تک کہ یہ جماعت شرعًا اصلاً معتبر نہیں اس کے بعد جو جماعت باذان واقامت ہوگی وہی پہلی جماعت ہوگی، بلکہ علماء فرماتے ہیں اگر کچھ لوگوں نے آہستہ اذان دے کر جماعت کرلی کہ آوازِ اذان اوروں کو نہ پہنچی تو ایسی جماعت بھی داخل شمار واعتبار نہیں نہ کہ جب سرے سے اذان دی ہی نہ جائے، وجیز امام کروری میں ہے:

ویکرہ للرجال اداء الصلٰوۃ بجماعۃ فی مسجد بلااعلامین لا فی المفازۃ والکروم والبیوت[1] الخ **اقول:** قولہ بلااعلامین ای بدون الجمع بینھما فنافی الکراھۃ ھوالایتان بھما لاباحدھما بدلیل قولہ لا فی المفازۃ الخ فان ترك اعلام الشروع مکروہ مطلقا ولوفی المفازۃ وقد نص علی الاساءۃ فی ترکھما۔	مردوں کے لئے مسجد میں فرائض کی جماعت اذان واقامت کے بغیر مکروہ ہے، جنگل، گھنے باغوں اور گھروں میں مکروہ نہیں الخ (ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) اس کا قول "بلااعلامین" یعنی اذان واقامت کو جمع کئے بغیر لہذا منافی کراہت دونوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنا ہے نہ صرف ایک کے ساتھ اس کا قول لا فی المفازۃ الخ اس پر دلیل ہے کیونکہ جماعت کے ساتھ اذان کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ جنگل میں ہو اور ان دونوں کے ترک پر اساءت کی تصریح ہے (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما فی الھندیۃ عن الخانیۃ ولاحاجۃ ھھنا الٰی استثناء فوائت تودی فی المسجد کما فعل الشامی ولاماوراء اول فوائت ولوادیت فی غیرالمسجد کمازدناہ علیہ لان الکلام ھھنا فی الاداء ۱۲منہ غفرلہ (م)

ہندیہ میں خانیہ کے حوالے سے یوں ہی ہے اور ان فوت شدہ نمازوں کے استثناء کی ضرورت نہیں جو مسجد میں ادا کی جائیں جیسا کہ شامی نے کیاہے اور نہ ہی ماورائے اول کے فوت شدہ کااستثناء ضروری ہے اگرچہ وہ غیر مسجد میں ادا کی جائیں جیساکہ ہم نے اس پر اضافہ کیاہے کیونکہ یہاں گفتگو ادامیں ہورہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلٰوۃ فصل الاول فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲۴/۴

درر وغرر علامہ مولی خسرو میں ہے:

(یأتی بھما) ای الاذان والاقامة (المسافر والمصلی فی المسجد جماعة و فی بیته بمصر وکرہ للاول) ای المسافر (ترکھا) ای الاقامة (وللثانی) ای للمصلی فی المسجد (ترکه) ای الاذان (ایضا) ای کالاقامه[1]۔	(ان دونوں کو بجالائے) یعنی اذان واقامت کے ساتھ (مسافر اور نمازی مسجد میں جماعت کے لئے اور شہر میں گھر پر نماز ادا کرنے والا،اور پہلے کے لئے مکروہ ہے) یعنی مسافر کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی تکبیر کا (اور دوسرے کے لئے) یعنی مسجد میں نماز ادا کرنے والے کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی اذان کا (بھی) یعنی اقامت کی طرح مکروہ ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوصلی بعض اھل المسجد باقامة وجماعة ث دخل المؤذن والامام وبقیة الجماعة فالجماعة المستحبة لھم والکراھة للاولی کذا فی المضمرات[2]۔	اگر کچھ اہل مسجد نے اقامت اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلی پھر مؤذن، امام اور باقی لوگ آئے تو ان کی جماعت مستحب ہے، پہلی جماعت مکروہ ہوگی، مضمرات میں اسی طرح ہے۔(ت)

یہ خاص جزئیہ مسئلہ مسئولہ ہے خلاصہ وخانیہ وہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للامام البخاری جماعة من اھل المسجد اذنودی فی المسجد علی وجه المخافة بحیث لم یسمع غیرھم ثم حضر من اھل المسجد قوم وعلموا فلھم ان یصلوا بالجماعة علی وجھھا ولاعبرة للجماعة الاولی[3] اھ	الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ جماعت کے لئے اہل مسجد میں سے ایک گروہ نے مسجد میں اتنی آہستہ اذان دی کہ ان کے غیر نے نہ سنی پھر دیگر لوگ آئے اور ان کو علم ہوا تو ان لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ سنت طریقہ پر جماعت کروائیں پہلی جماعت کا کوئی اعتبار نہیں اھ (ت)

پس اس معذور اور اس کے شریک اور ان ضرورت والوں کا یہ فعل جماعت مسنونہ معتبرۂ شرعیہ نہیں بلکہ

---

[1] الدر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الاذان مطبوعہ مطبع احمد کامل لاکائنہ فی دار السعادت مصر ۱/۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول من باب الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی ، الفصل فی الاول فی الاذان ، مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ، ۱/۴۸

مکروہ ممنوعہ ہے اور جو جماعت باذان واقامت اس کے بعد ہوگی اس میں کچھ کراہت نہ ہوگی بلکہ وہی جماعت مسنونہ وجماعت اولٰی ہے۔

ثانیاً جب یہ جماعت جماعت نہیں تو دقیق نظر حاکم کہ ان کا یہ فعل بعد دخول وقت مسجد سے بے نیت شہود جماعت باہر جانا ہوا یہ بھی مکروہ اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد:

ابن ماجۃ عـہ عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ	ابن ماجہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ

عـہ سندہ ضعیف واقتصرنا علیہ تبعا للبحر وغیرہ وقد ثبت بسند صحیح من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لکن فیہ تخصیص مسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایسمع النداء فی مسجدی ھذا ثم یخرج منہ الا لحاجۃ ثم لایرجع الیہ الامنافق[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط ولابی داؤد فی مراسیلہ عن سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایخرج من المسجد احد بعد النداء الامنافق الااحد اخرجتہ حاجۃ وھو یرید الرجوع[2] ۱۲منہ غفرلہ (م)

اس کی سند ضعیف ہے ہم نے بحر وغیرہ کی اتباع میں اسی پر اقتصار کیا ہے حالانکہ سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ثابت ہے لیکن اس میں مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تخصیص ہے، کہا، رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں کوئی شخص اذان نہیں سنتا، پھر کسی ضرورت کے بغیر مسجد سے نکل جاتا ہے اور واپس مسجد کی طرف نہیں آتا مگر یہ کہ وہ منافق ہے اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں ذکر کیا اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذان کے بعد مسجد سے منافق کے علاوہ کوئی نہیں نکلتا مگر عذر کی وجہ سے، جب کوئی حاجت وضرورت اس شخص کو نکالے اور وہ شخص واپسی کا ارادہ رکھتا ہو تو منافق نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن خرج من المسجد بعد الاذان مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۵

[2] کتاب المراسیل باب ماجاء فی الاذان مطبوعہ مطبعۃ علمیہ لاہور ص ۳۴

علیہ وسلم من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج، لم یخرج لحاجۃ وھو لایرید الرجعۃ فھو منافق[1]۔	تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان کو مسجد میں پایا پھر وہاں سے نکل گیا حالانکہ اسے نکلنے کی کوئی حاجت بھی نہ تھی اور واپسی کاارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کرہ تحریما للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیہ اولا[2]۔	مکروہ تحریمی ہے سبب ممانعت کے نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہو گئی ہو، شارح نے کہا ماتن اکثر پر چلا ہے (یعنی اکثر یہی ہوتا ہے کہ اذان کا وقت ہونے پر اذان ہو جاتی ہے) اور مراد اذان ہونے سے وقت نماز کا آجانا ہے خواہ مسجد میں اذان ہوئی ہو یانہ۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

الظاھر من الخروج من غیرصلاۃ عدم الصلوۃ مع الجماعۃ[3] الخ **اقول:** وظاھر ان المراد بالجماعۃ ھی الجماعۃ المسنونۃ المشروعۃ دون المکروھۃ الممنوعۃ فان النھی عن الخروج انما ھو لطلب الجماعۃ فلایتناول الا الجماعۃ المطلوبۃ شرعا کیف وقد تقدم ان الجماعۃ بلا اذان کلا جماعۃ فلا یعتدبھا اصلا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم	نماز کے بغیر نکلنے سے ظاہرًا مراد یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادانہ کی ہوالخ(ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) اس سے ظاہرًا مراد وہ جماعت ہے جو مسنونہ مشروعہ ہو نہ کہ وہ جو مکروہ وممنوع ہو کیونکہ نکلنے پر ممانعت وہ طلب جماعت کے واسطے ہے اور یہ حکم اسی جماعت کے لئے ہوگا جو شرعًا مطلوب ہے، یہ کیسے نہ ہو حالانکہ پہلے گزر چکاہے، کہ بغیر اذان کے جماعت ایسے ہے جیسے جماعت ہوئی ہی نہیں، پس اس کا ہر گز اعتبار نہ کیاجائے گا، اللہ تعالٰی تمام نقائص وعیوب اور کمزوریوں سے پاک ہے، وہ سب سے بہتر جانتاہے۔اس جل مجدہ،

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الاذان وَاَنْتَ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا تَخْرج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] درمختار، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۹۹/۱

[3] بحرالرائق باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۷۲/۲

واحکم۔	کا علم کامل اور اکمل ہے (ت)

جواب سوال دوم: خوف فوت تہجد نہ ترک جماعت مامور بہا کا مجوز ہوسکتا ہے نہ بعد دخول وقت بے شرکت جماعت شرعیہ مسجد سے نکل جانے کا مبیح نہ جماعت مکروہہ ممنوعہ کا داعی نہ خود اس عذر کا غالبًا کوئی محصل صحیح کیا اذان موجب فوت تہجد ہے غرض یہ بہانہ مسموع نہیں اگرچہ تہجد سنت ہی سہی کما اٰلَ الیہ کلام المحقق فی الفتح ومَالَ الیہ تلمیذہ المحقق محمد الحلبی فی الحلیۃ قائلا انہ الاشبہ (جیسا کہ اس کی طرف فتح القدیر میں کلام محقق لوٹتا ہے اور ان کے شاگرد محمد حلبی نے حلیہ میں یہ کہتے ہوئے اسی طرف رجوع کیا کہ یہی اشبہ ہے۔ت) کہ **اولًا** وہ برتقدیر سنیت بھی معارضہ جماعت کا صالح نہیں در بارہ تہجد صرف ترغیبات ہیں اور ترک جماعت پر سخت ہولناک وعیدیں کہ حکم کفر تک وارد،

علی تاویلاتہ المعروفۃ فی امثال المقام وحدیثہ عـــہ۱ عند احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسند حسن وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المختلفین عن الجماعات لو ترکتم عـــہ۲ سنۃ نبیکم لکفرتم [1]۔	اس طرح کے مقامات پر تاویلات معروفہ کے ساتھ، اور اس پر مسند احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں فرمایا اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کردی تو تم نے کفر کیا۔(ت)

اور جماعت عـــہ۳ عشا کے نہ حاضر ہونے پر گھر جلادینے کا قصد فرمانا ثابت کما [2] فی الصحیحین من

(عـــہ۱) سیأتی نصہ فی جواب السؤال الثالث ۱۲منہ (م) (عـــہ۲) ھذہ روایۃ ابی داؤد والحدیث بلفظ لضللتم عند مسلم وغیرہ ۱۲منہ (م)

اس حدیث کے الفاظ عنقریب تیسرے سوال کے جواب میں آرہے ہیں ۱۲منہ۔(ت) یہ ابوداؤد کی روایت ہے اور مسلم وغیرہ میں اس کے الفاظ "تم گمراہ ہوجاؤگے" ہیں ۱۲منہ (ت) عـــہ۳ بعض احادیث میں عشاء بعض میں فجر، بعض میں جمعہ، بعض میں مطلق جماعت وارد ہے اور سب صحیح ہیں کما فی عمدۃ القاری للامام العینی (جیسا کہ امام بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری میں ہے۔ت) یہاں ذکر عشا ہی تھا لہذا اس کی تخصیص کی ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] سنن ابی داؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۱

[2] صحیح البخاری باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰

حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الباب غیر عــہ۱ (جیسا کہ بخاری ومسلم میں اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث موجود ہیں۔ت)

ثانیًا فوت سنت آئندہ کے خوف متیقن سے فی الحال اپنے ہاتھوں سنت جلیلہ چھوڑدینے کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص مرگ فرداکے اندیشہ سے آج خودکشی کرلے۔

ثالثًا یہ کہ جاگنے میں قصدًا مکروہات ومنہیاتِ شرعیہ کاارتکاب ہوگااور تہجد نہ بھی ملاتو حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوم میں تفریط نہ رکھی۔

احمد عــہ۲ ومسلم وابوداؤد ابن حبان	احمد، مسلم، ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت

عــہ۱ فانہ حدیث مشہور ورد من حدیث عمروبن ام مکتوم عند احمد وعن اسامۃ بن زید عند ابن ماجۃ وعن انس بسند جید وعن ابن مسعود کلیھما عند الطبرانی فی الاوسط وعن جابر بن عبداللہ عند الطحاوی فی مشکل الاٰثار وقد ذکرنا احادیثھم فی رسالتنا حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ اماحدیث ابی ھریرۃ فرواہ من لایحصی من اصحاب الصحاح والسنن والمسانید والمعاجیم واللہ تعالٰی اعلم منہ (م)

کیونکہ مشہور حدیث ہے امام احمد نے حضرت عمرو ابن ام مکتوم سے، ابن ماجہ نے حضرت اسامہ بن زید سے، طبرانی نے اوسط میں حضرت انس سے سند جید کے ساتھ اور حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے، طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیاہے، ہم نے ان تمام احادیث کو اپنے رسالے "حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ" میں ذکر کیاہے، رہی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، تواسے لاتعداد اصحاب صحاح وسنن اور اصحاب مسانید ومعاجیم نے روایت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

عــہ۲ عزاہ فی الجامع الصغیر لاحمد وابن حبان قال شارحہ المناوی ورواہ ابو داؤد وغیرہ[1] اھ ولا شك انہ موجود فی صحیح مسلم منہ (م)

جامع صغیر میں اس کی نسبت امام احمد اور ابن حبان کی طرف کی ہے اس کے شارح امام مناوی نے فرمایا اس کو ان سے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہےاھ اور بلاشک یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۳۲۶/۲

عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ[1]۔	ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تفریط نیند میں نہیں بلکہ بیداری میں ہے۔(ت)
مالك فی المؤطا وابوداؤد والنسائی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال مامن امریئ تکون لہ صلاۃ بلیل یغلبہ علیہا نوم الاکتب اللہ لہ اجر صلاتہ وکان نومہ علیہ صدقۃ[2] وھو عند ابن ابی الدنیا فی کتاب التھجد بسند جید، النسائی وابن ماجۃ وخزیمۃ والبزار بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتی فراشہ وھو ینوی ان یقوم فیصلی من اللیل فغلبتہ عیناہ حتی یصبح کتب لہ ما نوی وکان نومہ صدقۃ علیہ من ربہ عزوجل[3] وھو بمعناہ عند ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ذر او	بلکہ بہ نیت تہجد سونے والے کو اگرچہ تہجد نہ پائے ثواب تہجد کا وعدہ فرمایا اور اس کی نیند کو رب العزت جل جلالہ، کی طرف سے صدقہ بتایا۔امام مالک نے مؤطا میں، ابوداؤد اور نسائی نے ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جورات کی نماز (تہجد) کی نیت رکھتا ہو اس پر نیند غالب آجائے تو اللہ تعالٰی اسے نماز کا اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوگی، یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد میں سند جیّد کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بستر پر اس نیت سے لیٹا کہ رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے گا مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی تو اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا اور اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر صدقہ ہوگی اور یہ حدیث معنًا ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر یا حضرت

[1] سنن ابوداؤد باب فی من نام عن صلوٰۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۴
[2] مؤطا امام مالک ماجاء فی صلوٰۃ اللیل مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۹۹
[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فیمن نام عن حزبہ من اللیل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھما ھکذا بالشک۔	ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح شک کے ساتھ روایت کی ہے۔(ت)

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابوحثمہ اور ان کے صاحبزادہ سلیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کو جماعت صبح میں نہ دیکھا ان کی زوجہ اور ان کی والدہ شفا رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبب پوچھا، کہا نماز شب کے سبب نیند نے غلبہ کیا نماز صبح پڑھ کر سورہے، فرمایا: مجھے جماعت صبح میں حاضر ہونا نماز تمام شب سے محبوب تر ہے۔

مالك عن ابن شھاب عن ابی بکر بن سلیمٰن بن ابی حثمة ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سلیمن ابن ابی حثمة فی صلاۃ الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الی السوق ومسکن سلیمن بین السوق والمسجد (النبوی) فمرعلی الشفاء ام سلیمٰن فقال لھا لم ارسلیمٰن فی صلوۃ الصبح فقالت انه بات یصلی فغلبته عیناہ فقال عمر لان اشھد صلاۃ الصبح فی الجماعة احب اِلَیَّ من ان اقوم لیلة [1]۔ عبدالرزاق فی مصنفه عن معمر عن الزھری عن سلیمٰن ابن ابی حثمة عن امه الشفاء بنت عبداللہ قالت دخل علی عمر وعندی رجلان نائمان تعنی زوجھا اباحثمة و ابنھا سلیمٰن فقال اما صلیا الصبح قلت لم یزالا	مالک، ابن شہاب سے وہ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سلیمان ابن ابی حثمہ کو نماز صبح میں نہ پایا آپ صبح کو جب بازار کی طرف گئے اور سلیمان کا گھر بازار اور مسجد نبوی کے درمیان تھا تو آپ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس سے گزرے اور پوچھا میں نے سلیمان کو آج نماز صبح میں نہیں پایا تو انہوں نے عرض کیا وہ رات بیدار رہے نماز پڑھتے رہے صبح کو نیند غالب آگئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے نماز فجر میں حاضر ہونا اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ساری رات قیام کروں۔امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں معمر سے انہوں نے اپنی والدہ شفاء بنت عبداللہ سے بیان کیا کہ ان کی والدہ فرماتی ہیں حضرت عمر میرے پاس آئے تو میرے پاس دو آدمی سوئے ہوئے تھے اس سے وہ اپنا خاوند ابوحثمہ اور اپنا بیٹا سلیمان مراد لیتی ہیں۔آپ نے

[1] مؤطا امام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

یصلیان حتی اصبحا فصلیا الصبح وناما فقال لان اشهد الصبح فی جماعة احب الی من قیام لیلة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فرمایا: انہوں نے نماز صبح کیوں نہ پڑھی؟ میں نے عرض کیا یہ ساری رات نماز میں مشغول رہے حتی کہ صبح ہوگئی پھر انہوں نے نماز صبح ادا کی اور سوگئے۔ تو آپ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز فجر کی میری حاضری ساری رات قیام سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال سوم: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔(ت) اس مسئلہ میں جواب حق کو حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور فی السوال سرے سے بیہودہ سراپا اہمال ہے وہ زعم کرتاہے کہ سنت تہجد کا حفظ و پاس اسے تفویت جماعت پر باعث ہوتاہے اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوت واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کاسبب ہوتا،

قال عزوجل اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بقیام اللیل فانه داب الصلحین قبلکم وقربة الی اللہ تعالٰی ومنهاة عن الاثم وتکفیر للسیأت ومطردة للداء عن الجسد[3]۔ رواہ الترمذی فی	تہجد کی ملازمت کروکہ وہ (رات کا قیام) اگلے نیکوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔ اسے ترمذی نے اپنی جامع،

---

[1] المصنف ف لعبدالرزاق باب فضل الصلٰوۃ فی جماعۃ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱/۵۲۶

[2] القرآن ۲۹/۴۵

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۴، صحیح ابن خزیمہ باب التحریض علی قیام اللیل الخ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۲/۱۷۷

ف: حدیث مذکور کے الفاظ صفحہ مذکور پر مصنّف میں یوں ہیں: عن معمر عن الزهری عن سلیمٰن بن ابی حثمة عن الشفاء بنت عبداللہ قالت دخل علیّ بیتی عمر بن الخطاب فوجد عندی رجلین نائمین فقال وماشان هذین ماشهدا معی الصلٰوة؟ قلت یاامیر المؤمنین صلیا مع الناس و کان ذلك فی رمضان فلم یزالا یصلیان حتی اصبحا الصبح وناما. فقال عمر لان اصلی الصبح فی جماعة احب الی من ان اصلی لیلة حتی اصبح۔
نذیر احمد

جامعہ وابن ابی الدنیا فی التھجد و ابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم فی المستدرك وصححہ والبیہقی فی سننہ عن ابی امامۃ الباھلی واحمد والترمذی وحسنہ والحاکم والبیہقی عن بلال والطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی وابن السنی عن جابر بن عبداللہ وابن عساکر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک میں روایت کرکے صحیح کہا، اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوامامہ باہلی سے، اور احمد اور ترمذی نے صحیح قرار دیتے ہوئے روایت کیا، حاکم اور بیہقی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت سلمان فارسی سے، اور ابن سنی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور ابن عساکر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔

تو فوت جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اگر میزان شرع مطہر لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا بھلا یہ تہجد و قیلولہ وہ ہیں جو اس نے خود ایجاد کئے جب تو انہیں تفویت شعار عظیم اسلام کے لئے کیوں عذر بناتا ہے اور اگر وہ ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً منقول ہوئے تو بتایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد و قیلولہ کی طرف بلایا جن سے جماعت فریضہ فوت ہو، کیا قرآن وحدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کئے ہیں؟ حاشا وکلّا ؂

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

(اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کو جاتا ہے)

یاہذا سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر، یہ کیا کہ سنت لیجئے اور واجب فوت کیجئے، ذرا بگوش ہوش سن اگرچہ حق تلخ گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیان زمانہ پر پیش کرے جس کا خیال ترغیبات تہجد کی طرف جائے تجھے تفویت جماعت کی اجازت دے جس کی نظر تاکیدات جماعت پر جائے تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ من ابتلی بلیتین اختار اھونھما (دو بلاؤں میں مبتلا شخص ان دو میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) بہرحال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے مگر حاشا خدام فقہ وحدیث نہ تجھے تفویت واجب کا فتوٰی دیں گے نہ عادی تہجد کو ترک تہجد کی ہدایت

کرکے ارشاد حضور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

يا عبدالله لاتكن مثل فلان كان يقوم الليل فترك قيام الليل[1] رواہ الشیخان عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اے عبداللہ ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو رات کا قیام کرتا تھا مگر اب اس نے ترک کردیا۔اسے بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) کا خلاف کریں گے۔

یہ اس لئے کہ وہ بتوفیقہ عزوجل حقیقت امر سے آگاہ ہیں ان کے یہاں عقل سلیم و نظر قدیم دو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفس شریر و سوئے طرز تدبیر سے ناشی ہوا یا ھذا اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً آثم و تارک واجب، اور اس عذر باطل میں مبطل و کاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجفاء كل الجفاء والكفر والنفاق من سمع منادی الله ینادی الی الصلوٰة فلایجیبه[2]۔ حدیث حسن قد ذکرنا تخریجه و لفظ الطبرانی ینادی بالصلاة ویدعو الی الفلاح[3]۔	ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے اس کی تخریج کا ذکر ہم نے پیچھے کردیا۔ طبرانی کے الفاظ یوں ہیں: "نماز کی طرف بلانے والے اور فلاح کی دعوت دینے والے کو سنے"۔

اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کہ یہ فتنہ خواب کیونکر جاگا اور یہ فساد عجاب کہاں سے پیدا ہوا اس کی تدبیر کر۔ کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا، یوں ہے تو اول وقت خواب کر، اولیائے کرام قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم نے قیلولہ کے لئے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں یعنی ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار تک، وہ فرماتے ہیں چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہئے کہ پیش از زوال

---

[1] صحیح البخاری باب مایکرہ من ترک قیام اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن انس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۴۳۹

[3] المعجم الکبیر از معاذ بن انس حدیث ۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/۱۸۳

وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقت زوال کہ ابتدائے ظہر ہے ذکر وتلاوت میں مشغول ہو۔ امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ عوارف شریف میں فرماتے ہیں:

النوم بعد الفراغ من صلاۃ الضحٰی وبعد الفراغ من اعداد اخر من الرکعات حسن قال سفیٰن کان یعجبھم اذا فرغوا ان ینا موا طلبا للسلامۃ وھذا النوم فیہ فوائد، منھا انہ یعین علٰی قیام اللیل (الی قولہ قدس سرہ) وینبغی ان یکون انتباھہ من نوم النھار قبل الزوال بساعۃ حتی یتمکن من الوضوء والطھارۃ قبل الاستواء بحیث یکون وقت الاستواء مستقبل قبلۃ ذاکرا اومسبحا اوتالیا[1] الخ	نماز چاشت سے فراغت کے بعد اور اس کے بعد کی مقررہ تعداد کی رکعتیں ادا کرکے سونا اچھا اور مناسب ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ صوفیہ کرام جب نماز واوراد سے فارغ ہوجاتے تو سلامتی اور عافیت کے لئے سونے کو پسند کرتے تھے اور اس (دوپہر سے قبل) سونے میں متعدد فوائد ہیں ان میں سے ایک رات کے قیام (شب بیداری) میں مدد ملتی ہے۔(آگے چل کر شیخ قدس سرہ، نے) فرمایا: طالب حقیقت کو چاہئے کہ زوال سے کچھ وقت پہلے نیند سے بیدار ہوجائے تاکہ استواء سے پہلے وضو اور طہارت سے فارغ ہو کر استواء کے وقت (جو ابتدائے ظہر ہے) قبلہ رخ ہو کر ذکر یا تسبیح یا تلاوت میں مصروف ہوجائے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے، اچھا ٹھیک دوپہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے، ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے، اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے [1]تکیہ نہ رکھ بچھونا نہ بچھا کہ بے تکیہ وبے بستر سونا بھی مسنون ہے، [2]سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی، [3]کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخارات طعام فرو ہولیں اور طول منام کے باعث نہ ہوں، [4]سب سے بہتر علاج تقلیل غذا ہے، سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامَلأَ اٰدمِیٌ وعاء شرًا من بطنہ بحسب ابن اٰدم اکلاتٌ یقمن صلبہ فان کان لامحالہ فثلث لطعامہ وثلث	آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لئے تہائی

[1] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب الخمسون فی ذکر العمل فی جمیع النہار مطبوعہ مطبع المشہد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۹۵

لشرابه وثلث لنفسه[1]۔ رواہ الترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان عن المقدام بن معد یکرب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	پانی تہائی سانس کو رکھے، اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے، جو بہت کھائے گا بہت پیئے گا، جو بہت پیئے گا بہت سوئے گا، جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات وبرکات کھوئے گا۔

استغفر اللہ من قول بلا عمل

لقد نسبت به نسلا لذی عقم

(میں اللہ تعالٰی سے بلا عمل قول سے توبہ کرتا ہوں، تحقیق بانجھ عورت کو بچے کے ساتھ نسل کے اعتبار سے منسوب کیا گیا ہے)

ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کثرة الاکل شؤم[2]۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنها۔	بیشک بہت کھانا منحوس ہے۔ اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

یوں بھی نہ گزرے۵ تو قیام لیل میں تخفیف کر دو رکعتیں خفیف وتام بعد نماز عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تہجد ہوگیا، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحسب احدکم اذاقام من اللیل یصلی حتی یصبح انه قدتهجد انما التهجد المرء یصلی الصلٰوة بعد رقدة[3]۔ رواہ الطبرانی عن الحجاج بن عمر رضی اللہ تعالٰی	تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔ اس کو طبرانی نے حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن ان شاء اللہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ کثرۃ الاکل مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۰

[2] شعب الایمان الفصل الثانی فی کثرۃ الاکل حدیث ۵۶۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۲

[3] المعجم الکبیر مروی از حجاج بن عمرو حدیث ۳۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۲۲۵

عنه بسند حسن [عـــه] ان شاء الله تعالٰی۔	تعالٰی سے روایت کیا ہے۔

سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل مولٰی تبارک وتعالٰی جب تیرا حسن نیت وصدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ [1] (جو اللہ تعالٰی پر توکل و بھروسہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ت) عوارف شریف میں ہے:

لتغيير العادة فی الوسادة والغطاء والوطاء تاثير فی ذلك ومن ترك شيأا من ذلك و الله عالم بنيته وعزيمته يثيبه علی ذلك بتيسير ما رام [2]۔	کیونکہ تکیہ، بچھونے اور لحاف وغیرہ میں عادت کو بدل دینا یعنی ان کو ترک کردینا اس سلسلہ میں بہت مؤثر ہے اور جو ان اشیاء میں سے کسی کو ترک کردے تو اللہ تعالٰی اس کی نیت وارادہ کو دیکھتے ہوئے اس کے مقصد میں سہولت پیدا فرمادیتا ہے یعنی کم خوابی کے آداب اس کو میسر آجاتے ہیں (ت)

۷ اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کرکہ وقت جماعت سے پہلے جگادے۔

کماوکل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلالا رضی الله تعالٰی عنه لیلة التعریس۔	جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی (ت)

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالٰی فوت جماعت سے محفوظ ہوگا اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا یا سو رہا کماوقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی

عـــه علق بالمشية لان فيه ابن لهيعة والكلام فيه معروف والاصواب فيه عندی ان حديثه حسن ان شاء الله تعالٰی ۱۲منه (م)	مشیت باری تعالٰی کے ساتھ معلق کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان میں کلام معروف ہے اور اس کے بارے میں میری رائے میں یوں کہنا چاہئے اس کی حدیث ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] القرآن ۶۵/ ۳

[2] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب السادس والاربعون الخ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۸۴

عنہ (جیساکہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ واقعہ ہوا۔ت) تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا اور امید ہے کہ صدق نیت وحسن تدبیر پر ثواب جماعت پائے گا **وباللہ التوفیق**۔

کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں جب تو سب وقتوں سے چھوٹ گیا سوکر پڑھی یا پڑھ کر سوئے بات تو ایک ہی ہے جماعت پڑھ ہی کر سوئے کہ خوف فوت اصلًا نہ رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

الشیخان عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ماکنا نقیل ولانتغذی الابعدالجمعۃ[1]، وفی لفظ للبخاری کنا نصلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ ثم تکون القائلۃ[2]، وعندہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کنانبکر الی الجمعۃ ثم نقیل[3]۔	بخاری ومسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے کہ ہم جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے، دوسری حدیث میں الفاظ بخاری یہ ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے پھر قیلولہ ہوتا تھا، اور بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ہم نماز جمعہ کی طرف جلدی جاتے تھے پھر قیلولہ کرتے تھے(ت)

غرض یہ تین صورتیں ہیں پیش از زوال سوا ٹھنا، بعد جماعت سونا ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں، اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں رب عزوجل سے ڈرے اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے پھر دیکھیں کیونکر تہجد تفویت جماعت کا موجب ہوتا ہے، بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ کہ مہر نیمروز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یکسر مدفوع ومحض نامسموع، جماعت وتہجد میں اصلًا تعارض نہیں کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجئے اور بوجہ تعذر جمع راہ ترجیح لیجئے **ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب** (اور یہی حق جواب ہے اور اللہ تعالٰی ہی راہ صواب کی طرف ہادی ہے۔ت)

بااینہمہ اگر اس تقدیر ضائع وفرض خلاف واقع کا مان لینا ہی ضرور تو جماعت اولٰی پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور، اگر حسب تصریح عامہ کتب تہجد مستحب وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانئے جب تو ظاہر کہ واجب ومستحب کی کیا برابری، نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری، اور اگر تہجد میں اعلی الاقوال کی طرف ترقی

---

[1] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل فاذاقضیت الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[2] صحیح البخاری باب القائلہ بعدالجمعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[3] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل فاذاقضیت الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

اور جماعت میں اونی الاحوال کی جانب تنزل کرکے دونوں کو سنت ہی مانئے تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ولہذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا توتشہد بھی نہ ملے گا تو بالاجماع سنتیں ترک کرکے جماعت میں مل جائے **والمسئلة منصوص علیھا فی کتب المذھب کافة** (اس مسئلہ پر تمام کتب مذہب میں نص موجود ہے۔ت) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں زیر قول مصنف **الجماعة سنة فی الاصح** (اصح قول کے مطابق جماعت سنت ہے۔ت) فرمایا

وفی البدائع عامة المشائخ علی الوجوب و به جزم فی التحفة وغیرھا وفی جامع الفقه اعدل الاقوال واقواھا الوجوب (الی ان قال) وعلی القول بانھا سنة ھی اکد من سنة الفجر[1]۔	بدائع میں ہے کہ عامہ مشائخ کے نزدیک جماعت واجب ہے۔ اسی پر تحفہ وغیرہا میں جزم ہے اور جامع الفقہ میں ہے سب سے معتدل اور مضبوط قول وجوب کا ہے (آگے چل کر کہا) جن کے قول پر جماعت سنت ہے ان کے نزدیک یہ سنت فجر سے زیادہ مؤکد ہے۔(ت)

ردالمحتار باب النوافل میں ہے:

لیس له ترك صلاة الجماعة لانھا من الشعائر فھی اکد من سنة الفجر ولذا یترکھا لوخاف فوت الجماعة[2]۔	عالم دین کے لئے باجماعت نماز کا ترک جائز نہیں کیونکہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے اور اس میں فجر کی سنتوں سے زیادہ تاکید ہے یہی وجہ ہے کہ جماعت کے نہ ملنے کا خوف ہو تو سنن فجر کو ترک کیا جاسکتا ہے(ت)

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل، ولہذا بصورت فوت مع الفریضہ بعد وقت قبل زوال ان کی قضا کا حکم ہے۔بخلاف سائر سنن کہ وقت کے بعد کسی کی قضا نہیں، ولہذا بلاعذر صحیح سنت فجر کو بیٹھ کر پڑھنا ناجائز۔بخلاف دیگر سنن کہ بے عذر بھی روا اگرچہ ثواب آدھا، ولہذا صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کہ قائل سنیت وتر ہوئے سنت فجر کو اس سے آکد ماننے کی طرف گئے، درمختار میں ہے:

السنن اُکدھا سنة الفجر اتفاقا وقیل بوجوبھا فلاتجوزصلاتھا	وہ سنن جن پر سب سے زیادہ تاکید ہے وہ بالاتفاق فجر کی سنتیں ہیں، بعض نے انہیں واجب

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۵۶
[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۹

قاعدا بلاعذر علی الاصح ولایجوزترکھا لعالم صارمرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن وتقضی اذا فاتت معه بخلاف الباقی[1] ھ ملخصا	قرار دیا ہے لہٰذا اصح قول کے مطابق بغیر عذر کے ان کو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہ ہوگا اور اس عالم کے لئے بھی ان کا ترک جائز نہیں جو فتوی جات کے لئے مرجع بن چکا ہو، یعنی فتوی نویسی سے فراغت نہ ملتی ہو بخلاف باقی سنن کے، یعنی باقی سنن کو لوگوں کی حاجت فتوی کے پیش نظر چھوڑ سکتا ہے اور یہ سنن فرائض کے ساتھ اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا ہے جبکہ باقی سنن کی قضا نہیں اھ تلخیصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

سنة الفجر اقوی السنن باتفاق الروایات لما فی الصحیحین عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت لم یکن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی شیئ من النوافل اشد تعاھدا منه علی رکعتی الفجر[2]۔	فجر کی سنّتیں بالاتفاق باقی تمام سنن سے اقوی ہیں جیسا کہ بخاری ومسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نوافل میں سب سے زیادہ حفاظت فجر کی سنتوں کی فرماتے تھے (ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

اجمعوا علی ان رکعتی الفجر قاعدًا من غیر عذر لا تجوز کذا روی الحسن عن ابی حنیفة[3]	تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے فجر کی سنّتیں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے (ت)

اسی میں قنیہ سے ہے:

اذا لم یسع وقت الفجر الا الوتر والفجر، اوالسنة والفجر فانه یوتر ویترك السنة عند ابی حنیفة وعندھما السنة اولی من الوتر[4]۔	جب وقت فجر میں، وتر وفجر یا سنن وفجر کی ادائیگی کے سوا گنجائش نہ رہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر ادا کرلئے جائیں اور سنّتیں ترک کردی جائیں اور صاحبین کے ہاں سنتوں کی ادائیگی وتر کی ادائیگی سے افضل ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۵/۱

[2] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲

[3] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲

[4] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۸/۲

پھر مذہب اصح پر سنت قبلیہ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں

صححه المحسن واستحسنه المحقق فی الفتح فقال وقد احسن لان نقل المواظبة الصریحة علیها اقوی من نقل المواظبة الصریحة علیها اقوی من نقل مواظبته صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی غیرها من غیر رکعتی الفجر[1]ھ وکذا صححه فی الدرایة والعنایة والنهایة وکذا ذکر تصحیحه العلامة نوح کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح وکذا صححه فی البحر عن القنیة وعلله بورود الوعید وتبعه فی الدر۔	محسن نے اس کو صحیح اور محقق نے فتح میں اس کو مستحسن قرار دیا اور کہا انہوں نے اچھا کیا کیونکہ فجر کی سنتوں کے علاوہ سنن ظہر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جو مواظبت منقولہ سے زیادہ اقوی ہے اھ اور اسی طرح اسے درایہ، عنایہ اور نہایہ میں صحیح کہا اور اسی طرح علامہ نوح نے اس کی تصحیح ذکر کی جیسا کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے۔ بحر میں قنیہ کے حوالے سے صحیح کہا اور اس کی علت یہ بیان کی کہ ان کے ترک پر وعید وارد ہے اور اس کی اتباع درمختار نے کی ہے۔ (ت)

اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد افضل وآکد رکعتیں مغرب ہیں پھر رکعتیں ظہر پھر رکعتیں عشا پھر قبلیہ ظہر کمافی الفتح وغیرہ۔

قلت وعلیه مشی فی الهندیة عن تبیین الحقائق الامام الزیلعی فقال اقوی السنن رکعتا الفجر ثم سنة المغرب ثم التی بعد الظهر ثم التی بعد العشاء ثم التی قبل الظهر[2] (ملخصاً)۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین الحقائق کے حوالے سے یہی بات بیان کرتے ہوئے کہا سب سے قوی اور مؤکد فجر کی سنتیں پھر سنت مغرب پھر بعدیہ ظہر پھر بعدیہ عشاء پھر قبلیہ ظہر (ملخصًا) (ت)

پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب تہجد سے اہم وآکد ہیں۔

اقول: وکیف لاوقدثبت استنانها موکدا من دون تردد بخلاف التهجد فان	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ان سنن ورواتب کامؤکد ہونا بغیر کسی تردّد کے ثابت ہے

---
[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۳

[2] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۱۷۲

جمھور العلماء یعدونه من المندوبات حتی جاء المحقق ابن الهمام فبحث بحثا ولم یقطع قولا فتردد فی ندبه واستنانه مع التنصیص بان الادلة القولیة انما تفید الندب، ثم بحث تلمیذہ المحقق ابن امیرالحاج اشبهیة سنیته علی مافیه من نزاع طویل ولولا غرابة المقام و مخافة الطویل لاتینا بمافیه من قال وقیل۔	بخلاف تہجد کے، کیونکہ جمہور علماء اسے (یعنی تہجد کو) مندوبات میں شمار کرتے ہیں حتی کہ محقق ابن ہمام جب اس مسئلہ پر پہنچے تو انہوں نے خوب بحث کی لیکن وہ بھی اس بارے میں کوئی قطعی قول نہ کرسکے اور اس کے مندوب ومسنون ہونے میں متردد ہوئے، باوجود اس تنصیص کے کہ ادلہ قولیہ اس کے مندوب ہونے کو ظاہر کرتی ہیں، پھر ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج نے اس کے سنت ہونے کو اشبہ ومختار کیا۔ علاوہ ازیں اس میں طویل نزاع کو ذکر کیا ہے اگر غرابت مقام اور طوالت کاخوف نہ ہوتا تو ہم وہ تمام گفتگو یہاں ذکر کردیتے۔(ت)

ولہٰذا ہمارے علماء سنن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں:

انها لتاکدها اشبهت الفریضة[1] کما فی الدر۔	یہ سنن رواتب تاکید کی بناپر فرائض کے مشابہ ہیں جیسا کہ در میں ہے(ت)

اور یہی مذہب جمہور ومشرب منصور ہے

وان خالفهم الامام ابواسحاق المروزی من الشافعیة فقال بتفضیل التهجد مطلقا، وتبعه الامام الاجل ابوزکریا النووی الشافعی فی المنهاج مستدلا بما لاحجة له فیه عند التدقیق کما بیناه ؏ فی	اپنے بعض حواشی میں اسے بیان کیا ہے اور آپ جانتے اگرچہ امام ابواسحاق شافعی مروزی نے ہمارے اصحاب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ تہجد ہر حال میں سنن رواتب سے افضل ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے منہاج میں ایسی دلیل دیتے ہوئے ان کی اتباع کی کہ جو تحقیق وتدقیق کے بعد حجت نہیں بن سکتی جیسا کہ ہم نے

؏ اخرجه الائمة احمد ومسلم وللاربعة عن ابی هریرة ومحمد بن هارون الرویانی فی مسندہ و الطبرانی	اسے امام احمد، امام مسلم اور دیگر چاروں محدثین ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور شیخ محمد ہارون رویانی نے اپنی مسند اور (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل، مطبع مجتبائی دہلی، ۹۵/۱

بعض تعلیقاتنا وقد علمت مذہب اصحابنا	اپنے بعض حواشی میں اسے بیان کیا ہے اور آپ جانتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی الکبیر عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الصلٰوۃ بعد المکتوبات صلاۃ فی جوف اللیل [1]۔ فحملہ ابواسحق المروزی ومن وافقہ علی ظاہرہ فقالوا ان صلٰوۃ اللیل افضل من السنن الراتبۃ قال الامام النووی وقال اکثر اصحابنا الرواتب افضل لانہا تشبہ الفرائض قال والاول اقوی واوفق للحدیث [2] ھ وتبعہ العلامۃ میرك فقال فیہ حجۃ لابی اسحٰق المروزی من شافعیۃ علی ان صلاۃ اللیل افضل من الرواتب ۔وقال اکثر العلماء ان الرواتب افضل و الاول اقوی لنص ھذا الحدیث قال وقد یجاب بان معناہ من افضل الصلاۃ وھو خلاف سیاق الحدیث [3] ھ امام موافقوا الجمہور فاولوہ بان المراد الفرائض و توابعہا ای کان الرواتب لشدہ التصاقہا بالمکتوبات وشبہہا بہادخلت فی قولہ صلی اللہ

طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، دونوں صحابی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کے درمیانی حصہ کی نماز ہے۔ امام ابواسحاق مروزی اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والے علماء نے اسے اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہے۔ امام نووی نے کہا کہ ہمارے اکثر علماء نے فرمایا کہ سنن راتبہ افضل ہیں کیونکہ وہ فرائض کے مشابہ ہیں اور فرمایا پہلا قول اقوی اور حدیث کے زیادہ موافق ہے اھ علامہ میرک نے اسی کا اتباع کرتے ہوئے کہا کہ یہ حدیث امام ابواسحٰق مروزی شافعی کی اس بات پر دلیل ہے کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہیں۔اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ سنن مؤکدہ افضل ہے مگر پہلا قول اس نص حدیث کی وجہ سے قوی ہے، اور کہا کہ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رات کی نماز افضل نماز میں سے ہے، اور یہ سیاق حدیث کے خلاف ہے اھ بہر حال جو جمہور کی موافقت کرنے والے ہیں وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہاں سے اس سے مراد فرائض اور ان کے توابع دونوں ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(باقی برصفحہ آیند)

[1] صحیح مسلم کتاب الصوم ۱/۳۶۸

[2] شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۳۶۹

[3] مرقات المفاتیح بحوالہ علامہ میرک ۳/۳۱۱

واجماعهم علی ان الاقوی	ہیں کہ ہمارے اصحاب کامذہب اور اجماع اس بات پر ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علیه وسلم بعد المکتوبة قال المولی علی القاری فی المرقاة افضل الصلٰوة بعد المفروضة ای توابعها من السنن المؤکدة [1] ھ وقال المناوی فی تیسیر ای ولواحقها من الرواتب ونحوها من کل نفل یسن جماعة اذھی افضل من مطلق النفل علی الاصح[2]ھ ومثلها فی السراج المنیر للعزیزی وقال محمد الحفنی فی تعلیقاته علی الجامع الصغیر ای النفل المطلق فی اللیل افضل منه فی النهار و الافا لراتبة فی النهار افضل منه فی النهار افضل من التهجد[3] ھ وابدی القاری جوابین اخرین، فقال وقد یقال التهجد افضل من حیث زیادة مشقته علی النفس وبعده عن الریاء والرواتب افضل من حیث الاٰکدیة فی المتابعة للمفروضة فلامنافاة[4] ھ ای ان التهجد له ھذا الفضل الجزئی علی الرواتب فلاینافی فضلها الکلی قال اویقال صلاة اللیل افضل لاشتمالها

کے ارشاد گرامی "فرائض کے بعد" کے تحت سنن راتبہ بھی داخل ہیں کیونکہ سنن مؤکدہ کافرائض کے ساتھ شدید اتصال اور مشابہت ہے۔ ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں افضل الصلاۃ بعد المفروضة یعنی بعد سنن مؤکدہ کے اھ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں اور یعنی فرائض سے ان کے لواحق (سنن مؤکدہ) اور وہ نوافل جن کی جماعت سنت ہے تمام مراد ہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق وہ مطلق نفل سے افضل ہیں اھ یہی بات عزیزی کی سراج منیر میں ہے۔ محمد حفنی اپنی تعلیقات علی الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں رات کے نوافل مطلقاً دن کے نوافل سے افضل ہیں ورنہ سنن راتبہ جو دن میں ہیں وہ تہجد سے افضل ہیں اھ اور ملا علی قاری نے دو۲ جواب اور دیئے اور کہا کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ تہجد نفس پر زیادہ مشقت اور ریا سے دوری کی وجہ سے افضل ہے اور سنن جو فرائض کے ساتھ ہیں وہ فرائض کی متابعت میں زیادہ مؤکد ہیں وہ اس اعتبار سے افضل ہیں لہٰذا ان میں کوئی منافات نہیں ہے اھ یعنی اگر تہجد کو سنن مؤکد پر یہ فضیلت جزئی حاصل ہے تو یہ ان کی فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔ فرمایا یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز (تہجد) افضل اس (باقی اگلے صفحے پر)

---

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۳۱
[2] التیسیر مطبوعہ الریاض ۱/ ۱۸۵
[3] تعلیقات الحفنی علی السراج المنیر مطبوعہ مصر ۱/ ۲۴۴
[4] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۳۱۱

الاٰکد مطلقا سنة الفجر	اقوی ومؤکد ہر حال میں فجر کی سنتیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علی الوتر الذی ھو من الواجبات[1]ھ

اقول: ھذا لایصلح بیانا لمعنی کلام الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذلا واجب عندہ انما ثمہ طلب جازم فافتراض اوغیرجازم فندب کماحققہ المحقق حیث اطلق فی الفتح فان کان الوتر عندہ واجبا لدخل فی ثنیا المکتوبۃ ولوترك قولہ الذی ھو من الواجبات وھی الکلام علی استنان الوتر کما ھو مذھب الصاحبین لم یتجہ ایضا لان سنۃ الفجر افضل من الوتر علی قولھما کماسمعت۔

اقول: وظھر للعبد الضعیف جواب حسن احسن من کل ماسبق وھو ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقل ان التھجد افضل الصلوۃ بعد المکتوبات حتی یکون دلیلا لمن شذ انما قال صلٰوۃ اللیل فان ثبت ان صلاہ اللیل تشتمل علی نافلۃ غیرالتھجد ھی افضل النوافل مطلقا حتی رواتب سقط

لئے ہے کہ وہ وتر پر مشتمل ہے جو کہ واجبات سے ہے اھ

اقول: (میں کہتاہوں) یہ بیان کلام شارع کے معنی کا بیان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے ہاں کوئی واجب نہیں ہے وہاں تو طلب جازم ہو توافتراض ہے اگر جازم نہ ہو تو ندب ہے جیسا کہ فتح میں محقق نے تحقیق کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے اگر شارع کے ہاں وتر واجب ہوتا تو وہ فرض میں شامل ہوتا اور اگر ملا علی قاری کے قول الذی ھو من الواجبات کو چھوڑ دیا جائے یعنی ان کے کلام میں وتر کو استنان پر محمول کیا جائے جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ آپ سن چکے کہ ان کے قول کے مطابق فجر کی سنتیں وتر سے افضل ہیں۔

اقول: (میں کہتاہوں) اس عبد ضعیف کے لئے ایک ایسا جواب ظاہر ہوا ہے جو مذکورہ تمام جوابات سے احسن ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تہجد فرائض کے بعد افضل صلٰوۃ ہے، حتی کہ یہ مخالفین جمہور کی دلیل بنے، بلکہ آپ نے صلٰوۃ اللیل (رات کی نماز) فرمایا ہے اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ رات کی نماز تہجد کے علاوہ دیگر نوافل پر بھی مشتمل ہے جو کہ مطلق نوافل حتی کہ سنن مؤکدہ سے بھی افضل ہو تو پھر اس حدیث سے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۳۱۲

فلاعلیك من جنوح الفاضل میرك وبالله التوفیق تعالٰی وتبارک۔	ہیں اور فاضل میرک کی بحث وگفتگو قابل توجہ نہیں وباللہ التوفیق تعالٰی وتبارک۔(ت)

توتہجد جماعت کے کمتراز کمتر از کمتر سے کمتر پانچویں درجہ میں واقع ہے سب سے آکد جماعت ۱پھر ۲سنت فجر پھر ۳قبلیہ ظہر پھر ۴رواتب پھر ۵تہجد وغیرہ سنن ونوافل، اور دوسرے قول پر توکہیں ساتویں درجے میں جاکر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت ۱پھر ۲سنت فجر پھر ۳سنت مغرب پھر ۴بعدیہ ظہر پھر ۵بعدیہ عشاء پھر ۶قبلیہ ظہر پھر تہجد وغیرہا۔ پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلا کوئی راہ نہیں، نہ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الاحتجاج به وھوثابت بحمد الله تعالٰی بحدیث الصحیحین عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها قالت کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرة رکعة منها الوتر ورکعتا الفجر [1] فهذا ام المؤمنین وامام الفقهاء والمحدثین وغرة العرب العرباء الافصحین رضی الله تعالٰی عنها قدعدت سنت الفجر من صلاة اللیل فهذه هی النافلة التی تفوق الصلوات کلها بعدالمکتوب فبالاشتمال علیها فضلت صلٰوة اللیل علی صلاة النهار بالاطلاق فهذا الجواب القاطع بحمدالله تعالٰی ثم لاغرومن الامام الاجل النووی انما العجب من العلامة میرك کیف تبعه وخالف اجماع ائمة مذهبه علی ان سنه الفجر اٰکد النوافل مطلقا وبالله التوفیق ۱۲منه (م)

استدلال ساقط ہوجائے گا اور یہ بات بحمداللہ تعالٰی بخاری ومسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جو اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو تیرہ ۱۳ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی سنتیں بھی ہوتی تھیں۔ یاد رہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا اُم المؤمنین، امام الفقہاء والمحدثین اور سرتاج فصحاء وبلغاء ہیں انہوں نے سنن فجر کو رات کی نماز میں شمار فرمایا ہے۔ پس یہ نوافل فرائض کے بعد تمام نمازوں پر افضل ٹھہرے، چونکہ یہ نوافل صلٰوۃ اللیل پر بھی مشتمل ہیں اس لئے رات کی نماز دن کی ہر نماز سے افضل قرار پائی۔ بحمداللہ تعالٰی یہ قاطع جواب ہے۔ پھر امام نووی پر تو کوئی افسوس نہیں تعجب توعلامہ میرک پر ہے کہ انہوں نے امام نووی کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ائمہ مذہب کے خلاف بات کیوں کہی، حالانکہ ائمہ مذہب کا اتفاق ہے کہ سنن فجر مطلقاً نوافل سے مؤکد ہیں خواہ رات کے ہوں یا دن کے، وباللہ التوفیق ۱۲منہ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب کیف صلٰوۃ اللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳

مستحب مان کر، اگر کہئے یہاں کلام جماعت اولٰی میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود اور واجب یا اس اعلٰی درجہ کی مؤکد مطلق جماعت ہے نہ خاص جماعت اولٰی بلکہ وہ صرف افضل واولٰی اور فضل تہجد اس سے اعظم واعلٰی تو حفظ تہجد کے لئے ترک اولٰی جائز وروا اگرچہ افضل ایتان وادا۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) قطع نظر اس سے کہ جب تعارض مسلّم اور فضل تہجد آکد واعظم تو حفظ تہجد کو ترک اُولٰی نہ ترک اَولٰی، بلکہ ترک ہی اَولٰی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہ تاصیل وتفریع سراسر بے اصل واحداث شنیع کہ نہ احادیث حضور پرنور سید الانام علیہ وعلٰی آلہ الصلاۃ والسلام اس کے مساعد، نہ کلمات وروایات علمائے کرام وفقہائے عظام مؤید وشاہد، گر ایسا ہو تو بے عذر فوت تہجد وغیرہ بھلے چنگے بیٹھے بٹھائے بھی جماعت اولٰی قصداً فوت کردینا جائز وروا ہو جبکہ ایک آدمی اپنے ساتھ جماعت کے لئے حاضر ومہیا ہو کہ آخر کچھ گناہ نہ کیا صرف ایک اولویت ترک کی جس میں حکم کراہت بھی نہیں، معاذاللہ مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو امر جماعت میں کس قدر تفرقہ شنیعہ واقع ہوتا ہے وجوب جان کر ترک پر سخت سخت وعیدیں سن کر تو بہت لوگ کسل وکاہلی کر جاتے ہیں کاش یہ سن پائیں کہ جماعت اولٰی کی حاضری شرعاً کچھ ضرور نہیں ایک بہتر بات ہے کی کی نہ کی نہ کی، تو ابھی جو رہا سہا انتظام ہے سب درہم برہم ہوا جاتا ہے، لوگ مزے سے اذان سنیں اور اپنے لہو ولعب میں مشغول رہیں کہ جلدی کیا ہے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنالیں گے، کیا ایسی ہی متفرق بے نظم جماعتوں کی طرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلایا، کیا انہیں کے ترک پر سخت سخت جگر شگاف وعیدوں کا حکم سنایا! حاش للہ ثم حاش للہ! ذرا نگاہ انصاف درکار کہ یہ قصداً تفریق جماعت وتقلیل حضار کس قدر مقاصد شرع سے دور اور نورانیت حق وصواب سے بعید ومہجور ہے، نہیں نہیں بلکہ یقیناً وجوب وتاکد مذکور، خاص جماعت اولٰی کے لئے منظور اور وہی صدر اول سے معہود، اور وہی احادیث وعید علی الترک میں مقصود، اور زنہار زنہار ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولٰی قصداً چھوڑ دیجئے اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجئے، جماعت ثانیہ کی تشریع اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح مثل مدافعت اخبثین یا حاجت طعام وغیرہا کے باعث جماعت اولٰی سے رہ جائیں وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں بے اعلان [عہ] وتداعی محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں نہ کہ اذان ہوتی ہے داعی الٰہی پکارا کرے جماعت اولٰی ہوا کرے (یہ) مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے ہم اور کرلیں گے یہ قطعاً یقیناً بدعت سیۂ شنیعہ ہے۔

[عہ] اعلان وتداعی معروف شرعی کہ نماز کے لئے مقرر ہے یعنی اذان ۱۲ منہ (م)

هذا مما لایشك فیه من دخل بستان الفقه فشم عرفا لانوارہ الفائحة اوفتح اجفان الفکر فشام برقا من انوارہ اللائحة ومالنا نسترسل فی سر والبراهین علی مثل هذا الواضح المبین ولکن لاباس ان نذکر شیأ من التنبیه لیستظهر الفقیه ویتذکر النبیه۔	اس بارے میں اس شخص کو ہر گز شک نہیں ہو سکتا جس نے گلستان فقہ کے مہکتے ہوئے پھولوں سے کچھ خوشبو پائی ہو یا اس کے روشن انوار سے مشام جان کو معطر کیا ہو اور ہم اس معاملہ کو ترک نہیں کر سکتے باوجودیکہ اس پر واضح دلائل موجود ہیں کوئی حرج نہیں کہ ہم تنبیہ ذکر کردیں تاکہ صاحب فقہ پر استحضار ہو جائے اور صاحب فہم محفوظ کرے۔(ت)

فاقول: وبه نستعین (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) **اولاً** فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کا ایک موجز وجامع رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة ہے جس میں بفضلہٖ سبحنہٗ وتعالٰی حکم جماعت کی تحقیق حدیثی وفقہی اعلٰی درجہ کمال وجمال پر موفق ہوئی، ہمارے علماء سے درباب شاذ ومشہور ومقبول ومہجور چھ۶ قول ماثور:

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ

(۳) واجب عین (۴) واجب کفایہ

(۵) سنت مؤکدہ (۶) مستحب

اس نفیس مبارک رسالہ نے بعونہ تعالٰی ثابت کر دکھایا کہ ان اقوال میں اصلاً تدافع وتمانع نہیں سب حق وصحیح اور اپنے اپنے معنی پر رجیح ونجیح ہیں، یہ جلیل تحقیق جمیل توفیق وللہ الحمد والمنة عجب نادر وعنقائے مغرب ہے جس کا نام سن کر ناظر متحیرانہ کہے ھذا لایکون وکیف یکون (یہ نہیں ہو سکتا اور کیسے ہو سکتا ہے۔ت) اور جب اس کی زاہر تحریر باہر تقریر پر اطلاع پائے متعجبانہ اعتراف کرے کہ لمثل هذا فلیعمل العاملون (کام کرنے والوں کو ایسا ہی کام کرنا چاہئے۔ت)

اس رسالہ میں ہم نے احادیث عبداللہ بن عباس وابوہریرہ وکعب بن عجرہ وانس بن مالک وعثمان غنی وعمرو بن ام مکتوم وابوامامہ وجابر بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کیا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان سن کر حاضری واجب فرمائی، اداشناس سخن انہی احادیث سے جان سکتا ہے کہ اذان کس جماعت کے لئے بلاتی اور شرع اس کی اجابت کیوں واجب فرماتی ہے مگر میں یہاں اصرح واوضح ذکر کروں حدیث حسن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اوپر گزری جس میں ندا

سن کر حاضری ہونے پر حکم جفاو کفر و نفاق فرمایا گیا، طبرانی کے یہاں بطریق آخر یوں آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

حسب المومن من الشقاء والخیبة ان یسمع المؤذن یثوب بالصلاۃ فلایجیبه [1]۔	مؤمن کو یہ بدبختی و نامرادی بہت ہے کہ مؤذن کو تکبیر کہتے سنے اور اس کا بلانا قبول نہ کرے۔(ت)

اس روایت نے روایت سابقہ کی تفسیر کردی کہ وہاں بھی ندا سے یہی تکبیر مراد تھی فان الاحادیث یفسر بعضھا بعضا وخیرتفسیر للحدیث مایستبین بجمع طرقه (احادیث ایک دوسرے کی تفسیر ہیں اور حدیث کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے پر ہو۔ت) بلکہ عندالتحقیق احادیث ایجاب اجابت فعلیہ عندالاذان کا مرجع بھی اسی طرف کہ ہم نے رسالہ مذکورہ میں احادیث وآثار ابوقتادہ و جابر بن عبداللہ و ام المؤمنین و ابوہریرہ و جابر بن سمرہ و امیر المومنین فاروق اعظم و عبداللہ بن عمر و ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کیا کہ یہ وجوب تاوقت اقامت موسع ہے اگرچہ قنیہ و مجتبی میں صراحۃً تضییق کی کہ جو اذان سن کر تکبیر کے انتظار میں بیٹھا رہے بدکار و مردود الشہادۃ ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

فی القنیةلو انتظرتم الاقامة لدخول المسجد فھو مسیئ [2]۔	قنیہ میں ہے اگر اذان سن کر دخول مسجد کے لئے اقامت کا انتظار کرتا ہے تو گنہگار ہوگا(ت)

اسی میں ہے:

فی المجتبٰی من کتاب الشھادۃ من سمع الاذان وانتظر الاقامة فی بیته لاتقبل شھادته [3]۔	مجتبی کی کتاب الشہادۃ سے ہے جو شخص اذان سن کر گھر میں اقامت کا انتظار کرتا ہے اس کی شہادت قبول نہیں۔(ت)

غرض حدیث سے ثابت کہ جو تکبیر سن کر حاضر جماعت نہ ہو اسے بدبخت، نامراد، ظالم، اظلم، کافر، منافق فرمایا گیا۔ للہ انصاف! کیا تکبیر کسی مطلق جماعت کی طرف بلاتی ہے، کیا اس جماعت میں ملونہ ملو ہر دعوت تکبیر کی اجابت ہو جاتی ہے، کیا اس میں حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح کے یہ معنی ہیں کہ چاہے اس

---

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذ بن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸۳/۲۰

[2] بحرالرائق بحوالہ القنیہ باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۵/۱

[3] بحرالرائق بحوالہ القنیہ باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۰/۱

نماز وفلاح میں حاضر ہو چاہے نہ آؤ اپنی الگ کرلینا، شاید قد قامت الصلٰوۃ کایہی مطلب ہوگا کہ یہ نماز تو کھڑی ہو ہی گئی اب اس میں آکر کیا کروگے تم اور کوئی بیٹھی ہوئی اٹھانا حاشا وکلّا بلکہ تکبیر اسی جماعت کی طرف بلاتی اور اس کی عدم حاضری پر وہ حکم وظلم وکفر ونفاق وشقاوت وخیبت ہے تو قطعًا حکم وجوب وتاکد کی مصداق یہی ماثور ومعہود جماعت ہے۔

ثانیًا: یہ توسیع تو ہمارے طور پر تھی اگر تصریح قنیہ ومجتبی وتقریر بحر پر نظر کیجئے تو امر اظہر کہاں وہ تضییق کہ اذان کے بعد تکبیر کاانتظار بھی جائز نہیں، کہاں یہ توسیع شنیع کہ سرے سے جماعت اولٰی میں حاضر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں۔

ثالثًا روشن تر نص قاطع لیجئے سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاشانہ اطہر سے مسجد انور میں قریب عــہ۱ امام جلوہ فرما ہوتے، ایک دن نماز عــہ۲ عشاء کو تشریف لائے جماعت عــہ۳ میں قلّت دیکھی کچھ لوگ حاضر نہ پائے نہایت عــہ۴

عــہ۱ هذا ثابت فی غیرهذا الحدیث من عدة احادیث صحاح اوردناها فی حسن البراعة ۱۲منه رحمه الله (م)

یہ بات اس حدیث کے علاوہ متعدد احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے جنہیں ہم نے حسن البراعۃ فی تنفید حکم الجماعۃ میں ذکر کیا ہے ۱۲منہ رحمہ اللہ (ت)

عــہ۲ هذا منصوص علیه فی هذا الحدیث عند غیره ۱۲منه رحمه الله

امام مسلم نے اپنی صحیح اور دیگر محدثین نے اسی حدیث میں اس بات پر تصریح کی ہے ۱۲منہ رحمہ اللہ (ت)

عــہ۳ هذا عند احمد وغیره من حدیث کعب بن عجرة رضی الله تعالٰی عنه وعند سراج فی مسنده فی هذا الحدیث۔(م)

یہ حدیث امام احمد وغیرہ محدثین کے ہاں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور سراج کے ہاں مسند سراج میں بھی اسی حدیث کے تحت مذکور ہے۔(ت)

عــہ۴ هذا فی روایة السراج قال ثم خرج الی المسجد فاذا الناس عزون واذاهم قلیلون فغضب غضبا شدیدا الا اعلم انه رأیته غضب غضبا اشد منه ثم قال لقد هممت ان امرر جلایصلی بالناس ثم اتتبع هذه الدور التی تخلف اهلوها عن هذه الصلاة فاضرمها علیهم بالنیران[1] (م)

یہ روایت سراج میں ہے، کہا: پھر آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو جو لوگ حاضر تھے وہ تھوڑے تھے آپ سخت غضب میں ہوگئے، میں نے آج تک آپ کو اتنا غضبناک کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر فرمایا: میں ارادہ کرتا ہوں میں کسی آدمی کو حکم دوں جو جماعت کروائے پھر میں ان گھروں کی طرف جاؤں جن کے اہل اس نماز میں حاضر نہیں ہوئے اور ان کو آگ سے جلادوں۔(ت)

[1] عمدۃ القاری بحوالہ مسند سراج باب وجوب صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۶۰

شدید غضب وجلال محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے ظاہر ہوا، ارشاد فرمایا: خدا کی قسم میرے جی میں آتا ہے کہ مؤذن کو تکبیر کا حکم دوں پھر کسی کو [عـہ] امامت کے لئے فرماؤں پھر بھڑکتی ہوئی مشعلیں لے جاؤں اور ان لوگوں پر ان لوگوں کے گھر پھونک دوں جنہیں یہ اذان سنے یہ وقت ہو گیا اب تک گھروں سے نماز کو

(عـہ)فان قلت الیس فی نفس الحدیث مایدل ان الاولی لاتجب عینا والالماھم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یقیم الصلاۃ ثم ینصرف الیھم لاحراق بیوتھم۔

اگر آپ کہیں کہ کیا نفس حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کر رہی ہو کہ پہلی (جماعت) واجب عینی نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو جماعت قائم کرنے کا حکم دے کر اس (جماعت میں نہ حاضر ہونے والوں) کے گھروں کو جلانے کا ارادہ نہ کرتے۔

قلت ھذا السؤال قد اورد قبل علی الاحتجاج بالحدیث لوجوب الجماعۃ وقد تصدی العلماء لجوابہ قال العلامۃ البدر محمود العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الثالث (ای من وجوہ الجواب عن حدیث الباب) ماقالہ ابن بزیزۃ عن بعضھم انہ استنبط من نفس الحدیث عدم الوجوب لکونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھم بالتوجہ الی المتخلفین فلوکانت الجماعۃ فرض عین ماھم بترکھا اذا توجہ قال العینی ثم نظر فیہ ابن بزیزۃ بان الواجب یجوز ترکہ لما ھو اوجب منہ[1] ھ کلام العمدۃ۔

قلت (میں کہتا ہوں) پہلے یہی سوال اس حدیث سے وجوب جماعت پر استدلال کرنے پر وارد ہوا اور علماء اس کے جواب کے درپے ہوئے ہیں چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا تیسرا (یعنی حدیث باب پر اعتراض کے جوابات میں سے) جواب وہ ہے جو ابن بزیزہ نے بعض محدثین کے حوالے سے ذکر کیا وہ یہ ہے کہ نفس حدیث سے عدم وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضر نہ ہونے والوں کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ اسے چھوڑ کر وہاں جانے کا ارادہ نہ کرتے۔امام عینی کہتے ہیں پھر ابن بزیزہ نے اس کو یہ کہتے ہوئے محل نظر قرار دیا کہ بعض اوقات اہم واجب کی وجہ سے دوسرے کم درجہ واجب کو ترک کیا جاسکتا ہے اھ (عمدۃ القاری کی عبارت ختم ہوئی) (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] عمدۃ القاری باب وجوب صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۶۴

نہیں نکلتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول: فلقد صح مثل ذلك عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الجمعة اخرج مسلم فی صحیحه عن عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعة لقد هممت ان اٰمر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعة بیوتهم[1]۔

اقول: علا ان عبداللہ بن وهب روی الحدیث فی مسنده فقال حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا عجلان عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه فذکر الحدیث وفیه لینتهین رجال من حول المسجد لایشهدون العشاء اولاحرقن بیوتهم[2] وقد قال فی حدیث سقناه عن الجامع الصحیح ثم اٰخذ شعلا من نار ولانسلم ان بین ان یذهب بعد الاقامة بشعل قد اوقدت الی بیوت حول المسجد فیضرمها علیهم وبین الرجوع الی المسجد مایوجب

اقول: (میں کہتاہوں) یہی بات صحت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نماز جمعہ کے بارے میں بھی ثابت ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ سے غیر حاضر لوگوں کے بارے میں فرمایا: میرا جی چاہتاہے کہ میں کسی آدمی کو جماعت کا حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے گھر جلادوں جو جمعہ سے غیر حاضر رہتے ہیں۔

اقول: (میں کہتاہوں) اس کے علاوہ عبداللہ بن وہب نے اپنی مسند میں ذکر کیا کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے انہیں عجلان نے انہیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث بیان کی پھر حدیث ذکر کی اس کے الفاظ یوں ہیں: مسجد کے پڑوسی ضرور بازآجائیں جو نماز عشا میں حاضر نہیں ہوتے، ورنہ میں ان کے گھر جلادوں گا۔اور اس حدیث میں جسے ہم نے جامع صحیح کے حوالے سے لکھا یہ بھی ہے، فرمایا پھر میں آگ کی مشعل لوں اور ہم نہیں مانتے کہ درمیان اس کے کہ اقامت کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مسجد کے ارد گرد لوگوں کے گھروں کو جلانے کے لئے مشعل لے کر جانا اور درمیان اس کے کہ مسجد کی طرف لوٹ آنا کوئی

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ بیان التشدید فی التخلف عنہا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] عمدۃ القاری بحوالہ مسند عبداللہ بن وہب مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۵/۱۶۰

البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون مافیھما لاتوھما ولوحَبوًا لقد ھممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلا یؤم الناس ثم اٰخذ شعلامن نار فاحرق علی من لایخرج الی الصلاۃ	البخاری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافقین پر فجر وعشا کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز بھاری نہیں۔ اگرانہیں ان کے درجہ وفضیلت کا علم ہوجائے تو وہ گھٹنوں کے بل ان کی ادائیگی کے لئے آئیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں مؤذن کو تکبیر کا کہوں اور کسی دوسرے کو جماعت کا حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں آگ کی مشعل لے کر ان پر پھینکوں جو نماز کے لئے ابھی تک گھروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تفویت الجماعة حتی یلزم الترك نعم یفوت الادراك من اول الصلاۃ وھولیس الافضیلة، ربما یترك لاقل من ھذا اعلی، السکینة فی المشی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلاۃ وعلیکم بالسکینة و الوقار فما ادرکتم فصلوا ومافاتکم فاتموا[1]، رواہ الشیخان وغیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فسقط الاشکال راسا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم ۱۲منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)

زیادہ وقت ہے جو جماعت کو فوت کردیتا ہے، حتی کہ ترک جماعت لازم آئے، ہاں اول نماز کا فوت ہونا لازم آتا ہے اور وہ فضیلت کے سوا کچھ بھی نہیں، بعض اوقات اس سے بھی کم درجہ شی کی بنا پر اعلٰی کو تک کیا جاسکتا ہے، مثلاً جماعت کے لئے دوڑنے کی بجائے سکون سے چلنا چاہیئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو دراں حال تم پر سکون ووقار لازم ہے جو حصہ نماز پالو اسے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔ اسے بخاری ومسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، تو اب اشکال سرے سے ختم ہوگیا۔ وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم منه رضی اللہ تعالٰی عنه (ت)

[1] صحیح بخاری باب ماادرکتم فصلواالخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۸

بعد[1] عــہ	سے نہیں نکلے۔ (ت)

یہ حدیث صحیح نص صریح ہے کہ وقت اقامت تک مسجد میں حاضر نہ ہونا وہ جرم قبیح ہے جس پر حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ الکرام نے ان لوگوں کے جلادینے کا قصد فرمایا، علماء فرماتے ہیں یہ ارشاد کہ تکبیر کہلوا کر نماز شروع کراؤں اس کے بعد تشریف لے جاؤں اسی بناپر تھا کہ ان کی عدم حاضری ثابت اور الزام تخلف قائم ہولے اس کا منشا وہی تحقیق ہے جو ہم نے ذکر کی کہ ایجاب اجابت تاوقت اقامت موسع ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

انما ھم باتیانھم بعد اقامۃ الصلاۃ لان بذالك یتحقق مخالفتھم وتخلفھم	اقامت نماز کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ان کی طرف جانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ یہ وہی

عــہ قولہ بعد نقیض قبل مبنی علی الضم فلما حذف منہ المضاف الیہ بنی علی الضم وسمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا والمعنی بعد ان یسمع النداء الی الصلاۃ[2] ھ عمدۃ القاری **قلت** والنفی اذا لاقی زمانا استغرق جمیع اجزائہ فیمتدّ من بدء وقت المضاف الیہ الی اٰن التکلم، ولذا یرجع حاصلہ فی امثال المقام الی قولك الی الاٰن، تقول ماجاء نی بعد ای بعد ان ذھب الی ھذا الحین وھذا معنی قولہ سمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

قولہ "بعد" یہ قبل کی نقیض ہے یہ مبنی علم الضم ہے۔ کیونکہ جب اس کا مضاف الیہ محذوف ہو تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ کلام اس پر ختم ہونے کی وجہ سے اسے غایت بھی کہا جاتا ہے۔ الفاظ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو نماز کی اذان سن کر نماز کے لئے نہیں آتے اھ عمدۃ القاری **قلت** (میں کہتا ہوں) جب نفی کسی زمان پر ملاقی ہو تو تمام اجزاء کو محیط ہوگی تو اس کا احاطہ وقت مضاف الیہ کی ابتداء سے لے کر وقت تکلم تک ہوتا ہے، اسی لئے ایسی عبارت کا معنی ایسے مقامات پر مثلاً "اب تک" ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے ماجاء نی بعد یعنی وہ جانے کے بعد اس وقت تک نہیں آیا، اور جو انہوں نے کہا کہ اس پر انتہاء کلام کی وجہ سے اسے غایت کہا جاتا ہے اس کا معنی و مفہوم بھی یہی ہے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰

[2] عمدۃ القاری باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۴

فلیتوجه اللوم علیهم [1] الخ	وقت ہے جب نہ آنے والوں کی عدم حاضری اور الزام تخلف ثابت ہوچکا جس کی وجہ سے وہ ملامت کے مستحق قرار پائے ہیں الخ (ت)

اقول: یہاں سے واضح ہوگیا کہ ظاہر حدیث میں جو کلام قنیہ و مجتبٰی کی تائید نکلتی تھی ممنوع وساقط ہے معہذا شک نہیں کہ حضور مسجد بنفسہٖ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ غرض شہود جماعت ہے اور قبل از اقامت فوت جماعت غیر معقول تو اقامت تک وجوب موسع ماننے سے چارہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ اقامت تک تاخیر یا تو امام معین کو میسر جس کے بن آئے جماعت قائم ہی نہ ہوگی یا اسے جس کا مکان مسجد سے ایسا ملاصق کہ تکبیر کی آواز اس پر مخفی نہ رہے گی ان کے سوا اور نمازیوں کو انتظار اقامت کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں کہ جب نہ تکبیر ان پر موقوف نہ انہیں اس کی آواز آئے گی تو کس چیز کا انتظار کررہے ہیں ایسوں کو اُسی وقت تک تاخیر واجب تک تفویت کا خوف نہ ہو حدیث ایسے ہی لوگوں پر محمول اور ممکن کہ کلام قنیہ و مجتبٰی بھی اسی معنی پر حمل کریں فیحصل التوفیق وباللّٰه التوفیق۔

رابعًا: اگر بفرض باطل یہ احکام مطلق جماعت کے ہوتے کہ اولٰی وثانیہ دونوں جس کے فرد کو واجب تھا کہ بعد فوت اولٰی ثانیہ بالتعیین واجب ومؤکد ہوتی کہ اب برأت ذمہ اسی فرد میں منحصر ہوگئی حالانکہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بعد فوت اولٰی وجوب درکنار نفس جواز ثانیہ میں نزاع عظیم ہے ظاہر الروایہ عـــہ۱ منع وکراہت ہے اگرچہ ماخوذ ومختار جواز ہے جبکہ بے اعادہ اذان ہیأۃ اولٰی بدل کر ہو کما بیناہ فی فتاوٰنا بما یقبل المنصف وان کابر المتعسف (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے جسے منصف قبول اور متعسف مخالفت کرے گا۔ت) امام اجل ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالٰی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

لودخل جماعة المسجد بعد مایصلی فیه اهله یصلون وحدانا وهوظاهر الروایة [2]۔	اگر کچھ آدمی کسی ایسی مسجد میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ باجماعت نماز ادا کرچکے تھے تو اب یہ تنہا تنہا پڑھیں اور یہی ظاہر روایت ہے۔ (ت)

عـــہ۱ یہاں کلام علی ماھوالمشہور بین کثیر من الناس ہے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ پر کہ اس کی تحقیق بجمیل توفیق و جلیل تطبیق فائض ہوئی خاص اسباب میں تحریر فقیر سے دیدنی ۱۲منہ رحمہ اللہ تعالٰی (م)

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ زیر حدیث مذکور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی ظہیریہ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

وبعبارۃ اخری جس جماعت کو علماء واجب یاسنت موکدہ کہتے ہیں اس کا تاکد متفق علیہ ہے اور ثانیہ کا بعد فوت اولٰی بھی نفس جواز مختلف فیہ توثانیہ کسی وقت اس جماعت سے نہیں جس کا حکم وجوب و تاکد ہے لیکن ثانیہ دائما مطلق جماعت کی فرد ہے تولاجرم یہ احکام مطلق اصولی کے نہیں بلکہ خاص اولٰی کے ہیں **وھو المطلوب** (اور مطلوب یہی تھا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قدعلمت ان تکرارھا مکروہ فی ظاھر الروایۃ الا فی روایۃ عن الامام وروایۃ عن ابی یوسف ^عـــہ^ **کما قدمناہ قریبا وسیأتی ان الراجح عند اھل المذھب وجوب الجماعۃ وانہ یاثم بتفویتھا اتفاقا**[1]۔	آپ نے جانا کہ جماعت کا تکرار ظاہر روایت میں مکروہ ہے مگرامام صاحب سے ایک روایت اور امام ابویوسف سے ایک روایت میں مکروہ نہیں جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے بیان کیااور عنقریب آرہاہے کہ اہل مذہب کے ہاں راجح وجوب جماعت ہےاور جماعت کو فوت کرنے والا بالاتفاق گنہگار ہے(ت)

بھلاوہ کیاچیز ہے جس کی تفویت بالاتفاق گناہ ہے ثانیہ کو تواسی عبارت میں روایت مشہورہ پر مکروہ بتارہے ہیں لاجرم وہ اولٰی ہی ہے توثانیہ کے اعتماد پر اسے فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہےاور گناہ کی اجازت دینی اس سے بھی بدتر۔

وبعبارۃ ثالثۃ وہی علماکہ جماعت ثانیہ کو مکروہ بتاتے ہیں وجوب تاکد جماعت کی تصریح فرماتے ہیں **کما لایخفی علی من تتبع کلمات القوم وقد علمت الخلف والوفاق** (جیسا کہ ہراس شخص پر واضح ہے جوفقہاء کی عبارات سے آگاہ ہےاور تو اس میں اختلاف واتفاق کو جانتا ہے۔ت) اور وجوب وتاکد کا کراہت سے اجتماع بمعنی نہی عن الفعل یاندب ترک بعد حصول المتاکد یقینا محال اگرچہ بمعنی المطلوب **المطلوب الدفع قبل الحصول و مطلوب الفعل بعد الحصول** ممکن اور شک نہیں کہ یہاں اجتماع ہوگا توبمعنی اول **فاعرف وافھم ان کنت تفھم بالیقین** (اسے پہچان کراچھی طرح سمجھ لے اگر توفیق کو پانے والا ہے۔ت) وہ حکم اجماعی ایسی ہی جماعت کا ہے جو ثانیہ کو شامل نہیں ورنہ قول مشہور نہ صرف مہجور بلکہ قول بالمحال اور معاذاللہ

عــــہ **قلت وروایۃ عن محمد کما فی البحر والمجتبی والحلیۃ وغیرھا** ۱۲منہ (م)	میں کہتاہوں امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جیسا کہ بحر، مجتبٰی، حلیہ اور دیگر کتب میں ہے ۱۲منہ (م)

[1] ردالمحتار مطلب فی کراہت تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۹۱

قانون عقل و تمیز سے دور ہوگا وای شناعة اشنع من ذلك (یعنی اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی۔ت)

خامسًا: ایک بدیہی بات، سنیت کاہے سے ثابت ہوتی ہے مواظبت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مطلقًا یا مع الترک احیانًا اور وجوب کو کیا چاہیے، انکار اعلی الترک بھی یا صرف مواظبت دائمہ، اب دیکھ لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس جماعت پر مواظبت فرمائی اور کس کے ترک پر نکیر آئی، ظاہر ہے کہ وہ جماعت اولٰی ہی تھی تو وجوب یا استنان موکد اسی کا حکم ہے نہ مطلق ثانیہ کا۔

تنبیہ: احکام افراد جانب مطلق سرایت کرتے شبہہ نہیں مگر وہ مطلق مطلق منطقی ہے جس کے تحقق کو تحقق فرد واحد اور اس پر صدق کا حکم کو صدق علی فرد ولو علی خلاف سائر الافراد کافی، ولہٰذا بتضاد احکام افراد مورد احکام متضاد ہوتا ہے بایں معنی مطلق جماعت بیشک فرض واجب سنت مستحب مباح مکروہ حرام سب کچھ ہے کہ جماعت ظہر فی المصر یوم الجمعہ وغیرہ سب کو شامل، اس معنی پر حکم فرد کی مطلق سے نفی دوبار قول بالمتناقضین ہے لثبوته ونفيه كليهما[عہ] والمطلق كليهما (ثبوت نفی دونوں میں اور دونوں کے دونوں مطلق میں۔ت) کلام اس میں نہیں مطلق اصولی یعنی فرد شائع یا ماہیت متقررہ فی ای فرد یُراد میں کلام ہے اس کی طرف احکام خاصہ فرد دُون فردٍ ہرگز ساری نہیں ہوسکتے اور جو حکم اس کے لئے ثابت وہ ہر فرد کو ثابت مالم يمنع مانع (جب تک کوئی مانع نہ پایا جائے۔ت) یہ نکتہ ضروری الحفظ ہے کہ اس سے غفلت باعث غلط وشطط ہوتی ہے

وقد حققه تاج المحققين خاتمة المدققين سيدنا الوالد قدس سره الماجد فی كتابه المسماة"اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"والله الهادی الى سبيل السداد۔	تاج المحققین خاتمۃ المدققین ہمارے سردار والد گرامی قدس سرہ، نے اس کی تحقیق اپنی کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں کی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے(ت)

عــہ لانه ان اثبت للفرد فقد اثبت للمطلق بحكم السراية لكنه اثبت للفرد فاثبت للمطلق وقد نفى عنه لكنه لم يثبت للمطلق فلم يثبت للفرد وقد اثبت له منه (م)	اس لئے کہ اگر کسی فرد کے لئے ثابت کیا تو وہ حکم سرایت کی وجہ سے مطلق کے لئے بھی ثابت ہوجاتا ہے لیکن جب اس نے فرد کے لئے ثابت کیا تو گویا مطلق کے لئے بھی ثابت کردیا حالانکہ اس نے اس سے نفی کردی لیکن جب مطلق کے لئے ثبوت نہیں تو فرد کے لئے بھی ثابت نہیں حالانکہ اس نے مطلق کے لئے ثابت کیا ہے ۱۲(ت)

بالجملہ نہ جماعت اولٰی پر ترجیح تجدّد وجہ صحت رکھتی ہے نہ حکم وجوب وتاکد جماعت اولٰی سے متعدی ہے نہ باعتماد ثانیہ ترک اولٰی کی اجازت ہوسکتی ہے نہ ہرگز اولٰی وثانیہ کا ثواب مساوی ہے بلکہ باعتماد ثانیہ تفویت اولٰی گناہ قطعی اجماعی ہے، ہاں مسجد اگر مسجد شارع ہو یعنی اس کے لئے کوئی جماعت معلوم معین نہیں جیسے بازاروں کی مسجدیں کہ کسی خاص محلّہ وگروہ سے مختص نہیں کچھ راہ گیر آئے پڑھ گئے کچھ پھر آئے وہ پڑھ گئے، یوں ہی متفرق گروہ آتے اور پڑھتے جاتے ہیں تو وہاں اس قول کی گنجائش ہے کہ ایسی مساجد کی ہر جماعت جماعت اولٰی ہے،

فان الاولی الناھیة عن الثانیة مطلقا او بشرطه ھی مافعلھا اھل المسجد باذان جھر واقامة حتی لو ان مسجدا من مساجد الحی اتاہ قوم من غیر اھله فاذنوا واقاموا وصلوا جماعة کان لاھله ان یصلوا جماعة من دون حاجة الی العدول عن المحراب لان الحق لھم فلایبطل بفعل غیرھم کمانصوا علیه. ومساجد الشوارع لااھل لھا معینا فلایتحقق فیھا الاولی بالمعنی المذکور بل الکل اولی اذلیس بعض من بعض باولی۔	کیونکہ پہلی جماعت دوسری جماعت سے ہر حال میں روکنے والی ہے یا اس شرط کے ساتھ کہ پہلی جماعت اہل محلّہ نے بلند اذان واقامت کے ساتھ ادا کی ہو حتی کہ اگر غیر محلّہ کے لوگ کسی محلّہ کی مسجد میں آئے اور انہوں نے اذان دی اقامت کہی اور جماعت کروائی تو اب اہل محلّہ محراب تبدیل کئے بغیر جماعت کروانے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ جماعت کرنے کا حق ان کا ہے تو غیر کی جماعت کی وجہ سے ان کا حق باطل نہیں ہوسکتا جیسا فقہا نے اس کی تصریح کی ہے اور راستے کی مساجد میں کوئی عملی جماعت متعین نہیں ہوتی للذا باعتبار معنی مذکور کے ایسی مساجد کی کوئی ایک جماعت اولٰی نہ ہوگی بلکہ ہر ایک اولٰی ہوگی کیونکہ وہاں بعض بعض سے اَولٰی نہیں ہوتے۔(ت)

وللذا ہر گروہ کہ آتا جائے اپنی اپنی جدا اذان واقامت سے جماعت کرے

کمافی ردالمحتار عن خزائن الاسرار عن امالی الامام قاضی خاں وفی خانیته مسجد لیس له مؤذن وامام معلوم ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة	جیسا کہ ردالمحتار میں خزائن الاسرار سے امالی قاضیخاں سے اور انہی کے فتاوٰی خانیہ کے حوالے سے ہے ہر وہ مسجد جہاں کوئی مؤذن وامام مقرر نہ ہو وہاں لوگ مسجد میں گروہ در گروہ نماز ادا کریں کیونکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ اذان واقامت کے ساتھ

الگ الگ نماز پڑھے اھ۔اور فتاوٰی شامی میں منبع سے ہے رہا معاملہ مسجد شارع کا تو اس میں تمام لوگ برابر ہوتے ہیں اس میں کسی ایک فریق کو تخصیص حاصل نہیں ہے اھ (ت)	علی حدۃ [1] وفی الشامیۃ عن المنبع اما مسجد الشارع فالناس فیہ سواء لااختصاص لہ بفریق دون فریق [2] ھ۔

الحمدللہ کلام اپنے ذروہ اقصٰی کو پہنچا اور حکم مسائل نے غایت انجلا پایا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق کا تقاضا یہی تھا اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) روشن رہے کہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، کو کسی کے کلام پر اخذ مقصود نہیں بلکہ صرف اظہار حق وادائے واجب اکد واحق کے بعد سوال اعانت جواب وابانت صواب اہم واجبات شرعیہ سے ہے جس پر ہم سے حضور پرنور خاتم النّبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عہد واثق لیا۔

اے اللہ! ہمیں کامیاب ہونے والوں میں سے کردے اور اپنے نبی علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ عہد ایفاء کرنے والا بنادے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے (ت)	اللھم اجعلنا من المفلحین وبعھد نبیك من الموفین علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوۃ والتسلیم ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔

الحمدللہ کہ یہ ضروری وموجز جواب کاشف صواب فرصت اختلاصی کے چند متفرق جلسوں میں ۲۴ صفر ۱۳۱۲ہجریہ روز جان افروز دوشنبہ کو وقت اشراق مہر مشرق سمائے ختام وبلحاظ تاریخ بدء وختم القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ اس کا پورا نام ہوا واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۸، فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹

اَلْقَطُوْفُ الدَّانِیَۃ لِمَنْ اَحْسَنَ الْجَمَاعَۃَ الثَّانِیَۃ ۱۳۱۳ھ

(جماعت ثانیہ کو مستحسن قرار دینے والے کے لئے جھکے ہوئے خوشے)

(جماعت ثانیہ کے ثبوت میں)

مسئلہ ۸۶۶ : از مراد آباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی سید محمد حبیب الرحمٰن صاحب سلہٹی ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ بغیر اذان واقامت در صورت بدل دینے ہیأت جماعت اولٰی کی ازروئے شرع شریف بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت مطلقہ مطلقاً جائز و مباح عند اہل التحقیق ہے جس کی تنقیح بالغ وتوضیح بازغ مع رد وامع اوہام نابغ بعض ابنائے زمان بعونہ تعالٰی رسائل فقیر سے ظاہر وعیاں، یہاں نفس مسئلہ کے اجمالی احکام اور ان کے متعلق نقول ونصوص علمائے کرام پر اقتصار کیجئے کہ شان فتوٰی اسی کے شایاں۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (**میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ت)

اَوّلاً تکرار جماعت کے جواز وافضلیت کی وہ صورتیں سنئے جن میں اصلاً نزاع کو گنجائش نہیں:

(۱) جو مسجد شارع عام یا بازار یا اسٹیشن یا سرا کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں، وقت پر جو لوگ گزرے یا اترے یا آئے یا پڑھ گئے غرض کسی محلّہ خاص سے خصوصیت نہیں رکھتی کہ وہاں کی معمولی جماعت

وہی ہے اوروں کا آنا اتفاقی وعارضی ہے ایسی مسجد میں بالاجماع تکرار جماعت باذان جدید وتکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بنوبت جولوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں اگرچہ (ایک نماز کے) وقت میں دس بیس جماعتیں ہوجائیں۔

(۲) مسجد محلّہ کہ ایک محلّہ خاص سے اختصاص رکھتی ہے اس میں اقامت جماعت انہیں کا حق ہے اگر ان کے غیر جماعت کرگئے تو اہل محلّہ کو تکرار جماعت بلاشبہہ جائز ہے جیسے کہ نماز جنازہ، حالانکہ اس کی تکرار اصلاً مشروع نہیں پھر بھی اگر غیر ولی بے اذن ولی پڑھاجائے اب ولی آئے اعادہ کا مجاز ہے کہ حق اس کا تھا۔

(۳) بعض اہل ہی جماعت کرگئے بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) اذان بھی دی تھی مگرآہستہ ،ان صورتوں میں بھی بعد کو آنے والے باذان جدید بروجہ سنت اعادۂ جماعت کریں کہ جماعت معتبرہ وہی ہے جو اذان سے ہو اور اذان وہ جو اعلان سے ہو۔

(۵) محلے میں حنفی وغیر حنفی دونوں رہتے ہیں پہلے غیر حنفی امام نے جماعت کرلی اور حنفیّہ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں اس نے مذہب حنفی کے کسی فرض طہارت یافرض صلوۃ یاشرطِ امامت کو ترک کیاہے مثلاً چہارم سر سے کم کا مسح یاآب قلیل نجاست افتادہ سے وضو یاجسم یاکپڑے قدر درہم سے زیادہ منی یاصاحب ترتیب کا باوصف یاد ووسعت وقت بے ادائے فائتہ وقتیہ پڑھنا یا نماز وقت تنہاپڑھ کر پھر اسی نماز میں امامت کرنا توایسی حالت میں حنفیّہ بلاشبہہ اپنی جماعت جداگانہ کریں کہ اگرچہ شرع اُن جماعت کرنے والوں کے لئے اسے جماعت اولٰی مانے مگر حنفی تواس میں اقتدا نہیں کرسکتا اگر کرے تو نماز ہی نہ ہو۔

(۶) اس خاص نماز کاتوحال معلوم نہیں مگر اس امام کی بے احتیاطی اور فرائض میں ترک لحاظ مذہب حنفی ثابت ہے جیسے عامہ غیر مقلدین کہ خواہی نخواہی اہل حق سے مخالفت اور مذاہب اربعہ خصوصًا مذہب مہذب حنفیّہ کی مضادّت پر حریص ہوتے ہیں جب بھی حنفیّہ کوان کی اقتداگناہ وممنوع ہے اپنی جماعت جدا کریں۔

(۷) اس کی نسبت امورمذکورہ کی مراعات کاعادی ہونا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں جیسے کوئی نامعلوم الحال شافعی مالکی حنبلی اس صورت میں بھی ان کی اقتدا خالی از کراہت نہیں تو جماعت ثانیہ کافضل مبین۔

(۸) عادت مراعات بھی معلوم ہی سہی تاہم بتصریح ائمہ امام موافق المذہب کے پیچھے جماعت ثانیہ ہی افضل واکمل، اور اسی پر حرمین محترمین ومصروشام وغیرہا بلاد دارالاسلام میں جمہور مسلمین کا عمل۔

(۹) جس نے جماعت اولٰی کی فاسد العقیدہ بدمذہب بدعتی تھا مثلاً وہابی یاتفضیلی یامعاذ اللہ امکان کذب الٰہی تعالٰی شانہ، ماننے والا یاصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں کسی کوبراجاننے والاکہ عندالتحقیق

ایسوں کی اقتداء بکراہت شدیدہ سخت مکروہ ہے۔

(۱۰) فاسق تھا جیسے شرابی، زناکار یاداڑھی منڈا سود خوار کہ یہ لوگ ان وہابیوں کذابیوں وغیرہم بدمذہبوں کے مولویوں متقیوں سے بھی اگرچہ لاکھ درجہ بہتر حال میں ہیں پھر بھی ان کی اقتدا شرعًا بہت ناپسند۔

(۱۱) امام اولٰی نرابے علم جاہل نماز وطہارت کے مسائل سے غافل تھا جیسے اکثر گنوار غلام وغیرہم عوام کہ ایسے کی امامت بھی کراہت انضمام۔

(۱۲) قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے معنی فاسد ہوں مثلًا ع یا ت، ط یا ث، س، ص یا ح، ہ یا ذ، ز، ظ میں تمیز نہ کرنے والے کہ آج کل اس دارالفتن ہند میں اکثر بلکہ عام عوام بلکہ بہت بلکہ اکثر پڑھے لکھے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وانا للہ وانا الیہ راجعون** پھر خواہ بے خیالی بے احتیاطی یا سیکھنے میں بے پروائی یا زبان کی نادرستی کوئی سبب ہو مذہب معتمد پر صحیح خواہ کی نماز اس کے پیچھے مطلقًا فاسد ہے اگرچہ ان میں بعض صور میں مذہب متاخرین خود اس کی اپنی نماز کے لئے بہت وسعتیں دے عندالتحقیق بھی بشرائط معلومہ مضبوطہ کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں تاکہ قادر ناقادر کا امام ہوسکے تو اگر یہی صورت صحت واقع ہو کر وہ جماعت اولٰی ٹھہرے لاجرم صحیح خوانوں کو جماعت ثانیہ ہی کا حکم ملے یہ صورت اولٰی کی مانند ہے اول بآخر نسبتے دارد، غرض ایسی صورتیں جماعت ثانیہ کی خاص تاکید یا فضل مزید کی ہیں جن میں بالاجماع یا علی الاصح اصلا کلام کی گنجائش نہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب جماعت اولٰی اہل مسجد [عہ] یا اہل مذہب کی نہ ہو یا اپنے مذہب میں فاسدہ یا مکروہہ ہو تو ہمیں جماعت ثانیہ کی مطلقًا اجازت بلکہ درصورت کراہت قصدًا تفویت اولٰی کی رخصت جبکہ ثانیہ نظیفہ مل سکتی ہو اور درصورت فساد تو اس میں شرکت ہی سے صاف ممانعت اگرچہ ثانیہ بھی میسر نہ ہو، اب ان تمام مطالب پر نصوص علماء سنئے فقیر نے ان سب مسائل میں بتوفیقہ تعالٰی قول منقح اختیار کیا ہے اسی کے متعلق عبارات کتب بایجاز واختصار نقل کروں کہ ذکر اقاویل و تطبیق وتوفیق وترجیح و تحقیق و تنقیح وتدقیق محتاج تطویل، معہذا بعونہ تعالٰی ان مباحث میں یہ سب مدارج فتاوٰی ورسائل وتعالیقِ فقیر میں طے ہوچکے ہیں **وباللہ التوفیق**۔ متن غرر میں ہے:

لاتکرر فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ	مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت

عــہ صادق بان لااھل لہ اوصلی من لیس من اھلہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	یہ بایں طور صادق ہے کہ اس مسجد کا کوئی اہل معین نہ ہو یا جس نے نماز پڑھائی وہ مسجد کے اہل میں سے نہ ہو (یعنی اہل محلّہ نہ ہو) ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

الا اذاصلی بهما فیه اولاغیراهله اوصلی اهله بمخالفتة الاذان [1]۔	جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ غیر محلّہ والوں نے وہاں اذان واقامت کے ساتھ اوّلاً جماعت کروائی ہو یااہل محلّہ نے آہستہ اذان دے کر جماعت کروائی ہو۔(ت)

خزائن الاسرار شرح تنویر الابصار میں ہے:

لوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس له امام ولامؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامة علی حدة کما فی امالی قاضی خاں [2]۔	اگر مسجد شارع ہے تو بالاتفاق تکرار جماعت جائز جیساکہ اس مسجد کا حکم ہے جس کاامام ومؤذن مقرر نہ ہواور لوگ اس میں گروہ در گروہ نماز ادا کرتے ہوں تووہاں افضل یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی اذان و اقامت کے ساتھ الگ الگ نماز پڑھے جیساکہ امالی قاضی خاں میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی وتر البحر ان تیقن المراعاة لم یکرہ اوعدمها لم یصح وان شك کرہ [3]۔	مخالف کے پیچھے نماز مکروہ ہے مثلاً شافعی المسلک کے پیچھے، لیکن بحر میں وتر کی بحث میں ہے کہ اگر اس کامذہب حنفی کی رعایت کرنا یقینی ہو توپھر مکروہ نہیں، اگرمذہب حنفی کی رعایت نہ کرنا یقینی ہو تو صحیح نہ ہوگی، اور اس کے بارے میں شک ہو تو نماز مکروہ ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

حاصله ان صاحب الهدایة جوزالاقتداء بالشافعی بشرط ان لایعلم المقتدی منه	حاصل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شافعی کی اقتداء کواس شرط کے ساتھ جائز کہاہے کہ جب مقتدی اس امام کے کسی ایسے عمل کونہ جانتا ہوجو مقتدی کی

[1] کتاب درالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبع احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت مصر ۱/۴۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[3] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

مایمنع صحة صلاته فی رأی المقتدی کالفصد ونحوه وعددمواضع عدم صحة الاقتداء به فی العنایة وغایة البیان بقوله کما اذالم یتوضأ من الفصد والخارج من غیرالسبیلین وکماکان شاکافی ایمانه بقوله انامومن ان شاء الله اومتوضأ من القلتین اویرفع یدیه عندالرکوع وعند رفع الراس من الرکوع اولم یغسل ثوبه من المنی ولم یفرکه اوانحرف عن القبلة الی الیسار اوصلی الوتر بتسلیمتین اواقتصرعلی رکعة اولم یوتراصلا اوقهقهه فی الصلاۃ ولم یتوضأ اوصلی فرض الوقت مرۃ ثم ام القوم فیه زاد فی النہایة وان لایراعی الترتیب فی الفوائت وان لایمسح ربع راسه وزاد قاضی خاں وان یکون متعصبا والکل ظاهر ماعدا خمسة اشیاء[1]	رائے کے مطابق صحت نماز کے منافی ہے۔ مثلاً رگ کٹوانا وغیرہ، عدم صحت اقتداء کے چند مواضع عنایہ اور غایۃ البیان سے، ان الفاظ سے بیان کئے کہ مثلاً جب اس امام نے رگ کٹوانے یا غیر سبیلین سے کسی شے کے خارج ہونے پر وضو نہ کیا ہو یا اس امام کے ایمان میں شک ہے، مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ "ان شاء اللہ میں مومن ہوں" یا وہ قلتین پانی سے وضو کرتا ہے یا رکوع جاتے وقت اور اُٹھتے وقت رفع یدین کرتا ہے یا وہ منی لگ جانے کی وجہ سے کپڑے کو نہیں دھوتا اور نہ ہی اسے کھرچتا ہے (گاڑھی ہونے کی صورت) میں یا وہ قبلہ سے بائیں جانب پھرتا ہے یا وہ دوسلاموں سے وتر ادا کرتا ہے یا ایک رکعت وتر پڑھتا ہے یا بالکل پڑھتا ہی نہیں یا نماز میں قہقہہ سے ہنستا ہے اور وضو نہیں کرتا یا ایک دفعہ وقتی نماز پڑھا چکا ہے پھر اسی نماز کا امام بن جاتا ہے۔ اس پر نہایہ میں اضافہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کی رعایت نہ رکھتا ہو حالانکہ وہ صاحب ترتیب ہو سر کے چوتھائی حصہ کا مسح نہ کرے، قاضی خاں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ متعصب ہو، ان پانچ کے علاوہ باقی تمام واضح ہیں۔
الاول مسئلة التوضؤ من القلتین فانه صحیح عندنااذالم یقع فی الماء نجاسة ولم یختلط بمستعمل	**اول** قلتین سے وضو کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے جبکہ اس میں نجاست نہ گری ہو، اور س کے مساوی یازائد اس میں مستعمل پانی نہ ملا ہو

[1] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

مساوله اواكثر فلابد ان يقيد قولهم بالقلتين المتنجس ماؤهما او المستعمل بالشرط المذكور لامطلقا۔**الثانی** مسئلة رفع اليدين من وجهين الاول ان الفسادروايته شاذة ليست بصحيحة رواية ولادراية الثانی ان الفساد عند الركوع لايقتضی عدم صحة الاقتداء من الابتداء مع ان عروض البطلان غيرمقطوع به حتی يجعل كالمتحقق عند الشروع لان الرفع جائزالترك عندهم لسنيته۔**الثالث** مسئلة الانحراف عن القبلة الی اليسارلان المانع عندناان يجاوزالمشارق الی المغارب والشافعية لاينحرفون هذا الانحراف۔**الرابع** مسئلة التعصب لان التعصب علی تقدير وجوده منهم انما يوجب الفسق والفسق لايمنع صحة الاقتداء۔**الخامس** مسئلة الاستثناء فی الايمان فان التكفير غلط و الاستثناء قول اكثر السلف[1]ھ ملتقطا	لہٰذا قلتین کے ساتھ یہ شرط لگانا بھی ضروری ہے کہ قلتین کا پانی ناپاک ہو یا اس میں مستعمل پانی برابر یازائد ملا ہو ورنہ مطلقاً حکم لگانا درست نہیں۔ دوم رفع یدین کی دو صورتیں ہیں ایک تو فساد والی روایت شاذہ ہے نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ دوسری یہ کہ رکوع کے موقع پر فساد کا عارض ہونا ابتداءً اقتداء کے منافی نہیں، باوجود اس کے بطلان کا عارض ہونا بھی یقینی نہیں حتی کہ اسے بوقت شروع ہی متحقق قرار دے دیا جائے کیونکہ رفع یدین کا چھوڑنا بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سنت ہی ہے (تو ممکن ہے وہ اس کو ترک کردے) سوم قبلہ سے بائیں طرف انحراف کا معاملہ، تو اس معاملہ میں ہمارے نزدیک مانع وہ انحراف ہے جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو اور شوافع ایسے انحراف کے قائل نہیں۔ **چہارم** رہا تعصب کا معاملہ، تو اگر ان سے تعصب ثابت ہو تو یہ فسق کا موجب ہے اور فسق صحت اقتداء سے مانع نہیں ہوتا۔ **پنجم** باقی ایمان کا ان شاء اللہ کے ساتھ معلق کرنے والا مسئلہ، تو اس میں فتوٰی کفر غلط ہے کیونکہ معلق کرنا بہت سے اسلاف کا قول ہے اھ تلخیصا (ت) یہ کلام بحر فی البحر تھا۔

[1] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵، ۴۶

اقول: وقد کانت ظهرت لی بحمد الله الخمسة المذکورة اول مانظرت الکلام مع زیادة فلنذکر مابقی من الابحاث تتنبیما للافادة الاول قولهم لم یوتر اصلالایظهرله وجه فانه بترکه لایفسق فضلا عما یوجب بطلان الاقتداء فان الوتر وان وجب عندنا فهو مجتهد فیه ولاتفسیق بالاجتهادیات وان حمل علی انه ان لم یصله لم یصح الاقتداء به فی الفجر بشرطه لفوات الترتیب نافاه قوله زاد فی النهایة وان لایراعی الترتیب ثم رأیت العلامة الشامی علیه الرحمه فی منحة الخالق بهذا ثم اعله بالتکرار قال فلیتامل ماالمراد[1]

اقول: بل هو اشد من التکرار فان قوله زاد لا یحتمله کما علمت الثانی اقول وینبغی اسقاط صلاته الوتر بتسلیمتین فان طریان المبطل غیرالبطلان من رأس کما افاده البحر ثم علی ماذهب الیه الامام ابوبکر الرازی

اقول: (میں کہتاہوں) بحمداللہ سرسری نظر میں یہ پانچ ہی تھے،کچھ اور بحثیں بھی ہیں،ہم ان باقی کوافادہ کے لئے یہاں ذکر کردیتے ہیں،اول،اصلا وہ وتر نہ پڑھتاہو ان کا یہ قول درست نہیں کیونکہ وتر کے ترک سے وہ فاسق نہیں ہوتاچہ جائیکہ اس کی اقتداء کو باطل قرار دیاجائے کیونکہ وتر ہمارے ہاں اگرچہ واجب ہیں لیکن یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اجتہادی مسائل میں کسی کوفاسق قرار نہیں دیاجاسکتا اور اگر اس عبارت کو اس پر محمول کیاجائے کہ اگروترادانہیں کرتاتواس کی فجر میں اقتداء جائز نہ ہوگی کیونکہ ترتیب فوت ہوگئی ہے، تواب اس کے قول کہ نہایہ میں اضافہ ہے کہ اگروہ ترتیب کی رعایت نہیں تواقتداء جائز نہیں،یہ منافی قرار پائے گا،پھر میں نے علامہ شامی کو دیکھاتوانہوں نے منحۃ الخالق میں یہ ہی علت بیان کی اور اس پر تکرار کااعتراض کیا اور کہا اس سے مراد پر غور کرنا چاہیئے۔

اقول: (میں کہتاہوں) بلکہ یہ تکرار سے اشدہے کیونکہ اس کالفظ"زاد"اس کااحتمال نہیں رکھتا جیساکہ جان لیاہے۔دوسرا یہ کہ **اقول:**(میں کہتاہوں) وتر کو دوسلاموں کے ساتھ اداکرنے والے احتمال کو ساقط کردینا چاہیئے تھا کیونکہ عارضی مبطل کالاحق ہونا وہ اس بطلان کاغیر ہوتاہے جو ابتداءً ہو جیسا کہ بحر میں ہے۔پھر امام ابوبکر رازی

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

لایفسد بالمآل ایضًا لان امامہ لم یخرج عندہ نفسہ بالسلام فانہ یحسب مابعدہ من الوتر وھو مجتھد فیہ نعم الاصح الفساد کما جزم بہ فی متن التنویر وھوالمؤید بقول الجمھور الصحیح المشھور من ان العبرۃ لراء المقتدی، الثالث مثلہ الکلام فی اقتصارہ علی رکعۃ الرابع افادالشامی، قال افادشیخنا حفظہ اللہ تعالٰی ان المراد انحرا فھم اذا اجتھدوا فی القبلۃ مع وجود المحاریب القدیمۃ فانہ یجوز عندھم لاعندنافلوانحرف عن المحراب القدیم(ای انحرا فاجاوز المشارق الی المغارب)لایصح الاقتداء بہ[1] ھ

جس طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ مآلًا بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک سلام کے ساتھ امام نماز سے خارج نہیں ہورہا بلکہ وہ مابعد کو وتر سمجھتا ہے لہٰذا وہ معاملہ اجتہادی ٹھہرا، ہاں اصح فساد ہے جیساکہ اس پر متن تنویر میں جزم کیاگیا ہے اور اس کی تائید جمہور کے اس صحیح مشہور قول سے ہوتی ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے۔ تیسرا یہ کہ وتر کی ایک رکعت پڑھنا اس پر بھی سابقہ گفتگو ہی ہے۔ چوتھا امام شامی نے فرمایا ہمارے شیخ حفظ اللہ نے فرمایا انحراف سے مراد یہ ہے کہ قدیم محراب ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہوئے وہ انحراف کریں تو یہ ان کے ہاں جائز ہے ہمارے ہاں جائز نہیں، تو اگرامام محراب قدیم سے منحرف ہوگیا(یعنی ایسا انحراف جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو)تو اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی اھ

اقول: وھو وجیہ مسقط لوجہ اسقاط عند الانحراف نعم لابد من التقیید وھو غیربعید فان عدم رعایۃ الترتیب وعدم غسل المنی اوفرکہ کل مقید کما نبھنا علیہ ولم یوجب اسقاطھما فکذا ھذا وبہ ظھر الخامس وھو عدم اسقاط التوضؤ من القلتین وان کان الوجہ ھو التقیید الا ان

اقول: (میں کہتاہوں) یہ توجیہ اس توجیہ کی ساقط ہوگی جو انحراف کے وقت اسقاطًا کی گئی ہے، ہاں اسے مقید رکھنا ضروری ہے اور وہ بعید نہیں کیونکہ عدم رعایت ترتیب یاعدم غسل منی یااس کا کھرچنا تمام مقید ہیں جیساکہ ہم نے اس پر تنبیہ کردی ہے تو یہ بات ان کے اسقاط کاسبب نہیں ہوسکتی تو یہاں (انحراف) میں بھی یہی معاملہ ہے اور اسی سے پانچویں بحث ظاہر ہے اور وہ قلتین پانی سے وضو کاعدم اسقاط ہے اگرچہ یہاں

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

يفرق بالغالب والنادر والخفي والمتبادر ولنرجع الى ما كنافيه من الكلام فماكان الامن تجاذب القلم عنان الرقم لمناسبة المقام۔	مناسب اس کا مقید کرنا ہے مگر غالب و نادر اور خفی و متبادر میں فرق کیاجاتا ہے اب ہم سابقہ گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں یہ تومناسبت مقام کی وجہ سے قلم سے مجبورًا تحریر صادر ہوگئ (ت)

نیز بحر میں ہے:

فصار الحاصل ان الاقتداء بالشافعي على ثلثة اقسام الاول ان يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلاكراهة في الاقتداء به الثاني ان يعلم منه عدمه فلاصحة لكن اختلفوا هل يشترط ان يعلم منه عدمه في خصوص مايقتدى به اوفى الجملة صحح في النهاية الاول وغيره اختاراالثاني و في فتاوى الزاهدى الاصح انه يصح وحسن الظن به اولى الثالث ان لايعلم شيئًا فالكراهة[1] (ملخصًا)۔	حاصل یہ ہے کہ شافعی کی اقتداء تین طرح کی ہے، اول یہ کہ اس امام کا مسلک حنفی کی احتیاط ورعایت کرنا معلوم ہو تو اب اس کی اقتداء میں کراہت نہ ہوگی۔ ثانی یہ کہ اس امام کا رعایت نہ کرنا معلوم ہو تو اب اقتداء صحیح نہ ہوگی لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیا بالخصوص اسی نماز میں جس میں اقتداء مطلوب ہے عدم احتیاط کا علم ضروری ہے۔ یا فی الجملہ عدم احتیاط کا علم ضروری ہے۔ نہایہ میں پہلے کو صحیح کہا اور دوسرے لوگوں نے دوسرے کو مختار قرار دیا۔ فتاوٰی زاہدی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہے اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا اولٰی ہے۔ ثالث یہ کہ اس کے بارے میں علم نہیں کہ وہ رعایت کرتا ہے یا نہیں (یعنی مشکوک صورت ہے) تو اب اقتداء مکروہ ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

نقل الشيخ خيرالدين عن الرملي الشافعي انه مشى على كراهة الاقتداء	شیخ خیر الدین نے رملی الشافعی سے نقل کیا ہے کہ وہ مخالف کی اقتداء کو اس وقت مکروہ جانتے جب

[1] بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷،۴۶

بالمخالف حیث امکنه غیرہ ومع ذلك ھی افضل من الانفراد یحصل له فضل الجماعة وبه افتی الرملی الکبیر واعتمدہ السبکی والاسنوی وغیرھما قال والحاصل ان عندھم فی ذلك اختلافا وقد سمعت مااعتمدہ الرملی وافتی به والفقیر اقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیه المنصف یسلم ذلك وانارملی فقه الحنفی ÷ لامرابعد اتفاق العالمین ÷ ھ ملخصا یعنی به نفسه ورملی الشافعیة رحمهماﷲ تعالٰی فتحصل ان القتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض افضل من الافراد اذا لم یجد غیرہ والافالاقتداء بالموافق افضل[1]	غیر کی اقتداء ممکن ہو، اور اس کے باوجود اقتداء تنہا نماز سے افضل ہے اور ایسی صورت میں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ اسی پر رملی کبیر نے فتوٰی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہما نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے کہا حاصل یہ ہے کہ ان (فقہاء) کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور میں نے وہ سن رکھا ہے جس پر رملی نے اعتماد کرتے ہوئے فتوٰی دیا اور فقیر انہی کے مطابق کہتا ہے اس اقتداء میں جو حنفی کی شافعی کے ساتھ ہو اور منصف فقیہ اسے تسلیم کرے گا۔ میں رملی ہوں فقہ حنفی رکھتا ہوں دوعالموں کے اتفاق کے بعد کوئی شک نہیں ہے تلخیصًا یہاں انہوں نے انا سے اپنی ذات اور رملی سے شافعی مراد لیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اس مخالف کی اقتداء جو رعایت کرتا ہو فرائض میں تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے جبکہ اس کے علاوہ کوئی امام موجود نہ ہو ورنہ موافق ملنے کی صورت میں اس کی اقتداء افضل ہوگی۔(ت)

اسی میں مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری سے ہے:

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی مااستحسنه عامة المسلمین وعمل به جمهور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصر و	اگر ہر مذہب کا امام ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو موافق کی اقتداء افضل ہوگی خواہ وہ پہلے امامت کرے یا بعد میں، اسے ہی عامۃ المسلمین نے مستحسن جانا ہے اور اہل حرمین، بیت المقدس، مصر اور شام کے جمہور مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں ان

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۶

الشام ولاعبرۃ بمن شذ منھم [1] ھ۔	سے جو کوئی اِکّادُکّا اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں (ت)

پھر خود فرمایا:

والذی یمیل الیہ القلب عدم کراھۃ الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیرمراع فی الفرائض وانہ لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ [2]۔	جس بات کی طرف دل مائل ہورہاہے وہ یہ ہے کہ جو مخالف فرائض میں رعایت کرنے والا ہو اس مخالف کی اقتداء مکروہ نہ ہوگی، اور اگر کوئی شخص جماعت کی صفوں سے دور اپنے مذہب کے امام کاانتظار کرتاہے تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ وہ یقینی طور پر اس جماعت سے اکمل جماعت کے انتظار میں ہے (ت)

اسی میں زیر مسئلہ امامت عبدواعرابی وغیرہما تبعاللبحر (بحر کی اتباع میں) ہے:

یکرہ الاقتداء بھم تنزیھا فان امکن الصلاۃ خلف غیرھم فھو افضل والافالاقتداء اولی من الانفراد [3]۔	ان کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ کوئی امام میسر ہو تواس کی اقتداء افضل ہے ورنہ تنہا ادا کرنے سے ان کی اقتدا بہتر ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجداماما غیرہ [4]۔	معراج میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ میں فاسق کی اقتداء جائز نہیں کیونکہ جمعہ کے علاوہ نمازوں میں دوسرے امام کی اقتداء ممکن ہوتی ہے (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۳

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

بقی لوکان مقتدیا بمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھرط ان الاول لوفاسقالایقطع ولومخالفا وشك فی مراعاۃ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی کراھتہ تنزیھیۃ کالاعلٰی و الاعرابی بخلاف الفاسق فانہ استظھر فی شرح المنیۃ انھا تحریمیۃ لقولھم ان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علینا اھانتہ[1] الخ	باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کوئی شخص ایسے امام کی اقتدا میں ہے جس کی اقتدا مکروہ تھی، ساتھ ہی ایسا امام جماعت کروائے جس میں کراہت نہیں تو آیا اب وہ نماز توڑ کر اس کی اقتدا کرے یانہ، ط نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگرپہلا امام فاسق ہے تو نماز نہ توڑے اور اگروہ مخالف ہے اور اس کی رعایت میں شک ہو تو نماز توڑدے۔ میں کہتاہوں اس کا عکس اظہر و مختار ہے کیونکہ ثانی میں کراہت تنزیہی ہے جیساکہ اعرابی اور نابینا میں ہے بخلاف فاسق کے، اس کی اقتداء کے بارے میں شرح منیہ میں کہاکہ اس کامکروہ تحریمی ہو ناظاہر ہے کیونکہ فقہاکہتے ہیں کہ فاسق کوامام بنانے میں فاسق کی تعظیم ہوتی ہے حالانکہ ہم پر اس کی اہانت لازم ہے الخ (ت)

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی للعلامۃ ابراہیم الحلبی میں ہے:

یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقادوھواشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع[2]۔	بدعتی کی اقتدا مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقادًا فاسق ہے اور عقیدۃً فاسق عملاً فاسق سے بدتر ہے، کیونکہ فاسق عملی اعتراف کرتا کہ وہ فاسق ہے وہ ڈرتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے بخلاف بدعتی کے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ (ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لایصح اقتداء غیرالالثغ بالالثغ علی الاصح کما فی البحر وحررالحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلایؤم الامثلہ ولاتصح صلاتہ	اصح قول کے مطابق غیر توتلے کاتوتلے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر میں ہے، حلبی اور ابن شحنہ نے کہاجب توتلا دائمی کوشش کرتارہے تووہ امی کی طرح ہے اور صرف توتلے کی اقتداء کرسکتا ہے اور جب

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اذامکنه الاقتداء بمن یحسنه اوترك جهده اووجد قدرالفرض ممالالثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف[1]۔	اسے کسی عمدہ پڑھنے والے کی اقتداء ممکن ہو تو اب تنہا نماز نہ ہوگی، اسی طرح حکم ہے جب اس نے کوشش ترک کردی یا وہ مقدار فرض کی قرات پر قادر ہوگیا جس میں اسے توتلاپن پیدانہیں ہوتا، توتلے کے حکم میں یہی صحیح و مختار ہے، اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو حروف میں سے کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وذلك کالرحمٰن الرحیم والشیتان الرجیم والاٰلمین وایاك نابدوایاك نستئین السرات انأمت فکل ذلك حکمه مامر[2]۔	جیسے کوئی رحمٰن، رحیم، شیتان الرجیم، آلمین، ایاک نابدوایاک نستئین، السرات، انأمت پڑھتاہے ان صوتوں کا حکم پیچھے گزر چکاہے(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

امامة الالثغ للفصیح

فاسدة فی الراجع الصحیح[3]

(راجح اور صحیح قول کے مطابق فصیح کے لئے توتلے کی اقتداء فاسد نماز ہے۔ت)

اب محل نظر صرف ایک صورت رہی کہ مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے باذان واقامت بروجہ سنت امام موافق المذہب سالم العقیدہ متقی مسائل داں صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولٰی خالیہ عن الکراہۃ ادا کرلی پھر باقی ماندہ لوگ آئے انہیں دوبارہ اس مسجد میں جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اور ہے تو بکراہت یا بے کراہت؟ اس بارے میں عین تحقیق وحق وثیق وحاصل انیق ونظر دقیق واثر توفیق یہ ہے کہ اس صورت میں تکرار جماعت باعادہ اذان ہمارے نزدیک ممنوع وبدعت ہے، یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب مہذب وظاہر الروایہ ہے، متن متین مجمع البحرین وبحرالرائق علامہ زین میں ہے:

ولاتکررها فی مسجد محلة باذان ثان[4]۔	مسجد محلّہ میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت جائز نہیں۔(ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۳۱

[3] فتاوٰی خیریہ، کتاب الصلاۃ، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱/۱۰

[4] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶

درمختار وخزائن الاسرار میں ہے:

والنظم للدر یکرہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق اومسجد لاامام لہ ولامؤذن[1]۔	الفاظ در کے ہیں محلّہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہے، راستہ کی مسجد یاایسی مسجد جس کا کوئی امام ومؤذن مقرر نہ ہو اس میں تکرار جماعت مکروہ نہیں۔(ت)

غررالاحکام اوراس کی شرح دررالحکام میں ہے:

لاتکرر الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ یعنی اذاکان لمسجد امام و جماعۃ معلومان فصلی بعضھم باذان واقامۃ لایباح لباقیھم تکرارھابھما[2]۔	اذان واقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار محلّہ کی مسجد میں درست نہیں یعنی جب مسجد کے لئے امام اور جماعت متعین ہو پس بعض نے اذان واقامت کے ساتھ نمازپڑھ لی تو اب دوسرے لوگوں کے لئے اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت مباح نہیں ہے۔(ت)

شرح المجمع للمصنف الامام العلامۃ ابن الساعاتی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

المسجد اذاکان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثان[3]۔	جب مسجد محلّہ کا امام اور جماعت مقرر ہو اور اہل محلّہ نے اس مسجد میں نماز اداکرلی ہو تو اب دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت مباح نہیں۔(ت)

وجیز کردری وغنیہ علامہ حلبی میں ہے:

لوکان لہ امام ومؤذن معلوم فیکرہ تکرار الجماعۃ فیہ باذان واقامۃ عندنا[4]۔	اگرمسجد کے لئے امام اور مؤذن مقرر ہو تو ایسی مسجد میں ہمارے نزدیک اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہوگا۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی شرح صدرالشریعۃ العظمٰی میں ہے:

---

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۲

[2] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دارسعادت مصر ۱/۸۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام المسجد، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۶۱۴

ان کان للمسجد امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فصلوا فیہ بجماعۃ باذان واقامۃ لایباح تکرارھا بھما[1]۔	اگر مسجد کاامام اور جماعت معین ہے اور اس میں لوگوں نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اب اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مباح نہیں۔(ت)

جس کاحاصل عندالتحقیق کراہت اذان جدید کی طرف راجع نہ نفس جماعت کی طرف ولہٰذا اسی مذہب کو امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی نے حلیہ میں اس عبارت سے ارشاد فرمایا:

المسجد اذاکان لہ اھل معلوم فصلوا فیہ اوبعضھم باذان واقامۃ کرہ لغیر اھلہ وللباقین من اھلہ اعادۃ الاذان والاقامۃ[2]۔	اگر مسجد کے لئے اہل معین ہوں اور اس میں وہ تمام یا بعض اہل اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرلیں تو غیر اہل محلّہ اور باقی ماندہ اہل محلّہ کے لئے اذان واقامت کااعادہ مکروہ۔(ت)

اور اگر بغیر اس کے تکرار جماعت کریں توقطعاً جائز وروا ہے اسی پر ہمارے علماء کااجماع ہوا ہے، خزائن میں ہے:

لوکرر اھلہ بدونھما جاز اجماعا[3]۔	اگر اہل محلّہ نے بغیر اذان واقامت کے تکرار جماعت کیاتو یہ بالاتفاق جائز ہے۔(ت)

درر میں ہے:

لوکان مسجد الطریق یباح تکرارھا بھما ولوکرر اھلہ بدونھما جاز[4]۔	اگرراستہ کی مسجد ہو تواذان واقامت دونوں کے ساتھ تکرار جماعت مباح ہے اور اگر اہل محلّہ ان دونوں کے بغیر تکرار کریں توجماعت جائز ہے(ت)

شرح المجمع للمصنف وعلمگیریہ میں ہے:

اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا	اگر بغیر اذان کے پڑھی ہو تو بالاجماع مباح ہے اسی طرح

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور انڈیا ۷۷/۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۰۸/۱

[4] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دارسعادت مصر ۸۵/۱

وکذا فی مسجد قارعة الطریق[1]۔	حکم ہے اگر مسجد راستہ پر واقع ہو۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی وشرح المجمع للعلامہ میں ہے:

لوصلوا فیہ بلااذان یباح اتفاقا[2]۔	اگر بغیر اذان کے نماز پڑھی تو بالاتفاق تکرار جماعت مباح ہے۔(ت)

عباب وملتقط وشرح دررالبحار ورسالہ علامہ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الہمام وحاشیۃ البحر للعلامہ خیر الدین الرملی استاذ صاحب الدرالمختار میں ہے:

یجوز تکرار الجماعة بلااذان وبلااقامة ثانیة اتفاقا قال وفی بعضھا اجماعا[3]۔	تکرار جماعت اذان واقامت کے بغیر بالاتفاق جائز ہے کہا بعض کتب میں اجماع کالفظ مستعمل ہوا ہے۔(ت)

پھر یہ جواز مطلقاً محض وخالص ہے یا کہیں کراہت سے بھی مجامع، اس میں صحیح یہ ہے کہ اگر محراب میں جماعت ثانیہ کریں تومکروہ، اور محراب سے ہٹ کر تو اصلاً کراہت نہیں، خالص مباح وماذون فیہ ہے۔ بزازیہ وشرح منیہ وردالمحتار میں ہے:

عن ابی یوسف انہ اذلم تکن الجماعة علی الھیئة الاولٰی لاتکرہ والاتکرہ وھوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیأة[4]۔	امام ابویوسف سے مروی ہے جب جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تومکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کر ادا کرنا ہیئت کی تبدیلی ہے۔(ت)

ولوالجیہ وتاتارخانیہ وشامیہ میں ہے: بہ نأخذ[5] (اسی کو ہم لیتے ہیں۔ت) اُسی میں ہے:

قدقلت ان الصحیح تکرار الجماعة اذالم تکن علی الھیأة الاولٰی[6]۔	میں کہتاہوں کہ تکرار جماعت اس وقت صحیح ہے جب وہ جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳
[2] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور انڈیا ۱/۷۷
[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق بحوالہ حاشیہ البحر للعلامہ خیر الدین الرملی باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶
[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹
[5] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹
[6] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹

یہ ان احکام میں اجمالی کلام تھا،

وللتفصيل محل اٰخر الحمدلله العلى الاكبر والصلاة والسلام على الحبيب الازهرواٰله واصحابه الاطائب الغرر۔	تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو بلند وبرتر ہے۔ صلوٰۃ وسلام ہو حبیب خوب پر، ان کی آل واصحاب پر جو پاکیزہ ہیں (ت)
والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	

مسئلہ ۸۶۷: زید نے وقت مغرب ایک مسجد میں داخل ہو کر دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے اور امام قرأت بجہر پڑھ رہا ہے زید نے اس امام کی اقتداء نہ کی اور اس آن واحد میں علیحدہ اپنی قرأت بجہر شروع کردی اور دوسری جماعت قائم کی پس زید کا کیا حکم ہے اور جماعت ثانی کا جو بحالت موجودگی جماعت اول قائم ہوئی ہے کیا حکم ہے اور دو شخص ایک آن میں قرأت بجہر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تفریق جماعت حاضرین حضرت حق سبحٰنہ، وتعالٰی کو نہایت ناپسند ہے حتی کہ انتہا درجہ کی ضرورت میں یعنی جب عساکر مسلمین ولشکر کفار میں صف آرائی ہو مورچہ بندی کرچکے ہوں اور وقت نماز آجائے اس وقت بھی نمازِ خوف کی وہ صورت قرآن مجید میں تعلیم فرمائی جس سے تفریق جماعت نہ ہونے پائے اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز ہو ورنہ ممکن تھا کہ نصف برسر معرکہ رہیں اور نصف باقی اپنی جماعت کرلیں پھر یہ نصف مقابلہ پر چلے جائیں اور وہ آکر اپنی نماز پڑھ لیں اتحاد جماعت کی عنداللہ ایسی ہی تو کچھ سخت ضرورت ہے جس کے لئے عین نماز میں مشی کثیر جو مفسد صلوٰۃ ہے روا رکھی گئی۔ علاوہ بریں صدہا آیات واحادیث اس فعل کی مذمت پر دال ہیں اور حکمت ایک جماعت کی مشروعیت کہ ایتلاف مسلمین ہے کہ نہایت محبوب الٰہی ہے یہ فعل بالکلیہ اس کے مناقض ہے کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) جس زمانے میں نظم خلافت حقہ گسیختہ اور بنائے امامت راشدہ ازہم ریختہ ہوگئی تھی اور سلطنت فساق وفجار بلکہ بدمذہبان فاسدالعقیدہ کو پہنچی تھی وہ لوگ امامت کرتے اور صحابہ وتابعین وکافہ مسلمین بمجبوری ان کے پیچھے نماز پڑھتے اس وقت بھی ان اکابر دین نے تفریق جماعت گوارا نہ کی پس اس دوسری جماعت کی شناعت میں کوئی شبہہ نہیں اور فاعل اس کا عوض ثواب کے مستوجب طعن وملام ہوا خصوصًا جبکہ وہ اس تفریق کا سبب کسی بغض دنیاوی کے جو اسے امام اول سے تھا مرتکب ہوا یا بوجہ اپنے فاسدالعقیدہ ہونے کے عنادًا امام اول کو بدمذہب ومبتدع ٹھہرا کر اس کی اقتدا سے استنکاف کیا کہ ان صورتوں میں تشنیع اس پر اشد واکد ہے مگر یہ کہ درحقیقت امام اول سے بدعت تابحد کفر وارتداد مرتقی ہوگئی ہو مثلًا سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عیاذًا باللہ توہین کرتا ہو، حضور کے ختم نبوت میں کلام رکھتا ہو

حضور والا کے بعد کسی کے حصول نبوت میں حرج نہ جانتا ہو حضور اقدس کی تعظیم جو بعد تعظیم الٰہی کے تمام معظمین کی تعظیم سے اعلیٰ واقدم ہے مثل اپنے بڑے بھائی کی تعظیم کے جانتا ہو وعلیٰ ہذا القیاس دیگر عقائد زائغہ مکفرہ رکھتا ہو اس تقدیر پر توالبتہ یہ فعل زید کا نہایت محمود ہوگا اور وہ اس پر اجر جزیل پائے گا کہ صورت مذکورہ میں وہ جماعت عنداللہ جماعت ہی نہ تھی کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز رأسًا باطل ہے۔

فی التنویر ویکرہ امامۃ المبتدع لایکفر بھا وان کفر بھا فلایصح الاقتداء بہ اصلا[1] ھ ملخصا۔	تنویر میں ہے اس بدعتی کی امامت مکروہ ہے جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے اور اگر حد کفر تک پہنچ جائے تو اس کی اقتداء بالکل درست نہ ہوگی اھ تلخیصا (ت)

اور اگر صورت مرقومہ میں امام ثانی مقتدا ومتبوع حضار کا ہو اور جس وقت وہ شخص امامت کر رہا ہے عین اسی حالت میں اس کا دوسری جماعت قائم کردینا اور اس کے پیچھے نماز سے احتراز مجمع میں ظاہر کرنا باعث اس کے زجر وتوبیخ یا حاضرین کی نگاہ سے اس کے گر جانے کا ہو تو اب یہ فعل اور بھی موکد وضروری ہو جائے گا اسی طرح اگر کفر وارتداد کے سوا اور کوئی وجہ ایسی ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز باتفاق روایات باطل محض ہوتی ہو تو جب بھی یہ جماعت ثانیہ قطعًا جائز ہوگی لماذکرنا ان الجماعۃ الاولی لیست بجماعۃ فی الحقیقۃ لبطلان الصلاۃ بالاقتداء بالامام الاول (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ پہلی جماعت درحقیقت جماعت ہی نہیں کیونکہ امام اول کی اقتداء میں نماز ہی باطل ہے۔ت)

لیکن اس فعل میں اگر کوئی غرض صحیح شرعی نہ ہو تو اس تقدیر پر اس سے احتراز اولیٰ ہے ختم جماعت کا انتظار کرکے اپنی جماعت کرلے وھذا کلہ ظاھر جدا الاخفاء فیہ عند عقل سلیم وراء نبیہ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم (یہ تمام کا تمام خوب واضح ہے ہر صاحب عقل سلیم اور سمجھدار پر کچھ مخفی نہیں واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ت)

مسئلہ ۸۶۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں ایک شخص واسطے امامت کے مقرر ہے اگر وہ امام قبل از نماز عشا یا کسی اور وقت میں کسی مقتدی سے یہ کہہ جائے کہ میں کسی کام کو جاتا ہوں میرا انتظار کرنا یعنی بعد پورا ہونے وقت معینہ کے میرا انتظار کرنا، بعدہ، سب مصلی اپنے وقت معینہ پر جمع ہوگئے اور اس کے بعد انہوں نے پاؤ گھنٹا وقت معمول سے دیر کی واسطے تعمیل حکم امام صاحب

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

کے، پھر انہوں نے ایک شخص کو امام بنا کر نماز پڑھ لی، آیا ان سب کی نماز درست ہو گئی یا نہیں؟ اور اگر امام صاحب پھر آ کر لوگوں سے کہیں کہ تم لوگوں کی نماز نہیں ہوئی، تو یہ قول امام صاحب کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور امام صاحب کوئی فتوٰی اپنے رائے سے واسطے خواہش نفس کے دیں تو شرعًا کیا حکم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مقتدیوں کے ذمہ امام معین ہی کے انتظار میں بیٹھا رہنا اور جب تک وہ نہ آئے جماعت نہ کرنا ہرگز ضرور نہیں، بعض اوقات حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں کسی اور محلّہ میں تشریف لے گئے ہیں اور واپس تشریف لانے میں دیر ہوئی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جماعت ادا کرلی ہے، ایک بار صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو امام کیا، ایک بار عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا **کما ھو مصرح بہ فی الاحادیث** (جیسا کہ اس پر احادیث میں تصریح موجود ہے۔ت) امام کا کہنا کہ تمہاری نماز نہ ہوئی اگر صرف اسی بنا پر ہے کہ میرا انتظار نہ کرنے اور دوسرے کو امام بنالینے سے تمہاری نماز نہ ہوئی تو محض باطل اور شریعت مطہرہ پر صریح افترا ہے اپنی خواہش نفسانی کے لئے اپنی رائے سے فتوٰی دینے والا لائق امامت نہیں، ہاں جس شخص کو اس کی غیبت میں مقتدیوں نے امام بنایا وہ اگر قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے فساد نماز ہو یا معاذاللہ اس کے مذہب میں ایسا فساد تھا جس سے اس کی امامت صحیح نہ ہو تو اس بنا پر امام کا قول درست ہے کہ تمہاری نماز نہ ہوئی، اس تقدیر پر مقتدیوں نے سخت خطا کی، انہیں توبہ چاہئے اور اس نماز کی قضا پڑھیں **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶۹ : از جامع مسجد ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الجماعت کس کو کہتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تارک جماعت وہ کہ بے کسی عذر شرعی قابل قبول کے قصدًا جماعت میں حاضر نہ ہو مذہب صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کیا گنہگار ہوا تارک واجب ہوا مستحق عذاب ہوا **والعیاذ باللہ تعالٰی** اور اگر عادی ہو کہ بارہا حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بارہا حاضر بھی ہوتا ہو تو بلاشبہہ فاسق فاجر مردود الشہادۃ ہے **فان الصغیرۃ بالاصرار تصیر کبیرۃ** (صغیرہ اصرار کی بنا پر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

(الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال) قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب (وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ) ای عامۃ	(جماعت مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے) زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے مراد وجوب ہے (بعض نے کہا ہے کہ جماعت واجب ہے اور اکثر علماء کی

مشائخنا وبه جزم فی التحفة وغیرها قال فی البحر وھوالراجح عنداھل المذھب (فتسن اوتجب) ثمرته تظھر فی الاثم بترکھا مرة[1] ھ مختصرًا۔	رائے یہی ہے) یعنی ہمارے اکثر مشائخ کی رائے یہی ہے اسی پر تحفہ وغیرہ میں جزم کیا ہے، بحر میں ہے کہ اہل مذہب کے ہاں یہی راجح ہے (پس سنت ہو یاواجب) اس کا ثمرہ اختلاف ایک بار ترک کرنے پر گناہ کی صورت میں سامنے آئے گااھ مختصراً(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله، قال فی البحر وقال فی النھر ھو اعدل الاقوال واقواھا ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شھادته اذاترکھااستخفافا ومجانة اماسھوا او بتاویل ککون الامام من اہل الاھواء اولایراعی مذھب المقتدی فتقبل[2] ھط	اس کا قول، کہا بحر میں ہے اور کہا نہر میں ہے کہ یہی معتدل اور قوی قول ہے اور اسی لئے اجناس میں ہے جب کسی نے سستی اور ہلکا سمجھتے ہوئے جماعت کو ترک کیا تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، ہاں اگر سہواً ترک ہو یاتاویلاً جیسے امام کا اہل ہوا میں سے ہونا یامذہب مقتدی کی رعایت نہ کرنے والا ہو تو پھر شہادت قبول ہوجائے گی اھ ط(ت) واللہ سبحٰنه، وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۷۰: ازبلڈانہ ملک ابرار مرسلہ شیخ فتح محمد صاحب حلال خور ۱۹جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مسلمان حلال خور جوپنج وقتہ نمازپڑھتاہواس طرح پر کہ اپنے پیشہ سے فارغ ہوکر غسل کرکے طاہر کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریک جماعت ہوسکتاہے یانہیں، اور اگرجماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو یا جہاں اس کو جگہ ملے یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتاہے اور اس طرف بعد نماز صبح وبعد نماز جمعہ نمازی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں توکیاوہ بھی مسلمانوں سے مصافحہ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کرسکتاہے اور جو حلال خوراپنا پیشہ نہ کرتا ہو صرف جاروب کشی بازار وغیرہ کی کرتاہو اس کے واسطے شرع شریف کاکیاحکم ہے؟ ہردوصورتوں میں جو حکم شرع شریف کا ہو اس سے اطلاع بخشئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بیشک شریک جماعت ہوسکتاہے اور بیشک سب سے مل کر کھڑا ہوگا اور بے شک صف اول یاثانی میں

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۲/۱

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۰/۱

جہاں جگہ پائے گا قیام کرے گا، کوئی شخص بلاوجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہر گز نہیں روک سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ[1] بیشک مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: العباد عباداللہ[2] بندے سب اللہ کے بندے ہیں۔ جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے حکم الٰہی کیونکر روک سکتا ہے۔ اللہ عزوجل نے کہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ[3]	اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ بادشاہ حقیقی عزجلالہ کا یہ عام دربار خاں صاحب، شیخ صاحب، مغل صاحب یا تجار زمیندار معافی دار ہی کے لئے ہے کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں، علماء جو ترتیب صفوف لکھتے ہیں اس میں کہیں قوم یا پیشہ کی بھی خصوصیت ہے ہر گز نہیں، وہ مطلقاً فرماتے ہیں:

یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء[4]۔	یعنی صف باندھیں مرد پھر لڑکے پھر خنثی پھر عورتیں۔

بیشک زبّال یعنی پاخانہ کمانے والا یا کنّاس یعنی جاروب کش مسلمان پاک بدن پاک لباس جبکہ مرد بالغ ہو تو وہ اگلی صف میں کھڑا ہو جائے گا اور خان صاحب اور شیخ صاحب مغل صاحب کے لڑکے پچھلی صف میں جو اس کا خلاف کرے گا حکم شرع کا عکس کرے گا شخص مذکور جس صف میں کھڑا ہوا اگر کوئی صاحب اسے ذلیل سمجھ کر اس سے بچ کر کھڑے ہوں گے کہ بیچ میں فاصلہ رہے وہ گنہگار ہوں گے اور اس وعید شدید کے مستحق کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من قطع صفا قطعه الله[5]۔ جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے گا۔

---

[1] القرآن ۷۲/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند الزبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۶۶

[3] القرآن ۲/ ۱۱۴

[4] درمختار، باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۴

[5] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

اور جو متواضع مسلمان صادق الایمان اپنے رب اکرم ونبی اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم بجالانے کو اس سے شانہ بشانہ خوب مل کر کھڑا ہوگا اللہ عزوجل اس کا رتبہ بلند کرے گا اور وہ اس وعدہ جمیلہ کا مستحق ہوگا کہ حضور انور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من وصل صفّا وصله[1]۔ جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل فرمائے گا۔ دوسری جگہ ہمارے نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللہ فرماتے ہیں:

الناس بنوٰادم واٰدم من تراب[2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنه والبیهقی بسند حسن عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	لوگ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹّی سے۔ اسے ابوداؤد وترمذی نے روایت کرکے حسن کہا اور بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یاایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولالاحمر علی اسود ولالاسود علی احمد الا بالتقوی ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم[3]۔ رواہ البیهقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	اے لوگو! بیشک تم سب کا رب ایک اور بیشک تم سب کا باپ ایک، سن لو کچھ بزرگی نہیں عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر مگر پرہیزگاری سے، بیشک تم میں بڑے رتبے والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے اسے بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ زبّالی شرعًا مکروہ پیشہ ہے، جبکہ ضرورت اس پر باعث نہ ہو مثلًا جہاں نہ کافر بھنگی پائے جاتے ہوں جو اس پیشہ کے واقعی قابل ہیں نہ وہاں زمین مثل زمین عرب ہو کہ رطوبت جذب کرلے ایسی جگہ اگر بعض مسلمین مسلمانوں پر سے دفع اذیت وتنظیف بیوت وحفظ صحت کی نیت

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[2] جامع الترمذی سورہ الحجرات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۵۹

[3] شعب الایمان فصل فی حفظ اللسان عن الفخر بالاباء حدیث ۵۱۳۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۹

سے اسے اختیار کریں تو مجبوری ہے اور جہاں ایسا نہ ہو تو بیشک کراہت ہے **لتعاطی النجاسات من دون ضرورۃ** (کیونکہ یوں بغیر ضرورت کے نجاسات کو لینا لازم آتا ہے۔ت) وہ بھی ہرگز حد فسق تک منتہی نہیں، فتح القدیر و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اماشھادۃ اھل الصناعات الدنیۃ کالکساح والزبال والحائك والحجام فالاصح انھا تقبل لانھا قدتولاھا قوم صالحون فمالم یعلم القادح لایبنی علی ظاھر الصناعۃ[1]۔	رہا معاملہ دنیوی پیشہ والوں کی شہادت کا، جن کو معاشرہ ہیچ تصور کرتا ہے مثلاً کوڑا کرکٹ اٹھانے والا، ٹٹی اٹھانے والا، جولاہا، حجام، تو اصح یہ ہے کہ ان کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ متعدد صالح لوگوں نے انہیں اپنایا ہے، جب تک واضح قباحت معلوم نہ ہو تو بظاہر کسی پیشہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا (ت)

مگر ان قوم دار حضرات کا اس سے تنفر ہرگز اس بنا پر نہیں کہ یہ ایک امر مکروہ کا مرتکب ہے وہ تنفر کرنے والے حضرات خود صدہا امور محرمات وگناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اگر اس وجہ سے نفرت ہو تو وہ زیادہ لائق تنفر ہیں ان صاحبوں کی صفوں میں کوئی نشہ باز یا قمار یا سود خوار شیخ صاحب تجار یا رشوت ستاں مرزا صاحب عہدہ دار آکر کھڑے ہوں تو ہرگز نفرت نہ کریں گے اور اگر کوئی کپتان یا کلکٹر صاحب یا جنٹ مجسٹریٹ صاحب یا اسسٹنٹ کمشنر صاحب یا جج ماتحت صاحب آکر شامل ہوں تو ان کے برابر کھڑے ہونے کو تو فخر سمجھیں گے حالانکہ اللہ ورسول کے نزدیک یہ افعال اور پیشے کسی فعل مکروہ سے بدرجہا بدتر ہیں وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَیَھْدِی السَّبِیْلَ ۝[2]۔ (اور اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

درمختار وغیرہ میں ذلیل پیشہ کا ذکر کرکے فرمایا:

واما اتباع الظلمۃ فاخسّ من الکل[3]۔	ظالم حکام کے خدام توسب پیشہ وروں سے خسیس تر ہیں۔ (ت)

توثابت ہوا کہ ان کی نفرت خدا کے لئے نہیں بلکہ محض نفسانی آن بان اور رسمی تکبر کی شان ہے، تکبر ہر نجاست سے بدتر نجاست ہے اور دل ہر عضو سے شریف تر عضو افسوس کہ ہمارے دل میں تو یہ نجاست بھری ہو اور ہم اس مسلمان سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادتہ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۹

[2] القرآن ۳۳/۴

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

نفرت کریں جو اس وقت پاک صاف بدن دھوئے پاک کپڑے پہنے ہے، غرض جو حضرات اس بیہودہ وجہ کے باعث اس مسلمان کو مسجد سے روکیں گے وہ اس بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے جو آیت کریمہ میں گزری کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے، اور جو حضرات خود اس وجہ سے مسجد وجماعت ترک کریں گے وہ ان سخت سخت ہولناک وعیدوں کے مستحق ہوں گے جو ان کے ترک پر وارد ہیں، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی ویدعوا الی الفلاح فلایجیبه[1]۔ رواہ الامام احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذبن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی مؤذن کو سنے کہ نماز کے لئے بلاتا ہے اور حاضر نہ ہو۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور جو بندہ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت ونفرت سے بچے گا مجاہدہ نفس وتواضع کا اللہ سے ثواب جلیل پائے گا بھلا فرض کیجئے کہ ان مساجد سے تو ان مسلمانوں کو روک دیا وہ مظلوم بیچارے گھروں پر پڑھ لیں گے، سب میں افضل واعلٰی مسجد مسجد الحرام شریف سے انہیں کون روکے گا، اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے یا مسجد الحرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اسے بنادیں گے کہ اس کا طواف کرے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔ اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے لوٹے جو عام مسلمانوں پر وقف ہیں ان سے وضو کو بھی اسے کوئی منع نہیں کرسکتا جبکہ اس کے ہاتھ پاک ہیں۔ رہا مصافحہ خود ابتدا کرنے کا اختیار ہے کیجئے یا نہ کیجئے، :

فان المصافحة بعد الصلوات علی الاصح من المباحات والمباح لایلام علی فعله ولاترکه۔	اصح قول کے مطابق نمازوں کے بعد مصافحہ مباح ہے اور مباح کے کرنے یانہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر جب وہ مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آپ اپنے اس خیال بے معنی پر ہاتھ کھینچ لیجئے تو بیشک بلاوجہ شرعی اس کی دل شکنی، اور بیشک بلاوجہ شرعی مسلمان کی دل شکنی حرام قطعی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے بے شک مجھے

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۸۳

ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے بیشک اللہ عزوجل کو ایذادی۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷۱: از شہر کہنہ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر جماعت نماز کی ہوتی ہے اور زید بھی نماز پڑھتا ہے اور جماعت کے وقت حاضر بھی رہتا ہے جماعت ترک کرکے اول جماعت سے یا بعد جماعت کے نماز پڑھتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

گر امام میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز فاسد یا مکروہ تحریمی ہو مثلاً قرآن عظیم غلط پڑھنا جس سے نماز میں فساد آئے یا وہابی رافضی یا غیر مقلد ہو یا کم از کم تفضیلیہ یا فاسق ہونا، تو زید پر الزام نہیں، اور اگر بلاوجہ شرعی جماعت ترک کرتا ہے تو سخت گنہگار فاسق ہے، اس پر توبہ واجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۟[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ چلے، اسے ہم اسی طرف پھیر دیتے ہیں جو نہایت برا ٹھکانہ ہے (ت)

بحکم قرآن ایسا معلن شخص کہ بلاعذر شرعی جماعت ترک کرے مستحق جہنم ہے خصوصاً ترک بھی ایسا کہ جماعت ہوتی رہے اور یہ بیٹھا رہے۔

مسئلہ ۸۷۲: از بنگالہ ضلع ڈھاکہ موضع چیتارچر مرسلہ نواب عبدالواحد صاحب ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے مع ایک مقتدی کے نماز شروع کی، بعد ایک

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۱۷۹/۲، الترغیب والترہیب الترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰۴

[2] القرآن ۱۱۵/۴

رکعت کے دوسرا اور ایک شخص آیا تو اس صورت میں امام سامنے بڑھے گا یا وہ شخص مقتدی کو پیچھے کی طرف کھینچے گا، اگر امام سامنے بڑھے تو قبل اشارہ کے یا بعد اشارہ کے، اگر بعد اشارہ کے تو قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ کرے گا یا بعد، اگر قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ سے امام بڑھے گا یا مقتدی کو قبل تحریمہ کے وہ شخص اپنی جانب کھینچے گا تو اس صورت میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جب امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو افضل یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹے، ہاں اگر مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو یا پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو ایسی صورت میں امام کو بڑھنا چاہئے کہ ایک کا بڑھنا دو کے ہٹنے سے آسان ہے پھر اگر (مقتدی) مسئلہ جانتا ہو توجب کوئی دوسرا ملا چاہتا ہے تو خود ہی پیچھے ہٹنا چاہئے خواہ امام خود ہی آگے بڑھ جائے ورنہ اس آنے والے شخص کو چاہئے کہ مقتدی کو اور وہ مسئلہ نہ جانتا ہو تو امام کو اشارہ کرے، انہیں مناسب ہے کہ معًا اشارہ کے ساتھ ہی حرکت نہ کریں کہ امتثال امر غیر کا شبہہ نہ ہو بلکہ ایک تامل خفیف کے بعد اپنی رائے سے اتباع حکم شرع وادائے سنت کے لئے، نہ اس کا اشارہ ماننے کی نیت سے حرکت کریں، اس صورت میں برابر ہے کہ یہ آنے والا مقتدی نیت باندھ کر اشارہ کرے خواہ بلانیت کے بہرحال وہ اطاعت حکم شرع کریں گے، نہ اس کے حکم کی اطاعت اور جو جاہل اس کا حکم ماننے کی نیت کرے گا تو اس کا تکبیر تحریمہ کے بعد اشارہ کرنا کیا نفع دے گا کہ امام یا مقتدی کو دوسرے مقتدی کا حکم ماننا کب جائز ہے، لقمہ قرأت میں یا افعال میں لینا کہ امام کو جائز ہے وہ بھی بحکم شرع ہے نہ کہ اطاعت حکم مقتدی جو اس کی نیت کرے گا اس کی نماز خود ہی فاسد ہو جائے گی اور جب وہ امام ہے تو اس کے ساتھ سب کی جائے گی۔

فی الدر المختار لو امتثل امر غیرہ فقیل لہ تقدم فتقدم اودخل فرجۃ الصف احد فوسع لہ فسدت بل یمکث ساعۃ ثم یتقدم برأیہ قھستانی معزیاللزاھدی[1] وفی ردالمحتار عن المنح لوجذبہ اٰخر فتاخرالاصح لاتفسد صلاتہ ھ۔	درمختار میں ہے اگر نمازی نے کسی غیر نمازی کا حکم مان لیا مثلاً کہا گیا آگے ہو، وہ آگے ہو گیا یا کوئی صف کے اندر داخل ہوا اور نمازی نے اس کے لئے جگہ کشادہ کی تو نماز فاسد ہو جائے گی، بلکہ وہ ایک ساعۃ ٹھہرا رہے پھر اپنی رائے سے آگے ہو جائے، قہستانی نے زاہدی کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے، ردالمحتار میں منح کے حوالے سے ہے اگر نمازی کو دوسرے نے

[1] درمختار باب مایفسد الصلاۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۹/۱

وعن الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد ان امتثاله انما هو لامر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یضرہ وعن الطحطاوی لو قیل بالتفصیل بین کونه امتثل امر الشارع فلا تفسد وبین کونه امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا[1]ھ۔ رأیتنی کتبت علیه مانصه **اقول:** وھو من الحسن بمکان بل ھو المحمل لکلمات العلماء و به یحصل التوفیق وبالله التوفیق[2] وفی الھندیة رجلان صلیا فی الصحراء وائتم احدھما بالاخر وقام عن یمین الامام فجاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسه قبل ان یکبر للأفتتاح حکی عن الشیخ الامام ابی بکر طرخان انه لاتفسد صلاۃ المؤتم جذبه الثالث الی نفسه قبل التکبیر اوبعدہ کذا فی المحیط وفی الفتاوی العتابیة ھو الصحیح کذا فی التاتارخانیة[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	کھینچا اور وہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب پر اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اھ شرنبلالی سے ہے تیسیر المقاصد کے حوالہ سے ہے کہ اس کا امتثال (حکم بجالانا) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بناپر ہے لہٰذا فساد کا سبب نہیں اھ۔ اور طحطاوی سے ہے کہ اگر تفصیل کرتے ہوئے کہا جائے کہ شارع کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کسی کا حکم بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر وہ بغیر رعایت امر شارع کے فقط آنے والے نمازی کو خوش کرنے کے لئے کرتاہے تو نماز فاسد ہوجائے گی تو یہ تفصیل کرنا نہایت ہی اچھا تھا اھ مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے یہاں یہ لکھا ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ صرف حسن ہی نہیں بلکہ کلمات علماء کا محمل بھی ہے اور اسی کے ساتھ ان میں موافقت بھی پیدا ہوجائے گی اور اللہ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے دو آدمیوں نے صحرا میں نماز ادا کی ایک نے دوسرے کی اقتدا کی اور امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگیا اب تیسرا آیا تو اس نے مقتدی کو تکبیر افتتاح سے پہلے اپنی طرف کھینچ لیا، تو امام ابوبکر طرخان سے منقول ہے کہ اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی خواہ اسے تیسرا شخص تکبیر سے پہلے کھینچے یا بعد میں، اسی طرح محیط میں ہے۔ فتاوٰی عتابیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور تاتارخانیہ میں بھی اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الامامت ۱/۴۲۲

[2] جدالممتار علٰی ردالمحتار ۱/۲۷۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۸

مسئلہ ۸۷۳تا۸۷۵ :از فیض آباد مرسلہ احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲جمادی الآخری ۱۳۲۱ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:
(۱) مسجد یاخلاف مسجد امام کامصلی مقتدیوں کی صف سے ملارہے یاعلیحدہ، اگر علیحدہ ہو توکس قدر فاصلہ پر، امام مصلّے کے کنارے پر کھڑاہو یاکچھ آگے بڑھ کر تاکہ مقتدیوں کوکافی جگہ ملے، فرمایئے، اللہ آپ کواجر عظیم عطافرمائے۔
(۲) زید مسجد یاخلاف آں نماز فرض پڑھ رہاہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یاکوئی اور رکعت، اور بکر تنہا یادو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہوجانے کے تنہابکر یادونوں شخصوں نے اسی مقام پر اور اسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیاحکم ہے ان کی نماز کا، یاپہلے ان کو اطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رابع نے بآواز بلند کہہ دیا، اب کیاحکم ہے بکر کی نماز کا؟ آیا وہ درست ہوئی، اگرنہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہوچکی ہے وہیں سے ترک کردے یاپوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمایئے۔ **بینوا توجروا**
(۳) اگرہجڑا یاعورت یانابالغ یاشیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نمازفرض پڑھ رہاہے مسجد میں یاباہر، اور زید بھی نماز فرض پڑھناچاہتاہے، آیا اس مصلے پر نماز پڑھ سکتاہے یانہ، کیا اس شخص کے نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:
(۱) فصل بقدر کفایت وحاجت ہو جس میں مقتدی بخوبی سجدہ کرلیں اور اس سے زائد فصل کثیر مکروہ وخلاف سنت ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**
(۲) اگرزید قابل امامت تھا اور انہیں معلوم تھا کہ یہ فرض پڑھ رہاہے اور انہوں نے اقتدانہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تواگر جماعت اولٰی ہوچکی ہے جب توفضل سے محروم رہے اور اگریہی جماعت اولٰی ہوئی توگنہگار ہوئے، اور اگرزید قابل امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابل امامت تھاتواب بھی وہی احکام ہیں، اور اگران میں بھی کوئی قابل امامت نہیں تواصلاً حرج نہ ہوااور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہوجائے گی اور اورنیت توڑدینا صرف جماعت قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کے فرض شروع کئے ایک رکعت یااس سے کم پڑھنے پایاتھاکہ جماعت قائم ہوئی تونیت توڑدے باقی جماعت معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت

نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) پڑھ سکتا ہے اور ختم نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۷۶ : از شہر فیروزپور محلّہ پیراں والا مرسلہ منشی عنایت اللہ شائق قادری

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت اولیہ پڑھی نہیں گئی اور امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے وہ اپنے کام کے واسطے امام معین کا انتظار نہیں کرتے، حاضرین میں سے کسی کو بغیر اجازت امام کے امام بنادیتے ہیں اور نماز بجماعت ادا کرلیتے ہیں یا اگر جماعت ہوچکی ہے اور آنے والا شامل جماعت نہیں ہوا تو پھر دیکھا کہ ایک دو اور آدمی موجود ہیں جو شامل جماعت نہیں ہوئے ان کو ہمراہ لے کر جماعت پڑھائی یا ان میں سے کسی اور کو امام بنادیا اور امام سے نہیں پوچھا بعض کی یہ عادت ہے کہ مسجد میں آئے اور امام کا مصلّی لیا اور بچھایا اور اس پر نماز پڑھی یا یونہی بیٹھ گئے، کیا ان کا ایسا کرنا اور بغیر امام کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجر الجزیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو اللہ تعالٰی آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ ت)

الجواب:

جو لوگ جماعت معینہ سے پہلے جماعت کرکے چلے جائیں اس میں چند صورتیں ہیں اگر امام معین محلّہ میں واقعی کوئی معذور شرعی ہے مثلاً وضو طہارت کا ٹھیک نہ ہونا یا تجوید وقراءت میں ایسی غلطی کہ مورث فساد نماز ہو یا معاذاللہ بدمذہبی مثل وہابیت وغیر مقلدی وغیرہما یا فسق بالاعلان مثلاً داڑھی حد شرع سے کم رکھنا تو ان تین صورتوں میں ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں بلکہ اسی جماعت محلّہ پر الزام ہوگا جو ایسے امام ناقابل امامت یا ممنوع التقدیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں یونہی اگر وہ مسجد کسی خاص جماعت کی مسجد نہ ہو جیسے مسجد شارع وسرا واسٹیشن، جب بھی کوئی الزام نہیں کہ وہاں امام معین ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو جماعت آئے جدا اذان کہے اور جدا اقامت کرے اور اپنے سے ایک شخص صالح امامت کو امام بناکر جماعت پڑھے یہ سب جماعتیں جماعت اولٰی ہوں گی ان میں سے کسی دوسرے پر ترجیح نہیں اور اگر مسجد محلّہ ہے جس کے لئے امام وجماعت معین ہے اور امام میں کوئی معذور شرعی نہیں اور چند لوگ اپنی کسی ضرورت خاصہ شرعیہ سے پیش از جماعت نماز پڑھ کر جانا چاہتے ہیں مثلاً کہیں انہیں جانے کی ضرورت جائزہ ہے اور جماعت کا انتظار کریں تو ریل کا وقت جاتا رہے گا ایسی صورت میں بھی ان کو اجازت ہوگی کہ باہم جماعت کرکے چلے جائیں کہ شرع نہ ان کو یہ حکم دے گی کہ جماعت کا انتظار کرو اور ریل نکل جانے دو نہ یہ حکم دے گی کہ جبکہ تم جماعت کا انتظار نہیں کرسکتے الگ الگ پڑھو اور جماعت نہ کرو نہ اس جماعت میں منصب امام معین سے کوئی منازعت ہوگی کہ وہ محلّہ کی جماعت اولٰی

کاامام معین ہے، اہل محلّہ کے لئے جماعت اولیٰ وہی ہوگی جو وہ اپنے امام کے ساتھ اپنے وقت معین پر پڑھیں گے، ان چند آدمیوں کابضرورت پہلے جماعت کرجانا ان کے ثواب جماعت میں کچھ کمی نہ کرے گااور جب منازعت نہیں تو استیذان امام کی بھی حاجت نہیں، پھر بھی احسن یہ ہے کہ محراب سے ہٹ کر جماعت کریں تاکہ صورت معارضہ سے بچیں اور باعث تنفیر ووحشت امام معین نہ ہواور اگران کی کوئی ضرورت شرعیہ نہیں توضرور موردالزام شرعی ہیں کہ مرتکب تفریق جماعت ہوئے پھر نیت کے اختلاف سے حکم اشد ہوتا جائے گامثلاً اپنے کسی لہوولعب مباح کی جلدی کے باعث جماعت کرگئے توصرف تفریق جماعت کاالزام ہے اور اگر کسی لہوولعب ناجائز کی جلدی تھی یا کسی ناجائز جگہ جانے والے تھے اور وقت ریل کے سبب جلدی کی توالزام دوچند ہے اور اگراپنی بدمذہبی کے باعث امام سنی صحیح العقیدہ صالح امامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہی توالزام سب میں سخت تر ہے **والکل ظاھر عند من له ادنی مسکة فی العلم** (یہ تمام اس شخص پرظاہر ہے جسے اس علم سے ادنٰی تمسک ہے۔ت) یہ صورت تقدیم کاجواب ہوا، رہی صورت تاخیر اس میں بھی اگروہ مسجد مسجد محلّہ نہیں تو ہم اوپر کہہ چکے کہ یہاں نہ تقدیم ہے نہ تاخیر ہے نہ معین امام کے کوئی معنی، سب جماعت اولیٰ ہیں اور سب یکساں، اور اگر مسجد مسجد محلّہ ہے اور امام معین میں کوئی عذر شرعی تھاجس کے سبب انہوں نے قصداً تاخیر کی جب بھی ان پر کچھ الزام نہیں کہ مقصود اصلاح جماعت سے اثارت فتنہ ہے اور اس میں تقدیم وتاخیر یکساں، اور اگرامام میں کوئی عذر شرعی بھی نہیں مگر جماعت اولیٰ بے اذان یااذان خفی ناکافی اعلان کے ساتھ کی گئی جب بھی ان کو باعلان اذان اعادہ جماعت کی اجازت بلکہ حکم ہے کہ پہلی جماعت جماعت مسنونہ نہ ہوئی جماعت مکروہہ ہوئی اور اگر یہ بھی نہیں مگرامام معین مذہب فقہی میں اس جماعت باقیہ کامخالف ہے مثلاً وہ شافعی المذہب ہے یہ حنفیّہ ہیں اپنی جماعت جدا کرناچاہتے ہیں توکوئی بھی الزام نہیں کہ افضل یہی ہے کہ امام موافق المذہب کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اگرمخالف المذہب حتی الامکان مراعات مذاہب اربع رکھتا ہو، ان سب صورتوں میں اس جماعت ثانیہ کو نہ اذن امام اول کی حاجت نہ تبدیل محراب ومصلی کی ضرورت، اگران سب وجوہ سے جداہو توپھر تاخیر میں بنظر باعث وہی شقوق عود کریں گے جوتقدم میں تھیں، اگرباعث تاخیر کوئی ضرورت شرعیہ تھی مثلاً بھوکا ہونا یااستنجے کی ضرورت ہونا وغیر ذلک جواعذار فقہانے تحریر فرمائے ہیں توان پر کوئی الزام نہیں مگراعادہ اذان کی اجازت نہ ہوگی اور محراب نہ بدلنامکروہ، اور بعد تبدیل محراب شرعی اجازت ہے اذن امام کی حاجت نہیں، نہ اس کے منصب میں منازعت نہ اس میں اس کے لئے تنفیر ووحشت، اور اگرہو بھی اور وہ کہے کہ اگرچہ جماعت اولیٰ میں نے ہی کی اور میرے حق میں کوئی دست اندازی نہ ہوئی پھر بھی تم نے میری مسجد میں بے میرے اذن کے کیسے جماعت ثانیہ کرلی تواس وحشیانہ وحشت کاالزام خوداس پر ہے نہ ان پر۔ اور اگر بے ضرورت شرعیہ کسی امر مباح کے سبب

تاخیر کی تو تفریق جماعت وترک جماعت اولٰی کا ان پر وبال ہے اور اگر کسی امر ناجائز کے سبب تو وبال دوچند اور اپنی بدمذہبی کے باعث امام سنی صالح الامامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہی تو وبال سب میں سخت تر ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزرا۔ت) اور مصلائے امام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ خاص اس کی ملک ہو کہ اس نے اپنے لئے مسجد میں بچھا رکھا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بے اس کے اذن کے کسی کام میں استعمال نہیں ہوسکتا جو استعمال کرے گا گنہگار ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مصلّی وقف ہو، اس میں پھر تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ واقف نے صرف امام کے لئے وقف کیا تو اسے کوئی نمازی منفرد یا مقتدی بھی نہیں لے سکتا چہ جائیکہ غیر۔ بلکہ اگر خاص امام جماعت اولٰی کے لئے وقف کیا ہو تو امام جماعت ثانیہ بھی نہ لے سکے گا جبکہ واقف نے اسے جائز نہ رکھا ہو۔ تیسرے یہ کہ مسجد کے لئے وقف کیا اور صراحۃً یا دلالۃً حاضران مسجد کے لئے اس کا استعمال مطلق ہے جس طرح چٹائیوں میں معروف ہے تو اسے نماز کے لئے بھی لے سکتے ہیں اور غیر وقت نماز میں کسی ایسے جلوس کے لئے بھی کہ شرعًا مسجد میں جائز ہو، پھر اتنا لحاظ رہے کہ بحال اطلاق بھی جس طرح صفیں جماعت کے لئے ہوتی ہیں مصلّے میں حق امام زیادہ ملحوظ ہوتا ہے تو عین وقت امامت امام کو اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا، ہاں خالی وقت میں لے لینا اور وقت امامت کے لئے مقام امام پر پھر بچھادینا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷۷: از کھمریا پوٹہ کلاں ضلع پیلی بھیت مرسلہ شرف الدین صاحب زمیندار ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہر کی نماز دو بج کر پچیس منٹ پر تین شخص جماعت کرلیں وہ بہتر ہے یا دو بج کر پینتیس منٹ پر پچیس آدمیوں کی جماعت ہو یہ بہتر ہے ان دونوں جماعتوں میں کون سی جماعت اولٰی ہے، فقط۔

الجواب:

جماعت جتنی کثیر ہوگی ثواب عظیم ہوگا اور اس دس منٹ میں کچھ وقت تنگ نہیں ہوتا کثرت جماعت ہی کے لئے شرع مطہر نے نماز فجر کو آخر وقت میں پڑھنے پر ثواب زیادہ رکھا ہے اصل حکم یہ ہے اور اگر کسی جگہ کوئی خاص صورت باعث فتنہ ہو تو فتنہ سے بچنا لازم ہے اور وبال فتنہ کرنے والے پر، اور مسجد محلّہ میں امام معین اکثر اہل محلّہ کے ساتھ جو جماعت بروجہ سنت ادا کرے وہ جماعت اولٰی ہے اس سے پہلے دو چار بلاوجہ یا

اپنے کسی کام کے سبب جماعت کر جائیں تو وہ ان اکثرین کی جماعت کا ثواب کم نہ کرے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۷۸ : بتوسط جناب مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدّث سورتی ۷ صفر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت ابھی تک نہیں پڑھ گئی امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے امام معین کی انتظاری نہیں کرتے، اپنے میں سے ایک کو امام بنایا اور نماز باجماعت ادا کی اور چل دیئے امام سے بھی امامت کا اذن نہیں لیا علٰی ہذا اگر جماعت ہوچکی اور دیکھا کہ دو چار آدمی اور بھی جمع ہیں جو جماعت میں شامل نہیں ہوئے ایک کو امام بنایا اور جماعت کرائی اسی طرح پر اور آئے اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا بعض کی عادت ہے کہ امام کا مصلی جو اس کے نام سے نامزد ہے اور وہ اس پر ہمیشہ کھڑا ہو کر امامت کرتا ہے جیسا کہ دستور ہے اٹھایا اور اس پر نماز ادا کی یا بیٹھ گئے امام سے پوچھا بھی نہیں، لوگوں کو اگر منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ نیک کام ہے اس سے روکنا نہ چاہئے سابقوا الخیرات (خیرات میں سبقت حاصل کرو۔ت) حکم ہے، ضرورت کے وقت چونکہ شمولیت جماعت مقررہ سے شریعت کی جانب سے رخصت ہے اور انفرادی حالت میں بہ نسبت جماعت کے ثواب کم ہے اس واسطے شریعت کی جانب سے ایسی امامت کی نہی نہیں معلوم ہوتی اور مضمرات کی عبارت:

ولوصلی بعض اھل المسجد باقامۃ وجماعۃ ثم دخل المؤذن والامام وبقیۃ الجماعۃ فالجماعۃ المستحبۃ لھم والکراھۃ للاولی[1]۔ (عالمگیریۃ)	اگر اقامت وجماعت کے ساتھ بعض اہل محلّہ نے نماز ادا کی، پھر مؤذن، امام اور بقیہ لوگ آئے تو ان کے لئے جماعت مستحب اور پہلی مکروہ ہوگی (ت)

کو بلاضرورت اقامت جماعت للاعراض عن المقررۃ یا احداث فتنہ پر محمول رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مساجد کی وضع عبادت کے لئے ہے صفیں جیسے مقتدیوں کی نماز کے لئے ہیں ایسے مصلّی امام کے لئے، امام صف پر نماز پڑھا سکتا ہے ایسا ہی اگر مصلے پر کوئی غیر امام نماز پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں، بعض کا قول ہے مصلّی امام کی ملک نہیں، فقہ کی متداولہ کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معین امام کی انتظاری لازم ہے اور بغیر اجازت امام معین کے امامت نہ کرائیں اگر انتظار میں وقت مکروہ ہوتا ہو یا کسی ضروری کام کے لئے جانا چاہتا ہو مثلاً ریل کا وقت جاتا رہے گا تو الگ الگ نماز پڑھ کر چلے جائیں ترک جماعت میں ان کے حق میں امام کا اذن نہ دینا اس قبیل سے ہوگا جو اس حدیث میں ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفتہ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴

حدیث لایؤمن الرجل الرجل فی سلطانه ولایقعد فی بیته علی تکرمته الاباذنه[1] رواه مسلم معناه ماذکره اصحابنا وغیرهم ان صاحب البیت والمجلس وامام المسجد احق من غیره وان کان ذلك الغیر افقه واقرء و اورع و افضل منه [2] الخ نووی شرح مسلم۔قوله فی سلطانه ای موضع یملکه اویتسلط علیه بالتصرف کصاحب المجلس وامام المسجد[3]۔ مجمع بحارالانوار لیس للقاضی ان یصلی بهم اذالم یؤمر به صریحا اودلالة (کبیری[4])	ایک آدمی دوسرے آدمی کی سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر جماعت نہ کروائے اور نہ ہی اس کے گھر میں بغیر اجازت اعلٰی مقام پر بیٹھے، اسے مسلم نے روایت کیا، معنی یہ ہے ہمارے ائمہ نے یوں بیان کیاکہ صاحب خانہ، صاحب مجلس اور امام مسجد غیر سے امامت کے زیادہ مستحق ہوتاہے اگرچہ وہ غیر اس سے زیادہ فقیہ، قاری، صاحب تقوٰی وفضیلت ہو الخ نووی شرح مسلم (ت) قولہ فی سلطانہ اس سے مراد اس کا مالک اور زیر تصرف ہوناہے جیسا کہ صدر مجلس اور امام مسجد۔ مجمع بحارالانوار (ت) قاضی کے لئے نمازپڑھانا جائز نہیں جب تک اس کو صراحةً یا اشارةً حکم نہ ہو، کبیری (ت)

علت نہی کی یہ ہے:

وهذالئلا یؤدی الٰی تهوین امرسلطنته و خلع ربقة الطاعة والی التباغض و الخلاف التی شرع الاجتماع لرفعه[5]۔ مجمع بحارالانوار۔	یہ اس لئے ہے تاکہ امر سلطنت کو ہلکاجان کر لاپرواہی نہ ہو اور طاعت امیر سے بغاوت اور بغض نہ ہو اور ایسا اختلاف نہ ہو جس کے رفع کے لئے اجتماع مشروع ہوا، مجمع بحارالانوار (ت)

[1] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[2] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[3] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۱۳۰

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[5] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن مطبوعہ المطبع العاد نولکشور لکھنؤ ۲/۱۳۰

ان منقولات سے پایا جاتا ہے کہ امام کہیں ہو جہاں تک ممکن ہو امام سے اجازت لے کر امامت کرائیں کہ امامت بلااذن منع ہے امام کا جماعت میں بالفعل موجود ہونا شرط نہیں اور عموم حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے **مرض الامیر فصلی الشرطی لم یجزالاباذنہ**[1] (امیر بیمار ہوگیا کسی لشکری نے نماز پڑھائی تو اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگی۔ت) علمگیریہ کی عبارت کا بھی یہی مقصود ہے بعض کا خیال ہے کہ حدیث مذکورہ بالا سے یہ امر ثابت ہے کہ منع امامت امام دیگر، بوقت حضور امام المحلہ ہے نہ بوقت عدم حضور کیونکہ مراد رجل اولٰی سے امام دیگر ہے اور رجل ثانی سے امام محلّہ یاصاحب البیت ہے اور کہا رجل اول رجل ثانی کی امامت نہ کرے، اگر رجل ثانی حاضر ہوگا تو اس کی امامت ممکن ہے اور نہی امور ممکنہ سے متعلق ہوا کرتی ہے، جماعت ثانیہ اگر تحت عموم حدیث کے ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہی علت ہے اگر خارج ہے تو بھی فقہا نے اسے مکروہ تحریمہ لکھا ہے اور بعض کہتے ہیں اگر ہیئت اولٰی کے خلاف ہے تو مکروہ نہیں جیسا کہ امام ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نفی جو امام ابی یوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ سے مذکور ہے مراد اس سے کراہت تحریمہ کی نفی ہے نہ مطلق، بہرحال کراہت سے خالی نہیں، مصلّی پر امام کے نماز پڑھنا یا بیٹھنا بلااس کے اذن کے اس کی ممانعت بھی مذکورہ بالا کے آخری فقرہ میں **ولایقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الاباذنہ**[2] سے پائی جاتی ہے

قولہ علی تکرمتہ ھو موضع خاص لجلوسہ عن فراش اوسریر ممایعد لاکرامہ ن ھی بفتح تاء وکسرھا ط کفراش وسجادۃ ونحوھما۔مجمع بحار الانوار[3]۔	قولہ تکرمتہ سے مراد وہ جگہ ہے جو بیٹھنے کے لئے ہو یا وہ چارپائی جو اکرام کے لئے رکھی گئی ہوتی ہے ن اس کی تاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں آسکتے ہیں ط مثلاً فراش اور سجادہ وغیرہ، مجمع بحارالانوار۔(ت)

چونکہ ہر سہ سوالات کی نسبت اقوال علماء وعبارات کتب مختلف ہیں اس واسطے بہت تردّد رہتا ہے اور تسکین نہیں ہوتی ہے بظاہر عبارات کتب سے تو نہی راجح معلوم ہوتی ہے اور اقوال علمائے مخالف، اس لئے ادب سے التماس ہے کہ حقیقت امر سے مفصل اور مدلل طور پر بحوالہ کتب اور عبارات سے آگاہ فرمائیں تاکہ شق راجح عملدرآمد ہو۔**بینوا توجروا**

الجواب:

مسجد اگر جامع یا سرایا بازار یا اسٹیشن کی، غرض مسجد عام ہے کہ ایک جماعت خاصہ سے مخصوص نہیں

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵
[2] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶
[3] مجمع بحارالانوار زیر لفظ کرم مطبوعہ المطبع العاد نولکشور لکھنؤ ۳/۲۰۹

جب تواس میں ان سوالات کا محل ہی نہیں اس کی سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہیں جو گروہ آئے اپنی جماعت کرے اور محراب ہی میں امامت کرے، اور افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جداجدا اذان واقامت کرے کما نص علیه فی فتاوٰی قاضی خاں وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) ہاں مسجد محلّہ جس کے لئے جماعت معین امام معین ہے اس میں ضرور امام مقرر کا حق مقدم ہے جبکہ اس کی طہارت، قرأت، عقیدے، عمل میں خلل نہ ہو کما فی الدر المختار وردالمحتار وغیرھما من الاسفار (جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار اور دیگر کتب میں ہے۔ت) اور قصداً بلاوجہ شرعی تفریق جماعت ضرور موجب ذم وشناعت، خواہ یوں ہو کہ امام معین سے پہلے پڑھ جائیں یا جماعت اولی فوت کرکے اپنی جماعت الگ بنائیں۔ رہے اہل ضرورت وہ مستثنٰی ہیں اور ان کی جماعت اگرچہ پہلے ہو (مثلاً جماعت معینہ کا ابھی وقت نہ آیا اور انتظار میں ریل کا وقت نہ رہے پڑھ کر چلے گئے) امام اور اہل محلّہ کے حق میں جماعت اولیٰ نہ ہوگی تو اس سے حق امامت میں مزاحمت نہ ہوگی الالایؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ (آدمی کو دوسرے کی حکومت میں جماعت نہیں کروانی چاہئے۔ت) کا کچھ خلاف نہ ہوا کہ نہ امام معین کی امامت کی نہ اس کی امامت میں مزاحمت کی اور ہرگز شرع مطہر سے کوئی دلیل نہیں کہ ایسے لوگ بے اذن امام جماعت سے ممنوع ہیں نہ اصلاً کہیں ان پر یہ حکم ملے گا کہ مجتمع ہوتے ہوئے الگ الگ پڑھیں اور روافض سے تشبہ کریں، یوں ہی جو اتفاقاً بلاتقصیر جماعت سے رہ گئے وہ شرعاً انفراد پر مجبور نہیں، نہ شرع سے کوئی دلیل کہ جماعت میں اذن امام کے محتاج ہیں کہ یہاں بھی اس کے حق میں مزاحمت نہیں البتہ تمیز جماعت اولیٰ وابانت فرق واحتراز صورت مزاحمت کے لئے محراب سے الگ ہونا چاہئے۔

وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة هو الصحیح وبه ناخذ[1] کما اثره فی ردالمحتار۔	محراب سے ہٹ کر نماز ادا کرنے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے یہی صحیح ہے اور ہم اس پر عمل پیرا ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں منقول ہے (ت)

عبارت مضمرات کا محل وہی صورت تفریق بلاضرورت ہے یونہی حکم انتظار محل عدم ضرورت میں ہے

مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ[2]	تم پر دین میں اس نے تنگی نہیں کی (ت)

بصورت ضرورت بوجہ مذکور جماعت میں نہ امام معینہ کی تہوین نہ کوئی وجہ تباغض نہ تحزین، عبارت عالمگیری وعبارت کبیری دونوں دربارہ جمعہ ہیں اور جماعات کا اس پر قیاس باطل کہ جمعہ میں شرط ہے کہ امام خود سلطان ہو

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۱/۱

[2] القرآن ۷۸/۲۲

یااس کاماذون اسی کی تفریع میں دونوں کتابوں کی وہ عبارات ہیں کبیری میں فرمایا:

الشرط الثانی کون الامام فیھاسلطاناًاومن اذن له السلطان(الی ان قال)المتغلب الذی لامنشورله اذاکان سیرته فی الرعیة سیرة الامراء یجوزله اقامتھا لان بذلك تثبت السلطنة فیتحقق الشرط ولیس للقاضی ان یصلی بھم [1] الخ	دوسری شرط یہ ہے کہ امام سلطان ہو یا جسے سلطان نے حکم دیاہو(آگے کہا) اقتدارپر غلبہ پانے والاوہ شخص جس کواجازت نامہ حاصل نہیں، اگررعیت میں وہ امیر جیسی صورت ومقبولیت حاصل کرلے توجمعہ کاقیام جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اقتدار قائم ہونے سے جمعہ کی شرط پائی گئی ہے (سلطان یانائب) کی موجودگی میں قاضی کوجمعہ پڑھاناجائز نہیں الخ(ت)

علمگیریہ میں ہے:

منھا السلطان حتی لاتجوز اقامتھا بغیر امر السلطان اوامر نائبه مرض الامیر [2] الخ	ان میں سے سلطان ہے حتی کہ اقامت جماعت امر سلطان یااس کے نائب کے حکم کے بغیر جائز نہیں امیر بیمار ہوگیا الخ(ت)

حدیث کی عبارۃالنص اگرچہ صورت امامت للامام میں ہے مگر بلاوجہ شرعی اس کی امامت فوت کرکے خود امام بن جانے کو بھی دلالۃًشامل،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بشروا ولا تنفروا [3]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے لوگوں کوخوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ(ت)

اور جوصورتیں اوپر گزریں نہ ان میں عبارۃً منصوص نہ دلالۃً داخل، جماعت ثانیہ کی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے جس کامجمل یہ ہے کہ مسجد عام میں ہرجماعت اولٰی ہے اور مسجد محلّہ میں قصداً تفریق یااولٰی کی تفویت بلاعذر صحیح شرعی ناجائز ورنہ بااعادہ اذان ہوتومکروہ تحریمی، اور محراب نہ بدلیں توخلاف اولٰی ورنہ اصلاً کراہت نہیں ھوالصحیح وبه ناخذ (یہی صحیح ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) تاتر خانیہ مصلّی اگرملک امام ہے جب توظاہر کہ اس کے بے اذن اس میں تصرف حرام اور اگرواقف نے خاص جماعت اولٰی کے لئے وقف کیاجب بھی اور لوگ استعمال نہ کریں لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[3] صحیح بخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

نص شارع کی طرح ہے۔ت) ورنہ اس پر نماز میں اصلاً حرج نہیں جبکہ بلاوجہ امام سے مزاحمت یا تنفر ناحق یااثارت فتنہ نہ ہو، احکام کہ فقہ میں مذکور ہوئے آپ پر واضح ہیں اور بعض کی استبانت کے لئے یہ عبارت بحرالرائق پیش نظر ہونا نافع:

قال رحمه الله تعالٰی من هنایعلم جهل بعض مدرسی زماننا من منعهم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسه اوکراهتهم لذلك زاعمین الاختصاص بهادون غیرهم حتی سمعت من بعضهم انه یضیفها الی نفسه ویقول هذه مدرستی اولاتدرس فی مدرستی وهذا کله جهل عظیم فقد قال الله تعالٰی وان المسٰجد فلایتعین مکان مخصوص لاحد حتی لوکان للمدرس موضع من المسجد یدرس فیه فسبقه غیره الیه لیس له ازعاجه و اقامته منه[1] ه مختصرا واللہ سبحٰنه و تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	صاحب بحرالرائق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہاں سے ہمارے دور کے بعض مدرسین کی جہالت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اس شخص کو اس مسجد میں تدریس کرنے سے منع کرتے ہیں جس تدریس کے لئے ان کا تقرر ہو یا اسے مکروہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان مدارس کو دوسروں کے علاوہ اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حتی کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا وہ اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ میرا مدرسہ ہے، یا تو میرے مدرسے میں تدریس نہ کر، یہ تمام بہت بڑی جہالت ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بیشک مساجد اللہ کی ہیں پس کوئی جگہ کسی کے لئے مخصوص نہیں لہذا اگر ایک مدرس مسجد کے کسی مقام پر بیٹھ کر درس دیتا تھا پھر کوئی دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھا تو پہلے مدرس کو جائز نہیں کہ دوسرے کو وہاں سے ہٹا کر خود وہاں بیٹھے، اھ مختصراً واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۷۹: از شہر محلّہ مسجد جامع مسئولہ مولوی محمد احسان صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب بہ ہنگام ضرورت محراب مسجد میں یعنی آثار دیوار پچھیت مسجد کے اندر کھڑا ہے اور اپنے دائیں وبائیں برابر ایک ایک یا زیادہ مقتدی کھڑے کرلئے باقی اور صفیں عقب حدود مسجد میں ہوں تو ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

[1] بحرالرائق فصل کرہ استقبال القبلۃ بالفرج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴

الجواب:

وقت ضرورت امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں اور اپنے برابر کسی مقتدی کے لینے کی حاجت نہیں بلکہ دو مقتدیوں کاامام کے برابر ہوناخود مکروہ ہے، امام کا محراب میں ہونا بضرورت تھاکہ مکروہ نہ رہا یہ کس ضرورت سے ہوااور اگر تین یازیادہ مقتدی امام کے برابر ہو جائیں گے تونماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو جائے گی، محراب میں بلاضرورت کھڑا ہونا بھی ایسا ہی مکروہ بلکہ یہ سخت وشدید مکروہ ممنوع ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۸۰ : از عبدالغفور صاحب میونسپل کمشنر کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مذہب حنفی امامت کررہا ہے اور اس کے مقتدی کل حنفی ہیں اور ان میں چنداشخاص غیر مقلد شریک ہو کر آمین بالجہر ورفع یدین کریں تو اس صورت میں ادائے نماز حنفی میں نقص واقع ہوتا ہے یانہیں کہ جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یافاسد۔

الجواب:

غیر مقلدین زمانہ بحکم فقہا وتصریحات عامہ کتب فقہ کافرتھے ہی، جس کا روشن بیان رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ** ورسالہ **السیوف** ورسالہ **النھی الاکید** وغیرہامیں ہے اور تجربہ نے ثابت کردیا کہ وہ ضرور منکران ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی وہمراہ، تویقینا قطعًا اجماعًا ان کے کفروارتداد میں شک نہیں، اور کافر کی نماز باطل، تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله[1]۔	جوصف کو ملائے اللہ اپنی رحمت سے اسے ملائے اور جوصف قطع کرے اللہ اپنی رحمت سے اسے جدا کرے۔

تو جتنے اہلسنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یاباوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے اور نماز میں بھی نقص آئے گا کہ قطع صف مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف ایک ہی صف ہواور اس کے کنارہ پر غیر مقلد کھڑا ہو تو اس صورت میں اگرچہ فی الحال قطع صف نہیں مگر اس کا احتمال و اندیشہ ہے کہ ممکن کہ کوئی مسلمان بعد کو آئے اور اس غیر مقلد کے برابر یادوسری صف میں کھڑا ہو تو قطع ہو جائے گا

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

اور جس طرح فعل حرام حرام ہے یونہی وہ کام کرنا جس سے فعل حرام کاسامان مہیا اور اس کا اندیشہ حاصل ہو وہ بھی ممنوع ہے ولہٰذا حدود اللہ میں فقط وقوع کو منع نہ فرمایا بلکہ ان کے قرب سے بھی ممانعت ہوئی کہ تِلْكَ حُدُوْدُاللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا[1] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤاس کے باوجود۔ت) **مع ھذا** ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم**[2]۔نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔بدمذہبوں کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸۱ : از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ احمد حسین خاں صاحب ۷/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

وبار دوم از قصبہ سرواڑ علاقہ کشن گڑھ متصل اجمیر شریف ہوشیاروں کی مسجد مسئولہ قاضی اکبر صاحب ۲۰ ذیقعد ۱۳۳۰ھ

کیا کسی امام کے مذہب میں آمین بآواز بلند کہنا جائز ہے، اگر کوئی جماعت میں آمین زور سے کہتا ہو حنفی سنیوں کی جماعت میں شریک کرنے سے نماز میں تو کچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔

الجواب:

آمین بالجہر امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ہے اگر کوئی سنی شافعی مذہب آمین بآواز کہے وہ بلا تکلف حنفیوں کی جماعت میں شریک ہو بلکہ بشرائط مذکورہ کتب فقہ وہ امامت کرے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے کہ ہم اور وہ سب حقیقی بھائی ہیں، ہمارا باپ اسلام، ہماری ماں سنت سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ مگر یہاں جو آمین بالجہر والے ہیں یہ غیر مقلد وہابی ہیں یہ اللہ ورسول کی توہین کرنے والے ہیں یہ ہمارے ائمہ کرام کو گالیاں دینے والے ہم کو مشرک کہنے والے ہیں ان کی شرکت جماعت حنفی سے ضرور ضرر ہے کہ ان کے عقائد باطلہ تکذیب خدا و توہین رسول کے باعث ان کی نماز ہی نہیں تو جماعت میں ان کا کھڑا ہونا بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص بے نماز بیچ میں داخل ہے اس سے صف قطع ہو گی اور صف کا قطع کرنا حرام، حدیث میں فرمایا:

من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[3]۔	جو صف کوملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کردے گا(ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

[2] کنز العمال الفصل الاول فی فضائل الصحابہ اجمالا مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

حدیث میں حکم فرمایا کہ نماز میں خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیچ میں شیطان نہ داخل ہو۔ یہاں آنکھوں دیکھا شیطان صف میں داخل ہے یہ جائز نہیں تو بشرط قدرت اسے ہر گز اپنی جماعت میں نہ شامل ہونے دیں اور جو مجبور ہے معذور ہے۔

مسئلہ ۸۸۲ : از ریاست الورراجپوتانہ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی ۲۲ذی الحجہ ۱۳۲۴ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاطع بدعت وضلالت جامع معقول ومنقول جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب ادام فیوضہم وبرکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقیر حقیر مسکین محمد رکن الدین حنفی نقشبندی مجددی نادیدہ مشتاق زیارت [عــہ] دومسئلہ خدمت شریف میں پیش کرکے امیدوار ہے کہ جناب اپنی تحقیق سے اس عاجز کو ممنون فرمائیں اللہ تعالٰی اس کااجر عظیم عطافرمائے گا، ایک مسئلہ تو جماعت ثانی کا ہے اس میں گزارش یہ ہے کہ ردالمحتار میں جواقوال کراہت وعدم کراہت کے نقل کئے ہیں ان میں سے کراہت کاقول اس محلّہ کی مسجد کی نسبت کہ جس میں امام اور مؤذن اور نمازی معین ہوں ظاہر الروایۃ بیان کیا ہے اور اس کو مدلل بھی کردیا ہے اور عدم کراہت کے قول کی صحت بھی منقول ہے کہ جو منسوب امام ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ سے ہے وہ بھی اس میں موجود ہے اب یہ فرمایئے کہ ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں جبکہ وہ مدلل بھی ہو دوسرے قول بلادلیل کی ترجیح کس طرح ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ، ونصلّی علی رسولہ الکریم

بملاحظہ مولانا المبجل المکرم المکین جعلہ اللہ تعالٰی ممن شید بہم رکن الدین۔ وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔ ہمارے امام ہمام سراج الامہ امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب مہذب وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مسجد محلّہ جس کے لئے اہل معین ہوں جب اس میں اہل محلّہ باعلان اذان وامام موافق المذہب صالح امامت کے ساتھ جماعت صحیحہ مسنونہ بلاکراہت اداکرچکے ہوں توغیر اہل محلّہ یا باقی ماندگان اہل محلّہ کواذان جدید کے ساتھ اس میں اعادہ جماعت مکروہ وممنوع وبدعت ہے۔ مجمع البحرین وبحر الرائق میں ہے:

لاتکررھا فی مسجد محلة باذان	محلّہ کی مسجد میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت

[عــہ] اول یہ ہے دوسرانوافل میں مسطور ہے ۱۲(م)

ثان[1]	جائز نہیں۔(ت)

شرح المجمع للمصنف وفتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

المسجد اذاکان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثان[2]۔	جب مسجد کاامام اور جماعت محلّہ میں متعین ہو اور اہل محلّہ نے جماعت کے ساتھ نمازادا کرلی تو دوسری اذان کے ساتھ اس میں تکرار جماعت مباح نہ ہوگی(ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وشرح کبیر منیہ وغرر ودرر وخزائن الاسرار ودرمختار وذخیرۃ العقبٰی وغیرہا میں ہے اور اس کا حاصل حقیقۃ کراہت اعادئہ اذان ہے

فان الحکم المنصب علی مقید انما ینسحب علی القید کماقدعرف فی محلہ ولھذا۔	وہ حکم جو کسی مقید پر ہو وہ قید پر وارد ہوتا ہے جیسا کہ یہ ضابطہ اپنے مقام ومحل پر معروف ہے(ت)

امام محقق ابن امیر الحاج حلبی ارشد تلامذہ ابن الہمام نے حلیہ میں اسی مذہب مہذب کو اس عبارت سے ادافرمایا:

المسجد اذاکان لہ اھل معلوم فصلوا فیہ اوبعضھم باذان واقامۃ کرہ لغیراھلہ والباقین من اھلہ اعادۃ الاذان والاقامۃ[3]۔	جب مسجد کے اہل معلوم ہوں اور ان تمام یا بعض نے اذان واقامت کے ساتھ نماز اداکرلی تو اب غیر اہل اور بقیہ لوگوں کے لئے اذان واقامت کااعادہ جائز نہیں(ت)

ولہٰذا کتب مذہب طافحہ ہیں کہ بے اعادہ اذان مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ بالاتفاق مباح ہے اس کے جواز واباحت پر ہمارے جمیع ائمہ کااجماع ہے عباب وملتقط ومنبع وشرح درالبحار وشرح مجمع البحرین للمصنف وشرح المجمع ابن ملک ورسالہ علامہ رحمت اللہ تلمیذ امام ابن الہمام وذخیرۃ العقبٰی وخزائن الاسرار شرح تنویر الابصار وحاشیۃ البحر للعلامۃ خیر الدین رملی وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں اس پر اتفاق واجماع نقل فرمایا، خزائن میں ہے:

لوکرر اھلہ بدونھما اوکان مسجد	اگراذان واقامت کے بغیر اہل محلّہ تکرار جماعت

[1] بحر الرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۵۔۳۴۶
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳
[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

طریق جاز اجماعا[1]۔	کریں یا وہ مسجد راستہ کی ہو تو یہ تکرار جماعت بالاجماع جائز ہے(ت)

علمگیریہ وشرح المجمع للمصنف میں ہے:

اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا[2]۔	ہاں اگر انہوں نے نماز بغیر اذان کے ادا کی تو یہ بالاجماع جائز ہے(ت)

ردالمحتار میں منبع سے ہے:

التقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احترازعن الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا[3]۔	مسجد کو محلّہ کے ساتھ مختص کرنے سے مسجد شارع اس سے خارج ہوگئی اور اذان ثانی کی قید سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے، جب اہل محلّہ نے اذان ثانی کے بغیر جماعت کروائی ہو کیونکہ اس صورت میں تکرارجماعت بالاجماع مباح ہے(ت)

حاشیۃعلامہ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

اما اذا کررت بغیر اذان فلاکراھۃ مطلقا وعلیہ المسلمون[4]۔	جب بغیر اذان کے تکرار جماعت ہو تو اب بہرحال کراہت نہیں اور تمام مسلمان اسی پر ہیں(ت)

یہ عبارت تو نہ صرف ہمارے ائمہ کااتفاق بلکہ جملہ مسلمانوں کااسی پر عمل بتاتی ہے اور خود لفظ اجماع ائمہ کتب میں واقع اسی طرف ناظر تو کیونکر ممکن کہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہو، ظہیریہ میں کہ تنہاپڑھنا لکھ کر اسے ظاہر الروایۃ بتایا۔ اقول: واجب کہ اس سے مراد نفی وجوب جماعت ہو نہ وجوب نفی جماعت کہ اجماع کے خلاف پڑے اور یہ ضرور حق ہے اس کا حاصل اس قدر کہ جس طرح جماعت اولٰی چھوڑ کر تنہاپڑھنا ناجائز وگناہ تھا یہاں ایسا نہیں یہ الگ الگ پڑھ لیں وہ نہیں پڑھ سکتے تھے عقل ونقل کے قاعدہ متفق علیہا سے واجب ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف رد کریں نہ کہ محکم کو محتمل سے رد کریں تو عبارت ظہیریہ سے رد نقول متظافرہ اجماع

[1] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ، الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴۰

ناممکن ہے بلکہ اگر وہ دوسرے معنی صحیح نہ رکھتی نہ اصلا محتمل بلکہ خلاف اجماع میں نص مفسر ہوتی تو حسب قاعدہ قاطعیہ نقول عامہ کے خلاف خود ہی بوجہ غرابت نامقبول ٹھہرتی نہ کہ بالعکس، ردالمحتار باب سجود التلاوۃ میں ہے:

هذا عزاه فی البحر الی المضمرات و قال ان الثانی غریب ه وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا عزاه من بعده الیها فقط[1]۔	اس کی نسبت بحر میں المضمرات کی طرف کی ہے اور کہا دوسرا نادر ہے اھ نادر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف صاحب ظہیریہ ہی نے ذکر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد والوں نے اس کی نسبت صرف ان کی طرف ہی کی ہے اھ (ت)

اسی کے باب المیاہ مسئلہ اعتبار عمق میں ہے:

قوله فی الاصح ذکره فی المجتبی والتمر تاشی والایضاح والمبتغی وعزاه فی القنیة الی شرح صدر القضاة وجمع التفاریق وهو متوغل فی الاعراب مخالف لما اطلقه جمهورالاصحاب کما فی شرح الوهبانیة[2]۔	قولہ فی الاصح اسے مجتبی، تمرتاشی، ایضاح اور مبتغی نے ذکر کیا، قنیہ میں اس کی نسبت شرح صدرالقضاۃ اور جمع التفاریق کی طرف کی ہے، شرح الوہبانیہ کے مطابق جمہور کے اطلاق کی مخالفت کی وجہ سے یہ اغراب میں ڈوبا ہوا ہے (ت)

پھر جبکہ بحال اعادہ اذان اصل مذہب وظاہر الروایۃ کراہت تحریم تھی،

لما فی ردالمحتار قوله ویکره ای تحریما لقول الکافی لایجوز والمجمع لایباح[3]۔	ردالمحتار میں وقولہ ویکرہ یعنی تحریمی مراد ہے کیونکہ صاحب کافی نے کہا یہ جائز نہیں، اور مجمع میں ہے یہ مباح نہیں (ت)

اور بے اذان ثانی جواز وعدم کراہت پر اجماع تو اب اس میں اختلاف ہوا کہ آیا یہ جواز واباحت محض خالص ہے یا کہیں کراہت تنزیہ سے بھی جامع، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

[3] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے:

فان المکروہ تنزیھا من قسم المباح کما فی رد المحتار وحققناہ فی جمل مجلیۃ۔	کیونکہ مکروہ تنزیہی قسم مباح ہی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اس کی تحقیق "جمل مجلیہ" میں کی ہے(ت)

اس باب میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے اور اس سے ہٹ کر اصلًا کراہت نہیں، ائمہ ترجیح نے اسی کی تصحیح کی ولوالجیہ ووجیز کردری وتاتارخانیہ وغنیہ وغیرہا میں اسی کو **ھوالصحیح وبہ ناخذ** (صحیح یہی ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ت) فرمایا، بحمداللہ تعالٰی اس تقریر منیر وتوفیق وتحقیق سے واضح ہوا کہ نہ یہ تصحیحیں ظاہر الروایہ کے خلاف ہیں نہ ظاہر الروایہ کی حکایت اجماع کے خلاف، اور مسئلے میں قول منقح یہ نکلا کہ مسجد محلّہ میں بشرائط مذکورہ (جن کے محترزات کی تفصیل جمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور ہے) باعادہ اذان جماعت ثانیہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہے یہی ظاہر الروایہ ومذہب امام ہے اور بے اذان ثانی بلاشبہہ جائز اس پر خود اتفاق واجماع ائمہ ہے مگر محراب میں بکراہت اور اس سے ہٹ کر خالص مباح بلاکراہت، یہی صحیح وماخوذ ومعتمد ہے اب شبہہ اصل سے منقطع ہوگیا اور بالفرض اگر براہ تنزّل مان بھی لیں کہ ائمہ نے خلاف ظاہر الروایہ کی تصحیحیں فرمائیں تو ہم پر لازم کہ انہیں کا اتباع کریں، ظاہر الروایہ کی ترجیح اس وقت ہے کہ اس کے خلاف پر تصحیح صریح نہ ہوچکی ہو ورنہ ترجیح ضمنی تصریح تصحیح کے معارض نہ ہوسکے گی اور اسی تصحیح تصریح کا اتباع ہوگا۔

درمختار میں ہے:

امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لوافتوافی حیاتھم[1]۔	ہمارے لئے اس قول کی اتباع وپیروی لازم ہے جسے فقہانے ترجیح دی اور تصحیح کی جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگروہ ہمارے زمانے میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ترجیح ضمنی لکل ماکان ظاھر الروایۃ فلایعدل عنہ بلاترجیح صریح لمقابلہ[2]۔	ہر ظاہر روایت کو ترجیح ضمنی حاصل ہوتی ہے پھر جب تک اس کے مقابل صریح ترجیح نہ ہو اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸

درمختار میں ہے:

اذا ذیلت روایة بالصحیح اولماخوذ به لم یفت بمخالفه[1] مختصرا۔	جب روایت کے بعد صحیح یاماخوذبہ لکھاہوا ہو تواس کے مخالف فتوٰی نہیں دیاجاسکتااھ مختصرا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان التصحیح بصیغة تقتضی قصر الصحة علی تلك الروایة فقط کالصحیح والماخوذ به ونحوهما مما یفید ضعف الروایة المخالفة لم یجز الافتاء بمخالفها لما سیأتی ان الفتیا بالمرجوح جهل[2]۔	جب تصحیح ایسے صیغے کے ساتھ ہو جو صرف اسی روایت کی صحت کاتقاضا کررہاہو مثلاً لفظ صحیح یاماخوذبہ وغیرہما جو مخالف روایت کے ضعف پردال ہو تواب اس کے مخالف پر فتوٰی دیناجائز نہ ہوگا، جیسا کہ عنقریب آرہاہے کہ مرجوح پر فتوٰی جہالت ہوتی ہے(ت)

اسی میں ہے:

لوذکرت مسئلة فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحها بل صرحوا بتصحیح مقابلها فقد افادالعلامة قاسم ترجیح الثانی لانه تصحیح صریح ومافی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی ای التزام المتون ذکرماهو الصحیح فی المذهب[3]۔	اگر کسی مسئلہ کاذکر متون میں ہوااور اس کی تصحیح کی تصریح فقہا نے نہ کی ہو بلکہ اس کے مقابل کی تصحیح کی ہو توایسی صورت میں علامہ قاسم کے نزدیک دوسرے کوترجیح ہوگی کیونکہ تصحیح پر تصریح ہے اور متون میں تصحیح الزامی ہواور تصحیح صریح تصحیح الزامی پرمقدم ہوتی ہے یہاں تصحیح التزامی سے مراد یہ ہے کہ متون نے یہ الزام کیاہوتاہے کہ ہم وہی ذکر کریں گے جومذہب میں صحیح قول ہوگا۔(ت)

اب رہیں بعض تعلیلات، اول توبعد تصحیح ائمہ ترجیح ہمیں نظر فی الدلیل کی حاجت نہیں، نہ وہ ہمارا منصب، پھر بعونہٖ تعالٰی اس کاحال ملاحظہ تعلیقات سے واضح ہوگاجو فقیر نے کتاب مستطاب ردالمحتار پر لکھیں اسعافاللمرام اس

---

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴، ۵۵

[3] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۳

مقام سے اس کی نقل مسطور،

قوله ولنا انه علیه الصلاۃ والسلام کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقدصلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی ولوجاز ذلك لما اختار الصلاۃ فی بیته علی الجماعة فی المسجد[1]۔	قولہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض لوگوں کے درمیان صلح کے لئے تشریف لے گئے جب آپ مسجد میں واپس آئے تو اہل مسجد نے نماز ادا کرلی تھی تو آپ گھر تشریف لائے آپ نے اپنے اہل کو جمع کیا اور نماز ادا کی اگر تکرار جماعت جائز ہوتا تو آپ مسجد میں جماعت پر گھر کی جماعت کو اختیار نہ فرماتے (ت)
اقول: اولًا لایتعین هذا سببا لذلك فان فی اعادته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الجماعة فی المسجد کان ایهام انه لم یرض بجماعة القوم فلعله اراد دفع ذلك الوهم وتاکید تقریرهم علی مافعلوا۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) **(۱)** تکرار جماعت کے ناجائز ہونے کے لئے اس کو سبب قرار دینا متعین نہیں بلکہ اس کی وجہ اور بھی ہوسکتی ہے کہ آپ مسجد میں جماعت کا اعادہ فرماتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ نے لوگوں کی جماعت کو پسند نہیں کیا، تو ممکن ہے آپ نے اس وہم کے ازالے اور لوگوں کی جماعت کو صحیح قرار دینے کے لئے ایسا کیا ہو۔
وثانیًا: لعل الباقی من اهله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للجماعة النساء الطاهرات وحدهن فاحب الجماعة ولم یحب ان یخرجهن وحدهن للجماعة للمسجد وعسی ان یراه الناس ممن قدصلوا فیحبوا اعادۃ الصلوۃ خلفه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اویجیئ بعض من لم یصل بعد فیقفوا خلفهن فتفسد صلاتهم۔	**(۲)** یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی صرف ازواج مطہرات ہی جماعت سے باقی رہ گئی ہوں آپ نے گھر میں ہی جماعت کو پسند فرمایا اور مسجد میں صرف ان کی جماعت کے لئے ان کو نکالنا پسند نہ فرمایا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز ادا کرلینے والے آپ کو دیکھ کر آپ کے پیچھے نماز کا اعادہ پسند کریں یا بعض لوگ پہلی جماعت میں شرکت نہ کرسکے تھے اب آئے تو ان خواتین کے پیچھے کھڑے ہوگئے تو اس صورت میں ان کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

وثالث من فاتته الجماعة وحده فهو مخیرفی الانفراد واتباع الجماعات وان یاتی اهله فیجمع بهم کما نص علیه فی الخانیة والبزازیة وغیرهما وقدنصوا کما فی ردالمحتار وغیره ان الاصح انه لو جمع باهله لایکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد افضل[1] ھ وقد کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم ربما یترك الافضل لبیان الجواز وکان حینئذ هوالافضل فی حقه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما فیه من التبلیغ المبعوث له من عند ربه عزوجل فکیف یسلم قوله ولوجاز ذلك لما اختار۔

وفیه رابعًا: مایفیده العلامة المحشی ان قد انعقد الاجماع بلانزاع علی جواز اعادة الجماعة فی المسجد العام بل صرحوا قاطبة انه الافضل ومعلوم قطعا ان مسجده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیس مسجد محلة فلوتم هذا الاستدلال لصادم الاجماع واتی بتحریم مالیس فی حله بل ولافضله محل نزاع۔

(۳) جب تنہاآدمی جماعت سے رہ جائے تو اب اسے اختیار ہے کہ وہ تنہا نماز ادا کرے یاجماعت کے ساتھ کہ وہ گھر چلاجائے اور اپنے اہل کو اکٹھا کرکے نماز پڑھے، اس پر خانیہ، بزازیہ وغیرہامیں تصریح ہے، ردالمحتار وغیرہ میں یہ تصریح ہے اگر اس نے اپنے اہل کو جمع کرکے نماز ادا کی تو کراہت نہیں بلکہ جماعت کاثواب پائے گا، البتہ مسجد کی جماعت افضل ہے اھ، اور بعض اوقات سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیان جواز کے لئے افضل کوترک فرمادیتے تھے اور اس صورت میں آپ کے حق میں وہ بیان جواز ہی افضل ہوگا کیونکہ اس میں احکام خداوندی کی تبلیغ (جس کے لئے اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں) ہے ان کایہ قول "ولوجاز ذلك لما اختار" کیسے درست ہوگا۔

(۴) جوعلامہ محشّی نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع کے انعقاد میں کوئی نزاع نہیں کہ مسجد عام میں اعادہ جماعت جائز ہے بلکہ واضح تصریح کی ہے کہ یہ افضل عمل ہے اور یہ بھی قطعًا معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارکہ مسجد محلّہ نہیں، اگر معترض کایہ استدلال درست ہو تو یہ اجماع سے ٹکرائے گااور ایسی چیز کو حرام قرار دینا ہوگا جس کے حلال بلکہ اس کے افضل ہونے میں کوئی محل نزاع نہیں۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲

اقول: ومثله فی الضعیف بل اضعف ماقدم فی الاذان من الاستدلال بماروی عن انس رضی الله تعالٰی عه ان اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کانوا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی[1]،فانه لیس فیه ان الجماعة کانت تفوت جماعة منهم معاً کانوایصلون فی المسجد فرادی مجتمعین وحاش لله متی عهد هذا من الصحابة رضی الله تعالٰی منهم وانما کانت تفوت نادرا واحدا بعد واحد منهم ولادلالة بصیغ الجمع علی القرآن فی الفعل،فان معناه انهم کانواکل من فاتته الجماعة صلی فی المسجد منفردًاولم یکونوا یتتبعون المساجدنفیاللحرج فکان کقول انس ایضاً صلیت خلف النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یستفتحون القرأة بالحمدلله رب العٰلمن رواہ احمد ومسلم[2]

اقول: (میں کہتاہوں) اس کی طرح ضعیف بلکہ اضعف ہے وہ استدلال جو اذان کی بحث میں اس حدیث کے حوالے سے گزرا جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد میں جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نمازادا کرتے تھے کیونکہ اس میں یہ ہر گز نہیں کہ اگر صحابہ کے ایک گروہ کی معاجماعت فوت ہوجاتی تو وہ سب مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے حاشاللہ ایسی بات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت نہیں البتہ نادرا کسی ایک صحابی کی کسی ایک وقت کی جماعت رہ جاتی تھی گروہ کی نہیں،اور جمع کے صیغہ کی قران فی الفعل پر کوئی دلالت نہیں کہ ایک سے زیادہ افراد مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگران میں سے کسی کی جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز ادا کرلیتااور نفی حرج کی وجہ سے دیگر مساجد کی طرف نہ جاتے تھے یہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کی طرح بھی ہے جس میں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،ابوبکر،عمراور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی اقتدا میں نمازادا کی ہے تو وہ الحمدللہ رب العالمین سے قرات کی ابتداء کرتے تھے،اسے احمداور مسلم نے روایت کیاہے

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۹۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۲۳

هل لقائل ان يقول ان فی نفس الحديث دليلا علی هذا المعنی وذلك انا لانسلم ان المراد بالجماعة الجماعة الاولی عينا بل نجريها هی علی ارسالهاوالجماعة لاتفوت الجماعة الاان يمنعوا عن تكرارها، فيتوقف الاستدلال به علی اثبات ممانعة التكرارفيعودمصادرة علی المطلوب وقدذكرالبخاری فی صحيحه عن انس نفسه رضی الله تعالٰی عنه انه جاء الی مسجد قدصلی فاذن واقام وصلی جماعة[1] ھ فلم تفته الجماعة اذلم يكن وحده و صح ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم باصحابه فقال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم من يتصدق علی هذافيصلی معه فقام رجل من القوم فصلی معه[2] رواه احمد وابو داؤد والترمذی وابوبكر بن ابی شيبة والدارمی وابويعلی وابن خزيمة وابن حبان وسعيد بن منصور والحاكم كلهم عن	کیا کوئی قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے مضمون میں اس مفہوم پر دلیل ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں جماعت سے مراد جماعت اولٰی عینی ہے بلکہ ہم اسے مطلق جماعت پر محمول کرتے ہیں اور ایک گروہ سے جماعت تب فوت ہوگی جب انہیں تکرار جماعت سے منع کیا ہو، لہٰذا اس سے استدلال ممانعت تکرار کے اثبات پر موقوف ہوگا، تو یہاں مصادرت علی المطلوب عود کرے گی، اور بخاری نے اپنی صحیحمیں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی سے روایت کی ہے کہ وہ مسجد میں آئے حالانکہ جماعت ہوچکی تھی تو انہوں نے اذان دی تکبیر کہی اور جماعت کرائی اھ تو تنہا نہ ہونے کی صورت میں ان کی جماعت فوت نہ ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا حالانکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو جماعت کرادی تھی، توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کون صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے گا؟ توایک شخص کھڑا ہوااور اس کے ساتھ نماز ادا کی، اس کو مسند، ابوداؤد، ترمذی، ابوبکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابویعلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، سعید بن منصور اور حاکم ان سب نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،

[1] صحیح البخاری باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۹

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۴۵

ابی سعید الخدری والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ وعن عصمۃ بن مالك و ابن ابی شیبۃ عن الحسن البصری مرسلا عبدالرزاق فی مصنّفه وسعید بن منصور فی سننه عن ابی عثمن النهدی مرسلا ایضاً وفی الباب عن ابی موسی الاشعری والحکم بن عمیر کما فی الترمذی رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین وفی بعضها ان ذلك المتصدق علی الرجل ابوبکر ن الصدیق رضی الله تعالٰی عنهما قوله ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لایجتمعون اذا علموا انها لاتفوتهم[1]۔	اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اور حضرت عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن بصری سے مرسلًا روایت کیاہے، عبد الرزاق نے مصنف اور سعید بن منصور نے سنن میں ابو عثمان النہدی سے بھی مرسلًا روایت کیاہے۔اس باب میں حضرت ابو موسٰی اشعری اور حکم بن عمیر سے بھی روایت ہے جیسا کہ ترمذی میں ہے رضی اللہ عنہم اور بعض روایات میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے قولہ کیونکہ ایسے اطلاق سے تقلیل جماعت کا معنی پایا جاتاہے اس لئے کہ وہ جب جان لیں کہ جماعت فوت نہ ہوگی تو جمع نہ ہوں گے۔
اقول: لسنا نبیح تعمد ترك الجماعة الاولی اتکالا علی الاخری فمن سمع منادی الله ینادی ولم یجب بلاعذر اثم وعزرفاین الاطلاق وانما نقول فیمن غابوا فحضروا اوکانوا مشتغلین بنحو الاکل تاقت الیه انفسهم او التخلی وغیرذلك من الاعذار فتخلفهم عن الاولی قدکان باذن الشرع فعلی مایعاقبون بحرمان الجماعة وفیم تودی الی التقلیل وقد اثبتنا فی رسالتنا	**اقول:** (میں کہتاہوں) ہم جماعت اولٰی کے عمدًا ترک کو دوسری جماعت پر بھروسا کی بناء پر مباح نہیں رکھتے اور جس شخص نے بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے بلاوا سُنا اور اس نے اسے قبول نہ کیا وہ گنہگار ہوگا اور وہ قابل تعزیر ہے تو یہاں اطلاق کہاں ہے، ہم توان لوگوں کی بات کررہے ہیں جو موجود نہ تھے اب آئے یا وہ کسی معاملہ میں مشغول تھے مثلًا سخت بھوک کی وجہ سے کھانا کھارہے تھے یا رفع حاجت کے لئے گئے تھے یا اس جیسے دوسرے اعذار ہوں تو اب ایسے لوگوں کا پہلی جماعت سے رہ جانا باجازت شرع ہوگا، اب ان پر جماعت سے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

"حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة"ان الواجب ھی الجماعة الاولی عینا. فاذا علموا انھم لولم یحضروا فاتھم الواجب فکیف لایجتمعون. اما الکسالی وقلیل المبالاة فلا یجتمعون وان علموا انھم تفوتھم الاولی والاخری جمیعا الاتری ان عــہ بعض العصریین ممن یدعی العلم والدین قدشدد فی ذلك تشدید ابلیغا وزعم ان تکرار الجماعة معصیة مطلقا فتبعه بعض عوام تلك البلاد فی ترك تکرار الجماعة ولم یتبعوہ فی اتیان الاولی فتری فوجامن الاحابیش یاتون بعد الجماعة فیصلون معا فرادی فیزیدون مشابھة بالروافض واللّٰه المستعان ۔	محروم ہونے کی وجہ سے کیونکر ملامت کی جاسکتی ہے اور انہیں تقلیل جماعت کا سبب کیوں قرار دیاجائے؟ ہم نے رسالے "حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة" میں ثابت کیا ہے کہ واجب عینی جماعت اولٰی ہی ہے پس جب انہوں نے جانا اگر وہ حاضر نہ ہوئے تو واجب فوت ہوجائے گا تووہ جمع کیسے نہ ہوں؟ رہا معاملہ سستی اور لاپروائی کرنے والوں کا، وہ جمع نہیں ہوں گے خواہ انہیں علم ہو کہ ہماری پہلی اور دوسری جماعت فوت ہوجائے گی کیاآپ کے علم میں نہیں کہ بعض معاصرین جو علم ودین کادعوی کرتے ہیں انہوں نے اس میں بہت زیادہ تشدید کی اور کہاکہ تکرار جماعت ہر حال میں معصیت وگناہ ہے اور ان کے علاقے میں کچھ عام لوگوں نے تکرار جماعت کے ترک میں اس کا اتباع کیا حالانکہ وہ پہلی جماعت کے درپے نہیں ہوئے آپ متعدد گروپوں کوملاحظہ کریں گے کہ وہ جماعت کے بعد آتے ہیں وہ ایک ہی مقام پر تنہا تنہا نماز اداکرتے ہیں تو اس عمل سے روافض کے ساتھ مشابہت میں اضافہ کرتے ہیں اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے
قولہ ویؤیدہ مافی الظھیریة لودخل جماعة المسجد بعدماصلی فیه اھله یصلون وحدانا و ھوظاھر الروایة ھوھذا مخالف لحکایة الاجماع المارة[1]	**قولہ** اور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت کرتی ہے اگر کوئی جماعت مسجد میں داخل ہوئی حالانکہ اہل محلّہ نے جماعت کرالی تھی تووہ تنہا نماز اداکرلیں، اور یہ ظاہر روایت ہے اھ اور یہ بات سابقہ منقول اجماع کے خلاف ہے

عــہ وھو رشید احمد گنگوھی ۱۲ (م)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

اقول: لاتائید ولاخلاف فان یصلون لیس نصافی الایجاب ومن تتبع ابواب صفة الصلاة والحج من ای کتاب شاء وجد قناطیر مقنطرة من صیغ الاخبار واردة فیما لیس بواجب بل ولاسنة انما اقصاہ الندب، وقد قال فی البحر الرائق والطحطاوی فی حاشیة الدر ان ذلك ای دلالة الاخبار علی الوجوب فیما اذا صدرمن الشارع اما من الفقهاء فلایدل ھو ولا الامر منهم علی الوجوب کما وقع لمحمد حیث، قال فی صفة الصلاة افترش رجله الیسری ووضع یدہ وامثال ذلك کثیرة ھ ولست انکرانه کثیرا مایجیئ للوجوب کمابیناہ فی کتابنا"فصل القضاء فی رسم الافتاء"وانما ارید ان المحتمل لایقضی علی المفسر فکیف یرد به الاجماع المتظافر علی نقله المعتمدات بل کیف یصح ان یحمل علی مایصیر به مخالف للاجماع ولوکان کذا لکان ھو احق بالرد من الاجماع اذ الحاکی الواحد عن

اقول: (میں کہتاہوں یہاں نہ تائید ہے نہ ہی مخالفت، کیونکہ لفظ "یصلون" سے صراحةً ایجاب ثابت نہیں ہوتا اور جس نے بھی کسی کتاب کے ابواب صفۃ صلٰوۃ وحج کا مطالعہ کیا ہے وہ بہت س) ے الفاظ خبر کا ذخیرہ پائے گا جو ایسی جگہ وارد ہیں جو واجب بلکہ سنت بھی نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ مستحب کے درجے میں ہوتے ہیں، بحر الرائق میں ہے اور طحطاوی نے حاشیہ در میں کہا ہے جملہ خبریہ کی دلالت وجوب پر اس وقت ہوتی ہے جب وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہو، اور اگر وہ فقہاء کرام سے منقول ہو تو اس جملہ خبریہ بلکہ فقہاء کے امر کی بھی وجوب پر دلالۃ نہیں ہوتی جیسا کہ امام محمد سے واقع ہے انہوں نے صفۃ صلٰوۃ میں فرمایا نمازی بایاں پاؤں بچھائے اور ہاتھ رکھ دے اور اس پر متعدد مثالیں شاہد ہیں اھ اور میں اس بات کا منکر نہیں کہ بہت سے مقامات پر مفید وجوب بھی ہیں جس طرح ہم نے اس کی تفصیل گفتگو "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں کی ہے، مراد یہاں یہ ہے کہ محتمل کو مفسر پر ترجیح حاصل نہیں، اور معتمدات کی منقولات کے باوجود اس کے ساتھ اجماع متظافر کو کیسے رد کیا جائے بلکہ ان عبارات کو اس پر کیسے محمول کیا جائے جو اجماع کے خلاف ہوں، اگر معاملہ یہی ہے تو ایسی ظاہر الروایۃ

ظاہر الروایۃ اقرب الی السھو من الجماعۃ بل لقائل ان یقول لایمکن الحمل ھھنا علی الوجوب اصلا وان قلنا بکراھۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد الحی مطلقا وذلك کمانصوا علیه فی الوجیز والتبیین والھندیۃ وغیرھا وسیاتی شرحا وحاشیۃ ان من فاتته فی مسجدہ ندب له طلبھا فی مسجد اخر الا المسجدین المکی والمدنی کما فی القنیۃ ومختصر البحر وبحث فی الغنیۃ الحاق الاقصی، وذکر القدوری یجمع باھله ویصلی بھم ای وینال ثواب الجماعۃ کما فی الفتح فاذا الجماعۃ معھم لایحتاجون الی التفتیش عنھا فمن ذاالذی حرم علیھم ان یذھبوا الی بعض البیوت مثلا ویجمعوا وینالوا الفضل۔ **فان قلت** عاقھم عن الخروج الدخول قلت کلامھم المذکور مطلق فیمن دخل ومن لم یدخل والخروج لادراك الجماعۃ لایمنعه الدخول الاتری ان مقیم الجماعۃ یخرج تکبیر الجماعۃ الاولی باذنیه فلان یجوز لھؤلاء الخروج ولاتکبیر ولااولی	کو رد کردینا اجماع کے رد سے بہتر ہے کیونکہ اکیلا ظاہر روایت نقل کرنے والے کا بھول جانا جماعت کے بھول جانے سے زیادہ قریب ہے بلکہ کوئی قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں وجوب پر محمول کرنا بالکل ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم یہ کہیں کہ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت ہر حال میں مکروہ ہے وہ اس لئے کہ وجیز، تبیین، ہندیہ وغیرہ میں اس پر تصریح موجود ہے اور عنقریب تفصیلاً آئے گا کہ جس نے نماز مسجد میں فوت کردی اس کے لئے دوسری مسجد میں تلاش جماعت مستحب ہے مگر دو مساجد، حرم مکی اور حرم مدنی میں جیسا کہ قنیہ اور مختصر البحر میں ہے، قنیہ میں مسجد اقصٰی کو بھی شامل کیا گیا ہے، قدوری نے ذکر کیا کہ وہ اپنے گھروالوں کو جمع کرے اور جماعت کرائے، یعنی وہ جماعت کا ثواب پالے گا۔ فتح میں اس طرح ہے اہل کے ساتھ جماعت اس کی تلاش کی محتاج نہیں رہتے تو ان پر کس نے حرام کیا ہے اس بات کو مثلاً وہ گھر کی طرف جائیں اور انہیں جمع کریں اور ثواب جماعت پائیں۔ **فان قلت** (اگر کوئی کہے کہ) مسجد میں داخلہ دوسری جگہ جانے کو مانع ہے میں کہتا ہوں ان کا مذکورہ کلام مطلق ہے خواہ وہ شخص داخل ہے یا داخل نہیں اور ادراک جماعت کے لئے خروج اس کو دخول سے مانع نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ دوسری جگہ جماعت کا منتظم، پہلی جماعت کی تکبیر کے وقت مسجد سے نکل سکتا ہے تو ان کے لئے خروج ہر طور جائز ہوگا نہ تکبیر ہے

لَاولی وبالجملۃ لامحل ھھنا للایجاب وعلیہ کان یتوقف التائید والخلاف **فان قُلتَ** فاذلا وجوب فمامنزع الکلام قُلتُ افادۃ جوازالانفراد لھم بلاحظرولاحجر بخلاف مالولم تقم الجماعۃ بعد حیث لایجوز الصلاۃ منفردا الابعذرلما فیہ من تفویت الجماعۃ الواجبۃ علی المعتمد او القریبۃ من الوجوب علی المشھور فاذن کان علی وزان ماقال العینی فی عمدۃ القاری،قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سھا اونام او شغلہ عن الجماعۃ شغل جمع باھلہ فی منزلہ وان صلی وحدہ یجوز[1] ھ وھذا معنی لاغبار علیہ ان شاء اللہ تعالٰی وبہ یزول کل اشکال وللہ الحمد۔ **قولہ** وعن ھذا ذکر العلامۃ الشیخ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الھمام فی رسالتہ ان مایفعلہ اھل الحرمین من الصلاۃ بائمۃ متعددۃ وجماعات مترتبۃ مکروہ اتفاقا الی	اور نہ جماعت اولٰی، الغرض یہاں ایجاب کا محل نہیں اور اسی پر تائید اور خلاف موقوف تھا، اگر اے معترض تو یہ کہے کہ جب وجوب ہی نہیں تو کلام کا منشا کیا ہوگا؟ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ ان کے لئے بلاخوف وخطر تنہا نماز ادا کرنے کا جواز بیان کرنا مقصود ہے، بخلاف اس صورت کے جب ابھی جماعت نہ ہوئی ہو کہ اب عذر کے بغیر تنہا نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اب اس جماعت کا فوت کرنا لازم آئے گا جو مختار قول کے مطابق واجب اور مشہور قول کے مطابق قریب واجب ہے اور یہ بات اس طریقہ پر ہوگی جو امام عینی نے عمدۃ القاری میں بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی بھول گیا یا سوگیا یا کسی اہم مصروفیت کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کرسکا تو وہ اپنے گھروالوں کو جمع کرے اور باجماعت نماز ادا کرے اور اگر اس نے تنہا نماز ادا کرلی تب بھی جائز ہے اھ یہ معنی نہایت ہی واضح ہے اس میں کوئی غبار نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اور اس کے ساتھ ہر اشکال بھی زائل ہوجاتا ہے قولہ اس بارے میں علامہ شیخ رحمہ اللہ السندی جو شیخ ہمام کے شاگرد ہیں نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ اہل حرمین جو متعدد ائمہ اور مترتب جماعات کی صورت میں نماز ادا کرتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے، اس کے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۲

قوله واقره الرملی فی حاشیة البحر[1]	اس قول تک ذکر ہے کہ اسے رملی نے حاشیہ بحر میں ثابت رکھا ہے
اقول: یاسبحٰن الله ای مساس لهذا بمانحن فیه فان انکارهم علی التفریق العمدی کماهو الواقع فی الحرمین المکرمین فانهم جزّؤا الجماعة اجزاء وعینوا لکل جزء اماما والتفریق بالقصد حیث لاباعث علیه شرعا لایجوز اجماعا والا لماسن الله تعالٰی صلاة الخوف وهذا تستوی فیه مساجد الاحیاء والقوارع و الجوامع والبراری جمیعا قولا فصلا من دون فصل ثم وقع الخلاف فی الاقتداء بالمخالف علی وجوه فصلها فی البحر وردالمحتار وغیرهما واتینا علی لبابه فی فتاوٰنا فمن لاکراهة عنده اصلا ای اذا لم یعلم ان الامام لایراع مذهب غیره بناء علی اعتباره رأی المقتدی کماهو الاصح او علم انه غیرمراع عند من یقول العبرة برأی الامام فهذا التفریق عنده من دون باعث شرعی	**اقول:** (میں کہتاہوں) اے اللہ! تو پاک ہے، اس عبارت کو ہمارے زیر بحث مسئلہ کے ساتھ کیاواسطہ ہے؟ ان کی انکاری گفتگو اس تفریق پر ہے جو دانستہ ہو، جیسا کہ حرمین شریفین میں واقع ہے کیونکہ وہ جماعت کو مختلف حصص میں بانٹ کر ہر ایک حصہ کے لئے الگ الگ امام مقرر کرتے ہیں اور تفریق قصدی کا شرعًا کوئی باعث نہیں اور وہ بالاتفاق جائز نہیں ورنہ اللہ تعالٰی صلوٰۃ خوف کا طریقہ یوں جاری نہ فرماتا، اور اس میں تمام مساجد برابر ہیں خواہ وہ محلّہ کی ہیں یا شوارع یا شہر کی جامع یا دیہات وجنگل کی، ان میں کوئی تفریق نہیں، پھر مخالف مذہب کی اقتدا میں متعدد وجوہ پر اختلاف واقع ہوا ہے اس کی تفصیل بحر، ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے ہم نے اس کا خلاصہ اپنے فتاوٰی میں ذکر کردیا ہے اور جس کے نزدیک بالکل کراہت نہیں یعنی جب مقتدی کو علم نہ ہو کہ امام دوسرے مذہب کی رعایت نہیں کرتا تو یہ حکم مقتدی کی رائے کے اعتبار پر مبنی ہے اور یہی صحیح ہے یا مقتدی کو معلوم ہو کہ امام رعایت نہیں کرتا تو اس صورت میں عدم کراہت کا حکم امام کی رائے کے اعتبار پر مبنی ہے تو (عدم کراہت کے قائل) کے نزدیک ان متفرق جماعتوں کے لئے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۴۰۹

وھؤلاء ھم الذین حضروا الموسم تلك السنة وانکروا ومن حکم بالکراھة عند الشك فی المراعات او اعتقدان الافضل الاقتداء بالموافق مھما امکن وان تحققت المراعاة فھو عندہ بوجه شرعی وھم الجمھور وعلیه العمل فلاانکار علی اھل الحرمین و لیس فی فعلھم خلل ولازلل والعلامة السید المحشی ھوالناقل فیما سیاتی عن الملا علی القاری انه قال لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی مااستحسنه عامة المسلمین وعمل به جمھور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصرو الشام ولاعبرة بمن شذ منھم[1]ھ وعلی کل فھذا الکلام من واد اٰخرلاتعلق له بجواز التکرار وعدمه **قوله** لکن یشکل علیه ان نحوالمسجد المکی والمدنی لیس له جماعة معلومون فلایصدق علیه انه مسجد محلة بل ھو کمسجد شارع وقدمرانه لاکراھة فی تکرارالجماعة

شرعی جواز نہیں اور یہی عدم کراہت کے قائل لوگ اس سال حاضر ہوئے اورانہوں نے انکار کیا،اور وہ شخص جس نے رعایت میں شک کی صورت میں کراہت کا حکم لگایا یاوہ یہ اعتقاد رکھتاہے کہ افضل موافق کی اقتداء ہی ہے جیسے بھی ممکن ہو تو اب اگرچہ رعایت متحقق ہوجائے تو یہ اس کے نزدیک وجہ شرعی کی بناپر ہوگا اور یہی جمہور کی رائے ہے اور اسی پر عمل ہے لہذااہل حرمین پر کوئی انکارواعتراض نہیں اور نہ ہی ان کے عمل میں کوئی خلل ونقص ہے اور علامہ سید محشیٰ نے آگے چل کر ملاعلی قاری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ہر مذہب کاامام ہو جیسا کہ ہمارے دَور میں ہے تو اقتدا موافق امام کی افضل ہے خواہ وہ جماعت پہلے ہو یابعد میں،اسے عامۃ المسلمین نے مستحسن جانا اور جمہور مسلمان مثلاً اہل حرمین، قدس، مصروشام کا عمل اسی پر ہے اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے کا کوئی اعتبار نہیں اھ ہر حال میں اس کلام کا تعلق کسی اور معاملے سے ہے اس کا تعلق تکرار جماعت کے جواز اور عدم جواز سے نہیں۔
قولہ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ مثلاً مسجد مکی اور مسجد مدنی جن کی جماعت معین ومعلوم نہیں تو انہیں مسجد محلّہ نہیں کہاجاسکتا بلکہ مسجد شارع کی طرح ہوں گی،اور پہلے گزرچکاہے کہ مسجد شارع میں بالاتفاق تکرار جماعت میں کراہت نہیں،اس

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱/ ۴۱۷

فیه اجماعا[1] فلیتامل **اقول:** انما نشأ الاشکال من حمله علی مسئلة التکرار وقد علمت ان لم یقصدوھا وانما انکروا تعمد التفریق وھو محظور قطعا ولوفی مسجد شارع فالعجب من السیّد العلامة المحقق المحشی یورد علی مسئلة التکرار مالاوروده علیھا ثم یستشکل ھذا الوارد بمالااشکال به اصلا ولکن لکل جواد کبوة نسأل الله سبحٰنه عفوه۔

میں مزید غور کرنا چاہئے **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ اشکال تب ہے جب اس کو مسئلہ تکرار پر محمول کیا جائے حالانکہ آپ جان چکے وہ ان کے یہاں مقصود نہیں، انہوں نے دانستہ تفریق سے انکار کیا ہے اور وہ یقینا ممنوع ہے اگرچہ مسجد شارع ہی کیوں نہ ہو تو تعجب ہے علامہ محقق محشیٰ پر کہ انہوں نے اسے مسئلہ تکرار پر محمول کیا حالانکہ اس کا یہ محل نہیں ہے پھر اس حمل پر مبنی ایسا اشکال بنالیا جس سے کوئی اشکال پیدا ہی نہ ہوسکتا تھا لیکن ہر شاہسوار کے لئے ٹھوکر ہوتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے اس پر ان کے لئے معافی کے طلبگار ہیں

ثم اقول: واشد العجب من العلامة الشیخ رحمة الله تعالٰی حیث قال الاحتیاط فی عدم الاقتداء به"ای بالمخالف"ولومرا عیا[2] کما سینقله المحشی عنه ثم قال ھھنا بکراھة ترتیب الجماعة وادعی الاتفاق علی خلاف ماعلیه الجمھور ولیت شعری اذاکان ھذا مکروھا وفاقا فکیف یعمل بالاحتیاط الذی اعترفتم به ایجعل الناس کلھم علی مذھب واحد ام یسکن مقلدوا کل امام فی بلدہ علیحدة اویجعل لکل منھم مسجد بحیاله ویمنع

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) سب سے زیادہ تعجب علامہ شیخ سندی رحمہ اللہ پر کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے"مخالف کی اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے اگرچہ وہ رعایت کرتا ہو" جیسا کہ محشیٰ عنقریب اس کو ان سے نقل کرے گا، پھر یہاں کہا کہ ترتیب جماعت مکروہ ہے اور جمہور کے مؤقف کے خلاف اتفاق کا دعوی کیا، افسوس صدافسوس اگر یہ عمل بالاتفاق مکروہ ہے تو اس احتیاط پر عمل کیسے ہوگا جس کا تم نے خود اعتراف کیا ہے، کیا تمام لوگ ایک مذہب کے ہوجائیں گے یا ہر شہر میں ہر مذہب کے مقلدین الگ الگ آباد ہوں گے، یا ہر مذہب کی الگ الگ مسجد بنائی جائے گی، اور ان

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹
[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

اهل ثلثة مذاهب عن الصلاة فی المسجدین الکریمین اوتجعل الجماعة لمذهب واحد ویؤمر الباقون بالصلاة فرادی.	دو مبارک مساجد سے بقیہ تین مذاہب کے لوگوں کو نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے گا یا ایک مذہب والوں کی جماعت ہو گی اور دوسرے لوگوں کو تنہا نماز ادا کرنے کو کہا جائے گا،
ثم اقول: ویرد مثله علی تقریر العلامة خیرالملة والدین الرملی رحمه الله تعالٰی لما مروهوالناقل کماسیأتی حاشیة عن العلامة الرملی الشافعی انه مشی علی کراهة الاقتداء بالمخالف حیث امکنه غیره وبه افتی الرملی الکبیر واعتمده السبکی والاسنوی وغیرهماقال والحاصل ان عندهم فی ذلك اختلافاً وکل ماکان لهم علة فی الاقتداء بناصحة وفسادا و افضلیة کان لنامثله علیهم وقدسمعت مااعتمده الرملی و افتی به والفقیر اقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیه المنصف یسلم ذلك۔	**ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) اسی طرح کا اعتراض علامہ خیرالملت والدین رملی رحمہ اللہ پر بھی وارد ہوتا ہے جیسا کہ گزرا وہی ناقل ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا حاشیہ علامہ رملی شافعی سے ہے کہ جب مخالف کے علاوہ کسی امام کو پانا ممکن ہو تو مخالف کی اقتداء مکروہ ہے، اسی پر رملی کبیر نے فتوٰی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا ہے کہا، الحاصل، ان کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے اور ہر وہ علت جس کی بنا پر ہماری اقتداء ان کے لئے صحیح، فاسد یا افضل ہے ایسا ہی معاملہ ہمارا ان کے ساتھ ہے اور آپ نے وہ سن ہی لیا ہے جس پر رملی نے اعتماد کیا اور فتوٰی دیا ہے میں فقیر انہی کی مثل کہتا ہوں اس مسئلہ میں جہاں حنفی کسی شافعی کی اقتداء کرے انصاف پسند فقیہ اسے تسلیم کرے گا۔
وانا رملی فقه الحنفی لامرا ابعد اتفاق عالمین[1] ھ	اور میں فقہ حنفی کا رملی ہوں (رملی شافعی اور رملی حنفی) دونوں عالموں کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں ہے۔
فاذا کان الفقه والانصاف هوکراهة الاقتداء بالمخالف فکیف ینکر علی مافعله اهل الحرمین لاجرم رجع العلامة	پس جب دانش وانصاف کا فیصلہ مخالف کی اقتدا کا مکروہ ہونا ہے تو اہل حرمین کے عمل پر انکار کیسے کیا جاسکتا ہے یقینا علامہ خیرالدین رملی نے شرح

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

نفسه فی حاشیته علی شرح زاد الفقیر للعلامة الغزی والمتن للامام ابن الهمام الی موافقة الجمهورفقال کمانقله فی منحة الخالق علی البحرالرائق بقی الکلام فی الافضل ماهو الاقتداء به اوالانفراد لم ارمن صرح به من علمائناوظاہر کلامهم الثانی.والذی یظهرو یحسن عندی الاول لان فی الثانی ترك الجماعة حیث لاتحصل الابه ولولم یکن بان کان هناك حنفی یقتدی به الافضل الاقتداء به[1] الخ فقداعترف ان الافضل الاقتداء بالحنفی اذا وجد وان کان الشافعی الذی یؤم صالحا عالما تقیا نقیا یراعی الخلاف کما وصفه فی تلك الحاشیة	زاد الفقیر علامہ غزی جس کا متن امام ابن ہمام کا ہے کے حاشیہ میں رجوع کرکے جمہور کے ساتھ موافقت کی اور کہا جیسا کہ اسے منحۃ الخالق علی البحرالرائق میں نقل کیا ہے، باقی رہا معاملہ اس بات کا کہ مخالف کی اقتدا افضل ہے یا انفراد، تو اس بارے میں ہمارے علماء میں سے کسی کی تصریح میری نظر سے نہیں گزری، بظاہر ان کی عبارات سے دوسری بات (انفراد کا افضل ہونا) ہی سمجھ آتی ہے اور جو میرے نزدیک واضح واحسن ہے وہ پہلی بات (اقتدائے مخالف) ہے کیونکہ دوسری صورت میں ایسی جگہ ترک جماعت لازم آئے گا جہاں اس کے بغیر جماعت حاصل نہیں ہوتی اور اگر ایسی صورت نہ ہو مثلاً وہاں کسی حنفی کی اقتداء کی جاسکتی ہے تو اقتدائے حنفی ہی افضل ہوگی الخ تو یہاں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ اگر حنفی امام موجود ہو تو اسی کی اقتداء افضل ہے اگرچہ شافعی امام صالح، متقی، صاحب ورع اور اختلافی صورت میں حنفی مذہب کی رعایت کرنے والا موجود ہو جیسا کہ اسی حاشیہ میں اس کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔(ت)

یہ تمام عبارات تعلیقات فقیر علی ردالمحتار کی ہے اور بحمداللہ تعالٰی اس سے حق واضح وجلی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶

مسئلہ ۸۸۳ : از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ از سید محمد علی مدرس فارسی مدرسہ جارج مسلم اسکول

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ مسجد کے فرش پر محراب کے محاذ میں جماعت ہونا افضل ہے خواہ نمازی کم ہو، خواہ کسی درخت وغیرہ کے ہونے کی وجہ سے نمازیوں کی طبیعت پر بار ہو اور دلیل اس کی یہ ہے کہ شامی کے اندر یہ مضمون ظاہر کرتا ہے کہ محراب میں امام کا کھڑا ہونا افضل ہے اسی پر قیاس کرلیا جائے، عمر یہ کہتا ہے کہ تمام فرش مسجد کا ایک حکم میں ہے، کسی جگہ کے واسطے فضیلت نہیں ہوسکتی، اگر اس قدر نمازی ہوں کہ محراب سے راست وبیچ میں جماعت ممکن ہو اور نمازیوں کو بھی وہاں آسائش ہو تو ضرور جماعت کرلی جائے دوسرے یہ کہ ائمہ مجتہدین کے قیاسات کا اختتام ہوگیا، علمائے حال کا قیاس کیا ہوسکتا ہے جبکہ علمائے حال کی یہ کیفیت ہے کہ لفظ کے لغوی معنی غلطی سے کچھ سے کچھ خیال کرتے ہیں لہٰذا مکلّف خدمت ہوں کہ جواب مع دلیل تحریر فرمائیں، مکرر یہ کہ زید محراب کے محاذ میں جماعت ہونے کی فضیلت میں کوئی قول منقول پیش نہیں کرتا محض قیاس سے کام لینا چاہتا ہے عمر قیاس کو رَد کرکے منقول دلیل مانگتا ہے۔

الجواب :

فی الواقع سنت متوارثہ یہی ہے کہ امام وسط مسجد میں کھڑا ہو اور صف اس طرح ہو کہ امام وسط صف میں رہے محراب کا نشان اسی غرض کے لئے وسط مسجد میں بنایا جاتا ہے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر امام ایک کنارے کی طرف جھکا ہوا کھڑا ہو تو اگر جماعت زائد ہے فی الحال امام وسط صف میں نہ ہوگا اور ارشاد حدیث توسطوا الامام (امام کو درمیان میں کھڑا کرو۔ت) کا خلاف ہوگا اور اگر ابھی جماعت قلیل ہے تو آئندہ ایسا ہونے کا اندیشہ ہے لاجرم خود امام مذہب سید امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص ہے کہ گوشہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کنارہ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ حدیث کا ارشاد ہے امام کو وسط میں رکھو یہ طاق جسے اب عرف میں محراب کہتے ہیں حادث ہے زمانہ اقدس وزمانہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں نہ تھا محراب حقیقی وہی صدر مقام اس کا مسجد میں قریب حد قبلہ ہے یہ محراب صوری اس کی علامت ہے جس مسجد کے دو حصے ہوں ایک مسقف دوسرا صحن، جیسا کہ اب اکثر مساجد یوں ہی ہیں وہ دو مسجدیں ہیں مسقف مسجد شتوی ہے یعنی جاڑوں کی مسجد اور صحن مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد، ہر مسجد کے لئے وہ محراب حقیقی موجود ہے، اگرچہ محراب صوری صرف مسجد شتوی میں ہوتی ہے اعتبار اسی محراب حقیقی کا ہے یہاں تک کہ اگر محراب صوری وسط میں نہ ہو یا جانب مسجد بنادینے سے اب وسط میں نہ رہے تو امام اس میں نہ کھڑا ہو بلکہ محراب حقیقی میں کہ وسط مسجد ہے، اور جب یہ حکم عام ہے جملہ مساجد کو شامل، اور صحن مسجد بھی ایک مسجد ہے تو وہ بھی یقیناً اس حکم منصوص میں خود داخل ہے نہ کہ یہاں کسی قیاس کی حاجت ہے، صحن مسجد میں جو جگہ

قریب حد قبلہ وسط میں ہے وہ خود محراب حقیقی ہے خواہ محراب صوری کے محاذی ہو یا نہ ہو یا سرے سے اس مسجد میں محراب صوری نہ بنی ہو اس محراب حقیقی میں امام کا کھڑا ہونا سنت ہے بشرط جماعت اولٰی، لیکن جماعت ثانیہ کے لئے اسی مقام سے دہنے یا بائیں ہٹ کر امامت کرنا، نافی کراہت ہے، معراج الدرایہ شرح ہدایہ میں ہے:

فی مبسوط بکر، السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احدجانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ والاصح ماروی عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویة اوفی ناحیة المسجد او الی ساریة لانہ خلاف عمل الامة قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسطوا الامام وسدوا الخلل[1]۔	مبسوط بکر میں ہے امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہو، اگر وہ صف کی کسی جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا، اگر مسجد صیفی جانب شتوی میں ہو اور مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی طرف کھڑا ہو تاکہ قوم دونوں اطراف میں برابر ہو جائے، اصح طور پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں امام کے دوستونوں کے درمیان یا گوشہ مسجد یا کنارہ مسجد یاستون کی طرف کھڑے ہونے کو مکروہ جانتا ہوں کیونکہ یہ عمل امت کے مخالف ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: امام کو درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے خلا کو پُر کرو۔(ت)

اسی میں ہے:

المحاریب مانصبت الا اوسط المساجد و ھی قدعینت لمقام الامام[2]۔	محراب نہیں بنائے جاتے مگر درمیان مسجد میں اور وہ مقام امام کو متعین کرتے ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸۴: ازکان پور نئی سڑک مسئولہ حاجی فہیم بخش صاحب عرف چھٹن　　۱۳ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین زید اور عمرو کے بارے میں، دونوں حنفیت کا دعوی کرتے ہیں اور ترجمہ حدیث یزید بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جو باب من صلی الصلاۃ مرتین (جس نے نماز دو بار پڑھی۔ت)

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰
[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

میں ہے حسب ذیل کرتے ہیں زید آخری حصہ حدیث:

اذا جئت الصلٰوۃ فوجدت الناس فصل معھم وان کنت قد صلیت کن لك نافلۃ وھذہ مکتوبۃ[1]۔	جب تو نماز کے لئے آیا تو لوگوں کو نماز ادا کرتے پایا تو ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جا اگر تو نماز پڑھ چکا تو وہ نفلی ہوگی اور یہ فرضی ہوگی۔(ت)

کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ پہلی نماز جو گھر میں پڑھی گئی ہو نفل ہوگی اور جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے وہ فرض ہو جائے گی دلیل یہ ہے: وان کانت قد صلیت تکن لک نافلۃ میں آیا کرتا ہے اس کے بعد مستقل جملہ اور کلام مستانف ہوا کرتا ہے یہاں ایسا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ زید کا یہ ترجمہ مذہب حنفی کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، عمرو آخری حصہ حدیث مندرجہ بالا کا ترجمہ یوں کرتا ہے کہ گھر والی نماز جو پہلے پڑھی ہے وہ فرض ہوگی اور جو بعد میں جماعت سے پڑھی ہے وہ نفل ہوگی، اس وجہ سے کہ ان وصلیہ ہے، دلیل یہ ہے کہ وان کنت قد صلیت میں اول واؤ داخل ہے دوسرے کنت موجود ہے جو ماضی کے لئے مخصوص ہے اور قد تحقیق ماضی کے لئے نیز ھذہ اسم اشارہ قریب ذکری کے لئے ہے پس قد صلیت سے جو صلٰوۃ مدلول ہے وہ مشارٌ الیہ ہے اور یہ پہلی ہی ہوگی وہ فرض ہوگی اور جو صلٰوۃ فصل معھم سے مدلول وہ بعید ذکرًا ہے وہ مشارٌ الیہ نہیں اگر خود کنت ماضی کو شرط بنایا جائے تو تکن جزاء مرتب کون مخاطب پر نہیں ہے نیز فصل معھم امر بھی جواب کو چاہتا ہے اور شرط بھی جزا کو علٰی سبیل التسلیم تب بھی تکن لک نافلۃ جواب امر کا ہے جزا نہیں بوجہ مقدم ہونے امر کے جیسے جملہ قسمیہ جب مقدم ہو شرط پر تو جزا نہیں ہوتی بلکہ جواب قسم سے استغنا ہو جاتا ہے ان دونوں قائلوں میں کون سا قائل راستی پر ہے نیز اوپر بیان کی ہوئی دلیلیں قابل قبول ہیں یا نہیں؟ زید و عمرو کی دلیلوں میں سے کس کی دلیلیں زیادہ صحت کے ساتھ مانی جاسکتی ہیں اور قبول کی جاسکتی ہیں؟ دیگر جو نماز رکوع و سجود والی علاوہ مجرد عصر و مغرب جماعت سے پڑھی یا پڑھائی ہو عام ہے کہ نماز عید و جمعہ ہی کیوں نہ ہو دوبارہ جماعت ملنے پر نفلاً تکرار نماز کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اوپر بیان کی ہوئی حدیث سے تکرار نماز پر اس طور سے کہ پہلے پڑھی ہوئی نماز فرض یا واجب اقتدا یا امامت کرکے دوسری جماعت دوسرے روز ملنے پر تکرار نماز کرسکتا ہے اور وہ نفل ہوگی استدلال لایا جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب:

زید کا قول غلط اور دلیل باطل

اولاً: ان وصلیہ کا آخر کلام ہی میں آنا اور اس کے بعد جملہ اور وہ بھی کلام مستانف ہی ہونا

[1] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

سب باطل و بے اصل ہے وہ کلام واحد کے وسط اجزا میں آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قولہ تعالٰی وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْحَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝[1] ۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگرچہ آپ (ایمان پر) حریص ہیں مگر اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے۔(ت)

رضی میں ہے:

| قد تدخل الواو علی ان المدلول علی جوابها بما تقدم ولاتدخل الاذاکان ضدالشرط اولی بذلك المقدم والظاهر ان الواو فی مثله اعتراضیة ونعنی بالجملة الاعتراضیة مایتوسط بین اجزاء الکلام متعلقا بمعنی مستأنفا لفظا کقوله ع: تری کل من فیها وحاشاك فانیا کقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "انا سیّد ولد اٰدم ولافخر" فتقول فی الاول زید وان کان غنیا بخیل وفی الثانی زید بخیل وان کان غنیا والاعتراضیة تفصل بین ایّ جزئین من الکلام کانا بلاتفصیل اذا لم یکن احدهما حرفا[2] ھ مختصرا | کبھی واؤ اس لئے آتا ہے کہ اس جواب کا مدلول سابقہ ہے یہ وہیں ہوگا جہاں ضد شرط اس مقدم کے زیادہ مناسب ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسے مقام پر واؤ اعتراضی ہوتی ہے اور جملہ معترضہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ اجزائے کلام کے درمیان ایسے کلمات آجائیں جو معنی ومفہوم کے اعتبار سے اس سے متعلق ہوں اور لفظًا اس سے جدا ہوں جیسے شاعر کا یہ مصرعہ ہے: وہ دنیا میں ہر چیز کو فانی جانتا ہے اور تو محفوظ رہے۔ بعض اوقات تمام کلام کے بعد واؤ آتی ہے، مثلاً حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں، پہلے کی مثال "زید بخیل وان کان غنیا" ہے، جملہ معترضہ بلاتفصیل کسی بھی کلام کے دو جزوں میں فصل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ دونوں میں سے کوئی جز حرف نہ ہو اھ مختصرًا (ت) |

---

[1] القرآن ۱۲/ ۱۰۳

[2] شرح رضی مع الکافیۃ، بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸، ۲۵۷

لاجرم صحیحین میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن عبد قال لاالٰہ الا اللہ ثم مات علی ذلك الادخل الجنّة وان زنی وان سرق وان زنی وان سرق وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر [1]۔	جس بندے نے بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا پھر اسی پر فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ اس نے زنا وچوری کی ہو، اگرچہ اس نے زنا وچوری کی، اگرچہ اس نے زنا وچوری کی، ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔(ت)

ثانیاً حدیث کی بہتر تفسیر حدیث ہے امام مالک واحمد ونسائی نے محجن بن ادرع دیلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جئت المسجد وکنت قدصلیت فاقیمت الصلاۃ فصل مع الناس وان کنت قد صلیت [2]۔	جب تو مسجد میں آئے اور نماز پڑھ چکا تھا اور جماعت کھڑی ہوئی تو تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا تھا۔(ت)

یہاں یقیناً وصلیہ ہے، مرقاۃ میں ہے:

(فصل) ای نافلۃ لاقضاء ولااعادۃ (مع الناس وان) وصلیۃ ای ولو (کنت قدصلیت [3]۔	(تو نماز پڑھ) یعنی نفل نماز نہ قضاء اور نہ اعادہ (لوگوں کے ساتھ اگرچہ) "ان" وصلیہ ہے یعنی اگرچہ (تو نماز پڑھ چکا تھا)۔(ت)

ثالثاً: صرف "ان" کا وصلیہ یا شرطیہ ہونا یہاں احد المعنیین کی تعیین نہیں کرتا تو اس میں بحث فضول اور اس سے استناد نامقبول مدار ضمیر تکن کے مرجع اور ھذہ کے مشار الیہ پر ہے اگر ضمیر ثانیہ کے لئے ہے اور اشارہ اولٰی کی طرف کہ وہی اقرب ذکراً ہے کما قالہ عمرو (جیسا کہ عمرو نے کہا۔ت) تو اولٰی فرض اور ثانیہ نفل ہوگی اگرچہ "اِن" شرطیہ ہو اور عکس ہے تو عکس اگرچہ "اِن" وصلیہ ہو وھذا ظاھر

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الثیاب البیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۶۷

[2] موطا امام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص۱۱۵، مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۳۴، سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۹

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلٰوۃ مرتین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۰۶

جدا(اور یہ بہت واضح ہے۔ت)۔اشعۃ اللمعات میں ہے:

(وان کنت قدصلیت) و اگرچہ ہستی تو کہ بتحقیق نماز گزارد (تکن لك نافلة) باشد نمازیکہ دوم بار میکنی بامردم نفل مرترا (وھذہ مکتوبة) وباشد ایں نماز کہ نخست گزاردہ فرض وایں معنی موافق است بظاہر احادیث کہ دلالت دارد بربودن نماز دوم نفل از جہت سقوط ذمہ باداۓ اولٰی[1]۔	(وان کنت قدصلیت) اگرچہ تونے نماز ادا کرلی ہو(تکن لك نافلة) دوسری دفعہ لوگوں کے ساتھ جو تونے نماز پڑھی وہ تیری نفل نماز ہوگی (وھذہ مکتوبة) اور جو تونے پہلے پڑھی وہ فرض نماز ہوگی اور یہ معنی ومفہوم ان ظاہر احادیث کے موافق ہے جو اس بات پر دال ہے کہ دوسری نماز نفل ہوگی کیونکہ فرضی نماز پہلی نماز ادا کرنے سے ساقط ہوگئ ۔(ت)

پھر طیبی شافعی سے دوسرے معنی نقل کئے، دیکھواِنْ شرطیہ لیااور نماز دوم کو نافلہ قرار دیا، مرقاۃ میں ہے:

(فصل معھم وان کنت قدصلیت) لیحصل لك ثواب الجماعة وزیادة النافلة (تکن) ای صلاتك الاولی (لك نافلة وھذہ) ای التی صلیتھا الاٰن قیل ویحتمل العکس (مکتوبة[2])	(لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تونماز پڑھ چکا ہو) تاکہ تجھے جماعت کاثواب اور نوافل میں اضافہ حاصل ہوجائے، یعنی تیری پہلی نماز (تیرے لئے نفل اور یہ) یعنی وہ نماز جو تونے ابھی پڑھی، بعض محدثین نے فرمایا کہ معاملہ میں اس کے عکس کا احتمال ہے(تیرے لئے فرض)۔(ت)

شرح میں وان کنت قدصلیت کے بعد لیحصل لك الخ لانے سے ظاہر ہے کہ ان وصلہ لیاورنہ شرط وجزاکے بیچ میں اس کے لانے کاکوئی محل نہ تھا فصل معھم کے بعد لکھتےاور نماز دوم کوفریضہ بتایا۔

اقول: ولایبعد ان یکون القدح فی ذھنہ اولاماھو الاوفق بالاحادیث و الالصق بالقواعد فجعل ان وصلیة ویؤیدہ	**اقول:** ممکن ہے ان کے ذہن میں پہلے ہی وہ کھٹکا موجود ہو جو احادیث وقواعد کے موافق ہے توانہوں نے اِنْ کو وصلیہ بنایا اس کی تائید ان کا

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلوٰۃ مرتین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۹۵

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلوٰۃ مرتین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۰۷۹

قولہ وزیادۃ النافلۃ وان امکن تاویلہ بان المراد بالنافلۃ ھی الاولی وترتبھا علی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل معھم مع وقوعھا سابقا باعتبار وصف نافلیۃ فانہ انما یظھر بصلاتہ معھم فافھم ثم اذا اتی علی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکن حاد النظر الی حاشیۃ الطیبی فنقل مافیھا واللہ تعالٰی اعلم۔	قول "وزیادۃ النافلۃ" کررہاہے اگرچہ اس کی تاویل یوں بھی ممکن ہے کہ نافلہ سے مراد پہلی نماز ہے انہوں نے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی فصل معھم (ان کے ساتھ نماز پڑھ) پر اسے مرتب کیا ہوا اگرچہ اس کا وقوع باعتبار وصف نفل کے سابق ہے کیونکہ اس نفل نماز کا ظہور جماعت کے ساتھ ہوگا، اسے یادرکھو، پھر جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد گرامی تکن پرآئے تو نظر حاشیہ طیّبی کی طرف گئی جو کچھ وہاں تھا اسے نقل کردیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عمرو کا قول صحیح اور دلائل زائل اولاً ہم بیان کرچکے کہ اِن کا وصلیہ ہونا کچھ مفید نہ شرطیہ ہونا مضر۔

ثانیاً دخول واؤ وصلیہ ہونے پر کیا دلیل شرطیہ پر بھی عاطفہ آتا ہے۔

ثالثاً کنت اور قد بھی منافی شرطیہ نہیں قد کا دخول خود فعل شرط پر ممنوع ہے **فعلی ھذا لاتقول ان قد فعلت وان قد تفعل**[1] اھ "رضی" یہاں فعل شرط کنت ہے جسے ابقائے معنی ماضی ہی کے لئے شرط کرتے ہیں

کقولہ تعالٰی عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ[2] وقولہ تعالٰی عن شاھد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ[3]۔	جس طرح اللہ تعالٰی نے اپنے بندے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ذکر کیا "اگر میں نے یہ کہا تو تو جانتا ہے" اللہ تعالٰی نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گواہ کے حوالے سے فرمایا اگر ان کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے (ت)

یعنی وہ فعل ماضی جسے شرط کرنا اور معنی ماضی پر باقی رکھنا منظور ہو، اگر اس پر ان داخل کرتے مستقبل کردیتا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۲

[2] القرآن ۵/ ۱۱۶

[3] القرآن ۱۲/ ۲۷

لہٰذا اسے خبر کان اور کان کو شرط کرتے ہیں اب وہ فعل اپنے معنی ماضی پر باقی رہتا ہے، رضی میں ہے:

اعلم ان یکون شرطھا فی الاغلب مستقبل المعنی فان اردت معنی الماضی جعلت الشرط لفظ کان کقولہ تعالٰی ان کنت قلتہ، وان کان قمیصہ وانما اختص ذٰلك بکان لان الفائدۃ التی تستفاد منہ فی الکلام الذی ھو فیہ الزمن الماضی فقط ومع النص علی المضی لایمکن استفادہ الاستقبال[1]۔	پھر جان لے کہ (اِن) کے لئے اغلب طور پر یہ شرط ہے کہ وہ معنی کے اعتبار سے مستقبل پر دلالت کرتا ہے اگر تو معنی ماضی کا ارادہ کرے تو تو لفظ کان کو شرط کردے جیسے فرمان الٰہی ہے "ان کنت قلتہ وان کان قمیصہ "اسے کان سے اس لئے مختص کیا ہے کہ وہ فائدہ جو اس میں مقصود ہے وہ فقط ماضی والی کلام سے حاصل ہے اور ماضی پر نص کے باوجود استقبال کا استفادہ ممکن نہیں رہتا۔(ت)

اور جب وہ فعل معنی ماضی پر بحالہ ہے تو ماضی کے لئے قد کا آنا کیا محال ہے۔

رابعًا: نماز اول اگر قریب ذکرًا ہے دوم قریب وقوعًا ہے اور شک نہیں کہ جدید متاخر الوقوع قدیم متاخر الذکر سے اقرب ہے۔

خامسًا: ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قدصلیت متصل ہے تو ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قد صلیت متصل ہے تو ضمیر سابقہ کی طرف اور اس کا تقاضا اقتضائے ھذہ سے پہلے ہو لیا۔

سادسًا: شرط بلاشبہہ کنت ہے مگر معنی سببیت کہ شرط میں نفس فعل شرط میں نہیں ہوتے بلکہ مع جمیع متعلقات ان تلوتم یٰسٓ فی بیتی عند رأسی ثلاث لیال مستقبلی القبلۃ متوضیین فانتم احرار (اگر تم میرے گھر میں، میرے سر کے قریب تین راتیں باوضو قبلہ رو ہو کر یٰسٓ پڑھو تو تم آزاد ہو۔ت) ان ساتوں قیود کے جمع ہونے سے آزاد ہوں گے مجرد تلاوت سے نہیں ہوتے خصوصًا کان جس کی دلالت حدث مطلق وزمانہ ماضی کے سوا کسی چیز پر نہیں کما قدمنا اٰنفا عن الرضی (جیسا کہ ہم نے رضی کے حوالے سے ابھی ذکر کیا۔ت) تو سبب کَون، مخاطب نہیں بلکہ کَوْنہ قدصلی یعنی تقدم ایقاع صلاۃ کہ اس کا نافلہ ہونا اس کے وقوع پر موقوف۔

سابعًا: امر کے لئے جواب لاسکتے ہیں نہ یہ کہ امر طالب جواب ہے بخلاف قسم، تو نا مستدعی جواب کا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۴

تقدم، شرط متدعی جزاکے اقتضاپر مرجح نہیں ہوسکتا۔

ثامنًا: اگر تکن جواب امر ہی ہو تو یہ بھی تعیین احد المعنیین سے عاری ہے جزائے ان کنت نہ سہی اس سے پہلے قد صلیت کلام میں تو واقع ہے رجوع ضمیر کو اتنا ہی درکا ہے۔

بالجملہ دلائل طرفین کچھ نہیں ہمیں اس تمام بیان کی حاجت نہ تھی اگر سوال میں نہ ہوتا کہ کس کی دلیلیں قبول کی جاسکتی ہیں اور طریق صحیح یہ ہے کہ

اوّلًا: کلام اس میں ہے کہ پہلے فرض بہ نیّت فرض وقت میں باستجماع شرائط ادا کرچکا ہو ورنہ بداہۃً پہلی نماز نماز ہی نہ تھی یا کوئی نفل تھی اگر دوسری میں شامل نہ ہوتا جب بھی وہ نفل یا باطل ہی رہتی اور جب صورت یہ ہے تو قطعًا اس وقت پڑھنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا اب نہ وہ وقت میں عود کرسکتا ہے نہ وقت میں دو فرض ہوسکتے ہیں تو یقینا یہ دوسری نہ ہوگی مگر نفل ۔ہاں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ برکت وثواب جماعت میں حصہ ملے گا۔

کما فی حدیث مالك وابی داؤد عن ابی ایوب الانصاری رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فذلك له سهم جمع[1]۔	جیسا کہ امام مالک اور ابوداؤد نے حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے لئے جماعت کے ثواب کا حصہ ہے(ت)

واقول ثانیًا: اگر ثانی فرض ہو تو طلب جماعت فرض ہو حالانکہ اس حکم کو حدیث نے مصلی کے آنے پر محمول فرمایا ہے کہ

اذا جئت الی الصلاۃ فوجدت الناس فصل معهم وان کنت قد صلیت[2]۔	جب تو نماز کے لئے اور لوگوں کو نماز میں پائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو(ت)

یہ نہیں فرمایا:

اذا صلیت فی رحلك افترض علیك ان تأتی الجماعة فتصلی معهم۔	جب تو نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تو تجھ پر فرض ہے کہ تو جماعت کی طرف آئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرے۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵، مؤطا الامام مال اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۶

[2] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

ابوداؤد وترمذی ونسائی کی حدیث میں یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتما رحالکما ثم اٰتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھالکما نافلۃ[1]۔	جب تم دونوں اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرچکو پھر تم مسجد کی طرف آؤتو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھو کہ (جماعت والی نماز) تمہارے لئے نفل ہوگی(ت)

بلکہ حدیث میں تخییر کی تصریح ہے کہ جی میں آئے توشامل ہوجاؤ، سنن ابی داؤد میں عبادہ ابن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال سیکون علیکم بعدی امراء تشتغلھم اشیاء عن الصلٰوۃ لوقتھا حتی یذھب وقتھا فصلوا الصلٰوۃ لوقتھا فقال رجل یارسول اللہ اصلی معھم قال نعم ان شئت[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد تم پر ایسے امراء آئیں گے جنہیں بعض اشیاء کی مشغولیت نماز بروقت سے غافل رکھے گی یہاں تک کہ وقت چلاجائے گا، توتم نماز بروقت ادا کرو، ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان کے ساتھ نماز پڑھوں؟ فرمایا: ہاں اگر تو چاہے توپڑھ۔(ت)

فرض میں اختیار کیسا!

اقول: والمراد بالوقت المستحب ای یؤخرون الی وقت الکراھۃ اذھو المعھود من اولٰئك الامراء، لا ان یصلوا العصر جماعۃ بعد الغروب والعشاء بعد الطلوع۔	**میں کہتاہوں** یہاں وقت سے مراد وقت مستحب ہے یعنی وہ مکروہ وقت تک نماز کو مؤخر کریں گے یہی بات ان امراسے معروف ہے یہ نہیں کہ وہ نماز عصر کی جماعت غروب کے بعد اور نماز عشاء کی جماعت طلوع کے بعد کریں گے(ت)

[1] سنن النسائی اعادۃ الفجر مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۹، جامع الترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰

[2] سنن ابوداؤد باب اذااخرالامام الصلوٰۃ عن الوقت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۲

وثالثًا: دار قطنی بسند صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیت فی اهلك ثم ادرکت فصلها الا الفجر والمغرب[1]۔	جب تونے اپنے اہل میں نماز ادا کرلی پھر تونے جماعت کو پالیا تواسے دوبارہ پڑھ سوائے فجر و مغرب کے۔(ت)

فجر و مغرب کا استثناء اسی بناء پر ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری نفل ہو کہ نہ فجر میں تنفل ہے نہ نفل میں ایتار، اگر یہ فرض ہوتی تو فجر و مغرب میں ادائے فرض سے کون مانع ہے۔

ورابعا: حدیث بتارہی ہے کہ ان میں ایک کا نفل ہونا اس کے شریک جماعت ہونے پر مرتب ہے "تکن" اگر جواب امر ہے جب توظاہر اور جزائے ان کنت قد صلیت ہے جب بھی مطلب یہی ہے یہ ہرگز مراد نہیں کہ جس وقت فرض پہلے پڑھے تھے اسی وقت وہ نفل ہوئے تھے چاہے بعد کو جماعت ملتی یا نہیں، شریک ہوتا یا نہیں، اور جب ترتب نفلیت شرکت پر ہے اب اگر اس ایک سے نماز دوم مراد لو تو بے تکلف مستقیم ہے کہ یہ نفل اسے شرکت ہی سے ملیں گے، اور اگر اول مراد لو تو معنی یہ ہوں گے کہ اب تک اس سے فرض ادا ہوئے تھے اس جماعت کی شرکت ان فرضوں کو نفل کی طرف منقلب کردے گی اور یہ کہ حتمًا مطلوب نہ تھی فرض واقع ہوگی، ان دونوں باتوں کے لئے شرع میں نظیر نہیں۔

وخامسًا: مسند احمد و صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کیف اذاکانت علیك امراء یمیتون الصلاۃ اوقال یوخرون الصلاۃ عن وقتها قال قلت فما تأمرنی قال صل الصلٰوۃ لوقتها فانها لك نافلة[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تم پر ایسے امراء مسلّط ہوں گے جو نماز کو فوت کریں گے، یا فرمایا: وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے۔ کہا میں نے عرض کیا: حضور! آپ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم نماز اپنے وقت پر پڑھو، پھر اگر ان کے ساتھ جماعت پالے تو نماز پڑھ لے کہ یہ تیرے لئے نفل ہوجائے گی(ت)

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ ثم یدرک الجماعۃ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۲، کنز العمال اعادۃ الصلوٰۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/ ۲۶۲

[2] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۰

اس میں ضمیر انھا صاف نماز ثانی کی طرف راجع ہے اولٰی کی طرف ارجاع بعد عن الفہم ہونے کے علاوہ ارشاد اقدس صل الصلٰوۃ لوقتھا (نماز کو اس کے وقت پر پڑھو۔ت) کے منافی ہے کہ پہلی کو اس کے وقت میں پڑھ کہ اوقات فرائض کے لئے ہیں نہ کہ نفل کے واسطے۔

وسادسًا: حدیث مذکور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسند احمد رحمہ اللہ تعالٰی میں یوں ہے کہ فرمایا **واجعلوا صلاتکم معھم تطوعا**[1] (تم اپنی نماز کو ان کے ساتھ نفل بنالو۔ت) اس میں صاف تصریح ہے کہ یہ دوسری نفل ہوگی۔

سابعًا: اگر یہی مانا جائے کہ نافلہ پہلی اور مکتوبہ دوسری کو فرمایا تو فقیر کے ذہن میں یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے ظاہر ہے کہ نماز تنہا ناقص اور جماعت میں کامل ہے، جس نے فرض اکیلے پڑھ لئے پھر نادم ہو کر جماعت میں ملا تو قضیہ اصل وحکم عدل یہ ہے کہ اس کے فرض ناقص اور نفل کامل ہوئے مگر اس کی ندامت اور جماعت کی برکت نے یہ کیا کہ سرکار فضل نے اس کامل کو اس کی فہرست فرائض میں داخل فرمالیا اور ناقص کو نفل کی طرف پھیر دیا تو یہ نفل کامل فرض لکھے گئے اور وہ فرض ناقص نفل میں محسوب ہوئے کہ کمال فرض کا جمال فضل پائے اور یہ اس کی رحمت سے بعید نہیں جو فرماتا ہے:

فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ[2]	اللہ تعالٰی لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے (ت)

جب اس کا کرم گناہوں کو نیکیوں سے بدل لیتا ہے نفل کو فرض میں گن لینا کیا دشوار ہے۔ اب حاصل یہ رہا کہ ہے تو پہلی ہی فرض اور دوسری نفل مگر رحمت الٰہی اس نفل کو فرض میں شمار فرمائے گی، اسی طرف مشیر ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ارشاد جب ان سے پوچھا گیا میں ان دونوں میں کس کو اپنی نماز یعنی فرض تصور کروں؟ فرمایا:

وذلك الیك انما ذلك الی اللہ عزوجل یجعل ایتھما شاء[3]۔ رواہ الامام مالك ھذا ماعندی، العلم بالحق	یہ کیا تیرے ہاتھ ہے، یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ان میں جسے چاہے (فرض) شمار فرمائے گا۔ اسے امام مالک نے روایت کیا، یہ میری تحقیق ہے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ابن امراۃ عبادہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۷/۶

[2] القرآن ۲۵/۷۰

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ابن امراۃ عبادہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۷/۶

عند ربی۔	حق کا علم میرے رب کے ہاں ہے(ت)

ظہر وجمعہ وعشانفلاً دوبارہ پڑھ سکتا ہے نماز عید کے ساتھ تنفل شرع سے ثابت نہیں۔ حدیث دوسرے روز ملنے پر کسی طرح دلیل نہیں کہ وہ اس صورت میں ہے کہ یہ نماز تنہا پڑھ چکا اب اس کی جماعت قائم ہوئی، حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا:

کنت قد صلیت فاقیمت الصلٰوۃ[1]۔	تونے نماز پڑھ لی پھر نماز کے لئے تکبیر کہی گئی(ت)

حدیث ابوایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

یصلی احدنا فی منزلہ الصلاۃ ثم یاتی المسجد فتقام الصلاۃ[2]۔	جب تو کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے پھر مسجد کی طرف آتا ہے پھر نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے(ت)

حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا: فان ادرکتھا معھم[3] (پس اگر تو ان کے ساتھ نماز کو پائے۔ت) سنن ابی داؤد میں حدیث یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک لفظ یہ ہیں:

اذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الصلاۃ مع الامام فلیصلھا معہ فانھا لہ نافلۃ[4]۔	جب کسی نے گھر پر نماز پڑھ لی پھر امام کے ساتھ نماز پالی تو اس کے ساتھ بھی نماز پڑھے کہ یہ اس کے لئے نفل ہوجائے گی(ت)

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تھا اذا صلیت فی اھلک ثم ادرکت[5] (جب تونے اپنے اہل میں نماز پڑھ لی پھر تونے جماعت کو پایا۔ت) حدیث اخیر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے: اصلی فی بیتی ثم ادرک الصلاۃ فی المسجد مع الامام[6] (میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں پھر میں امام

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵، سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵، سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۹، مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۳، سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[3] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلٰوۃ عن وقتہا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۰

[4] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[5] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۲

[6] مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

کے ساتھ مسجد میں نماز کو پالیتا ہوں۔ت) دوسرے روز اس نماز کی جماعت نہیں ہوسکتی آج کی ظہر، ظہر دیروزہ کی غیر ہے ولہذا امام و مقتدی کا قضاء ادا میں اختلاف مبطل اقتدا ہے اور دوسرے دن اگر لوگ کل کی قضا بجماعت پڑھتے ہوں تو اسے ادراک نہ کہیں گے اور واجب سے تو اسے علاقہ ہی نہیں کہ وہ یا وتر ہے یا نماز عیدین اول میں تنفل گناہ اور ثانی میں شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۸۵ تا ۸۹۰: از کانپور محلّہ بوچڑخانہ مولوی نثار احمد صاحب ۲۰/صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حامدا ومصلیا ومسلما (اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہوئے۔ت)۔ حضرات علمائے کرام ادام اللہ بقاء ہم علٰی رؤس المسلمین وحماہم۔ ان چند سوالوں کا جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) یہ کہ اختلاف علماء ہو یوم النحر میں، تو قربانی کو احتیاطًا ایک روز مؤخر کرانے والا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے مجرم ہے یا نہیں۔

(۲) سہ شنبہ ۱۰/ذی الحجہ کو عیدالاضحٰی کی نماز واجب کی نیت سے پڑھانے والا امامت سے بوجہ ثبوت شرعی ماننے کے اور چہارشنبہ کو اس جگہ حاضر ہو کر جہاں عیدالاضحٰی بوجہ ثبوت کامل نہ ہونے کے عید سہ شنبہ کو نہیں ہوئی تھی بلکہ آج چہارشنبہ کو عیدالاضحٰی تھی اور جماعت میں شریک ہوگیا، نفلی نیت سے مجرم ہوا یا نہیں۔

(۳) سہ شنبہ کو امامت وخطبہ کے بعد احتیاطی جملہ کا تلفظ اور دوسرے روز اسی کا جماعت میں بہ نیت نفل شریک ہونا لوگوں کو شبہہ دلاتا ہے کہ اس نے اپنی نماز دہرالی اور ہم لوگوں کی نمازیں خوب خراب کیں مگر امام کو دوشنبہ کو اعلان وقت نماز کے یقین تھا عید کا، اور راضی تھا، اور خود سہ شنبہ کو وہ ایک اعلان دینے پر راضی تھا کہ میں نے ثبوت کو یقین جان کر بہ نیت واجب پڑھی اور امام ہو کر اقرار کرتا ہے اصرار سے کہ واجب یقینی جان کر پڑھائی اور احتیاطی جملہ میں بھی یہ عرض کیا کہ دینی بھائیو! آج عید ہے اور اکثر جگہ ہے، نماز بھی عید کی پڑھی گئی مگر قربانی کل کرنے میں حتیاط ہے، ایسی اختلافی حالت میں کس کے قول کو مانا جائے امام کے قول کو یا مقتدیوں کے۔

(۴) پڑھی ہوئی نماز نفل کی نیت سے پھر پڑھنا حنفیوں کے نزدیک حدیث یزید ابن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ جو باب "من صلاۃ مرتین" میں ہے، سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

(۵) اس حدیث میں وان کنت قد صلیت (اگرچہ تونے نماز پڑھ لی ہو۔ت) میں ان وصلیہ ہے یا شرطیہ، اولٰی وصلیہ ہوتا ہے یا شرطیہ۔

(۶) آیہ کریمہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ (اور جو کوئی اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ت) اور من تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم (جو کوئی اپنی طرف سے اچھائی کرے تو اللہ تعالٰی نیکی کا صلہ دینے والا اور جاننے والا ہے۔ت) سے عبادات مالیہ اور بدنیہ جس میں نفلی نماز بھی داخل ہے کوئی ثابت کرے تو استدلال درست ہے یا نہیں اور معطوف علیہ نہ ہونے کی وجہ سے تحریر میں بغیر واؤ کے لکھنے والا اور آیہ ثانیہ میں بغیر ف ترتیبیہ کے لکھنے والا غلطی کرنے والا ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب:

(۱) محل اختلاف علماء میں مراعات خلاف جہاں تک ارتکاب مکروہ کو مستلزم نہ ہو بالاجماع مستحب ہے، مستحب جرم نہیں ہوتا بلکہ اسے جرم کہنا جرم ہے، درمختار میں ہے:

یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم ارتکاب مکروہ مذھبہ[1]۔	اختلاف سے نکلنا مستحب ہے خصوصًا امام کے لئے، لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب میں مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے (ت)

(۲) جبکہ اس نے ثبوت شرعی پایا اور روز سہ شنبہ کو روز عید جان کر بہ نیت واجب نماز عید ادا کی اور دوسرے جن کو ثبوت نہ پہنچنے کے باعث ان پر شرعًا آج عید واجب تھی ان کی جماعت جماعت روز اول تھی اور سہ شنبہ کے دن پڑھنے والے کے نزدیک اگرچہ جماعت روز دوم تھی مگر امام صالح امامت عید اور اس کے مقتدیوں نے کل ادا نہ کی تھی اور یہاں تاخیر بالعذر بالاجماع بلاکراہت جائز ہے، اور عدم تحقیق ثبوت عندہم سے بڑھ کر اور کیا عذر ہوسکتا ہے بہرحال یہ نماز امام و قوم اور اس کل پڑھنے والے سب کے نزدیک جماعت واجبہ تھی تو اس کا بہ نیت نفل اس میں مل جانا ہرگز جرم نہیں ہوسکتا جرم نہیں مگر مخالفت امر اللہ یہاں کون سے امر اللہ کا خلاف ہوا اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝[2] (کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جسے تم نہیں جانتے۔ت) ہاں اگر ایک دن نماز عید ہو کر دوسرے دن مطلقًا ناجائز ہوتی حتی کہ اس امام صالح امامت عید و قوم کو بھی جس نے کل بعذر نہ پڑھی تو البتہ اسے شریک ہونا جرم ہوتا اگرچہ ان پر جرم کیسا، وہ اپنا ادائے واجب کررہے تھے کہ ان کو کل کا ثبوت نہ پہنچا تھا مگر اس کے اعتقاد میں تو عید کل ہوچکی تھی آج

---

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷

[2] القرآن ۲/ ۸۰

دوسرا دن تھا جس میں نماز ناجائز تھی تو یہ اپنے اعتقاد کی رو سے ایک ناجائز فعل میں شرکت کرتا اور مجرم ہوتا **فان المرء مواخذ بزعمه** (ہر آدمی کا مواخذہ اس کے زعم واعتقاد پر ہوگا۔ت) مگر ایسا ہر گز نہیں بلکہ قطعًا جواز ہے **کمانصوا علیه قاطبة** (جیساکہ اس پر تمام فقہانے نص کی ہے۔ت) تو ایک جماعت جائزہ میں متنفلا شریک ہونا کس نے منع کیا نماز عید، نماز جنازہ نہیں جس سے تنفل میں شرعًا عدم جواز کا حکم ثابت ہے، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

لایصلی علی میت الامرة واحدة لاجماعة ولاوحدانا عندنا لنا ماروی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم صلی علی جنازة فلما فرغ جاء عمر رضی الله تعالٰی عنه ومعه قوم فاراد ان یصلی ثانیا فقال له النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الصلٰوة علی الجنازة لاتعادوا لکن ادع للمیّت واستغفرله وهذا نص فی الباب (الٰی قوله) دلیل علی عدم جواز التکرار[1]۔	ہمارے نزدیک میّت پر فقط ایک دفعہ نماز ادا کی جائے گی دوبارہ نہیں، نہ تنہا نہ جماعت کے ساتھ، کیونکہ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ آئے اور انہوں نے دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازہ کی نماز لوٹائی نہیں جاسکتی البتہ میّت کے لئے دعا اور استغفار کرو، یہ اس باب میں نص ہے (یہاں تک) یہ تکرار کے عدم جواز پر دلیل ہے۔(ت)

صلاۃ عید میں نہی کہاں، ہاں ثبوت بھی نہیں، پھر عدم ثبوت کو ثبوت عدم سے کیا علاقہ **وهذا بحث لقد فرغنا عنه فی الرد علی الوهابیة مرارًا** (یہ وہ بحث ہے جس کو ہم وہابیوں کے رد میں بارہا تفصیلًا بیان کرچکے ہیں۔ت) غایت یہ کہ بے طلب شرع بے وجہ ہے جبکہ کوئی عارض خاص نہ ہو مثلًا مرید یا تلمیذ یا ابن کے نزدیک کل ثبوت شرعی ہوگیا تھا پڑھ لی شیخ یا استاذ یا اب کے یہاں آج ملنے کو حاضر ہوا ان کے نزدیک آج عید ہے، یا نماز کو کھڑے ہوئے اب ان کی مخالفت اس امر میں کہ شرعًا ممنوع وحرام نہیں معیوب وقبیح ہے لہٰذا متنفلًا شریک ہوگیا تو یہ صورت بے وجہ بھی نہیں بلکہ بوجہ وجیہ ہے، امام مجتہد مطلق عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے توجب مزار مبارک امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور نماز صبح پڑھائی دعائے قنوت نہ پڑھی نہ بسم اللہ وآمین جہر سے کہی نہ غیر تحریمہ میں رفع یدین فرمایا **علی مافی الروایات** (جیساکہ روایات میں ہے)

[1] بدائع الصنائع فصل فی صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۱

خود اپنا مذہب مجتہد نے ترک کیا اور عذر بھی بیان فرمایا کہ مجھے ان امام اجل سے شرم آئی کہ ان کے سامنے ان کا خلاف کروں کما بیناہ فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات (جیسا کہ ہم نے "حیات الموات فی بیان سماع الموات" میں بیان کیا ہے۔ت) (۳) امام اپنے قلب سے نیت کرتا ہے اور قلب غیب ہے اور زبان اس کا ذریعہ بیان۔ ہر مسلم اپنے مافی الضمیر پر امین ہے جب تک ظاہر اس کا مکذب نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا[1] رواہ مسلم۔	کیا تونے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے حتی کہ تونے جان لیا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا(ت)۔

مقتدیوں کا یہ وسوسہ بدگمانی ہے اور بدگمانی:

قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[3] الحدیث۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اے ایمان والو! بہت زیادہ ظن سے بچا کرو کیونکہ بعض ظن گناہ ہوجاتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے(ت)

(۴) ہاں ثابت ہے کما فصلناہ فی الفتوی السابقۃ بمالامزید علیہ (جیسا کہ ہم نے سابقہ فتوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) فجر ومغرب کا حدیث میں استثناء فرمایا[4] رواہ الدار قطنی بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ت) تعلیل حکم نے فجر سے عصر، مغرب سے وتر کا

---
[1] صحیح مسلم باب تحریم قتل الکافر بعد قول لاالٰہ الااللہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۶۸
[2] القرآن ۴۹/۱۲
[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴
[4] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۴۲۲، کنزالعمال اعادۃ الصلوٰۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/۲۶۲

الحاق بتایااور یہی مذہب حنفیہ ہے۔

(۵) وصلیہ اولٰی ہے بدلیل حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جئت المسجد وکنت قدصلیت فاقیمت الصلٰوۃ فصل مع الناس وان کنت قدصلیت[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تومسجد میں آئے جبکہ کہ تو نماز ادا کرچکا تھا پس جماعت کھڑی ہو گئی تو تو لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرا گرچہ تونے نماز پڑھ لی تھی (ت)

یہ وہی مضمون وحکم ہے اور اس میں وصلیہ متعین والحدیث خیر تفسیر للحدیث (ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے سب سے بہتر تفسیر ہوتی ہے۔ت)

(۶) ہاں درست ہے جہاں شرع مطہر سے ممانعت ثابت نہ ہو اور یہ عموم آیہ کریمہ کی تخصیص نہیں بلکہ وہ (ممنوع) عموم میں داخل ہی نہیں کہا من تطوع خیر افرمایا ہے اور ممنوع خیر نہیں کہ خیر ممنوع نہیں۔ **اقول:** تحقیق مقام یہ ہے کہ شے مطلوب الفعل اوالترک باحد الطلبین الجازم وغیرہ ہو گی یا لاولا یہیں سے احکام خمسہ پیدا ہوئے ان کا خامس مباح **وتمام الکلام فیه بحیث لایوجد فی شیئ من الکتب فی رسالتنا الجود الحلو فی ارکان الوضوء** (اس سے متعلق تحقیق ہمارے رسالے "**الجود الحلو فی ارکان الوضو**" میں ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی۔ت) اربع اول کو ثبوت درکار اور عدم ثبوت طرفین کا نتیجہ خامس مگر یہ خامس کسی مستحسن کے نیچے اندراج اور نیت حسنہ کے اندراج سے مستحسن ہو جاتا ہے جیسے نیت قبیحہ سے مستقبح، فعل لوح سادہ ہے اور نیت نقش صورت اخیرہ ہیں وہ مکروہ حرام اور اس سے بدتر ہو سکتا اور اولٰی میں تطوع ہو کر دونوں آیہ کریمہ کے عموم میں آئے گا۔ اشباہ وردالمحتار وغیرہما میں ہے:

المباحات تختلف صفتها باعتبار ماقصدت لاجله فاذا قصد بها التقوی علی الطاعات اوالتوصل الیها کانت عبادۃ کالاکل والنوم واکتساب المال والوطء[2] انتهی	مباحات کا مختلف نیات کے اعتبار سے حکم مختلف ہو جاتا ہے پس جب اس سے طاعات پر قوی یا طاعات کی طرف ایصال متصور ہو تو یہ عبادات ہوں گی مثلاً کھانا پینا، سونا، حصول مال اور وطی کرنا انتہی (ت)

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۳، مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۴

[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول البیت فی العبادات مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

لہٰذا مسئلہ دائرہ میں یہ حکم نہ دیں گے کہ نماز عید دوبارہ پڑھنا مستحب ہے کہ یہ طلب شرعی سے خبر دے گا یعنی شرعًا مطلوب ہے کہ دوبارہ پڑھے اور یہ باطل ہے کہ اس کو ثبوت درکار اور ثبوت نہیں ولہٰذا اس کا فعل بے وجہ ہوگا کہ سبب نہیں یہ اس کا فی نفسہ حکم ہے پھر اگر خارج سے وجہ پیدا ہو مثلًا یہ امام متبرک بہ ہے یا اس جماعت میں وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ پڑھنے میں امید رحمت ہے کہ **ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم**[1] (وہ ایسی قوم ہیں جن کا ساتھی اور ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ت) یا وہ وجہ جو ہم نے نمبر دوم میں بیان کی کہ معظم دینی سے موافقت و محو صورت مخالفت، تو یہ سب نیت محمودہ ہیں اور مباح نیت محمودہ سے محمود اور محمود کا ادنٰی درجہ نفل خصوصًا نماز کہ

الصلٰوۃ خیرموضوع فمن استطاع ان یستکثر منھا فلیستکثر[2] رواہ الطبرانی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	نماز سب سے بہترین عمل ہے اس میں جتنا بھی کوئی اضافہ کرسکتا ہے کرے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے (ت)

یوں تحت کریمتین داخل ہوگا، کشف الغمہ میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، سے ہے

: **فکان رضی اللہ تعالٰی عنہ لاینھی احدا تطوع بشیئ زائدا علی السنۃ ویقول فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ**[3]۔	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی کو بھی سنت سے زائد نوافل سے نہ روکتے اور فرماتے جو نیکی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ بہتر عمل ہے۔ (ت)

رہا کریمتین میں ترک واو وفا یہ لکھنا تلاوت قرآن کا وقت نہ تھا بلکہ استدلال کا اور ترک کسی ایسے حرف کا نہ کیا جس پر نظمًا یا معنًی صحت کو توقف یا موجب تغیر ہو تو اسے کسی طرح غلطی نہیں کہہ سکتے۔ ابن ابی حاتم و بیہقی نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کی:

ان رجلا سأل علیًا عن الھدی ماھو فقال من الثمانیۃ الازواج فکان الرجل شك فقال ھل تقرأ القراٰن قال نعم قال فسمعت اللہ یقول لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم	ایک آدمی نے حضرت علی سے ہدی (قربانی) کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا آٹھ جوڑوں میں سے، اس آدمی کو شک گزرا، فرمایا کیا تونے قرآن حکیم پڑھا ہے؟ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کیا تونے یہ سنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح مسلم باب فضل مجالس الذکر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۴/۲
[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فضل الصلوٰۃ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۲۴۹/۲
[3] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۹۱/۱

من بھیمة الانعام ومن الانعام حمولة وفرشا قال نعم فسمعته یقول من الضأن اثنین ومن المعز اثنین ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین قال نعم[1]۔	فرماتا ہے" چاہئے کہ وہ اللہ کانام ذکر کریں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، اور چوپایوں میں سے بعض وہ ہیں جو بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے، میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا تونے یہ بھی سنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ایک جوڑا بھیڑ کا، ایک جوڑا بکری کا، ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا، فرمایا: ہاں۔(ت)

امیر المؤمنین نے ایک آیت سترہویں پارے کی لی ایک آٹھویں کی اور ان کو سیاق واحد میں ذکر فرمایا دوبار سورہ انعام کی آیتوں میں خاص وسط میں سے اتنے جملے چھوڑ دیئے:

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴿۱۴۳﴾	تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ، یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔(ت)

اب یہاں کیا حکم ہوگا نبؤنی بعلم ان کنتم صٰدقین۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹۱: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کانکرٹولہ مسئلہ محمد ظہور خاں صاحب ۱۳/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز امام پڑھارہا ہے اب دوسرا نمازی آیا تو شامل جماعت ہوجائے یااول سنت ادا کرے، اگر مسجد چھوٹی ہے یا صحن مسجد قلیل ہے اور کانوں میں امام کی آواز آرہی ہے ایسی صورت میں ادائیگی سنت کس صورت سے ہونا چاہئے، یا بلاادائیگی سنت شامل ہوجائے اور سنت بعد طلوع آفتاب ہونا بہتر یااوّل یعنی جماعت میں شامل ہوگیا تھااس کے بعد؟

الجواب:

اگر جانتا ہے سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکے گااور صف سے دور سنتیں پڑھنے کو جگہ ہے توپڑھ کر ملے ورنہ بے پڑھے، پھر بعد بلندی آفتاب پڑھے، اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے، کان میں آواز آنے کا اعتبار نہیں، امام اندرپڑھ رہاہو باہر پڑھے، باہر پڑھتا ہو اندر پڑھے، حد مسجد کے باہر پاک جگہ پڑھنے کو ہو توسب سے بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض نمازیوں کی کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الہدایا من الابل والبقر والغنم مطبوعہ دارصادر بیروت ۵/۲۲۹

مثلاً بازار کو خرید وفروخت کے لئے جانا ہوتا ہے تو اس کے لئے ان کی رعایت سے وقت مستحبہ پر نماز کو ترک کرنا اور اول وقت پڑھنے میں کچھ قباحت تو نہیں ہے یا امام کو وقت مستحبہ پر پڑھنا چاہئے مثلاً عصر کے وقت کہ بعد گزرنے دو مثل سایہ کے پندرہ بیس منٹ کا وقفہ اذان وصلٰوۃ کے لئے دے کر جماعت کرنے میں افضیلت تو ترک نہ ہوگی۔

الجواب:

عام جماعت کو ضرورت ہو تو حرج نہیں ایک کے لئے جماعت منتشر کرنا یا سب کو ترک وقت مستحبہ کی طرف بلانا بے جا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۳: سیکریٹری انجمن مشفق المسلمین محلّہ ابراہیم پورہ بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیافرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مبتلائے جذام کو جس سے طبا اجتناب واجب ہے اور مسلمانان محلّہ اس کے دخول مسجد واستعمال ظروف سے حذر کرتے ہیں مسجد میں بغرض شرکت جماعت وغیرہ آنے سے شرعاً بغرض فائدہ عوام روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

ہاں جبکہ اس کے آنے سے مسجد میں نجاست کا ظن غالب ہو تو وجوباً اور ایسا نہ ہو صرف نفرت عوام واحتمال تقلیل جماعت ہو تو استحباباً۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۴: حافظ نجم الدین گندہ نالہ بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے اگر وہ غسل کرتا ہے تو فجر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہئے۔

(۲) جبکہ امام رکوع میں ہے اور ایک شخص ایک تکبیر کہہ کر شامل جماعت ہوگیا تو یہ کبیر تحریمہ ہوئی یا مسنونہ، اس صورت میں نماز اس مقتدی کی ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور غسل کرکے پھر اعادہ کرے۔

(۲) اگر اس نے تکبیر تحریمہ کہی یعنی سیدھے کھڑے ہوئے تکبیر کہی کہ ہاتھ پھیلائے تو زانو تک نہ جائے تو نماز ہوگئی اور اگر تکبیر انتقال کہی یعنی جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز نہ ہوگی اسے دو تکبیر کہنے کا حکم ہے تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال، پہلی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں اور دوسری تکبیر انتقال رکوع کو جاتے ہوئے۔ درمختار

میں ہے:

لووجد الامام راکعا فکبر منحنیا ان الی القیام اقرب صح ولغت فیه تکبیرة الرکوع [1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	اگر کسی نے امام کو حالت رکوع میں پایا تو اس نے جھکتے ہوئے تکبیر کہی اگر یہ مقتدی قیام کے زیادہ قریب ہو تو درست ہے اور اس کی تکبیر رکوع لغو ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۸۹۶: دو شخص ایک چٹائی ایک مصلے پر جدا جدا برابر کھڑا ہو کر ایک ہی نماز فریضہ قبل جماعت یابعد جماعت پڑھ رہے ہیں ان کی نماز ہوجائے گی یانہیں؟

الجواب:

نماز تو ہر طرح ہوجائے گی لیکن قبل جماعت الگ الگ پڑھیں اور ایک کاحال دوسرے کو معلوم ہو اور ان میں ایک قابل امامت ہے اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ان پر ترک جماعت کاالزام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۷: از شہر بریلی محلّہ باغ احمد خاں ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

جماعت جمعہ کے اندر پہلی صف میں دو یا تین شخص جن کی داڑھی منڈی ہوئی اور ایک شخص کی کتری ہوئی اس نے یہ لفظ کہا کہ بزرگ لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں وہ اگلی صف میں آجائیں اور منڈی اور کتری ہوئی پیچھے چلے جائیں، لہٰذا اس نے گناہ کیا یانہیں، اور اگلی صف میں منڈی ہوئی ہیں اور پیچھے صف میں پرہیزگار اور متقی ہیں ان کو پہلی صف میں لے جائیں اور منڈی ہوئی کو پیچھے ہٹایا جائے یانہیں، اور وہ لوگ جن کی داڑھی منڈی ہوئی ہے اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کو نماز پڑھنے کو جاتے ہیں اور ایک کے ساتھ ایک یادو داڑھی والے بھی جاتے ہیں اس بات کو ان لوگوں نے نہایت ناگوار معلوم کیا۔

الجواب:

داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے اور اس کے مرتکب فاسق ان کو تفہیم ہدایت کی جائے، بہتر یہ ہے کہ امام کے قریب دانشور لوگ ہوں، حدیث میں فرمایا:

لیلینی منکم اولوالاحلام والنهی [2]۔	تم میں سے دانشور اور عقلمند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہئے۔(ت)

---

[1] درمختار فصل واذااراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۴

[2] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱

اور وہی دانشور ہے جو متقی ہو، متقیوں کو چاہئے تھا کہ یہی پہلے آتے کہ سب سے اول میں جگہ پاتے اب کہ وہ دوسری قسم کے لوگ پہلے آگئے تو انہیں مناسب ہے کہ متقیوں کے لئے جگہ خالی کردیں ورنہ انہیں ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں خصوصًا جبکہ سبب فتنہ ہو اعمال میں ہدایت نرمی سے چاہئے کہ سختی سے ضد نہ بڑھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹۸: از شہر بانس منڈی مسؤلہ محمد جان بیگ ۱۰/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے اور صوم وصلٰوۃ کا بھی پابند ہے مگر مسجد میں صرف تین وقت کی نمازیں ظہر وعصر ومغرب باقی عشاء وفجر کی اپنے مکان پر تنہاپڑھتا ہے اور وجہ تنہائی میں پڑھنے کی یہ ہے کہ بعد نماز عشاء وفجر کے وظیفہ میں زیادہ وقت لگتا ہے اور قرآن عظیم کی تلاوت بھی کرتا ہے تنہاپڑھنے میں علیحدہ کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:

پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ واجب ہے ایک وقت کا بھی بلاعذر ترک گناہ ہے، وظیفہ وتلاوت باعث ترک نہیں ہوسکتے فرض مسجد میں باجماعت پڑھ کر وظیفہ وتلاوت مکان پر کرے ورنہ صورت مذکورہ فسق وکبیرہ ہے فان کل صغیرۃ بالاعتیاد کبیرۃ وکل کبیرہ فسق (ہر صغیرہ گناہ کا معمول اسے کبیرہ بنادیتا ہے اور ہر کبیرہ گناہ فسق ہے۔ت) حدیث میں ہے ظلم اور کفر نفاق سے ہے۔ یہ بات کہ آدمی اللہ کے منادی یعنی مؤذن کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو، وہ وظیفہ وتلاوت کہ جماعت مسجد سے روکین وظیفہ وتلاوت نہیں بلکہ ناجائز ومعصیت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۹: از اسیریاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسؤلہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳/ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ میں اقامت کہ جائے یا نہیں اور جماعت ثانیہ میں امام کو زور سے جہری نماز میں قرأت کرنی چاہئے یا جماعت اولٰی کے لوگ جو سنتیں پڑھ رہے ہوں ان کے خیال سے برائے نام آواز سے پڑھے تاکہ دوسروں کی نماز میں ذہن نہ منتقل ہو جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمائیں؟

الجواب:

جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں اور اس کا امام نماز جہری میں بقدر حاجت جماعت جہر کرے گا اگرچہ اور لوگ سنتیں پڑھتے ہوں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۰: از شہر کہنہ محلّہ لودھی ٹولہ مسؤلہ حبیب اللہ خاں صاحب ۲۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر باہم رشتہ دار ہیں دونوں میں خانگی معاملات میں مع دیگر رشتہ داران زید وبکر عرصہ سے نااتفاقی ہے اور زید وبکر دونوں شریک ہو کر ایک جماعت میں ہمیشہ

نماز پڑھتے ہیں، اما صاحب سے کسی کو کچھ کدورت نہیں ہے اب اہل محلّہ زید و بکر سے کہیں کہ تم دونوں باہم میل کرلو، بکر یہ جواب دے کہ ہم باہم رشتہ دار ہیں ہمیں میل کرنے میں کچھ انکار نہیں ہے مگر اس معاملہ میں دیگر رشتہ دار داماد بھائی حقیقی وغیرہ بھی شریک ہیں جن کے ساتھ زید کو مع دیگر رشتہ داران ناراضگی ہے ان کی موجودگی کی بھی ضرورت ہے ـــــــــاس وقت پورا میل ہوسکتا ہے تنہا میل کرنے میں دیگر رشتہ داران کو مجھ سے رنج ہوجائے گا بغیر ان کی موجودگی کے میل ناممکن ہے، یہ جواب بکر کا چند اشخاص کو ناگوار معلوم ہوا اور ان اشخاص نے ناخوش ہو کر بکر سے کہا کہ اگر تم اس وقت ہمارے کہنے سے میل نہیں کروگے تو ہم جماعت میں شریک نہیں ہونے دیں گے ہر طرح پریشان کریں گے لہٰذا اس بنا پر ایک شخص نے مسجد میں وقت نماز اعلان کیا کہ زید و بکر میں باہم رنج ہے جب دو شخص ایسے جن میں رنج ہے وہ شریک جماعت ہوں تو پوری جماعت کی نماز نہیں ہوتی ہے اور نہ دعا اس جماعت کی قبول ہوتی ہے اور صرف بکر کو یہ کہہ کر جماعت سے علیحدہ کردیا، تو یہ عمل ان اشخاص کا جائز ہے یا ناجائز، اگر ناجائز ہے تو علیحدہ کردینے والوں کو شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(۲) سوال بصورت حال مندرجہ بالا جو اشخاص وقت نماز جماعت سے علیحدہ کردیں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اس صورت میں اس کو جماعت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور یہ کہنا محض باطل ہے کہ جس جماعت میں دو شخص آپس میں رنج رکھتے ہوں نماز نہیں ہوگی اور یہ بھی غلط محض ہے کہ وہاں دعا قبول نہیں ہوگی، ہاں باہم اہلسنت کے اتفاق رکھنے کا حکم ہے اور دو بھائیوں میں کسی دینوی وجہ سے قطع مراسم تین دن سے زیادہ حرام ہے اور جو باہم موافقت کی طرف سبقت کرے گا وہ جنت کی طرف سبقت کرے گا اور جس سے اس کا بھائی معافی چاہے گا اور وہ بلاعذر شرعی معاف نہ کرے گا تو حدیث میں فرمایا کہ اسے روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو جماعت سے علیحدہ کرنا ظلم شدید ہے اس میں حق اللہ کا بھی مواخذہ ہے اور حق العبد کی بھی گرفتاری، توبہ بھی کریں اور ان لوگوں سے معافی بھی چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۲ : از شہر تکیہ سفر علی شاہ مسؤلہ مولوی احمد بخش صاحب ۱۳/صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشا کے واسطے (۰۸) بجے وقت مقرر کرلیا گیا کہ بلاانتظار کئے دوسرے کے اس وقت جماعت کھڑی ہوجائے گی کل شب میں ۱۴آدمی دروازے پر مسجد کے کھڑے تھے پانچ سات کو وضو کرنا تھا دو تین کرچکے تھے یہ سب ایک مسئلہ پر ذکر کررہے تھے جماعت کی تکبیر والے نے ان سب کو

نہیں بلایا نماز شروع کردی، آیا بلانا یا انتظار واجب تھا یا نہیں؟

الجواب:

اگراذان کے بعد انتظار بقدر مسنون کرلیاگیا ہو پھر زیادہ انتظار کی حاجت نہیں اور اگروقت میں وسعت ہو اور حاضرین پر گراں نہ ہو تو جوآگئے ہیں ان کے وضوکاانتظار کرلینا بہتر، اذان کے بعد غیر مغرب میں بحالت وسعت وقت اتناانتظار مسنون ہے کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہوجائے جیسے قضائے حاجت کرنی ہے اس سے فراغ پائے اور طہارت ووضو کرکے آجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۳: از مونڈیاجاگیر ضلع بریلی مسؤلہ عبدالصمد ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں پانچ آدمی ہیں اور سب کلام مجید خواں اور نمازی ہیں، ایک روززید نے بوقت عشابوجہ تنہائی مکان اپنے گھر نماز ادا کی بوجہ حاضر نہ ہونے مسجد کے زید کا مع اس کے برادران اور اہل خانہ حقہ پانی بھنگی بہشتی دھوبی جملہ کام والوں کو اس سے بند کردیا اور پانچ دن سے بند ہے یعنی یکم صفر سے ۵ صفر تک، حالانکہ زید نماز کے لئے کوئی عذر وحیلہ نہیں کرتا بلکہ بوجہ مجبوری کے حاضر نہیں ہے، آیازید اس سزا کا مستوجب تھا یانہیں، اگرنہ تھاتوسزادہندگان کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

اگرواقعی مکان تنہاتھااور تنہاچھوڑ کرآنے میں اندیشہ تھاتویہ عذر قابل قبول ہے اور ایسی حالت میں سزادینا ظلم ہے، اور اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو بلاعذر جماعت چھوڑے توشرعًا قابل سزا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰۴: از مونڈیاجاگیر ضلع بریلی مسؤلہ عبدالصمد ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مرض جذام ہے سال گزشتہ میں ڈاکٹر نے مرض مذکور کی تصدیق کردی ہے اب ناخون وغیرہ کے دیکھنے سے مرض کی شدت کا ثبوت ہوتا ہے چونکہ زید مسجد میں آکر وضو کرتا ہے جس سے بعض اشخاص تنفر کرتے ہیں بلکہ مسجد میں نماز پڑھنے سے جماعت سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور اکثر مقتدیان کا عزم ہے کہ زید اگرجماعت میں شامل ہوگا تو ہم گھر پر نماز پڑھ لیا کریں گے دریں صورت مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، آیا زید کو مسجد سے روک دینا چاہئے یالوگوں کو گھر پر نماز پڑھ لینا، اور کبھی کبھی خود بھی نماز پڑھانے کو کھڑا ہوجاتا ہے۔

الجواب:

اس صورت میں زید کو چاہئے کہ نماز گھر میں پڑھے جماعت منتشر نہ کرے، اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۵: 　　　از محلّہ سوداگران مسؤلہ شمس الہدی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام 　　　۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

حضور اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابی کے مدرسہ میں پڑھتا ہو اور ان کے اقوال بھی جانتا ہے اور پھر وہابی کے مکان میں رہتا ہے اس کے یہاں کھانا کھاتا ہے تو اس صورت میں اسے اہلسنت کی نماز جماعت میں کھڑا ہونے دیں یانہیں اور اگر کھڑا ہوگا تو فصل لازم آئے گا یانہیں؟

الجواب:

اگر وہ وہابیہ کے عقائد سے واقف ہو کر انہیں مسلمان جانتا ہے تو ضرور صف میں اس کے کھڑے ہونے سے فصل لازم آئے گا اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قطع صفا قطعہ اللہ [1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صف کو کاٹا اسے اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔(ت)

اور اگر وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو ان سے میل جول کے باعث جس میں سب سے بدتر اُن سے پڑھنا ہے سخت فاسق ہے امامت کے قابل نہیں، نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی مگر صف میں اس کے کھڑے ہونے سے صف قطع نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰۶: 　　　مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی 　۹صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جماعت میں چار صفیں ہیں، صف اول میں کسی مقتدی یاامام کاوضو جاتا رہا تب وہ مقتدی یاامام باہر کس طرح آسکتا ہے کیونکہ درمیان میں تین صفیں ہیں جو شانہ سے شانہ ملائے ہیں اور مقتدی کی جو جگہ خالی ہے اس کے واسطے کیاحکم ہے؟

الجواب:

مقتدی جس طرف جگہ پائے چلا جائے، یونہی امام دوسرے کو خلیفہ بنا کر، اب صفوں کا سامنا سامنا نہیں کہ امام کا سترہ سب کا سترہ ہے اور مقتدی کی جو جگہ خالی رہی کوئی نیا آنے والا اسے بھردے یایونہی رہنے دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰۷: 　　　از شہر محلّہ باغ احمد علی خاں مسؤلہ نیاز احمد صاحب 　　　۲۴صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک محلّہ میں دو گروہ آباد ہیں دیوبندی و سنی حنفی، اس محلّہ کی مسجد میں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں پہلی جماعت دیوبندی فرقہ کی ہوتی ہے وہ لوگ عداوت

---

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

کی وجہ سے مغرب اور فجر کی نماز میں دیر کر دیتے ہیں اس میں جماعت (نماز) قضا ہونے کااندیشہ ہے اگر سنی اپنی جماعت پہلے کرانا چاہتے ہیں تو وہ لوگ فساد پر آمادہ ہوتے ہیں ایسی حالت میں سنیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عین ان کی جماعت ہونے کی حالت میں سنی اپنی جماعت کر سکتے ہیں کہ نہ ان کی جماعت جماعت ہے نہ اُن کی نماز نماز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۸: از شہر ممباسہ ضلع شرقہ افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسؤلہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نماز پڑھاتا ہے جماعت کو، بعد دوسرے آدمی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مقلد آئے اور صحن میں جماعت پڑھانے لگے اسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں ساتھ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں اور صحن میں ایک امام نماز پڑھا رہا ہے مقلد شافعی کے ہاں مسبوق کے ساتھ اقتدا کرنا جائز ہے اسی طرح نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اور امام آیا اور تکبیر ہوئی اور جماعت کھڑی ہوئی اسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک مسجد میں ایک فرض کی دو جماعتیں ایک ساتھ قصداً کرنا بلاوجہ شرعی ناجائز و ممنوع ہے لیکن ایک جماعت حنفیّہ کی امام حنفی کے پیچھے ہو اور دوسری شافعیہ یا مالکیہ یا حنبلیہ کی اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہو اس میں حرج نہیں جس طرح حرمین شریفین میں معمول ہے کہ یہ وجہ شرعی سے ہے مسبوق کی اقتداء ہمارے مذہب میں باطل ہے اگرچہ وہ مسبوق شافعی المذہب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۹: از موضع دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسؤلہ عبدالرحیم ۲۸/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز باجماعت ہو چکی، بعد میں دو چار آدمی فراہم ہوگئے اور جماعت سے رہ گئے تو وہ آپس میں مل کر نماز باجماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ اکثر ایسا دیکھا گیا تھا اب ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول جماعت کے بعد پھر جماعت سے نماز پڑھنا موجب ثواب نہیں بلکہ عذاب ہے لہٰذا جو حکم شریعت ہو اس سے آگاہ فرمایئے؟ **بینوا وجروا**

الجواب:

جو مسجد کسی معین قوم کی نہیں جیسے بازار یا سرا یا اسٹیشن کی مسجدیں، ان میں تو ہر جماعت جماعت اولٰی ہے

ہر جماعت کاامام اسی محل قیام امام پر محراب میں کھڑا ہو کرامامت کرے بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر جماعت جدید اذان سے ہو۔ ہاں مسجد محلّہ میں جس کے لئے امام وجماعت معین ہیں اس اعتماد پر کہ ہم اپنی جماعت دوبارہ کرلیں گے بلاعذر شرعی مثل بدمذہبی امام وغیرہ جماعت اولٰی کا قصداً ترک کرناگناہ ہے اور اگرامام کے ساتھ اہل محلّہ کی جماعت ہو گئی اور کچھ لوگ اتفاقاً یاعذر صحیح کے سبب رہ گئے توان کواذانِ جدید کی اجازت نہیں اور محراب میں قیام امام کی جگہ ان کے امام کو کھڑا ہونا مکروہ ہے اذان دوبارہ نہ کہیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کریں یہی افضل ہے اسے جو موجب عذاب بتاتا ہے غلط کہتا ہے کما حققنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱۰: ازمدرسہ اہلسنت منظراسلام بریلی مسؤلہ عبداللہ مدرس ۱۳/شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صف پر دویاچار شخص علیحدہ علیحدہ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب: اگرجماعت کرسکتے ہوں توترک جماعت نہ کریں رافضیوں سے مشابہت نہ کریں اور اگر یہ جماعت جماعت اولٰی ہے جب تو اس کاترک گناہ اور ناجائز ہے مگر نماز سب کی بہرحال ہو جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱۱تا۹۲۲: از گورکھپور محلّہ دھوبی مسؤلہ سعیدالدین ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جماعت کے لئے تعین وقت گھڑی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امام کو کسی مقتدی کے لئے جو ممبر مسجد ومیر محلّہ ہو اور سید ہو باوجود گزرجانے وقت معین گھڑی کے جماعت کے لئے انتظار کرنادرست ہے یا نہیں؟

(۳) امام کے نزدیک تمام مقتدیوں کی عزت برابر ہونی چاہیے یا نہیں؟

(۴) ایک مقتدی کوجو ممبر مسجد ومیر محلّہ اور سید ہو دوسرے مقتدی پر فوقیت ہے یا نہیں۔

(۵) اگرکوئی مقتدی سنت مستحب نماز پڑھتاہو تواس کی سنت ختم ہونے تک امام کو انتظار کرناچاہئے یا نہیں، سنت مؤکدہ کی تعریف کیاہے؟

(۶) کسی مقتدی کابوجہ اس کی امارت اعزاز کے باوجود تعین وقت گھڑی وضواور سنت کاانتظار کرناجائز ہے یاناجائز؟

(۷) امام کا کہنا کہ ہم کو مقتدیوں کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ مقتدیوں کو امام کے انتظار کی ضرورت ہے صحیح ہے یا نہیں؟
(۸) امام کو وقت معین گھڑی پر آنا جائز ہے یا نہیں؟
(۹) امام کا کہنا کہ گھڑی کا معین صرف مؤذن کی اذان کے لئے ہے جماعت کے لئے نہیں درست ہے یا نہیں؟
(۱۰) باوجود تعین وقت گھڑی امام کا کہنا کہ جب امام نماز کے لئے کھڑا ہو جائے وہی وقت نماز کا ہے درست ہے یا نہیں؟
(۱۱) مقتدیوں کا پیش امام سے جو کہ وقت معین پر نماز نہ پڑھاتے ہوں کہنا کہ آپ وقت معین سے ۲۔۴۔۱۰ منٹ پہلے تشریف لائیے درست ہے یا نہیں؟
(۱۲) امام کا کہنا میں حشر تک نہ آؤں گا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) درست ہے جبکہ حاضرین پر گراں نہ ہو اور وقت وسیع ہو **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جس کو دینی عزت زائد ہے ہر مسلمان کے نزدیک زائد ہے، اس کی وہ رعایت کی جائے گی جو دوسرے کی نہ ہو گی جب تک کوئی حرج شرعی لازم نہ آئے، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) ہے مگر نہ ایسی کہ اس کی ذاتی رعایت اوروں پر باعث بار ہو اور عین نماز میں کسی معین کی رعایت جائز نہیں مثلاً امام رکوع میں ہے اور کوئی شریک ہونے کو آیا اگر امام نے نہ پہچانا تو اس کے لئے رکوع میں بعض تسبیحیں زائد کر سکتا ہے جس میں وہ شامل ہو جائے کہ یہ دین میں اعانت ہے لیکن اگر پہچانا کہ فلاں ہے اور اس کی خاطر سے زائد کرنا چاہے تو جائز نہیں ویخشی علیہ امر عظیم (اس سے ڈرنا چاہئے یہ بہت بڑا معاملہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) انتظار کر سکتا ہے اگر وقت میں وسعت ہو اور اوروں پر گرانی نہ ہو۔ سنت موکدہ وہ امر دینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر نادرًا یا کبھی ترک نہ فرمایا مگر اتفاق سے کسی نے ترک کیا تو اس پر انکار بھی نہ فرمایا، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) اس کا جواب نمبر ۵ کے مطابق ہے مگر خاص اس کی مالداری کے سبب رعایت کی اجازت نہیں لیکن اس حالت میں کہ رعایت نہ کرنے سے فتنہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۷) مقتدیوں کو امام کا انتظار چاہئے امام کو تاحد وسعت مقتدیوں کا انتظار چاہئے۔ حدیث میں ہے:

لوگ جلد جمع ہوجاتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلد نماز پڑھ لیتے اور لوگ دیر میں آتے تو تاخیر فرماتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۸) جائز کیا بلکہ مناسب ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۹) تعیین وقت جماعت ہی کے لئے کی جاتی ہے، لوگ جب وقت معین پر آجائیں توامام کو بلاضرورت زیادہ دیر لگانے کی اجازت نہیں کہ وجہ ثقل وباعث نفرت جماعت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۱۰) جب وقت معین ہوچکا تواس کے بعد دیر کرکے امام کا نماز پڑھانا اس کا حکم ابھی سوال سابق میں گزرا اور اس سے پہلے جلدی کرکے پڑھ لینا باعث تفریق جماعت ہوگا اور وہ بلاضرورت جائز نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۱) پیشتر کی استدعا فضول ہے، یہ استدعا کریں کہ وقت معین پر تشریف لایا کیجئے واللہ تعالٰی اعلم

(۱۲) اگر پیشتر آنے سے انکار ہے تو بیجا نہیں، امام انتظار کے لئے نہیں بنایا گیا **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲۳: از چاندپارہ ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسؤلہ محمد یار علی نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرامام کو مقتدی کی صف کے آگے کھڑا ہونے کی جگہ نہیں ہے توامام صف مقتدی میں کس صورت سے کھڑا ہو، آیا امام مقتدی سے کچھ امتیاز کے واسطے آگے کھڑا ہو یامقتدی امام کی دونوں جانب یعنی دہنی بائیں امام کے پیر کے برابر کھڑے ہوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: جب صرف ایک مقتدی ہو تو سنت یہی ہے کہ وہ امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو مگر اس کا لحاظ فرض ہے کہ قیام، قعود، رکوع، سجود کسی حالت میں اس کے پاؤں کا گٹّا امام کے گٹّے سے آگے نہ بڑھے۔ اسی احتیاط کے لئے امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر رکھے، اور اگر دو مقتدی ہوں تو اگرچہ سنت یہی ہے کہ پیچھے کھڑے ہوں، پھر بھی اگرامام کے دہنے بائیں برابر کھڑے ہوجائیں گے حرج نہیں مگر دو سے زیادہ مقتدیوں کاامام کے برابر کھڑا ہونا یاامام کاصف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز وگناہ ہے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلّت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے اور امام کے لئے جگہ بقدر ضرورت پوری چھوڑیں اور اگر اب بھی امام کو جگہ ملنا ممکن نہ ہو نہ ان میں کچھ لوگ دوسری جگہ نماز کو جاسکیں مثلاً معاذاللہ کسی ایسی کوٹھڑی میں محبوس ہیں جس کا عرض جانب قبلہ گز سوا گز ہے تو یہ صورت مجبوری محض

ہے اس میں قواعد شرع سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت کریں امام بیچ میں کھڑا ہو پھر تنہا تنہا اس کااعادہ کریں جماعت اقامت اشعار کے لئے اور اعادہ رفع خلل کے واسطے۔ درمختار میں ہے:

کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھ[1]۔	جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

| لوتوسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لواکثر[2] ھ ولایقال الجماعۃ واجبۃ بل قیل سنۃ موکدۃ وکراھۃ التحریم فی جانب النھی کالوجوب فی جانب الامر، والاجتناب عن المناھی اھم من ایتان الاوامر، فی الحدیث لترك ذرۃ مما نھی اللہ خیرمن عبادۃ الثقلین، لانانقول اقامۃ الشعار اھم من کل شیئ حتی اباحوا للختان ولیس الاسنۃ صریح المحرمات من النظر والمس قیل فی الھندیۃ عن العتابیۃ فی ختان الکبیر اذا امکن ان یختن نفسہ فعل والالم یفعل الا ان یمکنہ ان یتزوج اویشتری ختانۃ فتختنہ وذکر الکرخی فی الجامع الصغیر ویختنہ | اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اگر دو سے زیادہ مقتدی ہوں تو مکروہ تحریمی اھ یہ نہ کہا جائے کہ جماعت واجب ہے بلکہ اسے سنت مؤکدہ کہا گیا ہے اور جانب نہی میں کراہت تحریمی، جانب امر میں وجوب کی طرح ہے اور مناہی سے اجتناب اوامر پر عمل سے اہم ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالٰی کے منع کردہ ایک ذرہ کا چھوڑ دینا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شعار کی اقامت ہر شے سے اہم ہے حتی کہ علما نے ختان کے لئے صریح محرمات پر نظر مس کو مباح قرار دیا حالانکہ ختنہ صرف سنت ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں عتابیہ کے حوالے سے کبیر کے ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر اس کیلئے اپنا ختنہ کرنا ممکن ہو تو خود کرے ورنہ نہ کرے مگر اس صورت میں کہ جب اس کے لئے شادی ممکن ہو یا ایسی لونڈی خریدنا ممکن ہو جو اس کا ختنہ کردے تو ایسا ہی کرے۔ امام کرخی نے جامع صغیر |

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

الحمامی [1]۔	میں فرمایااس کا ختنہ حجام کردے۔
اقول: ویؤیدہ ماعن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم کانوا لایختنون اولادھم الابعد البلوغ وقال فی الدر وقتہ غیرمعلوم وقیل سبع سنین کذا فی الملتقی وقیل عشر وقیل اقصاہ اثنتا عشرۃ سنۃ [2] زاد الشامی عن الطحطاوی وقیل لایختن حتی یبلغ لانہ للطھارۃ ولاتجب علیہ قبلہ [3] قال فی الدر وقیل العبرۃ بطاقتہ وھوالاشبہ [4] قال ش ا ی بالفقہ زیلعی وھذہ من صیغ التصحیح [5] ھ فشمل اذا لم یلق الابعد البلوغ لایقال فلیصل ثلثۃ ثلثۃ تتری یؤم کل اثنین امام فالجماعۃ یحرزون وعن الکراھۃ یحترزون لانا نقول لا اصل فی الشریعۃ الطاھرۃ لتفریق الجماعۃ الحاضرۃ ولم یرض اللہ بہ للمسلمین وھم فی نحرالعدو فما ظنك بسائر الاحوال ھذا	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس کی تائید صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے اس عمل سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کاختنہ بلوغت کے بعد کرتے تھے۔ درمختار میں ہے کہ ختنہ کاوقت مقرر نہیں، بعض نے سات سال، بعض نے دس سال، اور بعض نے کہاہے کہ آخری وقت بارھواں سال ہے۔شامی نے طحطاوی کے حوالے سے اضافہ کیاہے کہ بلوغ سے قبل ختنہ نہ کیاجائے کیونکہ اس کا مقصد طہارت ہےاور وہ بلوغ سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔درمختار میں ہے اعتبار طاقت وقوت کا ہے، اور یہی مختار ہے۔شارح شامی نے فرمایا یعنی یہی عقل ودانش کے زیادہ قریب ہے زیلعی،اوریہ (اشبہ) تصحیح کے صیغوں میں سے ایک ہےاھ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب بلوغ کے بعد ہی طاقت رکھتاہو، یہ بھی نہیں کہاجاسکتاکہ تین تین الگ ہو کر نماز اداکریں اور امام ہر دو کی امامت کرائے توجماعت حاصل کرلیں گے اور کراہت سے بچ جائیں گے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت طاہرہ میں جماعت حاضرہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی الختان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۵۷/۵
[2] ردالمحتار مسائل شتّی ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۴۹/۲
[3] درمختار مسائل شتّی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۳۰/۵
[4] درمختار مسائل شتّی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۵۰/۲
[5] ردالمحتار ، مسائل شتّی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۳۰/۵

ماظهر لی وعند ربی علم حقیقة کل حال۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں تفریق کی اجازت نہیں ہے حتی کہ دشمنوں کے سامنے بھی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے لئے ایسے عمل کو پسند نہیں کیا تو دیگر حالات میں یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ بات مجھ پر آشکار ہوئی ہے حقیقت حال کا علم میرے رب کریم کے پاس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲۴تا۹۲۷: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷/ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین:

(۱) ایک مسجد میں دو تین جماعتوں کا یکے بعد دیگرے ہونا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

(۲) کراہت جماعت ثانیہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟

(۳) ایک مسجد میں ایک ہی وقت دو تین آدمیوں کا فرداً فرداً فرض پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) اور اگر فرداً فرداً چند شخص فرض پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد دو قسم ہے ایک مسجد عام جسے کسی خاص محلّہ سے خصوصیت نہیں جیسے مسجد جامع یا بازار یا سرا یا اسٹیشن کی مسجد (۲) دوسری مسجد محلّہ کہ ایک محلّہ خاص سے اختصاص رکھتی ہو اس کی معمولی جماعت معین ہے اگرچہ کچھ راگیر یا مسافر بھی متفرق اوقات میں شریک ہو جایا کریں، اور یکے بعد دیگرے چند جماعتیں کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت موجودہ کے دو یا چند حصے کر دیں، جب ایک حصہ کرلے تو دوسرا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ حاضر ہوا پڑھ گیا دوسرا اس کے بعد آیا یہ اب جماعت کرتا ہے تعدد جماعت کی پہلی صورت بلاضرورت شرعیہ مطلقاً حرام ہے خواہ مسجد محلّہ ہو یا مسجد عام، ہاں بضرورت جائز ہے جیسے صلوٰۃ الخوف میں۔ رہا یہ کہ مسجد میں کوئی بدمذہب گمراہ یا فاسق معلن یا قرآن مجید کا غلط پڑھنے والا امامت کرتا ہے کچھ لوگ براہ جہل یا تعصب اس کے پیچھے پڑھتے ہیں دوسرے لوگ اس کے روکنے پر قادر نہیں یہ اس کی اقتدا سے باز رہتے ہیں اور اس کے فراغ کے بعد اپنی جماعت جدا کرتے ہیں جس کا امام سب بلاؤں سے پاک ہے یہ صورت مطلقاً جائز بلکہ شرعاً مطلوب ہے مسجد عام ہو خواہ مسجد محلّہ۔ اور تعدد جماعت کی صورت ثانیہ کہ یہ گروہ پہلی جماعت کے وقت حاضر نہ تھا یہ مسجد عام میں مطلقاً جائز ومطلوب ہے یہاں تک کہ کتابوں میں تصریح ہے کہ بازار وغیرہ کی عام مساجد میں افضل یہ ہے کہ جو گروہ آتا جائے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے سب جماعتیں جماعت اولٰی ہوں گی کما فی فتاوی الامام قاضی خاں وغیرہ (جیسا کہ فتاوٰی امام قاضی خاں وغیرہ

میں ہے۔ت) اور مسجد محلّہ میں بھی اگر پہلی جماعت کسی غلط خواں یا بدمذہب یا مخالف مذہب نے کی یا بے اذان دیئے ہوگئی یااذان آہستہ دی گئی دوسری جماعت مطلقاً جائز و مطلوب ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ اہل محلّہ موافق المذہب سنی صالح صحیح خواں امام کے پیچھے باعلان اذان کہہ کر پڑھ گئے اب باقی ماندہ آئے تو انہیں دوبارہ اذان کہہ کر جماعت کرنی مکروہ تحریمی ہے اور بے اذان دیئے محراب جماعت اولٰی میں امامت کرنی مکروہ تنزیہی، اور اگر محراب بدل دیں تو اصلاً کراہت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل تام فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کی۔

(۲) اس کا جواب اول میں آگیا۔

(۳) اگر ان میں کوئی شرعی حیثیت سے قابل امامت ہو اور دانستہ بلاوجہ شرعی ترک جماعت کریں تو گنہگار ہوں گے اگرچہ نماز ہوجائے گی۔ اور نادانستہ ہو یعنی ایک شخص فرض پڑھ رہا ہے دوسرا آیا اسے معلوم نہیں کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اس نے بھی فرض کی نیت الگ باندھ لی، اسی طرح تیسرا آیا اس نے بھی فرض کی نیت باندھ لی یا اُن میں کوئی قابل امامت نہیں تو حرج نہیں۔

(۴) نماز ہوجاتی ہے مگر ترک جماعت سے گناہ ہوتا ہے جبکہ کوئی عذر شرعی نہ ہو۔

مسئلہ ۹۲۸: ۲۹صفر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وقت کراہت تک انتظار امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقت مستحب تک انتظار باعث زیادت اجر و تحصیل افضیلت ہے، پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اتنا ہی ثواب ہے کہ سارا وقت ان کا نماز ہی میں لکھا جائے گا۔

وقدصح عن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم انتظار النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقداقرهم علیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وقال انکم لن تزالو فی صلاة	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہاں تک انتظار کرنا ثابت ہے کہ رات کا کافی حصہ گزر جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا اور فرمایا: تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو

ما انتظرتم الصلاۃ[1]۔	وہ تمام وقت تمہارا نماز میں گزرا۔(ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک حاضرین پر شاق نہ ہو،

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃ عن المنتقی للامام الحاکم الشھید ان تاخیرالمؤذن و تطویل القرأۃ لادراك بعض الناس حرام، ھذا اذا کان لاھل الدنیا تطویلا وتاخیرا یشق علی الناس و الحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیرمکروہ ولاباس بان ینتظر الامام انتظارا وسطا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	انقرویہ میں تاتارخانیہ سے امام حاکم شہید کی المنتقی کے حوالے سے ہے کہ بعض لوگوں کی خاطر مؤذن کا اذان کو مؤخر کرنا اور امام کا قرات کو لمبا کرنا حرام ہے، یہ تب ہے جب دنیاداروں کی خاطر ایسا کرے اور تطویل وتاخیر لوگوں پر شاق ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل خیر کی اعانت کی وجہ سے کچھ تاخیر کرنے میں کوئی کراہت نہیں لہذا امام کو اوسط درجہ کا انتظار کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

مسئلہ ۹۲۹: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الاخری ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی پیر یا مولوی عربی خواں مسجد کے قریب رہتا ہو اور اس مسجد کا منتظم ہو جماعت میں شریک نہ ہو اور اذان وقت بے وقت ہو اور کبھی نہ ہو لوگ بلااذان نماز پڑھ جائیں ایسا شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب:

ترک جماعت اور ترک حاضری مسجد کا عادی فاسق ہے اور فاسق قابل اتباع نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۰: از شہر جونا گڈھ محلّہ کیتانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو مستحب کہے اس کو علمائے دین کیا کہیں گے، یہاں پر ایک مدرسہ ہے اس میں تھوڑے عرصہ سے شور و غوغا مچا ہے اور آپ علمائے دین کی منصفی پر سب کا اتفاق ہے

[1] صحیح البخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰، ۸۴، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۶۷

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۵

برائے خدا ہم جاہلوں کو راہ راست بتائیں۔

الجواب:

جماعت کو مستحب سمجھنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ اسے واجب یا سنت مؤکدہ نہیں جانتا صرف ایک مستحب بات مانتا ہے تو سخت مبطل شدید خاطی ہے اور احادیث صحیحہ اور تمام کتب فقہ کے ارشاد کا مخالف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۱: از ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داد صاحب ۲/جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

ایک ہی مسجد میں جماعت ثانی بلاوجہ ہو سکتی ہے یا نہیں، مثلاً سہو سے جماعت اول کو نہ پہنچ سکے اور بعد میں جماعت ثانی کرلے خواہ گاؤں ہو یا شہر، شارع عام ہو یا کوچہ، قائم امام ہو یا نہ ہو۔

الجواب:

جو مسجد شارع یا بازار یا سریا اسٹیشن کی ہو کہ کسی محلّہ یا امام سے مخصوص نہیں اس میں سب جماعتیں جماعت اولٰی ہیں جو گروہ آئے نئی اذان واقامت سے محراب میں جماعت کرے اور جو مسجد محلّہ ہے جس کے لئے امام وجماعت معین ہے اس میں جب امام پہلی جماعت باعلان اذان مطابق سنت ادا کرچکا تو بعد کو جو آئیں انہیں اعادہ اذان ناجائز ہے اور محراب میں امامت مکروہ، اور بلااعادہ اذان، محراب سے ہٹ کر بے کراہت جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۲: از شہر کہنہ محلّہ مروہی ٹولہ مسؤلہ بشیر الدین صاحب ۱۹/رمضان شریف ۱۳۳۶ھ

ایک مصلی پر دو شخص علیحدہ نماز فرض ادا کریں تو ایسی حالت میں فرض ادا ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر اُن میں کوئی امامت کے قابل ہے اور قصداً ترک جماعت کیا اور یہ مسجد محلّہ نہ تھی یا تھی اور یہ جماعت جماعت اولٰی ہوتی تو جس کی طرف سے یہ ترک ہے وہ گناہگار ہوا ایک خواں دونوں، اور اگر یہ مسجد محلّہ تھی اور یہ جماعت جماعت اولٰی نہ ہوتی تو براکیا، رافضیوں سے مشابہت تو قدیم سے تھی اب دیوبندیوں گنگوہیوں سے بھی ہوئی، اور اگر ان میں کوئی قابل امامت نہ تھا توحرج نہیں بہر حال فرض ادا ہر صورت میں ہو جائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۳: از نمبر ۱۰۱ تلی تال کوہ نینی تال مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب تاجر طلسمی پریس ۲۵/شوال ۱۳۳۶ھ

جماعت صرف عورتوں کی جن کا محض امام مرد ہو درست ہے یا نہیں؟ اور امام کے سہو کو وہ لڑکی یا عورت بتاسکتی ہے یا نہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا؟

الجواب:

اگر یہ جماعت مسجد میں ہو مطلقًا مکروہ ہے کہ عورات کو حاضری مسجد منع ہے اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضری مسجد سے کوئی عذر صحیح شرعی مانع نہیں تومطلقًا مکروہ ہے کہ مرد پر حاضری مسجد واجب ہے اور اگر اسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوانہیں تومطلقًا بلا کراہت جائز ہے اور نامحرم مشتہاۃ ہیں تومکروہ بہر حال، اگرامام کو سہو ہو تو عورت تصفیق سے اسے متنبہ کرے یعنی سیدھی ہتھیلی بائیں پشت دست پر مارے آواز سے تسبیح وغیرہ نہ کہے کہ مکروہ ہے۔ درمختار:

المرأۃ تصفق لاببطن علی بطن ولو صفق اوسبحت لم تفسد وقدترکا السنۃ تاتارخانیۃ ۔[1]	عورت تصفیق سے متنبہ کرے مگر باطن ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے باطن پر نہ مارے، اگرمرد نے تصفیق کی عورت نے تسبیح کہی تونماز فاسد نہ ہوگی البتہ دونوں نے سنت کو ترک کردیا، تاتارخانیہ۔(ت)

اقول: ہاں اگرامام نے قرات میں وہ غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو توعورت مجبورانہ آواز ہی سے بتائے گی جبکہ وہ تصفیق پر امام کو یاد نہ آجائے **وذلک لان الضرورات تبیح المحظورات** (اور وہ اس لئے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت)
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۴: یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک سمجھ وال لڑکا آٹھ نوبرس کاجو نماز خوب جانتاہے اگر تنہاہو توآیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دور کھڑاہو یاصف میں بھی کھڑاہوسکتاہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اسے صف سے دور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تومنع ہے

فان صلاۃ الصبی الممیز الذی یعقل الصلاۃ صحیحۃ قطعاً وقدامر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسدالفرج	کیونکہ ممیّزبچے (جونماز کوجانتاہو) کی نمازقطعًا صحیح ہے اور حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوف میں خلا نہ چھوڑنے اور متصل رکھنے کا

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

والتراض فی الصفوف ونھی عن خلافه بنھی شدید۔	حکم دیا ہے اور اس کے خلاف پر نہی شدید فرمائی ہے۔(ت)

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو، علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں، درمختار میں ہے:

یصف الرجال ثم الصبیان ظاھرہ تعددھم فلو واحد ادخل الصف [1]۔	مرد صف بنائیں پھر بچے، اس کا ظاہر واضح کررہاہے یہ اس وقت ہے جب بچے متعدد ہوں، اگر اکیلا ہو تو اسے صف کے اندر کھڑا کرلیا جائے(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال [2]۔	اگر بچے زیادہ نہیں تو ایک بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرلیا جائے۔(ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخل نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کردیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

اما محاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الامن شذ ولامتمسك له فی الروایة ولافی الدرایة [3]۔ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	امرد کا محاذی ہونا فسادِ نماز کا سبب نہیں، اس مسئلہ پر تمام فقہانے تصریح کی ہے البتہ شاذ ونادر طور پر کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے ان کے لئے نہ روایۃً کوئی دلیل ہے نہ درایۃً ملخصًا(ت)

مسئلہ ۹۳۵: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آپ نے پہلے میرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۸

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

تھا کہ امام کے برابر تین مقتدی ہوجائیں گے تونماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک حافظ صاحب کہ آدمی ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب نے جوحوالہ دیا ہے وہ درمختار کے متن سے نہیں بلکہ شرح سے ہے اور چاہتے ہیں کہ اصول سے جواب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ مطالبہ سخت عجیب ہے درمختار توشرح ہی کانام ہے، کیاشروح معتبر نہیں ہوتیں یاان میں درمختار نامعتبر ہے یامتن میں شرح کے خلاف لکھا ہے اور جب کچھ نہیں توایسا مطالبہ اہل علم کی شان سے بعید، درمختار بحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغارب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کاگویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ پر ہوگیا، اللہ عزوجل رحمت فرمائے علامہ سید ابن عابدین شامی پر کہ فرماتے ہیں:

ان کتاب الدرالمختار، شرح تنویر الابصار، قدطار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتہار علی الشمس فی رابعۃ النہار، حتی اکب الناس علیہ وصار مفزعھم الیہ وھوالحری بان یطلب ویکون الیہ المذہب، فانہ الطراز المذہب فی المذہب، فلقد حوی من الفروع المنقحۃ والمسائل المصححۃ، مالم یحوہ غیرمن کبارالاسفار ولم تنسج علی منوالہ یدالافکار[1]۔	خلاصہ یہ کہ درمختار نے تمام عالم میں آفتاب چاشت کی طرح شہرت پائی، مخلوق ہمہ تن اس سے گرویدہ ہوکر اپنے مہمات میں اس کی طرف التجا لائی، یہ کتاب اسی لائق ہے کہ اسے مطلوب بنائیں اور اس کی طرف رجوع لائیں کہ یہ دامن مذہب کی زرنگار گوٹ ہے، وہ تصحیح وتنقیح کے مسائل جمع ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں میں مجتمع نہیں، آج تک اس انداز کی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔

سبحان اللہ کیاایسی کتاب اس قابل ہے کہ اس کاارشاد بلاوجہ محض قبول نہ کریں، خیر[2] فتح القدیر تومعتبر ہوگی جس کے مصنف امام ہمام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ وہ امام اجل ہیں کہ ان کے معاصرین تک ان کے لئے منصب اجتہاد ثابت کرتے تھے کماذکرہ فی ردالمحتار (جیساکہ

[1] ردالمحتار شروع الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۱

ردالمحتار میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ت) ۳ تبیین الحقائق تو مقبول ہوگی جس کے مصنف امام اجل فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی شارح کنز ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں، کافی، ۴ امام نسفی تو معتمد ہوگی جس کے مصنف امام برکۃ الانام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی صاحب کنزالدقائق ہیں۔ سب جانے دو ۵ ہدایہ بھی ایسی چیز ہے جس کے اعتماد واستناد میں کلام ہوسکے یہ سب اکابر آئمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جماعت رجال میں امام کا قوم کے برابر ہونا حرام ومکروہ تحریمی ہے، ہدایہ میں ہے: **محرم قیام الامام وسط الصف**[1] (امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا حرام ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

صریح فی ان ترك التقدم لامام الرجال محرم وکذا صرح الشارح وسماہ فی الکافی مکروھا وھو الحق ای کراھۃ تحریم لان مقتضی المواظبۃ علی التقدم منہ علیہ الصلاۃ والسلام بلا ترک، الوجوب فلعدمہ کراھۃ التحریم فاسم المحرم مجاز[2]۔	یہ عبارت اس میں صریح ہے کہ مردوں کے امام کا تقدیم کوترک کرنا حرام ہے، اور شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، اور کافی میں اسے مکروہ کہا، اور حق بھی یہی ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بلاترک اس پر مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے لہٰذا اس کاخلاف کرنا مکروہ تحریمی ہوا پس اس پر حرام کااطلاق مجازًا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

محرم وھوقیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایۃ ھویدل علی انھا کراھۃ تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وترك الواجب موجب الکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم[3]۔	امام کا وسط صف میں قیام حرام ہے۔ ایسا عمل ننگوں کی طرح مکروہ ہوگا، ہدایہ میں اسی طرح ہے، یہ اس پر دال ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے کہ امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دائمی عمل ہے اور ترک واجب اس کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کی مقتضی ہے۔(ت)

---

[1] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۰۳

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۶

[3] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

۷ دررالحکام علامہ مولٰی خسرو میں ہے: **محظور قیام الامام وسط الصف**[1] **ھ ملخصاً** (امام کا صف میں کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ت) ۸ ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: **اما کراھتھا فلعدم خلوھا عن المحرم**[2] (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرمت سے خالی نہیں۔ت) مجمع ۹ الانہر میں ہے: **قیام الامام وسط الصف مکروہ کراھة تحریم**[3] **ھ ملخصاً** (امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے اھ تلخیصًا۔ت) مستخلص ۱۰ میں ہے: **محرم وھووقوف الامام وسط الصف**[4] (امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا حرام ہے۔ت) فتح المعین" علامہ سید ابی السعود ازہری میں زیر قول شارح **والاثنان خلفه وان کثر القوم کرہ قیام الامام وسطھم** (اور دو امام کے پیچھے کھڑے ہوں، اگر لوگ دو سے زیادہ ہوں تو امام کا ان کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ت) **ای تحریما لترك الواجب**[5] (یعنی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ترک واجب لازم آرہا ہے۔ت) ۱۲ ردالمحتار میں ہے: **تقدیم الامام امام الصف واجب**[6] (امام کا صف کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔ت) باایں ہمہ اگر دلیل درکار ہو تو فتح القدیر وبحر الرائق کا ارشاد پیش نظر کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ ہمیشہ صف پر تقدم فرمایا اور ایسی مداومت کہ کبھی ترک نہ فرمائیں دلیل وجوب ہے

اقول: وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی[7] **رواہ البخاری عن مالك بن الحویرث رضی الله تعالٰی عنه۔**	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھتے ہو۔ اس کو امام بخاری نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الامامة مطبوعہ مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/۸۶

[2] ذخیرۃ العقبٰی فصل فی الجماعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۸۵

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۲۵

[4] مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق باب الامامۃ مطبوعہ کانشی رام پرنٹنگ ورکس لاہور ۱/۲۰۳

[5] فتح المعین ، باب الامامۃ ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۹

[6] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

[7] صحیح البخاری باب الاذان للمسافر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۸

یہاں امر ہے اور امر کا مفاد وجوب توجب تک دلیل خصوص مثلاً ترک احیانًا یا اقرار علی الترک ثابت نہ ہو اس عموم میں داخل اور وجوب حاصل اور ترک واجب مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ اور صغیرہ بعد اعتیاد کبیرہ اور کبیرہ کا مرتکب فاسق اور مردود الشہادۃ اور گناہ تو ایک ہی بار میں ثابت، نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۶تا۹۳۷: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۳جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ

سوال اول: زید کی امامت سے جماعت ثانیہ مسجد، بازار یا سرائے میں ہورہی ہے اسی مسجد میں بکر بھی آیا اس کو معلوم ہوگیا کہ یہ جماعت ثانیہ ہے اس نے علیحدہ وتنہا جماعت کے قریب یا کسی قدر فاصلے سے اپنی نماز ادا کی تو نماز بکر کی ادا ہوگئی یا نہیں؟

سوال دوم: ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ کیا بلکہ جماعت اولٰی بھی ہوتی ہو تو اس وقت کوئی دوسرا شخص اس مسجد میں آئے اور تنہا اپنی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہوجائے گی جماعت کا پچیس ۲۵ گنا ثواب نہ ملے گا، نماز ہوجانے کا سبب یہ بتایا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے نہ فرض ہے نہ واجب، اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟

الجواب:

جواب سوال اول: نماز بایں معنی تو ہوگئی کہ فرض سر سے اتر گیا مگر سخت کراہت ولزوم معصیت کے ساتھ کہ بے عذر شرعی ترک جماعت گناہ وشناعت ہے نہ کہ خود بحال قیام جماعت صریح خلاف واضاعت، یہاں تک کہ اگر کسی نے تنہا فرض شروع کردیئے ہنوز جماعت قائم نہ تھی اس کے بعد قائم ہوئی اور اس نے بھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا تو اسے شرع مطہر مطلقًا حکم فرماتی ہے کہ نیت توڑ دے اور جماعت میں شامل ہوجائے بلکہ مغرب وفجر میں توجب تک دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو حکم ہے کہ نیت توڑ کر مل جائے اور باقی تین نمازوں میں دو بھی پڑھ چکا ہو تو انہیں نفل ٹھہرا کر جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو شریک ہوجائے۔

فی التنویر شرع فیھا اداء منفردا ثم اقیمت یقطعھا قائما بتسلیمۃ واحدۃ ویقتدی بالامام ان لم یقید الرکعۃ الاولٰی بسجدۃ	تنویر الابصار میں ہے کسی نے تنہا نماز ادا کرنا شروع کی پھر اسی فرض کی جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ سلام واحد کے ساتھ کھڑے کھڑے نماز ختم کردے اور امام کی اقتدا کرے بشرطیکہ اس نے پہلی رکعت کا

اوقیدھا فی غیر رباعیۃ اوفیھا وضم الیھا اخری وان صلی ثلثا منھا اتم ثم اقتدی متنفلا ویدرك فضیلۃ الجماعۃ الافی العصر[1]۔	سجدہ نہ کیا ہو یا پہلی رکعت کا سجدہ کرلیا ہے مگر نماز غیر رباعی ہو (یعنی فجر ومغرب کی نماز میں) یا نماز رباعی ہو مگر اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملاچکا ہے (ان صورتوں میں نماز توڑ کر امام کی اقتدا کرے) اگر تین رکعت ادا کرچکا ہے تو نماز پوری کرے اس کے بعد بنیت نوافل امام کی اقتدا کرے تو اسے ثواب جماعت حاصل ہوجائے گا البتہ نماز عصر میں ایسا نہیں کرسکتا (کیونکہ بعداز عصر نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ت)

جب پیش از جماعت تنہا شروع کرنے والے کو یہ حکم ہے حالانکہ اس نے ہرگز مخالفت جماعت نہ کی تھی اور نیت توڑنا بے ضرورت شرعیہ سخت حرام ہے قال اللہ تعالٰی لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴿۳۳﴾[2] اپنے عمل باطل نہ کرو، مگر شرع مطہر نے جماعت حاصل کرنے کے لئے نیت توڑنے کو ابطال عمل نہ سمجھا اکمال عمل تصور فرمایا تو یہاں کہ جماعت قائمہ کے خلاف اپنی الگ پڑھتا ہے کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہوسکتا ہے بلکہ جو شخص مسجد میں نماز تنہا پوری پڑھ چکا ہو اب جماعت قائم ہوئی ہے اگر ظہر یا عشا ہے تو شرعًا اس پر واجب ہے کہ جماعت میں شریک ہو کہ مخالفت جماعت کی تہمت سے بچے اور باقی تین نمازوں میں حکم ہے کہ مسجد سے باہر نکل جائے تاکہ مخالفت جماعت کی صورت نہ لازم آئے،

فی الدرالمختار من صلی الظھر والعشاء وحدہ مرۃ فلایکرہ خروجہ بل ترکہ للجماعۃ الاعند الشروع فی الاقامۃ فیکروہ لمخالفتہ الجماعۃ بلاعذر بل یقتدی متنفلا ومن صلی الفجر والعصر والمغرب مرۃ فیخرج مطلقا وان اقیمت، وفی النھر ینبغی ان یجب خروجہ لان کراھۃ	نہر میں ہے مناسب یہ ہے کہ جماعت ہونے کے وقت اس کا نکل جانا واجب ہے کیونکہ بغیر نماز کے وہاں مسجد میں رکے رہنا زیادہ مکروہ ہے اھ مختصرًا اگرچہ درمختار میں ہے جس نے ظہر وعشاء کی نماز تنہا ایک مرتبہ ادا کرلی اس کے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں بلکہ جماعت کا ترک مکروہ ہوا مگر اس صورت میں جب اقامت شروع ہوگئی تو مکروہ ہے بلاعذر نکلنا بسبب اس کی مخالفت جماعت کے، بلکہ وہ مسجد میں ٹھہرے اور بنیت نوافل امام کی اقتداء کرے، اور جس نے فجر، عصر اور مغرب کی نماز ادا کرلی تو وہ ہر حال میں مسجد سے نکل سکتا ہے اگرچہ

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱
[2] القرآن ۴۷/ ۳۳

مکثه بلاصلاۃ اشد[1]ھ مختصرا فی ردالمحتار تحت قوله الاعند الشروع فی الاقامة لان فی خروجه تهمة قال الشیخ اسمٰعیل وهو المذکور فی کثیر من الفتاوٰی والتهمة هنا نشأت من صلاته منفردا فاذا خرج یؤیدهااه[2] وفیه عن المحیط مخالفة الجماعة وزر عظیم[3]۔	تکبیر شروع ہوجائے۔ ردالمحتار میں "الاعند الشروع فی الاقامۃ" کے تحت ہے کہ اس کے نکلنے میں تہمت ہے۔ شیخ اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ بہت سے فتاوٰی میں یہی مذکور ہے اور یہ تہمت کاسبب اس کا تنہا نمازادا کرنا ہے اور جب وہ نکل کھڑا ہواتو اس سے تائید ہوجائے گی الخ اسی میں محیط کے حوالے سے ہے کہ مخالفت جماعت میں بہت بڑاگناہ ہے۔(ت)

جب جماعت سے پہلے تنہا پڑھنے والا جماعت میں شریک نہ ہو تو متہم اور مخالف جماعت اور وزر عظیم میں مبتلا پاتا ہے تو جو باوصف قیام جماعت قصداً مخالفت کرکے اپنی الگ شروع کردے کیونکر سخت متہم وصریح مخالف و گرفتار گناہ شدید نہ ٹھہرے گا بلکہ علمافرماتے ہیں کہ قیام جماعت کی حالت میں اگر کچھ لوگ آکر دوسری جماعت جدا قائم کردیں مبتلائے کراہت ہوں گے کہ تفریق جماعت کی حالانکہ یہ نفس جماعت کے تارک نہ ہوئے نہ ان پر اصل جماعت سے مخالفت کی تہمت آسکتی ہے تواکیلا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنانے والا کس قدر شدید مخالف ہوگا،

فی الخلاصة ثم الهندیة قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الخارج فامهم وقام امام من اهل الداخل فامهم	خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ مسجد سے باہر بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہی تو باہر والوں میں سے ایک شخص نے امامت کرائی اسی طرح اہل داخل میں سے ایک شخص نے امامت کرائی ان دونوں میں سے جو پہلے

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۵۲۸/۱

[3] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۵۲۹/۱

من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم [1]	شروع ہوا وہ امام ہے اور اس کی اقتدا کرنے والے درست ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

اور اس جماعت کا جماعت ثانیہ ہونا ان شناعتوں سے نہیں بچ سکتا اگرچہ جماعت ثانیہ کی مخالفت کا تہمت سے مطلقاً بری ہونا مان بھی لیا جائے کہ جب مسجد مسجد محلّہ نہیں بازار یا سرائی مسجد ہے تو اس کی ہر جماعت جماعت اولٰی ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) ہاں اگر یہ امام قرآن عظیم ایسا غلط پڑھتا ہے جو مفسد نماز ہو یا اس کی بدمذہبی تاحد فساد ہے یا نقص طہارت وغیرہ کوئی اور وجہ فساد کی ہے تو الزام نہیں کہ ان صورتوں میں وہ جماعت خود جماعت ہی نہیں بلکہ اب اس میں شرکت ممتنع ہوگی لبطلان الصلاۃ خلفہ (کیونکہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی اعلم

جواب سوال دوم: اس کا جواب سوال اول سے واضح ہے۔ ہوجانا بمعنی سقوط فرض مسلم مگر اس قائل کے فحوائے کلام سے ظاہر ہے کہ صرف اس قدر اس کی مراد نہیں بلکہ اس میں فقط کمی ثواب مانتا اور لحوق اثم سے پاک جانتا ہے ولہٰذا تعلیل میں نہ واجب کا لفظ بڑھایا اور نہ سقوط فرض، تو بحال ترک جمیع واجبات بھی حاصل ہے اب یہ قول محض غلط ہے، اوّلاً مذہب معتمد میں جماعت واجب ہے اور اسے سنت مؤکدہ کہنا بوجہ ثبوت بالسنۃ ہے اور نہ بھی سہی تاہم اس کے قصدی ترک میں لحوق گناہ سے مفر نہیں،

فی الدر المختار الجماعۃ سنۃ موکدۃ للرجال قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب الخ وفیہ وقیل واجبۃ و علیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا و بہ جزم فی التحفۃ وغیرھا قال فی البحر وھوالراجح عنداھل المذھب [2] ھ وفی البحر من باب صفۃ الصلٰوۃ الذی یظھر من کلام اھل المذھب ان	درمختار میں ہے مردوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے وجوب مراد لیا گیا ہے الخ اسی میں ہے وجوب کا قول بھی کیا گیا ہے اور ہمارے عام مشائخ اسی پر ہیں، تحفہ وغیرہ میں اسی پر جزم ہے، بحر میں فرمایا، اہل مذہب کے ہاں یہی راجح ہے اھ اور بحر میں باب صفت صلٰوۃ میں ہے کہ اہل مذہب کے کلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ صحیح

[1] خلاصۃ الفتاوی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵، خلاصہ ہندیہ الفصل الثانی فی بیان من ہو احق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

[2] درمختار باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

الاثم منوط بترك الواجب اوالسنة المؤكدة على الصحيح لتصريحهم بأن من ترك سنن الصلٰوة الخمس قيل لايأثم والصحيح انه يأثم ذكره فى فتح القدير وتصريحهم بالاثم لمن ترك الجماعة مع انها سنه موكدة على الصحيح وكذا فى نظائر لمن تتبع كلاهم ولاشك ان الاثم مقول بالتشكيك بعضه اشد من بعض فالاثم لتارك السنة لمؤكدة اخف من الاثم لتارك الواجب[1] ھ وفى ردالمحتار عن النهر عن الكشف الكبير عن اصول ابى اليسر حكم السنة ان يندب الٰى تحصيلها ويلام على تركها مع لحوق اثم يسيرا[2] ھ	قول کے مطابق گناہ کامدار ترک واجب یاترک سنت موکدہ پرہے کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ جس نے صلوات خمسہ کی سنن کوترک کیااس کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا، اور صحیح یہ ہے کہ وہ گنہگار ہوگا۔ فتح القدیر میں اس کوذکر کیاہے اور یہ بھی ان کی تصریح ہے کہ جس نے جماعت ترک کی وہ گنہگار ہوگا حالانکہ صحیح یہی ہے کہ جماعت سنت موکدہ ہے اسی طرح اس کی دیگر نظائر کاحکم ہے ان کے کلام سے تلاش کرنے والے کو یہی ملے گا، بلاشبہ گناہ کے بارے میں تشکیکی قول ہے، بعض کاقول بعض سے سخت ہے توتارک سنت مؤکدہ کاگناہ تارک واجب سے اخف اور کم ہوگااھ

اور ردالمحتار میں نہر سے الکشف الکبیر کے حوالے سے ہے، اصول ابوالیسر سے ہے کہ سنت کاحکم یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنا مندوب ومستحب ہے اور اس کے ترک پر تھوڑے سے گناہ کے ساتھ ملامت ہوگی اھ(ت) سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لقدرأيتنا ومايتخلف عنها الامنافق معلوم النفاق۔	یعنی ہم نے اپنے آپ کو عہد رسالت میں دیکھاکہ جماعت سے پیچھے نہ ہٹتا تھامگر کھلا منافق۔

لوتركتم سنّة نبيكم لضللتم رواه مسلم (اگرتم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ترک کروگے گمراہ ہوجاؤگے (اسے مسلم نے روایت کیا۔ت) اور ایک روایت میں ہے: لكفرتم تم کافرہوجاؤگے رواه ابوداؤد (اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ت) یعنی کفران یایہ کہ معاصی برید کفرہیں۔ والعياذبالله تعالٰى سبحٰنه وتعالٰى اعلم

[1] بحرالرائق باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۰۲
[2] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

مسئلہ ۹۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں امام کے واسطے مصلّٰی مخصوص کرنا اور مقتدی بغیر مصلے کے قصداً کھڑے کئے جاتے ہیں بایں نیت کہ امام بہ نسبت مقتدیوں کے ممتاز ہونا چاہئے مکروہ ہے یا غیر مکروہ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اتفاقاً ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں یا امام نے خود نہ چاہا نہ کسی مقتدی نے نہ اس لئے کہ امام و مقتدی میں امتیاز چاہئے بلکہ امام کو کسی فضل دینی کی تعظیم کے لئے، مثلاً وہ عالم دین ہے اس کے نیچے مصلّٰی بچھا دیا تو بھی حرج نہیں اور خاص اس نیت سے بالقصد مقتدیوں کو بے مصلی کھڑا کرنا کہ نماز میں امام و مقتدیان کایوں امتیاز ہونا چاہئے محض بے اصل وخلاف سنت اور دین میں نئی بات نکالنا ہے۔ **واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی**

مسئلہ ۹۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی رمضان میں اور مسجد میں کلام شریف سننے جائے تو اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت اس کے جانے سے بالکل جاتی ہے کیا ایسا شخص مقیم جماعت نہ ہوگا گو امام مقرر مسجد نہیں مگر قرآن شریف مایجوزبہ الصلوٰۃ پر قادر ہے، درصورت اس کے موجود ہونے کے جماعت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ جمعہ مسجد میں یہی شخص پڑھاتا ہے اس کو غیر مسجد میں جانا اپنی مسجد کو ایک وقت معطل چھوڑنا بغرض استماع قرآن جائز ہے یا مکروہ یا کراہت ہے؟ لیکن استماع قرآن تراویح میں صرف تراویح سے ثواب اتنا زیادہ ہے کہ کراہت **کان لم تکن** (یعنی کراہت اصلًا نہ رہے۔ت) ہو جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسا شخص بلاشبہ مقیم جماعت ہے اسے چاہئے کہ نماز فرض اپنی مسجد میں پڑھا کر تراویح کے لئے دوسری مسجد میں چلا جائے کہ جب اپنی مسجد میں قرآن عظیم نہ ہوتا ہو تو دوسری مسجد میں اس غرض سے جانا کوئی باک نہیں رکھتا بلکہ مطلوب و مندوب ہے، ہاں تعطیل جماعت فرض جائز نہیں، ولہٰذا فرض یہاں پڑھا کر دوسری جگہ جائے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۴۰: **ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی جواب ھذا السؤال** (اے علما! اللہ تم پر رحم فرمائے اس سوال کا کیا جواب ہے؟ت) جماعت تراویح میں بعض لوگ صف اول ودوم میں متفرق طور پر اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ چار آدمی کھڑے ہو کر پھر چار بیٹھ کر بعد ہی اس کے دو کھڑے ہوئے ازاں بعد پھر تین بیٹھے ہوئے پڑھتے اور قرآن سنتے ہیں اگرچہ یہ بیٹھنے والے سب ضعیف ومعذور نہیں ہیں بلکہ بیشتر نوجوان ہیں جن کو بخیال تطویل قرات امام برابر کھڑا رہنا بوجہ اپنی کاہلی وتکاسل کے ناگوار ہے آیا بیٹھ کر نماز پڑھنا ان کا اندر صفوف بلاکراہت جائز ہے؟ کیا تسویہ صفوف کا حکم اس سے قطعًا غیر متعلق ہے؟ کیا

جماعت فرض وتراویح میں اس کی بابت کوئی حکم تخصیصی ہے؟ ایک فریق کہتا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے آخر صف میں نماز پڑھیں دوسرا فریق مجوز ہے کہ ایسی جماعت بلاکراہت صحیح ودرست ہے چاہے کسی صف میں کوئی شخص بیٹھ کر پڑھتا ہو یا کھڑا ہو کر اس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے ایسی حالت میں کون حق پر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دربارہ صفوف شرعًا تین باتیں بتاکید اکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذاللہ کالمتروک ہورہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی ایک خط مستقیم پر واقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظّمہ پر گزرا ہے عمود ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عباد اللہ لتسون صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم [1]۔	اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کروگے یا اللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف میں ایک شخص کا سینہ اوروں سے آگے نکلا ہوا ملاحظہ کیا، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔ **رواہ مسلم عن النعمٰن بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اس کو مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

راصّوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الخذف [2]۔ رواہ النسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ رخنہ صف سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔ اس کو نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

[1] صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف الخ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۲

[2] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۳

تیسری حدیث صحیح میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصف الملئکۃ وحاذوا بین المناکب[1]۔ رواہ احمد وابوداود والطبرانی فی الکبیر و ابن خزیمۃ والحاکم وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	صفیں سیدھی کروکہ تمہیں توملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور شانے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔ اس کو امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے اسے صحیح قرار دیا۔

دوم: اتمام کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفت حکم شرع کرکے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الاتصفون کما تصف الملئکۃ عن ربھا[2]۔	ایسی صف کیوں نہیں باندھتے جیسی ملائکہ اپنے رب کے حضور باندھتے ہیں۔

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ! ملائکہ کیسی صف باندھتے ہیں؟ فرمایا:

یتمون الصف الاول ویتراصّون فی الصّف[3]۔ رواہ مسلم وابوداؤدو	اگلی صف پوری کرتے اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کو مسلم، ابوداؤد،

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۹۸

[2] صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[3] صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

النسائی وابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی الله تعالٰی عنه۔	نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[1]۔ رواہ الائمة احمد وابوداود والنسائی وابن حبان وخزیمة والضیاء باسانید صحیحة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	پہلی صف پوری کرو پھر جو اس کے قریب ہے کہ جو کمی ہو تو سب سے پچھلی صف میں ہو۔ اسے ائمہ کرام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور ضیاء مقدسی نے اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله[2]۔ رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالٰی تعالٰی عنهما وهو من تتمة حدیثه الصحیح المذکور سابقا عند احمد وابی داؤد والثلثة الذین معهما۔	جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اسے نسائی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، یہ عبداللہ ابن عمر کی حدیث اس حدیث صحیح مذکور سابقہ کا تتمہ ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نظر الٰی فرجة فی صف فلیسدها بنفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط	جو کسی صف میں خلل دیکھے وہ خود اسے بند کردے اور اگر اس نے بند نہ کیا اور دوسرا آیا تو اسے چاہئے

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸، سنن النسائی فضل الصف الاول مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

[2] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، سنن النسائی من وصل صفا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

علی رقبته فانه لاحرمة له [1]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	کہ وہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اس خلل کی بندش کو جائے کہ اس کے لئے کوئی حرمت نہیں۔ اسے مسند فردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله وملئکته یصلون علی الذین یصلون الصفوف ومن سد فرجة رفعه الله بها درجة [2]۔ رواہ احمد و ابن ماجه وابن حبان والحاکم وصححه واقروہ عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها۔	بیشک اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو وصل کرتے ہیں اور جو صف کافرجہ بند کرے اللہ تعالٰی اس کے سبب جنت میں اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا اور ان تمام نے اسے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

سوم: تراصّ یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ [3] ایسی صف کے گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولی سبحٰنہ وتعالٰی دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں، اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا صفوفکم وتراصّوا فانی ارٰکم من وراء ظهری [4]۔ رواہ البخاری و النسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اپنی صفیں سیدھی اور خوب گھنی کرو کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

[1] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/۱۰۵۔ ۱۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۸۹

[3] القرآن ۶۱/۴

[4] صحیح بخاری باب اقبال الامام علی الناس عند تسویہ الصفوف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

یہ بھی اسی اتمام صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعًا واجب ہیں کما حققناہ فی فتاوٰنا و کثیر من الناس عنہ غافلون (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی خوب تحقیق کی ہے اور بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں۔ت) اور یہاں چوتھا امر اور ہے تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدر سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے جس کا ذکر حدیث دوم میں گزرا وہ یہاں زیر بحث نہیں صف میں کچھ مقتدی کھڑے کچھ بیٹھے ہوں تو اس سے امر اول یعنی تسویہ صف پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا کہ قائم و قاعد بھی خط واحد مستقیم میں ہوسکتے ہیں تسویہ میں ارتفاع کی برابری ملحوظ نہیں نہ وہ ملحوظ ہونے کے قابل کہ ایک پیمائش کے قدر کہاں سے آئیں گے، ہاں جبکہ بیٹھنے والے محض کسل وکاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے تو فرائض وواجبات مثل عیدین ووتر میں امر دوم وسوم کا خلاف لازم آئے گا کہ جب بلاعذر بیٹھے تو ان کی نماز نہ ہوئی اور قطع صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دخیل ہیں، ان بیٹھنے والوں کو خود فساد نماز ہی کا گناہ کیا کم تھا مگر انہیں یہاں جگہ دینا اور اگر قدرت ہو تو صف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کا گناہ ہوگا کہ وہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے، ان پر لازم تھا کہ انہیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں تو صفوں سے نکال کر دور کریں، ہاں نمازی اس پر قادر نہ ہوں تو معذور ہیں اور قطع صف کے وبال عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں جو حکم فرائض وواجبات کا تھا، رہی تراویح اس میں ہمارے علما کو اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی مثل واجبات وسنت فجر بلاعذر بیٹھ کر نا جائز وفاسد ہوتی ہیں یا مثل باقی سنن جائز ہوجاتی ہیں اگرچہ خلاف توارث کے سبب مکروہ ہوتی ہیں بعض علما حکم اول کی طرف گئے اور صحیح ثانی ہے، درمختار میں ہے:

(التراویح تکرہ قاعدا) لزیادۃ تاکدھا حتی قیل لاتصح (مع القدرۃ علی القیام) کما یکرہ تاخیر القیام الی رکوع الامام للتشبیہ بالمنافقین [1]۔	(نماز تراویح بیٹھ کر ادا کرنا مکروہ ہے) کیونکہ ان میں تاکید زیادہ ہے حتی کہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق بیٹھ کر نماز تراویح ہوتی ہی نہیں (قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے) جیسا کہ رکوع امام تک قیام کو مؤخر کرنا (یعنی امام کے رکوع کے وقت نماز کا شروع کرنا) مکروہ ہے، کیونکہ اس میں منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ت)

خانیہ وردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

لوصلی التراویح قاعدا قیل لایجوز بلاعذر لماروی الحسن عن ابی حنیفة لوصلی سنه الفجر قاعدا بلاعذر لایجوز فکذا التراویح لان کلامنهما سنة موکدة وقیل یجوز وهوالصحیح والفرق ان سنة الفجر سنة موکدة بلاخلاف والتراویح دونها فی التاکد فلایجوز التسویة بینهم [1]۔	اگر کسی نے تراویح بیٹھ کرادا کیں تو بعض فقہاء کے نزدیک بلاعذر ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ امام حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں بلاعذر بیٹھ کرادا کیں تو یہ جائز نہیں، اسی طرح تراویح کامعاملہ ہے، کیونکہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں، بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ سنن فجر بغیر کسی اختلاف کے سنت مؤکدہ ہیں اور تراویح کادرجہ تاکید میں ہونا اس سے کم ہے لہٰذا ان کے درمیان مساوات وبرابری نہ ہوگی۔(ت)

قول اول پر کاہلوں کا بلاعذر صف میں بیٹھنا ویساہی ناجائز و مورث گناہ و موجب قطع صف ہوگا جیسا واجبات میں کہ اس قول پر یہ لوگ بھی نماز سے خارج ہیں اور قول ثانی پر مستحب ہوگا کہ ان اہل کسل کو مؤخر کیا جائے اور صفوں میں یوں دخیل نہ ہونے دیا جائے کہ ایک قول پر وہ گناہ و معصیت ہے اور دوسرے پر محض بے ضرورت ہے تو اس سے احتراز ہی میں فضیلت ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے مذاہب جو اپنے مذہب سے بے علاقہ ہیں جیسے حنفیّہ کے لئے شافعیت مالکیت حنبلیت ان کے خلاف کی رعایت رکھنی بالاجماع مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کامکروہ نہ لازم آتا ہو تو یہ خلاف توخود اپنے علمائے مذہب میں ہے، درمختار میں ہے:

لاینقضه مس ذکر وامرأة لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه مذهبه [2]۔	مَسِ ذکر اور مَسِ امراۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن ایسی صورت میں اختلاف سے بچتے ہوئے وضو کرلینا مستحب ہے خصوصًا امام کے لئے بشرطیکہ امام کے اپنے مسلک میں مکروہ کاارتکاب لازم نہ آئے (ت)

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۹

[2] دُرمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷

مگر یہاں ایک اور نکتہ واجب اللحاظ ہوگا کہ تاخیر اتنے کاہلوں کی ہو جس قدر تمام صف سے زائد ہوں ورنہ اطراف صف آخر میں اقامت ہوتا کہ مذہب صحیح پر قطع صف نہ لازم آئے اس سے تحرز مستحب تھا یہاں واجب ہوگا، توضیح یہ کہ یہاں تین [3] صورتیں ہوں گی:

اوّل یہ کہ قائمین بقدر کمال صف ہوں یعنی ان سے ایک یا چند صفیں پوری کامل ہو جائیں کہ نہ آدمی زائد بچے نہ صف میں جگہ رہے اس صورت میں صفوف سابقہ کاملہ قائمین سے کرلی جائیں اور کاملین سب سے آخر میں اپنی صف یا صفیں کامل یا ناقص جس قدر ہیں باندھیں یہ صورت کاہلین کی تاخیر مطلق کی ہوگی۔

دوم قائمین سے اکمال صف نہیں ہوتا خواہ اس قدر کم ہیں کہ پہلی ہی صف پوری کرنے کو اور آدمیوں کی حاجت ہے یا کثیر ہیں ایک یا چند صفین ان سے مکمل ہوگئیں اور اب اتنے بچے جن سے بعد کی صف پوری نہیں ہوتی اور قاصرین سے تکمیل ہوجائے گی اور زیادہ نہ بچیں گے تولازم ہے کہ قائمین کی اخیر صف میں کاہلین کو ایک کنارے پر جگہ دے کر تکمیل صف کریں حتی کہ اگر صف اول ہی ناقص تھی تو اسی کے کنارے پر انہیں رکھیں اس صورت میں کاہلوں نے اصلاً تاخیر نہ پائی، ہاں ایک کنارے پر جمع کردیئے گئے۔

سوم تکمیل صف میں کاہلین کی حاجت ہے اور وہ بعد تکمیل بھی بچتے ہیں تو جس قدر تکمیل کے لئے مطلوب ہیں قائمین کی صف آخر کے ایک کنارے پر انہیں رکھ کر باقی کی صف تا صفوف ناقص یا کامل اخیر میں کردی جائیں یوں بعض کی تاخیر اور بعض کی طرف پر اقامت ہوگی اور وجہ ان سب کی وہی ہے کہ جب مذہب صحیح میں کاہلین کی نماز میں صرف کراہت ہے نہ باطل محض اور قائمین کی صف کو تکمیل کی حاجت ہے تو اس سے ہٹا کر کاہلین کو صف دیگر میں رکھنا صف اخیر قائمین کو ناقص چھوڑنا ہوگا اور یہ جائز نہیں پھر بہرحال اگر اور قائمین آتے جائیں یا انہیں میں سے بعض توفیق پاتے جائیں تو وہ بجائے کاہلین فی طرف الصّف ہوں اور کاہلین فی الطرف مؤخر ہوتے جائیں یہاں تک کہ مثلاً صورت ثانیہ صورت اولٰی کی طرف رجوع کرے اور ثالثہ ثانیہ یا اولٰی ہوجائے **الٰی غیر ذٰلک من الاحتمالات** (اس کے علاوہ دیگر احتمالات) یہ سب اس صورت میں ہے کہ کاہلین دست شرع میں نرم ہوں ورنہ بحال فتنہ قدر میسور پر عمل چاہئے، **وباللہ التوفیق ھذا ما افادہ التفقہ والکتاب واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۹۴۱: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی محمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کتاب میں یہ

عبارت لکھی ہے البتہ چار مصلّے جو کہ مکہ معظّمہ میں مقرر کئے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے کہ تکرار جماعت وافتراق اس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں مگر یہ تفرقہ نہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے ہے نہ علمائے متقدمین سے بلکہ کسی وقت سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل حق پسند نہیں کرتا پس یہ طعن نہ علمائے اہل حق مذاہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے فقط واللہ تعالٰی اعلم۔ پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ چار مصلّے کس کی سلطنت میں ہوئے اور کس امر وبنیاد پر قائم کئے گئے کہ جو زید لکھتا ہے کہ لاریب یہ امر زبون ہے صدہا علمائے کاملین وصلحائے مقبولین گزرے کسی نے آج تک یہ اعتراض نہیں کیا کہ جواب زید یہ اعتراض کرتا ہے اس کا لکھنا درست ہے یا خلاف؟ اور زید کو شرعًا کیا کہنا چاہئے؟ جواب مدلل مکمل صاف صاف تحریر فرمائیں بینوا بالتفصیل جزاکم اللہ الرب الجلیل۔

الجواب:

حقیقت امر یہ ہے کہ حرمین طیبین زادہما اللہ شرفًا وتعظیمًا میں چاروں مذاہب حقہ اہلسنت حفظہم اللہ تعالٰی کے لوگ مجتمع ہیں اور اُن میں باہم طہارت ونماز کے مسائل میں اختلاف رحمت ہے، ایک بات ایک مذہب میں واجب دوسرے میں ممنوع، ایک میں مستحب دوسرے میں مکروہ، ایک کے نزدیک ایک امر ناقص طہارت دوسرے کے نزدیک نہیں، ایک کے یہاں کسی صورت میں وضو تمام دوسرے کے یہاں نہیں، تو جب امام کسی مذہب کا ہو اگر اس نے دوسرے مذہب کے فرائض طہارت وصلاۃ کی رعایت اور ان کے نواقض ومفسدات سے مجانبت نہ کی جب تو اس مذہب والوں کی نماز اس کے پیچھے باطل وفاسد ہی ہوگی اور اگر مراعات ومجانبت مشکوک ہو تو مکروہ اور تلفیق مذاہب باجماع جمہور ائمہ حرام وباطل اور بحال رعایت بھی ہر مذہب کے مکروہات سے بچنا یقینا محال اور بعض امور ایک مذہب میں سنت اور دوسرے میں مکروہ ہیں اگر بجالایا تو مذہب ثانی اور تارک ہوا تو مذہب اول پر کراہت ولہٰذا غایت امکان قدر فرائض ومفسدات تک ہے، محققین نے تصریح فرمائی کہ بہر حال موافق المذہب کی اقتداء اکمل وافضل، تو انتظار موافق کے لئے نوافل یا ذکر وغیرہا میں مشغول رہنا جماعت سے اعراض نہیں بلکہ اکمل واعلٰی کی طلب ہے اور یہ تفریق جماعت نہیں بلکہ تکمیل وتحسین ہے خصوصًا ان دو مسجد مبارک میں کہ مسجد محلّہ نہیں ہر جماعت جماعت اولٰی ہے اس لئے آٹھ سو برس یا زائد سے مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ وبیت المقدس وجدہ ومصر وشام وغیرہا بلادِ اسلام میں عامہ مسلمین کا

عمل اس پر جاری وساری رہااور بعض کاانکار شاذو مہجور قرار پایا تو بعد وضوح حق واستقرار امر اسے زبون وحرام وبدعت کہنا باطل وجہل وسفاہت ہے، چار مصلّے ہونا اسی طریقہ انیقہ سے عبارت جسے علمائے مذاہب نے بنظر مصالح جلیلہ مذکورہ پسند ومقرر رکھا باقی کسی مکان یاعلامت کابننا کہ یہ بھی صدہاسال سے معہود ومقبول ہے نہ اس کے لئے ضرور نہ ان میں مخل بلکہ وہ بھی منافع پر مشتمل، درمختار میں ہے:

یکرہ تطوع عند اقامۃ صلٰوۃ مکتوبۃ ای اقامۃ امام مذھبہ[1]۔	نماز فرض کی اقامت کے وقت نوافل مکروہ ہیں یعنی اقامت سے مراد اپنے ہم مذہب امام کی اقامت ہے(ت)

ردالمحتار میں:

لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[2]۔	اگر کوئی شخص صفوں سے دور اپنے مذہب کے امام کاانتظار کرتارہا تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ یقینا معلوم ہے کہ وہ اس موجودہ جماعت سے اکمل جماعت کاارادہ رکھتاہے(ت)

شیخ علمائے مکہ معظّمہ مولانا علی قاری مکی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ رسالہ اہتداء میں فرماتے ہیں:

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی ما استحسنہ عامہ المسلمین وعمل بہ جمھور المومنین من اھل الحرمین والقدس ومصر و الشام ولاعبرۃ بمن شذ منھم[3]۔	اگر ہر مذہب کاالگ امام موجود ہو جیساکہ ہمارے دور میں ہے توپھر اپنے موافق کی اقتدا افضل ہے خواہ وہ پہلے ہو یا بعد جیسا کہ اس کو عامہ مسلمین نے پسند کیا، جمہور مومنین اہل حرمین، قدس، مصر اوراہل شام کا اسی پر عمل ہے، اس کی مخالفت کرنے والے شاذونادر کاکوئی اعتبار نہیں۔(ت)

---

[1] درمختار، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۲

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسالہ اہتدائ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قد سئل بعض العلماء عن ھذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبہ التی یصلون فیھا الاٰن باربعۃ ائمۃ علی مقتضی المذاھب الاربعۃ فاجاب بانھا بدعۃ ولکنھا بدعۃ حسنۃ لاسیئۃ لانھا تدخل بدلیل السنۃ الصحیحۃ و تقریرھا فی السنۃ الحسنۃ لانھا لم یحدث منھا ضرر ولاحرج فی المسجد ولافی المصلین من المسلمین لعامۃ اھل السنۃ والجماعۃ بل فیھا عمیم النفع فی المطروالحر الشدید والبرد و فیھا وسیلۃ للقرب من الامام فی الجمعۃ وغیرھا فھی بدعۃ حسنۃ و یسمون بفعلھم للسنۃ الحسنۃ و ان کانت بدعۃ اھل السنۃ لااھل البدعۃ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من سن سنۃ حسنۃ الی اٰخرما اطال واطاب علیہ رحمۃ الملك الوھاب واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	بعض علماء سے کعبہ معظّمہ کے ارد گرد مقامات مخصوصہ میں مذاہب اربعہ کی اقتداء میں نماز اداکرنے کے بارے میں پوچھاگیاتوانہوں نے اسے بدعۃ کہا، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے سیئہ نہیں کہ یہ سنت صحیحہ کی دلیل و تقریر پر سنت حسنہ میں داخل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا نہ مسجد میں کوئی تنگی ہے اور نہ عام اہل سنت کے نمازیوں میں کوئی حرج ہے بلکہ اس میں بارش اور سخت گرمی وسردی میں فائدہ وآسانی ہے اور اس میں جمعہ وغیرہ میں امام کاقرب بھی حاصل رہتاہے لہذا یہ بدعت حسنہ ہے اور فقہاء اپنے اس فعل کانام سنت حسنہ رکھتے ہیں اگرچہ اہلسنت کی بدعت ہے نہ کہ اہل بدعت کی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "من سن سنۃ حسنۃ" (جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا) الٰی آخر العبارۃ، اللہ تعالٰی ان پر لطف وکرم فرمائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۴۲: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷/ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام پر تحکم کرنا مقتدیوں کو یاانتظار کرناامام کو مقتدی

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ وقد سئل بعض العماء عن ہذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۱۱۶

کا بعد اوقات معینہ کے بھی بالخصوص ایسے مقتدی کا جو بے علم اور مشہور جھگڑالو ہو درمیان میں مقتدیوں کے، اور یہ چاہتا ہو کہ جب ہم کہیں جب ہی اذان ہو اور جب ہم کہیں جب ہی نماز ہو اگرچہ وقت کچھ ہی ہو جائے اور امام پانچوں وقت بعد اذان کے خود آکر ہمیں گھر سے بلالے جایا کرے، پس ایسے شخص کا نماز کے باب میں انتظار کرنا اور متبع ہونا امام کو سزاوار ہے یا نہیں؟

الجواب:

مقتدی کو امام پر تحکم نہیں پہنچتا اور وہ خیالات جو سوال میں مذکور ہوئے محض ظلم واثم ہیں امام کو ایسے شخص کا اتباع اور اس کی ان نفسانی خواہشوں کا لحاظ ہرگز نہ چاہئے مگر جبکہ شریر وموذی ہو اور اس کے ترک انتظار میں مظنہ فتنہ ہو تو بمجبوری تاحدامکان انتظار کرسکتا ہے کہ فتنہ سے بچنا ضرور ہے۔

قال الله تعالٰی اَلۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ (ت)

ملتزمان جماعت جب تک حاضر نہ ہوں اور وقت میں کراہت نہ آئے امام انتظار کرے ورنہ نہیں۔

وقد کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا حضر الناس عجل واذا تاخروا اخر۔	واللہ تعالٰی اعلم حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معمول تھا جب لوگ حاضر ہوتے آپ جلدی فرماتے جب لوگ تاخیر کرتے آپ تاخیر فرماتے (ت)

مسئلہ ۹۴۳: از شہر کہنہ مرسلہ رحیم بخش بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کھانا تیار ہے اور جماعت بھی تیار ہے تو اول کھانا کھائے یا نماز پڑھ لے؟

الجواب:

جماعت تیار ہے اور کھانا سامنے آیا اور وقت تنگ نہ ہوجائے گا اور پہلے جماعت کو جائے تو بھوک کے سبب دل کھانے میں لگا رہے یا کھانا سرد ہو کر بے مزا ہوجائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھالے اور اگر کھانے میں کوئی خرابی یا دقت نہ آئے گی نہ اسے ایسی بھوک ہے تو جماعت نہ کھوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن ۲/ ۱۹۱

مسئلہ ۹۴۴ : مرسلہ اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں دس بیس شخص نمازی روزمرہ جمع ہوتے ہیں ان سب کی رائے سے وقت ظہر دوبجے اور عصر پانچ ۵ بجے اور عشا۹ بجے قرار پایا ہے اذان ہوئی اور دوایک شخص تشریف لاکر بیٹھے رہے یہاں تک کہ اور نمازی بھی جمع ہوگئے اور صف باندھ کر کھڑے ہوئے توان صاحب نے جو پیشتر سے تشریف لائے ہیں کہا کہ ہم نے تو بھی وضو ہی نہیں کیا ہے لہٰذا کچھ صاحبوں کی اہل جماعت سے رائے ہوئی کہ وضو کرلینے دو، جملہ نمازی کھڑے رہے، جب اُن صاحب نے وضو کرلیا بلکہ پاؤں دھونا باقی تھے کہ اس عرصہ میں دوچار شخص اور آگئے ان کو وضو سے فارغ نہ ہونے دیا اور فوراً کھڑے ہوگئے، دیگر یہ کہ کوئی صاحب تشریف لائے اور وضو کرکے جماعت میں دیر دیکھ کر اپنے مکان کو تشریف لے گئے توان کا انتظار کیا جائے یا نہیں اور جماعت تیار ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ دو'چار شخص جوبعد کو آئے اور ان کے وضو کا انتظار نہ کیا اور جماعت قائم کردی اگر یہ لوگ اہل محلّہ سے نہ تھے انہیں اس تعیین وقت پر جو اہل مسجد نے مقرر کرلی ہے اطلاع نہ تھی اور وقت میں تنگی بھی نہ تھی اور حاضرین میں کسی پر انتظار سے کوئی حرج بھی نہ تھا تو اس صورت میں ان کے وضو کا انتظار کرلینا مناسب تھا خصوصًا جبکہ اس انتظار نہ کرنے میں ان کی دل شکنی ہو کہ بلاوجہ کسی مسلمان کی دل شکنی بہت سخت بات ہے، دوچار منٹ میں وضو ہوجائے گا، اس میں ان کا ایک نفع اور اپنے تین، اُن کا تو یہ کہ تکبیر اولٰی پالیں گے او اپنا پہلا نفع یہ کہ اس فضیلت کے ملنے میں مسلمانوں کی اعانت ہوئی اور اس کا اجر عظیم ہے **قال اللہ تعالٰی تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی اور تقوٰی پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرو(ت)

یہاں تک کہ عین نماز میں امام کو چاہئے کہ اگر رکوع میں کسی کی پچپل سنے اور اسے پہچانا نہیں تو ایک تسبیح زیادہ کردے کہ وہ شامل ہوجائے، دوم اس رعایت سے ان مسلمانوں کا دل خوش کرنا متعدد احادیث میں ہے:

احب الاعمال الی اللہ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[2] اوکما	فرائض کے بعد سب اعمال میں اللہ کو زیادہ پیارا مسلمان کا دل خوش کرنا ہے جیسا کہ حضور اکرم

[1] القرآن ۲/۵

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۲۰۰ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۶۷، مجمع الزوائد باب فضل قضاء الحوائج مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۸/۱۹۳

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد مبارک ہے۔

سوم صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

انکم فی صلٰوۃ ماانتظرتم الصلٰوۃ [1]۔	بیشک تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں ہو۔

ورنہ انتظار نہ کرنے میں کوئی حرج نہ ہوا، جو شخص جماعت میں دیر دیکھ کر چلاگیا وقت مقررہ کے بعد اس کے انتظار کی حاجت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴۵: ازکُکرالہ ضلع بدایوں مرسلہ یسین خاں ۷/ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے نماز پڑھنا شروع کیا دوسرا آیا اس کے برابر کھڑا ہوگیا، تیسرا آیا وہ دوسری طرف برابر کھڑا ہوگیا، چوتھا آیا اس نے دونوں مقتدیوں کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرکے شامل ہوا پوچھا گیا کہ نماز میں کوئی قصور تو نہ ہوا کہا حدیث میں آیا ہے کہ مقتدیوں o کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرلے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل بوجہ غلبہ جہل کھینچنا منع ہے پھر بھی نماز ہوگئی اگر ہٹنے والے حکم شرع ماننے کے لئے ہٹے ہوں، اور اگر کھینچنے والے کا حکم ماننے کو ہٹے نہ مسئلہ کے لحاظ سے تو ان ہٹنے والوں کی نماز نہ ہوئی، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴۶ : ازڈیرہ غازی خاں بلاک نمبر ۱۲ مسؤلہ احمد بخش صاحب ۸ صفر ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء شمس الفضلا، مقتدائے اہل ایمان، پیشوائے اہل ایقان ادام اللہ تعالٰی فضلہم ومجدہم الٰی یوم الدین، السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، نیاز مند مشتاق زیارت محتاج دعاہزارہزار نیاز کے بعد عرض کرتا ہے کہ ان ایام میں ایک مسجد جدید تیار کرائی جاتی ہے جس کے متعلق یہ ارادہ ہے کہ سقف پر عورتوں کے نماز پڑھنے کی جگہ تیار ہو اس حالت میں جماعت کی وضع اور صورت یہ ہوگی کہ بعض صفوف رجال جو نیچے زمین پر ہوں گی عورتوں کی صفوں سے مقدم اور بعض محاذی زیروبالا اور بعض مؤخر بیرونی صحن میں، پس کیا ایسی جماعت اس لئے کہ عورتوں کے صفوف بعض صفوف رجال کے اوپر اور بعض صفوف رجال سے جو بیرونی صحن میں ہوں گی مقدم ہیں مکروہ یا ناجائز ہوگی اس لئے کہ عورتوں کے صفوف اورصفوف رجال کے درمیان دیواریں اور پردے حائل ہوں گے یا کوئی کراہت نہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بیچ میں سقف وجدار حائل ہیں باعث بطلان نماز رجال نہیں ہوسکتا کہ محاذات نہ ہوئی،

---

[1] صحیح بخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴۔۹۰

تنویرالابصار میں ہے:

واذا حاذته امرأة ولاحائل بینهما فی صلاة مطلقة فسدت صلاته[1]۔	جب عورت نماز مطلقہ میں مرد کے محاذی ہوجائے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

مگر یہ صورت بوجوہ کراہت وممانعت سے خالی نہ ہوگی،

اولاً عورتوں کامسجد میں جانا خود ممنوع ہے تو ایک ممنوع کے لئے سامان کرنا ہے، تنویرالابصار میں ہے:

ویکرہ حضورھن الجماعة مطلقا علی المذھب[2]۔	مفتی بہ مذہب پر خواتین کاجماعت کے لئے حاضر ہونامطلقاً مکروہ ہے(ت)

ثانیاً بے ضرورت شرعیہ مسجد کی چھت پرچڑھنامکروہ ہے یہاں تک کہ شدت گرمی بھی اس کے لئے عذر نہ مانی گئی، عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه[3]۔	ہر مسجد کی چھت پرچڑھنامکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب گرمی سخت ہو تومسجد کے اوپر باجماعت نماز پڑھنامکروہ ہے۔(ت)

ثالثاً یہ اگرچہ تقدیم محسوس نہیں مگرواقع میں بعض صفوف رجال سے تقدیم اور بعض سے معیت ضرور ہے اور حکم یہ ہے کہ **اخروھن من حیث اخرھن اللہ**[4] (ان کو موخر رکھو جیساکہ اللہ تعالٰی نے انہیں مؤخرفرمایا ہے۔ت) لہٰذا اس سے احتراز ہی کیاجائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۲

[4] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

فَصلُ المَسبُوق

(مسبوق کا بیان)

مسئلہ ۹۴۷: از فیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ
س کہتا ہے جس کو مغرب کی تیسری رکعت جماعت کے ساتھ ملے وہ جب اپنی نماز پوری کرنے کھڑا ہو تو اپنی دوسری رکعت میں قعدہ کرے کیونکہ قاعدہ مصرحہ ہے نماز مسبوق در حق قرات حکم اول نماز دارد ودر حق قعود حکم آخر نماز مسبوق کی باقی ماندہ نماز) قرات کے لحاظ سے اول اور بیٹھنے میں آخر کا حکم رکھتی ہے۔ت) ع کہتا ہے مسبوق دوسری رکعت پر قعدہ نہ کرے کہ بعض کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور جو دوسری قعدہ کرے گا تو تینوں رکعات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گی، پس سوال یہ ہے کہ قول س کا قابل عمل ہے یا ع کا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول س کا صحیح ہے، ائمہ فتوٰی سے اسی کا اختیار مفید ترجیح ہے، کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، درمختار میں ہے:

يقضى اول صلاته فى حق قراءة واٰخرها فى حق تشهد فمدرك ركعة من غير	قراءۃ کے حق میں وہ اپنی ابتدا نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے فجر کے علاوہ

فجریأتی برکعتین بفاتحة وسورة و تشھد بینھما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط ولایقعد قبلھا[1]۔	ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔(ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لوادرك ركعة من المغرب قضی رکعتین وفصل بقعدة فتکون بثلث قعدات[2]۔	اگر کسی نے مغرب کی ایک رکعت پائی تو وہ باقی ماندہ دو بجالائے اور ان کے درمیان قعدہ کے ساتھ فاصلہ کرے تو یہاں تین قعدے ہوجائیں گے(ت)

یہاں تک کہ غنیہ شرح منیہ میں فرمایا اگر ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو قیاس یہ ہے کہ نماز ناجائز ہو یعنی ترک واجب کے سبب ناقص وواجب الاعادہ البتہ استحساناً حکم جواز وعدم وجوب اعادہ دیا گیا کہ یہ رکعت من وجہ پہلی بھی ہے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی شرح المنیة ولولم یقعد جاز استحسانًا لاقیاسا ولم یلزم سجود السھو لکون الرکعة اولی من وجه[3]۔واللہ سبحٰنه، وتعالٰی اعلم۔	شرح المنیہ میں فرمایا ہے اگر اس نے ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو اگرچہ قیاسًا نماز درست نہیں مگر استحسانًا درست ہے اور اس پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ ایک لحاظ سے یہ پہلی رکعت ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۴۸: حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی بتاریخ ۲۹/جمادی الاخری ۱۳۲۷ھ

جماعت رکوع میں ہو تو مسبوق نمازی کو نیت کرکے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھنا چاہئے یا بے باندھے دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں جانا چاہئے یا ایک ہی تکبیر اس کے واسطے کافی ہے یا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۶/۱
[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۹۱/۱
[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۴۱/۱

الجواب:

ہاتھ باندھنے کی تواصلاً حاجت نہیں اور فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں مل جائے گا تو نماز ہوجائے گی مگر سنت یعنی تکبیر رکوع فوت ہوئی لہٰذا یہ چاہئے کہ سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے اور **سبحٰنك اللھم** پڑھنے کی فرصت نہ ہو یعنی احتمال ہو کہ امام جب تک سر اٹھالے گا تو معاً دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور امام کا حال معلوم ہو کہ رکوع میں دیر کرتا ہے **سبحٰنك اللّٰھم** پڑھ کر بھی شامل ہوجاؤں گا تو پڑھ کر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا شامل ہو یہ سنت ہے اور تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہنی توفرض ہے بعض ناواقف جو یہ کرتے ہیں کہ امام رکوع میں ہے تکبیر تحریمہ جھکتے ہوئے کہی اور شامل ہوگئے اگر اتنا جھکنے سے پہلے کہ ہاتھ پھیلائیں تو گھٹنے تک پہنچ جائیں اللہ اکبر ختم نہ کرلیا تو نماز نہ ہوگی، اس کا خیال لازم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴۹: از بلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ و حاجی یعقوب علی

نماز ظہر کی جماعت کھڑی ہے میں نے وضو کیا تب تک تین رکعت خلاص ہوگئیں چوتھی میں جاملا، اب میں تین رکعت کس ترتیب سے ادا کروں؟

الجواب:

سلام امام کے بعد کھڑے ہو کر **سبحٰنك اللھم** الخ پہلے اگر نہ پڑھا تھا تو اب پڑھے ورنہ اعوذ سے شروع کرے اور الحمد وسورت پڑھ کر رکوع وسجدہ کرکے بیٹھ کر التحیات پڑھے پھر کھڑا ہو کر الحمد وسورت پڑھے اور رکوع وسجدہ کرکے بغیر بیٹھے کھڑا ہوجائے اور چوتھی رکعت میں فقط الحمد پڑھ کر رکوع وسجدہ کرکے التحیات پڑھے اور نماز تمام کرے، درمختار میں ہے:

یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیرفجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولایقعد قبلھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قراءت کے حق میں ابتدائے نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دورکعتوں کو فاتحہ اور سورت اور ان کے درمیان تشہد کے ساتھ ادا کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے (ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

مسئلہ ۹۵۰ : از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک دربار گوالیار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۹/صفر ۱۳۱۲ھ

مخدوم نیاز منداں بسط اللہ ظلکم ابداً، مسبوق سجدہ سہو میں امام سے ملے یا نہیں یعنی اگر اس کو علم ہو کہ امام اور اس کے مقتدی سجدہ سہو کررہے ہیں یا تشہد بعد سجدہ سہو میں بیٹھے ہیں باوجود اس علم کے اس کی اقتداء درست ہے یا نادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور مل جائے ہر حال میں اقتدادرست و صحیح ہے، ردالمحتار میں زیر قول درمختار:

المسبوق یسجد مع امامه مطلقا سواء کان السهو قبل الاقتداء اوبعده لکها شمل ایضا مااذا سجد الامام واحدة ثم اقتدی به قال فی البحر فانه یتابعه فی الاخری ولایقضی قضاء الاولی کما لایقضیهما لواقتدی به بعد ما سجدهما[1] انتهی۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق اپنے امام کے ساتھ ہر حال میں سجدہ سہو کرے خواہ وہ سہو اقتدا سے پہلے ہو یا بعد میں، یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب امام نے ایک سجدہ کرلیا تو پھر اس نے امام کی اقتداء کی، بحر میں ہے کہ مسبوق دوسرے سجدے میں اقتدا کرے تو اس صورت میں پہلے سجدہ کی قضا نہیں، جیسا کہ ان دونوں سجدوں کی ادائیگی کے بعد شمولیت کرنے پر قضا نہیں انتہی۔ (ت)

مسئلہ ۹۵۱ : ۲۲/رجب ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید صبح کی نماز کے وقت وضو کرکے فارغ ہوا تو گمان کیا کہ امام نصف التحیات پڑھ چکا اور جماعت دوسری بھی تیار ہے اس نے سنت پڑھنا شروع کیا، بعد سنت کے جماعت ثانی ہوئی زید اس میں شریک ہوا، آیا یہ سنتیں اس کی ہوئی یا نہیں؟ اور زید امام اول کی التحیات میں شریک نہ ہونے سے گنہگار ہوا یا نہیں؟ اور اس التحیات میں شریک ہونا اسے ضروری تھا یا نہیں؟

الجواب:

سنتیں ہو تو ہر حال میں گئیں مگر زید کو حکم یہ تھا کہ امام اول کی التحیات میں شریک ہوجائے۔

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

جماعت ثانیہ کے اعتماد پر اولٰی کی شرکت نہ چھوڑے، زید بالقصد بلاعذر صحیح شرعی جماعت اولٰی فوت کردینے سے گنہگار ہوا، درمختار میں ہے:

اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا ترکھا[1]۔	جب سنتوں میں مشغولیت سے فرائض فجر کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنن کو ترک کردیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الراجح عند اھل المذھب وجوب الجماعۃ وانہ یاثم بتفویتھا اتفاقا[2]ھ وقدحققنا فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی ان ھذا الحکم للجماعۃ الاولٰی عینا۔	راجح اہل مذہب کے ہاں جماعت کا واجب ہونا ہے اور اس کا فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہےاھ۔ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے کہ یہ حکم صرف پہلی جماعت کے لئے ہے۔(ت)

ہاں اگر جماعت اولٰی کاامام غلط خواں یا معاذاللہ بدمذہب گمراہ یا فاسق معلن تھا، اور امام ثانی ان بلاؤں سے پاک، تو زید نے بہت اچھاکیا ایسا ہی چاہئے تھا بلکہ اگرامام اول مثلاً شافعی المذہب تھا اور اس نے امام حنفی المذہب کی اقتداچاہی اس نیت سے تاخیر کی جب بھی گناہ نہ ہوا، کما بینا کل ذٰلك فی فتاوٰنا والمسائل فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے اور ردالمحتار وغیرہ میں مسائل کی تفصیل ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۲: از گونڈل مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندھیری ۱۱/صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق بروقت اختتام نماز، امام قعدہ اخیرہ میں تمامیت تشہد کے بعد گویا فقہی اقوال کے بموجب شہادتین کو مسبوق دہرایا کرے تاسلام امام، بجائے شہادتین کے اگرالسلام علیک ایہاالنبی سے دہرایا کرے توکچھ حرج ہے؟

الجواب:

فقہانے تکرار تشہد ہی کو لکھاہے اور اگرالسلام سے تکرار کرے جب بھی کوئی ممانعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۳: از بریلی مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس ۲۲/شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کی متابعت سجدہ وسلام دونوں میں کرے گا

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۲/۱

یافقط سجدہ میں؟ اور اگر بالفرض والتقدیر سلام میں متابعت کرے تو نماز مسبوق کی باقی رہے گی یا فاسد؟ **بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالٰی۔**

الجواب:

مسبوق صرف سجدہ میں متابعت کرے، نہ سلام میں، اگر سلام میں قصداً متابعت کرے گا اگرچہ اپنے جہل سے یہ ہی سمجھ کر کہ مجھے شرعاً سلام میں بھی اتباع امام چاہئے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر سہواً سلام کیا تو نماز مطلق نہ جائے گی اور سجدہ سہو بھی اپنی نماز کے آخر میں کرنا نہ ہوگا اگر یہ سلام سہواً سلامِ امام سے پہلے یامعاً اس کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر کے تھا اور اگر سلام امام کے بعد بھول کر سلام پھیرا تو اس سجدہ سہو میں تو امام کی متابعت کرے ہی، پھر جب اپنی باقی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ختم پر اس کے سہو سلام کے لئے سجدہ سہو کرے، ردالمحتار میں ہے:

المسبوق لیسجد مع امامہ. قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشھد فاذا سلّم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامدًا فسدت والالاولاسجود علیہ ان سلم سہوًا قبل الامام اومعہ وان سلم بعدہ لزمہ لکونہ منفردًا حینئذ. بحر واراد بالمعیۃ المقارنۃ وھو نادرالوقوع کما فی شرح المنیۃ وفیہ لوسلم علی ظن ان علیہ ان یسلم فھو سلام عمد یمنع البناء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے، سجدہ کی قید اس لئے کہ سلام میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو جائے، اگر اس نے سلام پھیرا اور اس کا سلام پھیر نادانستہ تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں، اگر اس نے بھول کر سلام پھیرا تو اس صورت میں سجدہ سہو نہ ہوگا جب امام سے پہلے یامعاً اما کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر سلام پھیرا ہو، اور اگر سلام امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ لازم ہے کیونکہ اب وہ تنہا ومنفرد ہے بحر، اور یہاں معیت سے مراد مقارنت ہے اور اس کا وقوع بہت کم ہے، اسی طرح شرح المنیۃ میں ہے کہ اگر اس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ اس پر سلام لازم تھا تو یہ عمداً سلام ہوگا جو کہ بنائے نماز سے مانع ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

مسئلہ ۹۵۴: مرسلہ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۱۱/ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقیم نے امام مسافر کی اقتدا کی اور ایک یادونوں رکوع نہ پائے مثلاً دوسری رکعت یاصرف التحیات میں شریک ہوا تو بعد سلام امام کے اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت مسبوق لاحق کی ہے وہ پچھلی رکعتوں میں کہ مسافر سے ساقط ہیں مقیم مقتدی لاحق ہے **لانہ لم یدرکھما مع الامام بعد مااقتدی بہ** (اس لئے کہ اس نے اقتداء کے بعد امام کے ساتھ ان دورکعتوں کو نہیں پایا۔ت) اور اس کے شریک ہونے سے پہلے ایک رکعت یادونوں جس قدر نماز ہوچکی ہے اس میں مسبوق ہے **لانہا فاتتہ قبل ان یقتدی** (اقتدا سے قبل اس نے اسے فوت کیاہے۔ت) درمختار وردالمحتار میں ہے:

مقیم ائتم بمسافر فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقدیکون مسبوقا ایضاہ کما اذافاتہ اول صلاۃ امامہ المسافر[1] ط۔	اگر مقیم نے مسافر کی اقتداء کی تو وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتاہے جبکہ مسافر امام کی اقتداء پہلی رکعت میں نہ کی ہو۔ط (ت)

اور حکم اس کا یہ ہے کہ جتنی نماز میں لاحق ہے پہلے اسے بے قراءت ادا کرے یعنی حالت قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ اتنی دیر کہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے محض خاموش کھڑا رہے بعدہ، جتنی نماز میں مسبوق ہوا اسے مع قراءت یعنی فاتحہ وسورت کے ساتھ ادا کرے،

فی الدر المختار اللاحق یبدأ بقضاء مافاتہ بلاقراءۃ ثم ماسبق بہ بھا ان کان مسبوقا[2] **ایضاھ ملخصا۔**	درمختار میں ہے کہ پہلے لاحق فوت شدہ رکعات بغیر قراءت کے اداکرے پھر وہ رکعات جوامام کے ساتھ رہ گئی تھیں اگر مسبوق ہوااھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ماسبق بہ بھا الخ ای ثم صلی	ماسبق رکعات الخ یعنی اگر مسبوق ہے تولاحق

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

اللاحق ماسبق به بقرأة ان كان مسبوقا ايضا بان اقتدى فى اثناء صلاة الامام ثم نام مثلا وهذا بيان للقسم الرابع وهو المسبوق اللاحق الخ[1]	پھر قرات کے ساتھ سابقہ رکعات ادا کرے مثلاً اس نے امام کے ساتھ دوران نماز اقتداء کی پھر مثلاً سوگیا اور یہ چوتھی قسم کا بیان ہے جو مسبوق لاحق ہے الخ۔(ت)

پس اگر دونوں رکوع نہ پائے تھے تو پہلے دو رکعتیں بلاقرات پڑھ کر بعد التحیات دو رکعتیں فاتحہ و سورت سے پڑھے، اور اگر ایک رکوع نہ ملا تھا تو پہلے ایک رکعت بلاقرات پڑھ کر بیٹھے اور التحیات پڑھے کیونکہ یہ اس کی دوسری ہوئی، پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلاقرات پڑھ کر اس پر بھی بیٹھے اور التحیات پڑھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے اور رکعات فائتہ کو نماز امام کی ترتیب پر ادا کرنا ذمہ لاحق لازم ہوتا ہے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت بفاتحہ و سورت پڑھ کر بیٹھے اور بعد تشہد نماز تمام کرے۔

فى ردالمحتار عن شرح المنية والمجمع انه لوسبق بركعة من ذوات الاربع ونام فى ركعتين يصلى اولامانام فيه ثم ماادركه مع الامام ثم ماسبق به فيصلى ركعة ممانام فيه مع الامام ويقعد متابعة له لانها ثانية امامه ثم يصلى الاخرى ممانام فيه ويقعد لانها ثانيته ثم يصلى التى انتبه فيها و يقعد متابعة لامامه لانها رابعة و كل ذلك بغيرقرأة لانه مقتد ثم يصلى الركعة التى سبق بها بقرأة الفاتحة وسورة والاصل ان اللاحق يصلى على ترتيب صلاة الامام	ردالمحتار میں شرح منیہ و مجمع سے ہے کہ اگر چار رکعات میں سے ایک رکعت گزر گئی اور پھر شریک ہوا پھر دو میں سوگیا تو اب جن میں سویا انہیں پہلے ادا کرے، پھر جس میں امام کے ساتھ اقتداء کی پھر چھوٹی ہوئی، پس وہ جس میں امام کے ساتھ سویا اس کی ایک رکعت پڑھے اور امام کی اتباع میں قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری رکعات تھی، پھر سونے والی دوسری رکعات ادا کرے اور قعدہ کرے کیونکہ اس کی دوسری رکعت ہے پھر وہ پڑھے جس میں بیدار ہوا اور اتباع امام کی وجہ سے بیٹھے کیونکہ یہ اس کی چوتھی ہے اور یہ تمام بغیر قرات کے ہوں گے پھر وہ قرات وفاتحہ کے ساتھ وہ رکعات پڑھے جو گزر چکی تھیں، ضابطہ

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۴۰۴

والمسبوق یقضی ماسبق به بعد فراغ الامام [1] ھ اقول: فهٰذه هی الصورة المسؤل عنها بید ان مانحن فیه اعنی اقتداء المقیم بالمسافر لایتحقق فیه الادراك بعد ماصار لاحقالانه انما یصیر لاحقاً فی الاخیرین وذلك انما یکون بعد سلام الامام فلا تتأتی هنا صورة المتابعة بعد اداء ماهو لاحق فیه کمالایخفی ولذٰلك تغیر بعض الترتیب واللّٰه تعالٰی اعلم۔	یہ ہے کہ لاحق امام کی ترتیب پر نماز ادا کرے لیکن امام کی فراغت کے بعد ماسبق کی ادائیگی کرے اھ۔ اقول: (میں کہتاہوں) صورت مسؤلہ یہی ہے علاوہ ازیں جس میں ہم بحث کررہے ہیں یعنی مقیم کا مسافر کی اقتدا کرنا اس میں لاحق سے ادراک امام پایا نہیں جاتا کیونکہ آخری رکعتوں میں وہ لاحق ہی ہے اور یہ بات سلام امام کے بعد ہی ہوگی لہٰذا یہاں ایسی صورت نہ ہوگی کہ وہ کچھ ادائیگی کے بعد لاحق ہو جیسا کہ واضح ہے اسی لئے کچھ ترتیب میں تبدیلی آجاتی ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۵: ازبگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدانی پورہ مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم صاحب مارہروی ۲۰/صفر ۱۳۱۱ھ

امام نماز ظہر یا عصر یا عشاء پڑھتاہے اور ایک یا دو رکعت پڑھ چکا ہے کہ دوسرا شخص آکر شامل ہوا تو بعد ختم ہونے نماز کے یہ مقتدی اپنے رکعات باقیہ جو پڑھے تو اس میں فاتحہ وسورت وقراءت کرے یا بقدر پڑھنے فاتحہ وسورت کے ساکت رہ کر رکوع وسجود بجالائے تشریحاً لکھا جاوے اور اسی طرح اگر مسافر نمازیں مذکور نصف پڑھ کر ختم کرے تو مقتدی فاتحہ پڑھے یا بقدر قرأت ساکت رہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت اولٰی میں مقتدی کہ بعد سلام امام رکعت اولٰی یا اولین قضا کرے فاتحہ وسورت وجوبًا پڑھے کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنے رکعات میں مثل منفرد، اور منفرد پر قراءت لازم، اور صورت ثانیہ میں مقیم کہ بعد سلام مسافر رکعتین اخیرتین ادا کرے بجائے قراءت ساکت رہے کہ وہ ان رکعات میں لاحق ہے اور لاحق حکمًا مقتدی اور مقتدی کو قرأت ممنوع۔

فی الدرالمختار اللاحق من فاتته الرکعات کلها اوبعضها	درمختار میں ہے لاحق وہ مقتدی ہوتا ہے جس کی اقتدا کے بعد تمام یا بعض رکعتیں (امام سے)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۴۰

بعد اقتدائه کمقیم ائتم بمسافر و حکمه کمؤتم فلا یأتی بقرأة ولاسهو والمسبوق من سبقه الامام بها اوبعضها وهو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرؤ فیما یقضیه فمدرك رکعة من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحة وسورة و تشهد بینهما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط[1] ھ ملتقطاً۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	رہ جائیں جیسے کہ کسی مقیم نے مسافر کی اقتداء کی اس کا حکم مقتدی کی طرح ہی ہے وہ قرات نہیں کرے گا اور نہ ہی سجدہ سہو کرے گا، اور مسبوق وہ ہوتا ہے جس سے پیشتر امام سب رکعتیں یا بعض رکعتیں ادا کرچکا ہو اس کے بعد شریک ہو وہ مسبوق منفرد کی طرح ہوتا ہے حتی کہ وہ ثناء سبحٰنک اللھم الخ اور تعوذ پڑھے گا بقیہ رکعتوں میں قرات بھی کرے گا، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے، اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ ہی پڑھے اھ ملتقطا۔ واللّٰه سبحنه، وتعالٰی اعلم وعلمه مجل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۹۵۶ :　　از پیلی بھیت و موضع بھنڈورہ علاقہ آنولہ　　یکم شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس امام کے ساتھ چار رکعت کی نماز میں ایک رکعت ملی، وہ باقی نماز کیونکر ادا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب:

امام کے سلام کے بعد اٹھ کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر التحیات کے لئے بیٹھے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر نہ بیٹھے پھر ایک رکعت صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور قعدہ اخیرہ کرکے سلام پھیر دے۔

هذا ما اعتمده الائمة الجلة وعلیه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحطاوی والاسبیجابی وفتح القدیر والبحر الرائق	یہ وہ ہے جس پر اکابر ائمہ نے اعتماد کیا خلاصہ، شرح طحطاوی، اسبیجابی، فتح القدیر، بحر الرائق، درر، درمختار،

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴۰

والدرر والدرالمختار والهندية وغيرها من معتمدات المذهب۔	ہندیہ اور دیگر معتبر کتب مذہب میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

يقضى اول صلاته فى حق قراءة واٰخرها فى حق تشهد فمدرك ركعة من غير فجر يأتى بركعتين وفاتحة وسورة و تشهد بينهما وبرابعة الرباعى بفاتحة فقط ولايقعد قبلها[1]۔ والله تعالٰى اعلم۔	اور مسبوق قرأت کے حق میں اپنی نماز کو اول اور تشہد کے حق میں آخر نماز کرکے نماز ادا کرے، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے، چار رکعتی نماز میں چوتھی میں صرف فاتحہ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۷: از قصبہ میترانوالی ڈاک خانہ گھکر ریلوی ضلع گوجرانوالہ مرسلہ حافظ شاہ ولی اللہ صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت عالی جناب قدسی القاب مولوی احمد رضاخاں صاحب دام برکاتہ،، از فقیر حافظ ولی اللہ شاہ بعد از تسلیمات وآداب ماوجب معروض آنکہ عرصہ ایک سال کا گزرا ہے کہ بندہ حضور کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تھا اور ایک مسئلہ حضور سے دریافت کیا تھا در باب اقتداء مقیم کا مسافر کے ساتھ نماز رباعی میں اس حالت میں جو مسافر ایک رکعت ادا کرچکا ہو اور مقیم آکر ملا تو ایک رکعت مقیم نے امام مسافر کے ساتھ پائی پھر وہ تین کس طرح پر ادا کرے، میں نے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اول دو رکعت جو خالی قرأت سے ہیں وہ ادا اس طرح پر کرے کہ بقدر الحمد کے قیام کرے اور اس میں قرأت نہ پڑھے بعدہ، ایک رکعت جو مسبوقانہ ہے ادا کرے اور اس میں ثناء و فاتحہ و سورۃ پڑھے۔ اور یہی مسئلہ مسافر والے کا اس جگہ تنازع دو مولوی صاحبوں کا آپس میں پڑا ہوا ہے بلکہ بہت عالموں سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا ہے سب کے سب آپ کے برخلاف بیان کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں سوا سند کتاب کے ہم نہیں مانتے اور دوسری جگہ ہمیشہ جب امام سے علیحدہ ہو کر مسبوقانہ ادا کرتا ہے تو پہلے ابتداء سے شروع کرتا ہے یعنی ثناء وفاتحہ وسورۃ شروع کرتا ہے

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

کیاوجہ ہے کہ مقیم نماز رباعی میں امام مسافرکے ساتھ مسبوق ہو جائے تو اول خالی دو رکعت ادا کرے برخلاف ترتیب معمولہ کے، لہٰذا مہربانی فرماکر محض واسطے ثواب کے یہ مسئلہ مسافروالا مفصل معہ حوالہ کتب معتبرہ کے تحریر فرمائیں تاکہ تنازع رفع ہو جائے مگر بجز حوالہ کتاب کے تسلی نہ ہوگی کیونکہ ہم نے اس جگہ بہت کتب سے معلوم کیاہے کچھ تسکین نہ ہوئی، اور اگر پہلی خالی دو رکعت کوادا کرے تو اس میں قعدہ ایک پر کرے یانہ؟ اور قرأت وسجدہ سہو بھی ادا کرے یانہ؟ از جانب نیاز مند امیر احمد اگرچہ ظاہر آپ سے ملاقات حاصل نہیں مگر زبانی حافظ ولی اللہ شاہ صاحب سے آپ کی تعریف سن کر شائق ہوں کہ آپ جیسا شاید ہندوستان میں کوئی عالم حنفی مذہب موجود نہیں، جو مسئلہ حافظ ولی اللہ شاہ صاحب نے اوپر لکھاہے آپ پورا پورا بعینہٖ حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں تاکہ اطمینان کلی حاصل ہو اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور دوسرا صرف نیاز مند کو یہ شبہہ واقع ہوا ہے کہ مسافر کے ساتھ مقیم نے نماز چہارگانہ میں دوسری رکعت میں آکر اقتداء کیا تو اب پہلی رکعت جو بعد فراغ امام اٹھ کر پڑھے گا کس طرح پڑھے گا؟ کیونکہ اس کی تین رکعت باقی ہیں اور یہ جو رکعت امام کے ساتھ اس نے پائی ہے مقتدی کی کونسی رکعت ہوگی؟ آیا بعموم قاعدہ کے جو رکعت امام کی وہی رکعت مقتدی کی، اس نماز میں تو یہ رکعت امام کی بلحاظ مسافر ہونے کے آخر کی ہے اور مقیم کی دوسری، اب وہ دوسری رکعت میں الحمد وقل پڑھے گا یانہیں؟ ہر سہ رکعت میں جیسے قرأت پڑھنی کتب سے ثابت ہو تحریر فرمائیں مکلّف اوقات گرامی امیر احمد عفی عنہ مکرر عرض یہ ہے کہ قیاس یہ چاہتاہے کہ جو رکعت امام کی قرأت والی ہے اس کی بھی قرأت والی رکعت اس کے ساتھ ملحق ہو جائے یاکہ پہلی دو رکعت وہ ادا کرے جو خالی سورۃ والی ہیں فقط

بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم۔

(شاہ صاحب کرم فرماا کرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، حکم مسئلہ جو کہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بیان کیا صحیح ومطابق کتاب تھا منشا اشتباہ ناظرین یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ مقیم بھی مسبوق ہے اور ہم مسبوق کو دیکھتے ہیں کہ حق قرأت میں اول نماز سے ابتداء کرتاہے، درمختار میں ہے:

المسبوق یقضی اول صلاتہ فی حق قرأۃ[1]۔	مسبوق قرأت کے حق میں اپنی پہلی رکعت تصور کرکے ادا کرے گا۔ (ت)

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

توچاہئے تھا کہ یہ بھی بعد سلام امام رکعت اولیٰ ہی ادا کرتا جس میں اس کو حکم قرأت ہے مگرانہوں نے یہ خیال نہ فرمایا کہ صورت مسطورہ میں مقیم تنہا مسبوق نہیں لاحق بھی ہے دورکعت اخیرہ کی نظر سے لاحق اور اولیٰ کے اعتبار سے مسبوق، درمختار میں ہے:

اللاحق من فاتته الرکعات کلھا اوبعضھا بعد اقتدائه کمقیم ائتم بمسافر [1]۔	لاحق وہ ہوگا جس کی اقتداء کے بعد تمام یابعض رکعات (امام سے) رہ گئی ہوں جیسا کہ وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتداء کی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فھولاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا کما اذا فاتته اول صلاۃ امامه المسافر [2]ط۔	یعنی وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتا ہے جب مسافرامام کے ساتھ اس کی پہلی رکعت رہ گئی ہوط۔(ت)

اور مسبوق لاحق کو یہی حکم ہے کہ پہلے دورکعت بے قرأت ادا کرے جن میں لاحق ہے ان سے فارغ ہو کر رکعت مسبوق بہا کی قضاء باقرأت کرے۔درمختار میں ہے:

اللاحق یبدأ بقضاء مافاته بلاقرأۃ ثم ماسبق به بہا ان کان مسبوقا ایضا [3]۔(ملخصا)	لاحق پہلے بغیر قرأت کے فوت شدہ ادا کرے اور اگر مسبوق بھی ہوتواس کے بعد وہ پڑھے جس میں مسبوق ہوا(یعنی اول رکعت جوباقی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پڑھے)۔(ت)

توعلماء کافرمانا کہ مسبوق قضائے رکعات میں اول نماز سے آغاز کرے اس کے یہ معنی نہیں کہ سب سے پہلے رکعات مسبوق بہا کی قضا کرے، یہ تونہ لفظوں کامفاد نہ ان کی مراد نہ واقع میں صحیح ومتصف بسداد تمام کتب فقہ جن میں خود انہیں علماء کی صاف وصریح تصریح ہے کہ مقتدی جس نماز میں لاحق ہوا اسے مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے اس کے بطلان پر شاہد عدل بلکہ علماء اس حکم سے صرف رکعات مسبوق بہا کی باہمی ترتیب ارشاد فرماتے ہیں یعنی چند رکعتوں میں مسبوق ہوا وہ ان کی قضا کے وقت الاول فالاول ادا کرے مثلاً تین میں مسبوق ہو توپہلی میں ثناء وتعوذوفاتحہ سب کچھ پڑھے دوسری میں صرف فاتحہ وسورۃ، تیسری میں

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۸۶/۱
[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۴۰/۱
[3] درمختار ۔ باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۶/۱

فقط فاتحہ، غرض حکم منکشف ہے اور شبہہ منکسف، یونہی دوسرا شبہہ کہ قیاس چاہتا ہے کہ رکعت قرات رکعت قرات سے ملحق ہو،

اوّلاً نصوص صریحہ کے مقابل ہمارے خیالات کو کیا دخل!

ثانیاً جسے چار رکعتی نماز میں صرف اخیرہ ملی بعد سلام امام دو رکعت قرات پڑھے گا تو جیسے خالی سے خالی کا اتصال ضرور نہیں یونہی بھری سے بھری کا۔

ثالثاً یہ دیکھنا تھا کہ وہ رکعت قرات کون سی ہے جس سے رکعت قرات ملحق ہوتی ہے اور وہ کون سی ہے جو اسے امام کے ساتھ ملی ہے وہ رکعت قرات رکعت اولٰی ہے جس کے بعد رکعات قرات ہوتی ہے اور اس نے ہمراہ امام رکعت ثانیہ پائی اس سے رکعت بے قرات ہی ملتی ہے غرض یونہی دیکھئے تو دوسری کے بعد تیسری کا محل ہے نہ وہ پہلی کا بخلاف مسبوق کہ چوتھی تک ادا کرچکا لاجرم اب پہلی سے شروع کرے گا، رہا حکم قعود و سجود جب سلام امام مسافر کے بعد مقیم قائم ہو ایک رکعت پڑھ کر اسے قعود چاہئے کہ اگر اصل میں یہ تیسری رکعت ہے مگر اس کی ادا میں دوسری ہے تو اس پر ایک شفعہ تمام ہوگا اور ہر شفعہ پر قعدہ مطلقاً چاہئے، امام، منفرد، مقتدی، مدرک، لاحق، مسبوق اس قدر حکم میں سب شریک ہیں، مسبوق کے لئے درمختار وخلاصہ و ہندیہ میں ہے:

واللفظ لهاتين لوادرك ركعة من المغرب قضٰى ركعتين وفصل بقعدة فتكون بثلث قعدات ولوادرك ركعة من الرباعية يقضى ركعة و يتشهد[1] الخ	الفاظ ہندیہ وخلاصہ کے ہیں اگر مغرب کی ایک رکعت پائی تو دو اور پڑھے اور ان کے درمیان قعدہ کرے تو اب تین قعدے ہوجائیں گے، اور ر اگر چار میں سے ایک رکعت پائی تو ایک رکعت پڑھ کر تشہد بیٹھے الخ(ت)

لاحق کے لئے شرح مجمع وغنیہ وردالمحتار میں ہے:

لوسبق بركعة من ذوات الاربع ونام فى ركعتين يصلى اولامانام فيه ثم ماادركه مع الامام ثم ماسبق به فيصلى ركعة ممانام	اگر چار میں سے ایک رکعت (امام سے) گزر گئی اور دو رکعتوں میں وہ سوگیا تو پہلے سونے والی رکعتیں ادا کرے پھر وہ جو امام کے ساتھ پائی اور پھر فوت شدہ ادا کرے تو وہ ایک رکعت جو سوتے میں

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۹۱/۱

فیه مع الامام ویقعد متابعة له لانها ثانیة امامه ثم یصلی اخری ممانام فیه ویقعد لانها ثانیته[1] الخ	امام کے ساتھ ہوئی، پڑھے گا اور اتباعاً قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری تھی، پھر ایک اور رکعت سونے والی پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ وہ اس کی دوسری ہے الخ (ت)

دیکھو ان کی ادا میں جو رکعت دوسری تھی اس پر قعدہ کا حکم دیا اگرچہ واقع میں وہ مسبوق کی پہلی اور لاحق کی تیسری تھی کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہ عبارت بھی نص صریح ہے کہ لاحق مسبوق جس رکعت میں لاحق ہوا سے رکعت مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے گا اور مقیم مذکور کو بعد فراغ امام جو سہو ہوا اگر وہ سہو رکعت مسبوق بہا میں ہے تو بالاجماع سجدہ سہو لازم لانه فیها مسبوق وعلی المسبوق السجود بسهوه (کیونکہ اس میں وہ مسبوق ہے اور مسبوق پر سہو کی وجہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ت) اور اگر ان دو رکعت میں ہے جن میں اسے حکم لاحق دیا گیا تو لزوم سجدہ میں علماء مختلف ہیں اور اصح لزوم ہے، بحر الرائق ہے:

المقیم اذا اقتدٰی بالمسافر ثم قام لاتمام صلاته وسها ذکر فی الاصل انه یلزم سجود السهو وصححه فی البدائع[2] اھ ملخصًا۔	وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتدا کی جب وہ اتمام نماز کے لئے کھڑا ہوا اور بھول گیا تو اصل میں ہے کہ اس پر سجدہ سہو لازم ہے، بدائع میں اس کی تصحیح کی اھ تلخیصًا (ت)

واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم فقط۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

[2] بحر الرائق، باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۰۰

فصل الاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

مسئلہ ۹۵۸ : ازکیمپ بریلی ۱۱/ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر نماز پڑھاتے میں امام کاوضو جاتارہے تومقتدی کیا کریں اور ان کی نماز کیونکر درست رہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت استخلاف کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صالح امامت کو اپنا خلیفہ کردے اور وہ خلیفہ نہ کرے تومقتدی اپنے میں سے ایک کوامام کردیں یاان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کہ خلیفہ اس کی جگہ جاکھڑاہو ان صورتوں میں بعد لحاظ شرئط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگرپانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضوکے لئے باہر جانانہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کرکے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کردے مگریہ مسئلہ استخلاف ایک سخت دشوار وکثیر الشقوق مسئلہ ہے جس میں بہت سے شرائط اور بکثرت اختلاف صور سے اختلاف احکام ہے جن کی پوری مراعات عام لوگوں سے کم متوقع، لہٰذا وہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن وافضل واعلٰی واکمل ہے اسی پرکاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑکر ازسرنونماز پڑھنا کہ جولوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں ان کے لئے بھی افضل یہی ہے توعام لوگ ایک خلاف افضل بات کے حاصل کرنے کوایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں،

فی الدر المختار اعلم ان لجواز البناء ثلثة عشر شرطا الخ ثم قال سبق الامام حدث غیر مانع للبناء استخلف ای جازله ذٰلک مالم یجاوز الصفوف لوفی الصحراء ومالم یخرج من المسجد لوفیه ولوکان الماء فی المسجد لم یحتج للاستخلاف واستینافه افضل تحرزا عن الخلاف[1] ھ ملتقطا۔	در مختار میں ہے آگاہ رہنا چاہئے کہ جواز بناء کی تیرہ شرائط ہیں، پھر فرمایا: امام کو ایسا حدث لاحق ہوگیا جو بنا سے مانع نہیں تو وہ کسی کو خلیفہ بنائے یعنی اس کے لئے یہ جائز ہے جب تک اس نے صفوں سے تجاوز نہیں کیا بشرطیکہ وہ صحرا میں ہو اور اگر مسجد میں ہو تو جب تک مسجد سے خارج نہیں ہوا خلیفہ بنا سکتا ہے، اور اگر مسجد میں پانی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے نئے سرے سے نماز ادا کرنا افضل ہے اھ تلخیصاً(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان قدم القوم واحد اوتقدم بنفسه لعدم استخلاف الامام جاز ان قام مقام الاول قبل ان یخرج من المسجد ولوخرج منه فسدت صلاة الکل دون الامام کذا فی الخانیة[2] انتھی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	امام کے خلیفہ بنانے کی وجہ سے اگر قوم نے کسی ایک کو آگے کردیا یا کوئی خود آگے ہوگیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے قائم مقام بن جائے اور اگر امام مسجد سے خارج ہوگیا تو امام کے علاوہ باقی تمام کی نماز فاسد ہوجائے گی جیسا کہ خانیہ میں ہے انتہی۔(ت)

مسئلہ ۹۵۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو حدث ہوا اس نے ایک اُمّی مقتدی کو خلیفہ کیا، اس خلیفہ نے دوسرے کو خلیفہ کردیا، آیا یہ نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ خلیفہ فی الحقیقۃ امی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کردیا اور وہ امام کے

---

[1] درمختار باب الاستخلاف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۷

[2] ردالمحتار باب الاستخلاف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۴

نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تو نماز صحیح ہو گئی کہ ہر چند اُمّی صلاحیت خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے نہ وہ،

فی الهندیة وشرط جواز صلاۃ الخلیفة والقوم ان یصل الخلیفة الی المحراب قبل ان یخرج الامام عن المسجد کذا فی البحر الرائق ولواستخلف فاستخلف الخلیفة غیرہ قال الفضلی ان لم یخرج الاول ولم یأخذ الخلیفة مکانه حتی استخلف جاز یصیرکان الثانی تقدم بنفسه اوقدمه الاول والا لم یجز ھکذا فی الخلاصة[1]۔	ہندیہ میں ہے خلیفہ اور قوم کی نماز کے جواز کے لئے شرط ہے کہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے خلیفہ محراب میں پہنچ جائے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے اور اگر خلیفہ نے اپنی جگہ اور خلیفہ بنالیا تو فضلی کہتے ہیں کہ اگر اول نہیں نکلا اور خلیفہ نے امام کی جگہ لینے سے پہلے کوئی اور خلیفہ بنالیا تو جائز ہے گویا دوسرا خود بنا یا پہلے نے اسے بنایا ورنہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

اور جو امام نے اسے تشہد میں یا اس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں،

فی الدرالمختار واستخلف الامام امیا فی الاخریین ولوفی التشهد اما بعده فتصح لخروجه بصنعه تفسد صلاتهم[2]۔	درمختار میں ہے اگر امی کو آخری دو رکعات حتی کہ تشہد میں خلیفہ بنایا (توامام کی نماز فاسد ہوگی) لیکن اس کے بعد صحیح ہے کیونکہ اس کا خروج بالارادہ ہے، لوگوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہو گئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہو گئی کہ استخلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے کما فی الهدایة فی مسئلة من الحدث (جیسا کہ ہدایہ میں مسئلہ حدث میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی الاستخلاف مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۶

[2] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۶

مسئلہ ۹۶۰: از شہر بازار شہامت گنج نثار احمد صاحب ۹/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا نماز میں وضوٹوٹ گیااور امام رکوع ان ابراھیم کان پڑھ رہاتھااور جو خلیفہ امام نے بنایا اس کو رکوع مذکور یاد نہیں تھااب وہ خلیفہ کوئی سورت یعنی اخلاص یااور کوئی سورت پڑھے تو نماز ہوجائے گی یانہیں؟ اور وضو کے بعد امام اپنی جگہ پرآسکتاہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز ہوجائے گی اور امام کے خلیفہ نے جتنی پڑھی اُتنی پڑھ کر اگر خلیفہ نماز میں ملے اس کا شریک ہوجائے، یہ نہیں ہوسکتا کہ باقی نماز میں اسے ہٹاکر خود امام ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

باب مفسدات الصّلٰوۃ

(مفسداتِ نماز کا بیان)

مسئلہ ۹۶۱ : از بمبئی مسجد قصاباں کرافٹ مارکیٹ مرسلہ مولوی عمرالدین صاحب ۲۹/شعبان ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم ذی الفضل الاعظم دامت برکاتکم العالیہ بعد تسلیمات بصد تعظیمات کے واضح رائے عالی ہو کہ زمانہ طالب علمی میں کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ مصلی کو غیر مصلی پنکھا کرے تو مصلّی کو اگر اس پر رضامندی ہے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی، اب اس مسئلہ کو بہت تلاش کیا ہوں نہیں ملتا البتہ مولوی عبدالحیٔ کے رسالہ نفع المفتی والسائل میں ہے:

قلت فما فی مجمع البرکات من فساد صلٰوۃ من روحہ غیرالمصلی بمروحۃ معللابانہ رضی بفعل الغیر غیر معتمد علیہ فانہ مخالف للدرایۃ و الروایۃ وقد کان الوالد العلام افتی بہ مرۃ ثم رجع عنہ وحکم بکونہ غلطاً وقد اغتربہ بعض معاصریہ فاصر علی الافتاء بہ	میں نے کہا پس جو مجمع البرکات میں ہے کہ غیر نمازی اگر نمازی کو پنکھے سے ہوادے تو نمازی کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ وہ نمازی غیر کے فعل پر راضی ہے یہ فسادِ نماز کا حکم فہم اور روایت کے مخالف ہے، میرے والد گرامی نے ایک دفعہ یہ فتوٰی دیا تھا، پھر اس سے انہوں نے رجوع فرمالیا اور فرمایا کہ یہ فتوٰی غلط ہے اور والد صاحب کو معاصرین میں سے ایک صاحب نے دھوکا دے کر اصرار کرتے ہوئے یہ

واعتمد علیہ عملا وافتاءً ولم یدر کونہ لغوا[1]۔	فتوٰی ان سے حاصل کیا، والد صاحب نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے عملاً فتوٰی دے دیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لغو بات ہے۔(ت)

مجمع البرکات کس کی تصنیف ہے اور حضور کی رائے عالی اس مسئلہ میں اس کے موافق ہے یا مخالف، برتقدیر موافقت برقی پنکھا جو آدمی کی صنعت ہے اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ چار چھ سطر اس کے متعلق اگر جوابی کارڈ پر تحریر فرمائی جائے توعین بندہ نوازی ہوگی۔

الجواب:

مولٰنا المبجل المکرم المفخم المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کاسمہ عمرالدین آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، مجمع البرکات مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، کی تصنیف ہے اگر یہ عبارت اس کے کسی نسخہ صحیحہ میں ہو تو اس سے مراد نماز قلبی کا فساد ہوگا، نہ نماز فقہی کا کہ ادائے فرض ودفع کبیرہ ترک کے لئے باذنہ تعالٰی کافی ہے ظاہر ہے کہ فعل غیر پر رضا عمل قلیل بھی نہیں کثیر درکنار، توفساد نماز فقہی ناممکن ہے ہاں نماز قلبی تذلل وتضرع وتخشع ہے کما فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ت) اور یہ امر نوع تجبر پر دال ہے لہٰذا اس میں مخل ہوسکتا ہے اگر اس کی نیت خود استخدام اور نماز میں اپنا اعظام ہو تو یقینا مفسدِ نماز قلب ہے ورنہ مفسد کی صورت ہے لہٰذا احتراز درکار ہے پنکھا کہ کل کے ذریعہ سے چلے اگر اس کے مسالے میں مٹی کا تیل وغیرہ بدبودار چیزیں ہو تو ایسی اشیاء کا مسجد میں لے جانا حرام ہے ورنہ کم از کم ناپسند وخلاف مصالح ہے پنکھے کا مسئلہ فتاوٰی فقیر میں بہت مفصّل ہے فلیراجع (اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶۲: مسؤلہ شوکت علی ۲۳ ربیع الاخری شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازی کے آگے سے نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے اور اس کی نماز میں تو کوئی خلل نہیں ہوتا ہے اور نمازی کے آگے سے کس قدر دور تک گزر، نہ کرنا چاہئے؟

الجواب:

نماز میں کوئی خلل نہیں آتا نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے، نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوار قبلہ تک نکلنا جائز نہیں جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضع سجود تک نکلنے کی

---

[1] نفع المفتی والسائل ما یتعلق بما یفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۵

اجازت نہیں اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ موضع سجود کے یہ معنی ہیں کہ آدمی جب قیام میں اہل خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع میں ہے اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز۔ درمختار میں ہے:

مرور مارٍّ فی الصحراء اوفی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح اومرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت ومسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ[1]۔	نمازی کے آگے سے صحرا اور بڑی مسجد میں گزرنا اصح قول کے مطابق اس کی سجدہ کی جگہ سے گزرنا ہے یا گھر یا چھوٹی مسجد میں دیوار قبلہ تک گزرنا ہے کیونکہ یہ ایک ہی جگہ کے حکم میں ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بموضع سجودہ کما فی الدرر وھذا مع القیود التی بعدہ انما ھو للاثم والافالفساد منتف مطلقا، قولہ فی الاصح صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخرالاسلام ورجحہ فی النھایۃ والفتح انہ قدرمایقع بصرہ علی المار لوصلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ[2] ھ مختصرا۔	ماتن کا قول" نمازی کے سجدہ کی جگہ" جیسا کہ درر میں ہے یہ بات ان قیودات کے ساتھ جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں فقط گناہ کا سبب ہے ورنہ ہر حال میں نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کا قول" اصح قول کے مطابق ہے" اسے تمرتاشی اور صاحب بدائع نے صحیح کہا اور اس کو فخر الاسلام نے اختیار کیا اور اس کو ترجیح دی۔ نہایہ اور فتح میں ہے کہ اس کی مقدار یہ ہے کہ خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نمازی کی نظر گزرنے والے پر پڑے، اور خشوع سے مراد یہ ہے کہ وہ سجدہ کی جگہ دیکھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو اھ تلخیصًا(ت)

منحۃ الخالق میں تجنیس سے ہے:

الصحیح مقدار منتھی بصرہ وھو موضع سجودہ وقال ابونصر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مقدار مابین الصف الاول وبین	صحیح یہ ہے کہ اس کی مقدار نمازی کی انتہا نگاہ ہے اور وہ اس کے سجدہ کی جگہ ہے۔ ابونصر نے فرمایا کہ اس کی مقدار صف اول اور امام کے درمیانی جگہ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۹

مقام الامام وھذا عین الاول ولکن بعبارۃ اخری قال رضی اللہ تعالٰی عنہ وفیما قرأنا علی شیخنا منھاج الائمۃ رحمہ اللہ تعالٰی ان یمر بحیث یقع بصرہ وھو یصلی صلاۃ الخاشعین وھذہ العبارۃ اوضح۔[1]	ہے اور یہ پہلے کے عین مطابق ہے البتہ دوسرے الفاظ میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شیخ منہاج الائمہ رحمہ اللہ تعالٰی سے جو پڑھا وہ یہ ہے کہ نمازی خشوع والوں کی نماز ادا کررہاہے اس کی نگاہ گزرنے والے پر پڑسکتی ہے، اور یہ عبارت نہایت ہی واضح ہے۔(ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

فانظر کیف جعل الکل قولا واحد وانما الاختلاف فی العبارۃ لافی المعنی[2]۔	آپ نے دیکھاکہ انہوں نے تمام اقوال کوایک قول قرار دیااور اختلاف فقط عبارت میں ہے معنی میں نہیں۔(ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

(قولہ فی بیت) ظاھرہ ولوکبیرا وفی القھستانی وینبغی ان یدخل فیہ ای فی حکم المسجد الصغیرالدار والبیت[3]۔	ماتن کا قول" فی بیت" اس کے ظاہر سے پتاچلتاہے کہ خواہ وہ گھر بڑاہو، قہستانی میں ہے مناسب یہ ہے کہ دار اور بیت کو مسجد صغیر کے حکم میں داخل کیاجائے۔(ت)

رہا یہ کہ مسجد صغیر وکبیر میں کیافرق ہے، فاضلِ قہستانی نے لکھا، چھوٹی مسجد وہ کہ چالیس ۴۰ گزمکسر سے کم ہو

ففی ردالمحتار (قولہ ومسجد صغیر) ھواقل من ستین ذراعا وقیل من اربعین وھو المختار کما اشار الیہ فی الجواھر[4]۔	ردالمحتار میں قہستانی سے ہے کہ چھوٹی مسجد سے مراد وہ ہے جوساٹھ ہاتھ سے کم ہو، بعض نے چالیس ہاتھ کہااور مختاریہی ہے جیساکہ اس کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔(ت)

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۵

[2] تقریرات الرافعی علی ردالمحتار مطلب اذاقرأ تعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶۹

[3] ردالمحتار، مطلب اذاقرأ تعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ، ۱/ ۴۶۹ ردالمحتار،

[4] ردالمحتار، مطلب اذاقرأ تعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ، ۱/ ۴۶۹

اقول: یہاں گز سے گزِ مساحت مراد ہونا چاہئے۔

لانہ الالیق بالممسوحات کماقالہ الامام قاضی خاں فی الماء فھھنا ھو المتعین بالاولٰی۔	کیونکہ ممسوحات کے یہی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ قاضی خاں نے پانی کے بارے میں کہا، پس یہاں بطریق اولٰی یہی متعین ہوگا۔(ت)

اور گزمساحت ہمارے اس گز سے کہ اڑتالیس انگل یعنی تین فٹ کا ہے ایک گزدو گرہ اور دو تہائی گرہ ہے کمابیناہ فی بعض فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے بعض فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) تو اس گز سے چالیس گزمکسر ہمارے سے چون ۵۴ گزسات گرہ کانواں حصہ ہوا کمالایخفی علی الحاسب (جیسا کہ حساب دان پر مخفی نہیں ہے۔ت) تو اس زعمِ علامہ پر ہمارے گز سے چون ۵۴ گزسات گرہ مکسر مسجد صغیر ہوئی اور ساڑھے چون (۵۴۱/۲) گزمسجد کبیر، یہ ہے وہ کہ انہوں نے لکھا اور علامہ شامی نے اس میں ان کا اتباع کیا۔

اقول: مگر یہ شبہہ ہے کہ فاضل مذکور کو عبارت جواہر سے گزرا، عبارتِ جواہر الفتاوٰی دربارہ دار ہے نہ کہ دربارہ مسجد، مسجد کبیر صرف وہ ہے جس میں مثل صحرا اتصال صفوف شرط ہے جیسے مسجد خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، باقی عام مساجد اگرچہ دس ہزار گزمکسر ہوں مسجد صغیر ہیں اور ان میں دیوار قبلہ تک بلاحائل مرور ناجائز، کمابیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶۳ : از کلکتہ فوجداری بالاخانہ ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب   آخر ربیع الاخری ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو قعدہ اولٰی میں اپنی عادت سے دیر لگی اور مقتدی نے بخیال اس امر کے کہ امام کو سہو ہوا ہوگا تکبیر بآواز بلند بنابر اطلاع امام کہی تو نماز مقتدی کی فاسد ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجّروا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظًا قرات یا ذکر مثلًا تسبیح و تکبیر ہے اور یہ سب اجزا واذکار نماز سے ہیں مگر معنًی کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے، پرظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کلام ہونے میں کیا شک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یا ذکر، ولہٰذا اگر نماز میں کسی یحیٰی نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیہ کریمہ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ[1] پڑھی بالاتفاق نماز

[1] القرآن ۱۹/۱۲

جاتی رہی حالانکہ وہ حقیقۃً قرآن ہے، اس بنا پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ بر محل ہو مفسد نماز ہو کہ جب وہ بلحاظ معنی کلام ٹھہرا تو بہر حال افساد نماز کرے گا مگر حاجت اصلاح نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور بحکم استحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص وضرورت ہے جواز کا حکم دیا، ولہٰذا صحیح یہ ہے کہ جب امام قرات میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگرچہ قدرواجب پڑھ چکا ہو اگرچہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورت اولیٰ میں گو واجب ادا ہو چکا مگر احتمال ہے کہ رکنے اور الجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسد نماز ہو، لہٰذا مقتدی کو اپنی نماز درست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے، بعض عوام حفاظ کو مشاہدہ کیا گیا کہ جب تراویح میں بھولے اور یاد نہ آیا تو ایں آں یا اور اسی کی قسم الفاظ بے معنی ان کی زبان سے نکلے اور فساد نماز کا باعث ہوئے، اور صورت ثانیہ میں اگرچہ جب قرات رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فساد نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نص وارد:

وھو حدیث سورۃ المومنین الذی ذکرہ المحقق فی الفتح وغیرہ فی غیرہ مع اطلاقات احادیث اخر واردۃ فی الباب کما بینہ فی الحلیۃ من المفسدات، اقول والاحسن من کل ذٰلك التمسك بما اخرج ابوداؤد وعبداللہ ابن الامام فی زوائد المسند عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فترك اٰیۃ فقال لہ رجل یارسول اللہ اٰیۃ کذا وکذا فقال فھلا اذکرتنیھا[1] وذٰلك لان حدیث الفتح فی ترك کلمۃ وھوانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ فی الصلاۃ سورۃ المومنین	اور وہ سورہ مومنین کے بارے میں حدیث وارد ہے محقق نے فتح میں اور دیگر فقہا نے مختلف کتب میں اسے ذکر کیا باوجودیکہ دیگر احادیث اس باب میں مطلق ہیں جیسا کہ حلیہ میں مفسدات صلوٰۃ کے باب میں بیان ہوا ہے اقول (میں کہتا ہوں) سب سے احسن تمسک کے لحاظ سے وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد اور عبداللہ بن امام احمد نے زوائد مسند میں حضرت مِسوَر بن یزید مالکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیت تو ایسے ہے، تو آپ نے فرمایا: تو نے مجھے یاد کیوں نہ کرائی، اور وہ اس لئے کہ حدیث جو ایک کلمہ کے ترک پر لقمہ دینے

[1] سنن ابوداؤد باب الفتح علی الامام فی الصلاۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳۱

فترك كلمة فلما فرغ قال الم يكن فيكم أبي قال بلى قال هلا فتحت علی [1] فظاھر ان حکم ترك كلمة اضيق من حكم الانتقال من اٰية الى اٰية۔ واثر علی کرم الله تعالٰی وجهه اذا ستطعمکم الامام فاطعموه [2] رواه سعيد بن منصور فی سننه وذكره فی الحلية والفتح. فيما اذا سكت الامام ينتظر الفتح، وحديث انس رضی الله تعالٰی عنه كنا نفتح علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم علی الائمة [3] رواه الدارقطنی والحاکم وصححه مجمل بخلاف ماذكرنافقيه تصريح ترك اٰية وان كان قد يقال علی هذا و علی ماتمسك به فی الفتح من حديث الكلمة انهما من وقائع العين ليس فيهما ان ذٰلك كان بعد ثلاث اوقبلها۔	کے بارے میں ہے یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں سورہ مومنون کی تلاوت فرمائی اور ایک کلمہ چھوڑ دیا جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم میں اُبی نہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! موجود ہوں، فرمایا: مجھے لقمہ کیوں نہ دیا۔ اور یہ واضح ہے کہ کلمہ کا ترک کرنا ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے سے زیادہ تنگ ہے اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، کا کہنا ہے کہ جب امام تم سے لقمہ چاہے تو لقمہ دو، اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، حلیہ اور فتح میں اسے اس صورت کے بارے میں کہ، جب امام خاموش ہوجائے اور لقمہ کا انتظار کرے، ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث کہ ہم رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اپنے ائمہ کو لقمہ دیا کرتے تھے اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا، یہ حدیث مجمل ہے، بخلاف اس حدیث کے جو ہم نے ذکر کی، اس میں ترک آیت کی تصریح ہے اگرچہ اس آیت کے ترک والی اور وہ حدیث جس میں کلمہ کا ترک مذکور ہے جس سے فتح القدیر میں استدلال کیا گیا ہے، پر اعتراض کیا گیا ہے، یہ خاص واقعات ہیں اس میں اس بات کا تذکرہ نہیں کہ یہ تین آیات پڑھنے کے بعد ہوا یا پہلے ہو۔ (ت)

ولہٰذا اگر کوئی مکان میں آنے کا اذن چاہے اور یہ اس غرض سے کہ اسے نماز میں ہونا معلوم ہوجائے تسبیح یا تکبیر یا تہلیل کہے نماز فاسد نہ ہوگی کہ اس بارے میں بھی حدیث وارد،

[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۸
[2] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۸
[3] سنن الدارقطنی باب تلقین المأموم لامامہ الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۳۹۹

ترجمہ	متن
یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو ہمارے علماء نے ہدایہ، کافی، تبیین، فتح، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جس شخص کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو وہ تسبیح کہے، اسے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اقول: (میں کہتا ہوں) سب سے اقرب وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے مسند میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کیا ہے کہ میرے لئے سحری کے وقت میں ایک خاص وقت تھا جس میں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو تسبیح پڑھ کر مجھے اندر آنے کی اجازت دیتے الخ الحدیث (ت)	وھو علی ماذکر علمائنا فی الھدایۃ و الکافی والتبیین والفتح والحلیۃ والغنیۃ والبحر وغیرھا حدیث سھل بن سعد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نابہ شیئ فی صلاتہ فلیسبح [1] اخرجہ الشیخان وغیرھما۔ اقول: والاقرب مااخرج احمد فی المسند عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ قال کان لہ ساعۃ من السحر ادخل فیھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان کان قائما یصلی سبح [2] لی الحدیث۔

بس جو بتانا حاجت ونص کے مواضع سے جدا ہو وہ بیشک اصل قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اس کے حکم کا کوئی معارض نہیں اس لئے اگر غیر نمازی یا دوسرے نمازی کو جو اس کی نماز میں شریک نہیں یا ایک مقتدی دوسرے مقتدی یا امام کسی مقتدی کو بتائے قطعًا نماز قطع ہوجائے گی کہ اس کی غلطی سے اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آتا تھا جو اسے حاجت اصلاح ہوتی تو بے ضرورت واقع ہوا اور نماز گئی بخلاف امام کہ اس کی نماز کا خلل بعینہٖ مقتدی کی نماز کا خلل ہے تو اس کا بتانا اپنی نماز کا بنانا ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

ترجمہ	متن
ماتن کا قول (نمازی کا اپنے امام کے غیر کو لقمہ دینا) کیونکہ یہ بغیر ضرورت تعلیم و تعلم ہونے کی وجہ سے لوگوں کے کلام کی طرح ہوگا۔ اس کا قول " اپنے	قولہ وفتحہ علی غیر امامہ لانہ تعلیم وتعلم من غیر ضرورۃ فکان من کلام الناس وقولہ علی غیر امامہ یشمل فتح

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب من دخل لیؤم الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۴

[2] مسند احمد بن حنبل مسند علی ابن ابی طالب دار الفکر بیروت ۱/ ۷۷

المقتدی علی المقتدی وعلی غیر المصلی وعلی المصلی وحدہ وفتح الامام المنفرد علی ای شخص کان وکل ذٰلك مفسد الا اذا قصدبه التلاوۃ دون الفتح[1] ھ ملخصا	امام کے علاوہ" کے الفاظ، مقتدی کا مقتدی کو، غیر نمازی تنہا نمازی کے لقمہ کو اور امام اور منفرد کا کسی بھی دوسرے شخص کو لقمہ دینے کو شامل ہیں اور ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی جب تلاوت مقصود ہو، لقمہ دینا مقصود نہ ہواھ تلخیصًا (ت)

درمختار میں ہے:

یفسدھا کل ماقصد به الجواب اوالخطاب کقوله لمن اسمه یحیٰی، یایحیٰی خذ الکتٰب بقوۃ[2] ھ ملخصا۔	ہروہ شے نماز کو فاسد کردے گی جس سے جواب یاخطاب مقصود ہو جیسا کہ یحیٰی نامی شخص کو یہ کہنا یایحیٰی خذالکتاب بقوۃ (اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ) اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوالخطاب الخ ھذا مفسد بالاتفاق وھو مما اورد نقضا علی اصل ابی یوسف فانه قراٰن لم یوضع خطا بالمن خاطبه المصلی وقد اخرجه بقصد الخطاب عن کونه قراٰنا وجعله من کلام الناس[3]۔	اس کا قول" اوالخطاب" بالاتفاق مفسد نماز ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن سے امام ابویوسف کے قاعدے پر نقض وارد ہوتا ہے کہ یہ قرآن ہے اس کی وضع اس لئے نہیں کہ کوئی شخص اس سے نمازی کو مخاطب کرے، حالانکہ (وجہ یہ ہے) کہ اس نے اسے قصد خطاب کے طور پر، قرآن ہونے سے خارج کیا اور اسے کلام الناس میں شامل کردیا ہے۔(ت)

علامہ ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

الذی یفتح کانه یقول خذ منی کذا والتعلیم لیس من الصلاۃ فی شیئ	لقمہ دینے والا گویا کہہ رہا ہوتا ہے کہ " مجھ سے یہ لے لو" اور سکھانا نماز کا حصہ نہیں اور ایسی

[1] تبیین الحقائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ امیریہ کبرٰی بولاق مصر ۱/۱۵۶
[2] الدرالمختار باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

وادخال مالیس منها فیها یوجب فسادها وکان قضیة هذا المعنی ان تفسد صلاته اذا فتح علی امامه لکن سقط اعتبار التعلیم للاحادیث و للحاجة الی اصلاح صلاة نفسه فماعدا ذلك یعمل فیه بقضیة القیاس[1] ھ ملخصا بالمعنی۔	شیئ کا نماز میں داخل کرنا جو نماز میں سے نہیں نماز کے فساد کا سبب ہے۔ اس بات کے پیش نظر ہونا یہی چاہئے کہ جب امام کو لقمہ دیا جائے تو بھی نماز فاسد ہوجائے لیکن اس صورت میں نماز کے فساد کا حکم اس لئے جاری نہیں کیاجاتا کہ احادیث میں اس کی اجازت ہے اور نماز کی اصلاح کی بھی حاجت ہے البتہ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں قیاس پر عمل کیاجائے گا(یعنی نماز فاسد ہوجائے گی) ملخصًا بالمعنٰی۔(ت)

اُسی میں ہے:

هذا قد استعمل فی موضع الجواب وقد ارید ذٰلك منه وفهم فیصیر من هذا الوجه کلام الناس فیفسد و ان لم یکن من حیث الصیغة فی الاصل من کلامهم فالقیاس فساد الصلٰوة الا انا ترکناه بالنص والمعدول به عن القیاس لایقاس علیه[2] ھ ملخصا۔	یہ جواب میں مستعمل ہے اور یہاں وہی مراد اور مفہوم ہے لہٰذا یہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کی وجہ سے مفسد نماز ہے اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے لوگوں کے کلام میں سے نہیں۔ تو قیاس کاتقاضا ہے کہ نماز فاسد ہوجائے مگر نص کی بناپر قیاس ترک کردیااور جوخود خلافِ قیاس ہوں اس پر قیاس نہیں کیاجاسکتااھ ملخصًا(ت)

اُسی میں ہے:

(م) ان فتح بعد ماقرأ قدرماتجوز به الصلاة تفسد (ش) لانه لیس فیه اصلاح صلاته فیبقی تعلیما وجوابا له وان اخذ الامام بفتحه تفسد صلاة الکل(م)	(متن) اگر یہ لقمہ اتنی قرات کے بعد دیا جس سے نماز ہوجاتی ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح نہیں ہے لہٰذا یہ تعلیم وجواب ہوگا اور اگرامام نے لقمہ لے لیاتو تمام کی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الصحیح لا(ش) کذا فی الخانیة والخلاصة ونص القاضی فی شرح الجامع الصغیر انه الاصح وعلله هو وغیره بانه لولم یفتح ربما جری علی لسانه مایکون مفسدا فکان بمنزلة الفتح والاولی فی التعلیل حدیث المسوربن یزید واطلاق ماروی عن علی و عن انس رضی الله تعالٰی عنه (م) وان انتقل الامام الی اٰیة اخری ففتح علیه بعد الانتقال تفسد(ش) لوجود التلقین من غیرضرورہ کذا فی الهدایة وغیرها وجعل صاحب الذخیرة هذا محکیا عن القاضی الامام ابی بکر الزر نجری وان غیره من المشائخ قالوا لاتفسد کذا نقلوه عن المحیط واخذ من هذا صاحب النهایة ان عدم الفساد قول عامة المشائخ ووافقه شیخنا رحمه الله تعالٰی علی ذلك وهو الاوفق لاطلاق الرخص الذی رویناه[1] اھ ملخصاً۔	نماز فاسد ہوجائے گی۔ (متن) صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی (شرح) اسی طرح خانیہ اور خلاصہ میں ہے اور قاضی نے شرح جامع الصغیر میں کہا ہے کہ یہی اصح ہے اور انہوں نے اور دیگر لوگوں نے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ لقمہ نہیں دے گا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسی چیز جاری ہوجاتی ہے جو نماز کے لئے مفسد ہوتی اس لئے وہ لقمہ ہی ہوگا، حضرت مِسوَر بن یزید سے مروی اور وہ جو حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کا اطلاق علت کے بیان کے لئے بہتر ہے (متن) اور اگر امام کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا اور اسے انتقال کے بعد لقمہ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تلقین ہے، ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح ہے، اور صاحب ذخیرہ نے اسے قاضی امام ابوبکر الزرنجری نے نقل کیا ہے اگرچہ ان کے علاوہ دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہں ہوتی، محیط سے اسی طرح منقول ہے، اسی سے صاحب نہایہ نے لیا اور کہا کہ اکثر مشائخ کا قول عدم فساد ہے اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسی کی موافقت کی ہے اور یہ ان رخصتوں کے اطلاق کے بھی زیادہ موافق ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اھ تلخیصًا (ت)

فتح القدیر میں ہے:

خرج قصد اعلام الصلاة بالحدیث لالانه لم یتغیر بعزیمته فیبقی ماوراءہ علی	نماز میں ہونے کی قصداً اطلاع کرنا، حدیث کی وجہ سے مفسدات سے خارج ہے، نہ اس لئے کہ اس کے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المنع[1] ھ ملخصاً	عزم وارادہ سے تغیر نہیں ہوا لہٰذا اس کے علاوہ صورتیں منع ہی رہیں گی اھ ملخصاً (ت)

جب یہ اصل ممہد ہولی، حکم صورت مسئولہ واضح ہوگیا ظاہر ہے کہ جب امام کو قعدہ اولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدہ اخیرہ سمجھا ہے تنبیہ کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہوگا یعنی امام قعدہ اولیٰ ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسد نماز ہوا

لقول الحلیة ان ماوراء ذلك یعمل فیه بقضیة القیاس ولقول المعدول به عن القیاس لایقاس علیه ولقول الفتح یبقی ماوراء ہ علی المنع ولقول التبیین لایقاس علیه غیرہ وھذا واضح جدا۔	حلیہ کے ان الفاظ کی وجہ سے کہ " ان کے علاوہ میں قیاس پر عمل ہوگا" اور اس کے اس قول کے پیش نظر کہ " خلاف قیاس پر قیاس نہیں ہوسکتا" اور فتح کے قول کہ " اس کے علاوہ ممنوع ہوں گے" اور تبیین کے قول کہ " اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا" اور یہ نہایت ہی واضح ہے (ت)

یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاح نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قدہ اولیٰ میں اتنی تاخیر کرچکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لاجرم یہ تاخیر بقدر کثیر ہوئی اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترک واجب ولزوم سجدہ سہو وہ ہوچکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفساد نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کرچکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہوجائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا، لہٰذا مقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فساد نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدہ اولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہوجائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدہ اولیٰ کی طرف عود ناجائز تھا تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رو سے

[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۹

کلام ٹھہر کر مفسد نماز ہوا، بحرالرائق میں ہے:

لوعرض للامام شیئ فسبح المأموم لاباس به لان المقصود به اصلاح الصلٰوۃ فسقط حکم الکلام عند الحاجة الی الاصلاح ولایسبح للامام اذا قام الی الاخریین لانه لایجوز له الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفید اکذا فی البدائع وینبغی فساد الصلوۃ به لان القیاس فسادها به عند قصد الاعلام وانما ترك للحدیث الصحیح من نابه شیئ فی صلاته فلیسبح فللحاجة لم یعمل بالقیاس فعند عدمها یبقی الامر علی اصل القیاس ثم رایته فی المجتبی قال ولوقام الی الثالثة فی الظهر قبل ان یقعد فقال المقتدی سبحٰن الله قیل لاتفسد وعن الکرخی تفسد عندهما[1]ھ وبه انتهٰی مانقلناه عن البحر۔	اگر امام کو عارضہ پیش آگیا مقتدی نے لقمہ دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے مقصود نماز کی اصلاح ہے لہٰذا حاجت اصلاح کی وجہ سے اس سے حکم کلام ساقط ہوگیا، اگرامام آخری دو رکعات کی طرف اٹھ جائے تو اسے لقمہ نہ دیا جائے کیونکہ اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہے تو اب اس کے لئے لوٹنا جائز نہیں لہٰذا لقمہ اس کے لئے مفید نہیں۔ البدائع میں ایسے ہے، اور اس سے نماز فاسد ہوجانی چاہئے کیونکہ یہ قیاس کا تقاضا ہے کہ جب مقصود امام کو اطلاع ہو تو نماز فاسد ہوجائے البتہ اس حدیث صحیح کی بناپر اس قیاس کو ترک کردیں گے کہ جس کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو تو وہ تسبیح کہے، تو حاجت کے پیش نظر قیاس پر عمل نہ ہوگا اور جب حاجت نہ ہوگی تو معاملہ اصل قیاس پر ہی رہے گا پھر میں نے مجتبٰی میں دیکھا اگر نماز ظہر میں امام قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف اٹھا اور مقتدی نے سبحان اللہ کہا تو بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام کرخی سے منقول ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور یہاں بحر سے منقول عبارت ختم ہوگئی۔ قلّت اس کا قول "عندھما" سے مراد طرفین ہیں کیونکہ انہی کا قول ہے کہ تبدیلی عزم سے ذکر تبدیل ہوجاتا ہے
قلت وقوله عندهمایرید به الطرفین فان مذهبهما تغیر الذکر بتغیر العزیمة خلافا لابی یوسف فعنده ماکان ذکرا بصیغته لاتعمل فیه النیة وکذا قوله اعنی المجتبی لوسبح اوهلل یرید زجراعن فعل اوامرابه فسدت عندهما[2]ھ فانما ارادالطرفین	

[1] بحرالرائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

[2] بحرالرائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

رضی اللہ تعالٰی عنہما **ثم اقول:** وباللہ التوفیق لایبعد ان یکون قام فی القیل للارادۃ کقولہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ[1] وفی روایۃ الکرخی للحقیقۃ کقولہ تعالٰی وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ[2] الاٰیۃ وھذا جمع کماتری حسن ان شاء اللہ تعالٰی والافلاشك ان الدلیل مع الکرخی وانہ ھوقضیۃ مذھب الامام والامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما فعلیہ فلیکن التعویل فان قیل فی القیل لواراد الارادۃ فما الوجہ لتخصیص المسئلۃ بالذکر فانھا معلومۃ من اطلاق قولھم لوعرض للامام شیئ الخ اقول بلی کان لمتوھم ان یتوھم عدم الجواز ھھنا مطلقا کمایتوھم من ظاھر لفظ البدائع لایسبح للامام اذاقام	بخلاف امام ابویوسف کے، ان کے نزدیک الفاظ ذکر میں نیت کادخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس یعنی المجتبٰی کاقول اگراس نے سبحان اللہ کہا یا لاالٰہ الا اللہ، اور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یاکسی عمل کا حکم ہوتو ان دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ اس سے مراد طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں **ثم اقول:** وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) یہ بھی ممکن ہے کہ مجتبٰی کی عبارت میں قام کامعنی ارادہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی میں ہے" اے اہل ایمان! جب تم نماز کا ارادہ کرو" اورروایتِ کرخی میں حقیقی معنی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے" جب اللہ کا بندہ کھڑاہو کر اپنے رب کو پکارتاہے"۔آپ نے دیکھا یہ نہایت ہی اچھاتطابق ہے ان شاء اللہ تعالٰی، ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیل کرخی کاساتھ دیتی ہے اور یہی ضابطہ ہے امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب کا، اس بناپر اس پر اعتماد کرناچاہئے، اگرسوال ہو کہ عبارت میں اگرارادہ مراد ہے تواس مسئلہ کاخصوصًا کیوں ذکرہوا؟ کیونکہ اس کاعلم توفقہاکے اس قول" اگرامام کو کوئی عارضہ لاحق ہو" کے اطلاق سے ہی ہورہاہے اقول (میں کہتاہوں) کیوں نہیں

[1] القرآن ۵/۶
[2] القرآن ۷۲/۱۹

الی الاٰخریین[1] حیث لم یفصل والحاوی علی الوھم ان المقتدی لایطلع علی قیام الامام بفورہ بل یتاخر ذلك عن افاضتہ فی القیام ولولحظات کما ھو معلوم مشاھد فعند ذلك یسبح ثم الامام لاینبہ بفور مابدأ المقتدی بحرف التسبیح بل یتاخرولو لحظۃ ثم ھو ربما لایتذکر بمجرد السماع والتنبہ علی تنبیھہ بل قدیحتاج الی شیئ من التامل فھذہ ثلث وقفات والامام اذا نھض نھض ولم یکن فیہ تدرج یقتضی مکثا معتدا بہ فربما لایتنبہ بتسبیحہ الابعد مافات وقت العود لاسیما علی قول من قال بفواتہ اذ اقرب الی القیام کما ھو مختار صاحب البدائع و الھدایۃ والوقایۃ والکنز وغیرھم من الجلۃ الکرام وان کان الاصح العبرۃ بتمام القیام کما اعتمدہ فی مواھب الرحمٰن ونور الایضاح	گویا کوئی وہم کرنے والا یہ تصور کرسکتا تھا کہ یہاں مطلقًا لقمہ ناجائز ہے جیسا کہ بدائع کے ان الفاظ کے ظاہر سے وہم کیاجاسکتاہے کہ " امام جب آخری رکعتوں کی طرف کھڑا ہوجائے تو سبحان اللہ نہ کہاجائے" تویہاں انہوں نے کوئی فرق نہیں کیااور یہاں منشاء وہم یہ بات ہے کہ مقتدی فی الفور امام کے قیام پر مطلع نہیں ہوتا بلکہ قیام کی طرف مائل ہونے کے بعد مطلع ہوتاہے اگرچہ کچھ لمحات ہی ہوں جیساکہ معلوم ومشاہد ہے تو اس وقت مقتدی سبحان اللہ کہے گا، پھر امام بھی مقتدی کے لقمہ پر فی الفور متوجہ نہیں ہوتا بلکہ معاملہ متاخر ہوتاہے خواہ ایک لمحہ بعد ہی ہو، پھر بعض اوقات اسے صرف سماع اور توجہ دلانے سے یاد نہیں آجاتا بلکہ کچھ نہ کچھ غوروفکر کا محتاج ہوتاہے، تویہ تین وقفے ہوئے، توامام جب کھڑاہوتاہے، توکھڑاہوجاتاہے اس میں ایسی تدریج نہیں جو قابل ذکر ٹھہرنے کاتقاضا کرے، بعض اوقات مقتدی کی تسبیح سے بھی متوجہ نہیں ہوپاتا مگراس وقت جب لوٹنے کاوقت ختم ہوچکاہو خصوصًا اس قول کے مطابق جوکہتے ہیں کہ جب قیام کے زیادہ قریب ہو تو رجوع فوت ہوجاتاہے جیساکہ صاحب بدائع، ہدایہ، وقایہ، کنزاور دیگر جلیل القدر فقہاء نے اختیار کیاہے، اگرچہ اصح یہ ہے کہ اعتبار کامل قیام کاہے جیسا کہ اس پر مواہب الرحمٰن، نورالایضاح، تنویر، فتح،

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان حکم الاستخلاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۵

والتنویر والفتح والدر المختار وغیرها وجعله فی الدر ظاهر المذهب۔واذا کان الامر علی ماوصفنا لك فعسی ان یتوهم کونه عبثا مطلقا فیحکم بفساد الصلوٰة به علی الاطلاق فمست الحاجة الی التصریح بذلك فان المسموع هوکونه مفید احین وقوعه وهوکذٰلك فی فورالقیام ولربما یرجی العود به بل ربما یقع وهذا حسبه ولایضره ان تعجل الامام ولم یلتفت کما اذا فتح ولم یاخذ فانقلت یحتمل ان الامام لماظن ان صلاته تمت لعله یتعمد الکلام اوالذهاب اوالضحك قبل ان یسلم۔	درمختار وغیرہ میں اعتماد کیاگیاہے اور در میں اسے ظاہر مذہب قرار دیا ہے، اور جب معاملہ اس طرح ہے جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے توقریب ہے اس کے مطلقًا عبث ہونے کے وہم پر مطلقًا فساد نماز کا حکم کردیا جائے لہذا اس کی تصریح کی حاجت وضرورت پیش آئی کیونکہ اس کے وقوع کے وقت لقمہ کا مفید ہونا قابل اعتبار ہے اور علی الفور قیام کے وقت لقمہ میں یہ صورت ہے اور بسااوقات لوٹنے کی امید کی جاتی بلکہ بعض دفعہ لوٹنے کا وقوع ہوتا ہے اور مفید ہونے کے لئے یہی کافی ہے اور امام کا جلدی کرنا اور متوجہ نہ ہونا نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس صورت میں جب لقمہ دیا مگر امام نے نہ لیا۔ اگر آپ سوال کریں (قعدہ لمبا ہونے پر سلام سے پہلے لقمہ دینے میں فائدہ ہے) کیونکہ ممکن ہے امام نے گمان کیا ہو کہ نماز مکمل ہوگئی ہے پھر وہ دانستہ طور پر قبل از سلام کلام کرنے یا چلے جانے یا ہنسنے کا ارادہ کرلے۔
قلت هذا فی غایة البعد ولا یتوقع من المسلم بل هو اسائة ظن به والفقه لایبنی علی نادر فضلا عما عساه لم یقع قط بل هواحتمال علی احتمال لان ظن الامام تمام الصلوٰة ایضا غیرمعلوم کما قدمنا فکان شبهة الشبهة ولاعبرة بها اصلا، هذا ماوقع فی الحلیة	**قلت** (میں کہتاہوں) یہ نہایت ہی بعید ہے اور اس بات کی کسی مسلمان سے توقع نہیں بلکہ کسی مسلمان کے بارے میں ایسا گمان کرنا بھی گناہ ہے اور کسی نادر معاملہ پر فتوٰی نہیں ہوا کرتا چہ جائیکہ جس کا امکان کبھی واقع نہ ہو بلکہ یہ احتمال دراحتمال ہے کیونکہ امام کا اتمام نماز کا گمان کرنا بھی معلوم نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گویا یہ اتمام کے گمان کے بعد کلام وغیرہ کا گمان شبہ کا شبہ ہے لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، یہ وہ ہے جو حلیہ میں

نقلا عن المحيط الرضوی اذا فتح علی امامه یجوز مطلقا لان الفتح وان کان تعلیما ولکن التعلیم لیس بعمل کثیر وانه تلاوۃ حقیقة فلایکون مفسدا وان لم یکن محتاجا الیه[1] ھ **فاقول**: یجب ان یحمل فیه لام" التعلیم" علی العهد ای ھذا التعلیم من المقتدی للامام کمثل لام" الفتح" فلیس المراد الاھذا الفتح' لامطلقا ولومن غیر مقتدعلی امامه وذٰلك لان کون مطلق التعلیم من العمل القلیل باطل بداھة وتشھد به فروع فی المذھب متواترات بل قدنص فی الفتح فی نفس مسئلة الفتح ان التکرار لم یشترط فی الجامع ای ان الجامع الصغیر لم یشترط للافساد تکرار الفتح بل حکم به مطلقا قال وھوالصحیح وکذا صححه فی الخانیة وقد علم ھذا من مذھب الامام فانه اذا جعل کلاما فقلیله و کثیرہ سواء فاعرف وتثبت وباللّٰه التوفیق ھذا ماعندی واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	محیط رضوی کے حوالے سے مذکور ہے کہ امام کو لقمہ دینا ہر حال میں جائز ہے کیونکہ لقمہ دینا اگرچہ تعلیم ہے لیکن تعلیم عمل کثیر نہیں ہے اور یہ توحقیقت میں تلاوت ہے للذایہ مفسد نماز نہیں، اگرچہ اس کی احتیاجی نہ ہو۔ **اقول**: یہاں پر لفظ تعلیم کے الف لام کو عہدِ خارجی ماننا ضروری ہے کیونکہ اس سے مراد وہی تعلیم ہے جو مقتدی کی امام کے لئے ہو جیسا کہ الفتح کے الف لام کا معاملہ ہے کیونکہ یہاں لقمہ سے بھی خصوصی لقمہ مراد ہوگا ہر لقمہ نہیں کہ اگرچہ وہ غیر مقتدی کا امام کے لئے ہو، وہ اس لئے کہ ہر تعلیم کا عمل قلیل ہونا بداہۃً باطل ہے اور اس پر مذہب کی فروعات بڑی تواتر کے ساتھ گواہ ہیں بلکہ فتح میں اس مسئلہ لقمہ میں تصریح ہے کہ جامع میں تکرار کو شرط نہیں کیا یعنی جامع صغیر نے نماز فاسد ہونے کے لئے تکرار لقمہ کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ مطلقًا حکم جاری کیا اور کہا یہی صحیح ہے، اسی طرح اسے خانیہ نے بھی صحیح قرار دیا اور مذہب امام کے حوالے سے یہ معلوم ہے کہ جب انہوں نے اسے کلام قرار دیا ہے تو اب کلام کے قلیل اور کثیر کا ایک ہی حکم ہوگا، اسے اچھی طرح جان لو اور ثابت رہو، اور توفیق اللہ ہی سے ہے یہ ہے جو کچھ میرے پاس تھا اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی ہی زیادہ جاننے والا ہے(ت)

مسئلہ ۹۶۴: از کلکتہ نل موتی گلی نمبر ۱۸ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں اکثر لوگ بے پڑھے نماز ظہر وعصر ومغرب وعشاکے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فرض تنہا پڑھنے کی حالت میں تکبیرات انتقالیہ بجہر اس غرض سے کہتے ہیں کہ دوسرے نمازی معلوم کرلیں کہ یہ شخص فرض پڑھتاہے اور شریک ہوجائیں اس صورت میں جہر کے ساتھ تکبیر کہنے سے نماز میں فساد ہوتاہے یانہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہاہے دوسرا شخص آیا اور منتظر اس امر کاہے کہ یہ نمازی بجہر تکبیر کہے تو میں شریک ہوجاؤں، چنانچہ اس نے اس کی اطلاع کی غرض سے تکبیر جہر کے ساتھ کہ اس صورت نماز فاسد ہوگی یا صحیح؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دونوں صورتوں میں اگر نمازیوں نے اصل تکبیرات انتقال بہ نیت ادائے سنت وذکرالٰہی عزوجل ہی کہیں اور صرف جہر بہ نیت اطلاع کیاتو نماز میں کچھ فسادنہ آیا، ردالمحتار میں ہے:

وقال فی البحر ومما الحق بالجواب مافی المجتبٰی لوسبح اوھلل یرید زنجرا عن فعل اوامرابہ فسدت عندھما ھ قلت والظاھر انہ لولم یسبح ولکن جھر بالقراءۃ لاتفسد لانہ قاصد للقرائۃ وانما قصد الزجر اوالامربمجرد رفع الصوت تأمل[1] ھ۔	بحر میں ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جواب سے تعلق ہے وہ ہیں جو مجتبٰی میں ہیں اگر مقتدی نے سبحان اللہ کہا یا لاالٰہ الااللہ کہااور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یا کسی عمل کا حکم تھا توان دونوں (طرفین) کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ میں کہتاہوں ظاہر یہی ہے کہ اگر اس نے سبحان اللہ نہیں کہا لیکن قرأت بلند آواز سے کی تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس سے مقصد قرأت ہے اور آواز کی بلندی کے ذریعے توصرف زجر یا حکم مقصود ہے تأمل اھ (ت)

اور شک نہیں کہ واقعاایسا ہی ہوتاہے نہ یہ کہ نفس تکبیر ہی سے ذکر وغیرہ کچھ مقصودنہ ہو صرف بغرض اطلاع بہ نیت مذکورہ کہی جاتی ہو، ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا قصد کرے تواس کی نماز ضرور فاسد ہوجائے گی علی قول الامام والامام محمد خلافا للامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ (یہ امام اعظم اور امام محمد کے قول کے مطابق ہے بخلاف امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے۔ت) **اقول:** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ ان مسائل میں حضرات طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اصل یہ ہے کہ نمازی جس لفظ سے کسی ایسے معنی کاافادہ کرے جو اعمال نماز سے نہیں وہ

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۹

کلام ہو جاتا اور مفسد نماز قرار پاتا ہے اگرچہ لفظہ فی نفسہٖ ذکر الٰہی یا قرآن ہی ہو اگرچہ اپنے محل ہی میں ہو، مثلاً کسی موسٰی نامی شخص سے نمازی نے کہا: ماتلک بیمینک یا موسٰی (اے موسٰی! تیرے تھ میں کیا ہے؟ نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ الفاظِ آیہ کریمہ ہیں۔ یا التحیات پڑھ رہا تھا جب کلمہ تشہد کے قریب پہنچا مؤذن نے اذان میں شہادتیں کہیں اس نے نہ بہ نیت قرأت تشہد بلکہ بہ نیت اجابت مؤذن اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدًا عبدہ، ورسولہ، کہا نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ ذکر اپنے محل ہی میں تھا۔ بحر الرائق میں ہے:

اذا ذکر فی التشھد الشھادتین عند ذکر المؤذن الشھادتین تفسد ان قصد الاجابۃ[1] ھ	جب دورانِ تشہد شہادتین کاذکر مؤذن کے ذکرِ شہادتین کے موقع پر کرتاہے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اگراذان کاجواب مقصود ہواھ (ت)

مگر جبکہ ایسا قصد بضرورت اصلاح نماز ہو جیسے مقتدیوں کاامام کو بتانا یااس کے جواز میں خاص نص آگیا ہو جیسے کوئی دروازے پر آواز دے یہ نماز پڑھتاہو اس کو مطلع کرنے کے لئے سبحان اللّٰہ یالاالٰہ الااللّٰہ یااللّٰہ اکبر کہے توصرف ان صورتوں میں نماز نہ جائے گی اور ان کے ماوراء میں مطلقاً اسی اصل کلی پر عمل ہو کر فساد نماز کاحکم دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

قلنا خرج قصد اعلام الصلاۃ بقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذانابت احدکم نائبۃ وھو فی الصلاۃ فلیسبح الحدیث اخرجہ الستۃ لالانہ لم یتغیر بعزیمتہ کما لم یتغیر عند قصد اعلامہ فان مناط کونہ من کلام الناس کونہ لفظا افید بہ معنی لیس من عمال الصلاۃ لاکونہ وضع لافادۃ ذٰلك فیبقی ماوراء ہ علی المنع[2] الخ قلت وقد اوضحنا المسألۃ بنقولھا فیما تقدم من فتاوٰنا۔	ہم کہتے ہیں کہ نماز میں اصلاح کاقصد، حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک کہ" جب کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آجائے تو وہ تسبیح کہے" کے تحت اس حکم سے خارج ہے۔اس حدیث کو صحاح ستّہ نے بیان کیاہے اس لئے نہیں کہ اس میں تبدیلی بالارادہ نہیں کیونکہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کامدار اس پر ہے کہ وہ الفاظ ہوں جوایسے معانی کافائدہ دیں جواعمال نماز میں سے نہیں، نہ کہ وہ الفاظ ان معانی کے افادہ کے لئے موضوع ہوں لہذا اس کے علاوہ ممنوع ہی رہیں گے الخ قلت ہم نے اس مسئلہ کو سابقہ گفتگو میں خوب واضح کیاہے۔(ت)

---

[1] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶

[2] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۹

اور شک نہیں کہ جب نمازی نے اللہ اکبر یا سمع اللہ لمن حمدہ صرف اس اطلاع کی نیت سے کہا کہ میں پڑھ رہا ہوں میرے شریک ہو جاؤ، تو یہ ایک لفظ ہے جس سے ایسے معنی کا افادہ چاہا جو اعمال نماز سے نہیں کہ اعمال نماز اس کے افعال مخصوصہ معلومہ ہیں نہ کسی سے یہ کہنا کہ نماز میں مل جاؤ اور اس خصوص میں نہ نص وارد ہے نہ یہ کسی نہ جاننے والے کو اس کا بتانا ہے کہ میں نماز میں مشغول بلکہ اس سے اپنے فرض میں ہونے کا اعلام اور اپنی نماز کی طرف بلانا مقصود ہے، یہ دونوں باتیں مجرد قصد اعلام صلٰوۃ سے زائد ہیں کہ اس قدر تو وہ آنے والے خود ہی جانتے ہیں کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو یہ صورت اُن صور استثناء میں داخل نہیں اور حکم فساد نماز ہے مگر اگر اصل لفظ سے کوئی امر بیرونی مقصود نہیں بلکہ صرف رفع صوت بقصد دیگر ہے تو یہاں کوئی لفظ ایسا نہ پایا گیا جس سے کسی خارج بات کا قصد کیا گیا ہو اور تنہا رفع صوت کلام نہیں تو مناط فساد متحقق نہ ہوا ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ، نے جبکہ اُن مکبروں کی نسبت جو تکبیرات انتقالات میں گانے کے طور پر اپنی آواز بنانے کے لئے گھٹاتے بڑھاتے اور سامعین کو اپنی خوش الحانی جتانے کا قصد کرتے ہیں فساد نماز کا حکم دیا اسے دو امر پر مبنی فرمایا ایک یہ کہ ان تکبیرات سے ان کا قصد اقامت عبادت نہیں ہوتا بلکہ اپنی صناعت موسیقی کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اب یہ تکبیریں خود ہی وہ الفاظ ہیں جن سے معنی خارج کا افادہ مراد ہوا، دوسرے یہ کہ اس جزر ومد سے حروف زائد پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل کلمات تکبیر میں نہیں تو اگرچہ نفس تکبیر سے اُن کا قصد وہ نہ ہو مگر یہ حروف تو ضرور اسی قصد سے بڑھائے گئے اور اب یہ وہ الفاظ بقصد افادہ معنی خارج ہوئے بہر صورت فساد نماز چاہئے۔ فتح القدیر میں درایہ سے مکبّرین کے لئے رفع صورت کا جواز نقل کرکے اشارہ فرمایا:

مقصودہ اصل الرفع لابلاغ الانتقالات اما خصوص هذا الذی تعارفوہ فی هذا البلاد فلا یبعد انه مفسد فلانهم یبالغون فی الصیاح زیادۃ علی حاجۃ الابلاغ والاشتغال بتحریرات النغم اظهارا للصناعۃ النغمیۃ لااقامۃ للعبادۃ والصیاح ملحق بالکلام وهنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس به ولوقال اعجبوا من حسن صوتی و تحریری	تکبیرات میں آواز بلند کرنے کا اصل مقصد انتقالات کی اطلاع ہے، رہا وہ مخصوص انداز جو ان شہروں میں معروف ہے اس کا مفسد نماز ہونا بعید نہیں کیونکہ یہ مکبّرین حاجت ابلاغ سے بڑھ کر چیخنے میں مبالغہ کرتے ہے اور نغمہ کو سجانے کے لئے مشغول ہونا نغمہ سرائی ہے عبادت کا قیام نہیں اور چیخنا بھی کلام کے ساتھ ملحق ہے اور یہاں تو واضح ہے کہ مکبّر کا مقصد لوگوں کو تعجب میں ڈالنا ہے، اگر وہ یہ کہتا کہ لوگو! میری اچھی آواز اور سر پر خوش ہو جاؤ، تو اس نے نماز فاسد

فیہ افسد و حصول الحروف لازم من التلحین ھ مختصرا[1] وقد اقرہ فی النھر و استحسنہ فی الحلیۃ فقال وقد اجاد فیما اوضح وافاد۔	کردی ہوتی اور اظہار لحن سے حروف کا حاصل ہونا لازمی ہےاھ اختصارًا۔ اسے نہر نے ثابت رکھااور حلیہ میں اسے ان الفاظ سے سراہاگیاکہ وضاحت میں یہ نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے۔(ت)

علامہ شامی تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام میں فرماتے ہیں:

ان المحقق لم یجعل مبنی الفساد مجرد الرفع بل زیادۃ الرفع ملحق بالکلام بالصیاح المشتمل علی النغم مع قصد اظھارہ لذلك والاعراج عن اقامۃ العبادۃ فقول المحقق والصیاح ملحق بالکلام ای الصیاح المشتمل علی ماذکر بدلیل سوابق الکلام ولواحقہ الخ	محقق نے محض بلندی آواز کو فساد کی علت قرار نہیں دیا بلکہ بلندی میں ایسی زیادتی کو جو نغمہ پر مشتمل چیخ سے مل جائے اور اس کے اظہار کا اور اقامتِ عبادت سے اعراض کا قصد بھی ہو لہٰذا محقق کا قول کہ " الصیاح ملحق بالکلام " سے وہی چیخنا مراد ہے جو مذکورہ امور پر مشتمل ہو اس پر سابق ولاحق کلام شاہد عادل ہے الخ (ت)

اُسی میں ہے:

فحاصل کلام المحقق ان الاشتغال بتحریر النغم والتلحین والصیاح الزائد علی قدر الحاجۃ لالقصد القربۃ بل لیعجب الناس من حسن صوتہ ونغمہ مفسد من وجھین الاول مایلزم من التلحین من حصول الحرف بالمفسد غالبا و الثانی عدم قصد اقامۃ العبادۃ[2] الخ **اقول:** وللعبد الضعیف فی بعض کلام العلامۃ الشامی ھنا کلام بینتہ علی ھامشہ ولکن المرمی۔	کلام محقق کا حاصل یہ ہے کہ نغمہ، الحان اور ایسا چیخنا جو قدر حاجت سے زائد ہو، میں مشغول ہونا جس کا مقصد قربت وعبادت نہ ہو بلکہ لوگوں کو حسن آواز کی وجہ سے مسحور کرنا ہو تو یہ عمل دو وجہ سے مفسد نماز ہ اول یہ کہ الحان سے ایسے حروف کا حصول ہوجاتاہے جو غالبًا نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں، ثانی یہ کہ یہاں مقصود عبارت نہیں الخ(ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) اس عبد ضعیف کو علامہ شامی کے اس مقام پر بعض کلام میں اعتراض ہے جسے میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کیاہے(ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲۲

[2] رسائل ابن عابدین رسالہ تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۴۶

بالجملۃ جبکہ لفظ بقصد مفسد نہ ہو تو مجرد رفع صورت سے کسی معنی زائد کا ارادہ مفسد نہیں ولہذا اعلامہ حموی نے رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ میں فرمایا:

فی کون الصیاح بما ھوذکر ملحقا بالکلام نظرلان المفسد للصلاۃ الملفوظ لاعزیمۃ القلب[1] اھ ملخصا۔	مذکورہ چیخنے کو کلام کہنا محل نظر ہے کیونکہ مفسد نماز وہ ہوگا جو ملفوظ ہو ارادہ قلب مفسدِ نماز نہیں اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار سنن الصّلاۃ میں حاشیہ ابوالسعود ازہری سے ہے:

مانقل عن الطحطاوی اذا بلغ القوم صوت الامام فبلغ المؤذن فسدت صلاتہ لعدم الاحتیاج الیہ فلاوجہ لہ اذغایتہ انہ رفع صوتہ بما ھو ذکر بصیغتہ وقال الحموی وأظن ان ھذا النقل مکذوب علی الطحاوی فانہ مخالف للقواعد[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	طحاوی سے جو کچھ منقول ہے کہ لوگوں تک امام کی آواز پہنچ رہی ہو اس کے باوجود موذن بھی پہنچارہا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہاں احتیاجی ہی نہ تھی۔ اس (منقول) پر کوئی دلیل نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ رفع صوت جو ذکر کے الفاظ پر مشتمل ہے اور شیخ حموی کہتے ہیں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ قول امام طحاوی کی طرف غلط طور پر منسوب ہے کیونکہ یہ قواعد کے مخالف ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم اسی کا علم کامل واتم ہے (ت)

مسئلہ ۹۶۵: از کلکتہ فوجداری نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۳۰/رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی نے رکوع یا سجدہ امام کے ساتھ نہ کیا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد کیا تو نماز اس کی ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

ہو گئی اگرچہ بلاضرورت ایسی تاخیر سے گنہگار ہوا اور بوجہ ترک واجب اعادہ نماز کا حکم دیا جائے تحقیق مقام یہ ہے کہ متابعت امام جو مقتدی پر فرض میں فرض ہے تین صورتوں کو شامل، ایک یہ کہ اس کا ہر فعل فعل امام کے ساتھ کمال مقارنت پر محض بلافصل واقع ہوتا رہے یہ عین طریقہ مسنونہ ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ

---

[1] رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۵۱

تعالٰی عنہ کے نزدیک مقتدی کو اسی کا حکم۔ دوسرے یہ کہ اس کا فعل فعل امام کے بعد بدیر واقع ہو اگرچہ بعد فراغ امام، فرض یوں بھی ادا ہو جائے گا پھر یہ فصل بضرورت ہو اتو کچھ حرج نہیں، ضرورت کی یہ صورت کہ مثلاً مقتدی قعدہ اولٰی میں آکر ملا اس کے شریک ہوتے ہی امام کھڑا ہو گیا اب اسے چاہئے کہ التحیات پوری پڑھ کر کھڑا ہو اور کوشش کرے کہ جلد جا ملے، فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں امام رکوع میں آگیا تو اس کا قیام قیام امام کے بعد اختتام واقع ہو گا مگر حرج نہیں کہ یہ تاخیر بضرورت شرعیہ تھی اور اگر بلاضرورت فصل کیا تو قلیل فصل میں جس کے سبب امام سے جاملنا فوت نہ ہو ترک سنت اور کثیر میں جس طرح صورت سوال ہے کہ فعل امام ختم ہونے کے بعد اس نے فعل کیا ترک واجب جس کا حکم اس نماز کو پورا کرکے اعادہ کرنا۔

تیسرے یہ کہ اس کا فعل فعل امام سے پہلے واقع ہو مگر امام اسی فعل میں اس سے آملے مثلاً اس نے رکوع امام سے پہلے رکوع کردیا لیکن یہ ابھی رکوع ہی میں تھا کہ امام رکوع میں آگیا اور دونوں کی شرکت ہو گئی یہ صورت اگرچہ سخت ناجائز و ممنوع ہے اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد، مگر نماز یوں بھی صحیح ہو جائے گی جبکہ امام سے مشارکت ہولے اور اگر ابھی امام مثلاً رکوع یا سجود میں نہ آنے پایا کہ اس نے سر اٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یہ بعد اس فعل کا اعادہ نہ کیا تو نماز اصلًا نہ ہوگی کہ اب فرض متابعت کی کوئی ضرورت نہ پائی گئی تو فرض ترک ہوا اور نماز باطل۔ ردالمحتار میں ہے:

وتکون المتابعة فرضا بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامه اوبعده کما لو رکع امامه فرکع معه مقارنا اومعاقبا وشارکه فیه اوبعد مارفع منه فلولم یرکع اصلا اورکع و رفع قبل ان یرکع امامه ولم یعده معه اوبعده بطلت صلاته والحاصل ان المتابعة فی ذاتها ثلثة انواع مقارنة لفعل الامام مثل ان یقارن احرامه لاحرام امامه ورکوعه	اور متابعتِ امام اس معنی میں فرض ہے کہ مقتدی فرض کو بجالائے خواہ امام کے ساتھ یا اس کے بعد مثلاً امام نے رکوع کیا تو مقتدی اس کے ساتھ ہی رکوع کرے یا بعد میں کرے مگر اس کے ساتھ شریک ہو جائے اور یا اس کے سر اٹھانے کے بعد کرے، پس اگر مقتدی نے بالکل رکوع ہی نہ کیا یا رکوع کیا مگر امام کے رکوع جانے سے پہلے سر اٹھالیا اور امام کے ساتھ دوبارہ شامل نہ ہوا یا اس نے امام کے بعد رکوع نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ الحاصل متابعتِ امام تین [3] طرح کی ہے فعل امام سے مقارنت، مثلاً امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ، اس کے رکوع

لرکوعه وسلامه لسلامه ویدخل فیها مالورکع قبل امامه ودام حتی ادرکه امامه فیه، ومعاقبة لابتداء فعل امامه مع المشارکة فی باقیه، ومتراخیة عنه فمطلق المتابعة الشامل لهذه الانواع الثلثة یکون فرضا فی الفرض و واجبا فی الواجب وسنة فی السنة عند عدم المعارض اوعدم لزوم المخالفة کما قدمناه والمتابعة المقیدة بعدم التاخیروالتراخی الشاملة للمقارنة والمعاقبة لاتکون فرضا بل تکون واجبة فی الواجب وسنة فی السنه عند عدم المعارض وعدم لزوم المخالفة ایضا والمتابعة المقارنة بلاتعقیب ولاتراخ سنة عنده لاعندها [1] الی اٰخرما افادواجاد علیه رحمة الملك الجواد۔

کے ساتھ رکوع اور سلام کے ساتھ سلام، اس میں یہ صورت بھی شامل ہوجائے گی کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا مگر طویل کیا حتی کہ امام نے اس کو رکوع میں پالیا اور فعل امام کی ابتداء سے معاقبت ہو اور آخر تک شرکت رہے اور امام سے متاخر ہو، عدم معارض اور عدم لزوم مخالفت کے وقت مطلق متابعت جو ان تینوں اقسام کو شامل ہے، فرض میں فرض، واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہوگی جبکہ معارض نہ ہو اور لزوم مخالفت بھی نہ ہو اور متابعت بمعنی مقارنت بلاتعقیب وتراخی امام کے نزدیک سنت ہے صاحبین کے نزدیک نہیں، آخر کلام تک جو نہایت ہی مفید اور عمدہ ہے۔

اقول: وفی التقسیم الذی ذکرا المولی المحقق الفاضل والذی ابداہ ھذا العبد الظلوم الجاھل نوع تفنن ومآل الاقسام واحد فھو رحمه الله تعالٰی جعلها ثلثا مقارنة ومعاقبة ومتراخیة وادخل المتقدمة التی اٰلت الی المشارکة فی المقارنة والعبد الضعیف قسم ھکذا متصلة ومنفصلة ومتقدمة وادخل

اقول: (میں کہتاہوں) فاضل محقق کی تقسیم اور اس عبدضعیف اور ظلوم وجہول کی تقسیم میں صرف تفنن ہے کہ تمام اقسام کا مآل واحد ہے، فاضل رحمہ اللہ تعالٰی نے متابعت کی تین اقسام مقارنت، معاقبت اور متراخی کرکے متقدمہ کو جو مشارکت کی طرف راجح تھی مقارنت میں داخل کردیا۔ عبدضعیف نے تقسیم یوں کی ہے متصلہ، منفصلہ، متقدمہ، اور متراخیہ اور معاقبہ کو منفصلہ میں داخل کیا، اور

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

المتراخیة والمعاقبة فی المنفصلة وجعل المتقدمة قسماً بحیالها وذلك لانی رأیت المتقدمة تباین المقارنة لانها فاعلة من الطرفین فکما ان تاخر المقتدی یخرجه عن القِران حتی جعل المعاقبة قسیماً للمقارنة فکذلك تقدمه وایضا رأیت احکام المتابعة المجزئة ثلثة سنّة وکراهة الالضرورة وکراهة شدیدہ مطلقا فاجبت ان تنفرزالاقسام بحسب الاحکام بخلاف ماصنع هو رحمه الله تعالٰی فان المقارنة علی ما افاد تشتمل اکمل مطلوب واشنع مهروب اعنی المتصلة و المتقدمة کما سمعت وعلی کل فالحاصل واحد والحمدلله۔	متقدمہ کو ایک مستقل قسم بنادیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے متقدمہ کو مقارنت کے متبائن پایا کیونکہ یہ جانبین سے ہے، پس جیسا کہ مقتدی کا موخر ہونا اسے مقارنت سے خارج کردیتاہے نیز جب متابعت کی قسموں کے کل احکام میں نے تین پائے، سنّت، کراہت (جب بلاضرورت ہو) مطلق کراہت شدیدہ، تومیں نے احکام کی تعداد کے مطابق اقسام کی تعداد کو پسند کیا۔ اور فاضل محقق کی تقسیم میں ایسانہیں ہے کیونکہ ان کی مقارنت والی قسم (دومتضاد صورتوں) جن میں سے ایک انتہائی کامل مطلوب ہے اوردوسری انتہائی ناپسندیدہ، یعنی متصلہ اور متقدمہ پر مشتمل ہے جیساکہ تومعلوم کرچکاہے بہرصورت حاصل ایک ہے، الحمدللہ۔

اسی میں ہے:

قال فی شرح المنیة متابعة الامام من غیرتاخیر واجبة فان عارضها واجب یأتی به ثم یتابع کمالوقام الامام قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه ثم یقوم[1] هملخصاً۔	شرح المنیہ میں فرمایا ہے متابعت امام بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے اگرکسی واجب کامتابعت کے ساتھ تعارض ہوجائے تو اسے بجالائے پھر متابعت کرے مثلاً مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام نے قیام کرلیا تومقتدی تشہد مکمل کرکے قیام کرے اھ تلخیصًا (ت)

درمختار میں ہے:

لورفع الامام رأسه من الرکوع او	اگرامام نے رکوع یاسجود سے سراٹھالیا حالانکہ

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۷

السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلث وجب متابعته بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل تمام الموتم التشهد فانه لایتابعه بل یتمه لوجوبه[1]۔	مقتدی نے تین تین تسبیحات نہیں کہی تھیں تو مقتدی پر امام کی متابعت لازم ہے۔بخلاف مقتدی کے تشہد مکمل نہ کرنے کی صورت میں جب امام سلام پھیرے یا تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہوجائے تواب مقتدی متابعت نہ کرے کیونکہ تشہد واجب ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فانه لایتابعه الخ ای ولوخاف ان تفوته الرکعة الثالثة مع الامام کما صرح به فی الظهیریة[2]۔	قولہ فانہ لایتابعہ الخ یعنی اگرچہ اسے یہ خوف ہو کہ امام کے ساتھ تیسری رکعت فوت ہوجائے گی، جیسا کہ ظہیریہ میں اس پر تصریح ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

سجود السهو یجب علی مقتد بسهو امامه لابسهوه اصلا[3] (ملخصًا)	امام کے بھول جانے کی وجہ سے مقتدی پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے مگر مقتدی کے بھولنے کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں ہوتا نہ مقتدی پر نہ امام پر(ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر ثم مقتضی کلامهم انه یعیدها لثبوت الکراهة مع تعذر الجابر[4] ھ قلت فاذا کان هذا فی السهو فالعمد اولی بالاعادة مع تصریحهم بانها هی سبیل کل صلاة ادیت مع کراهة التحریم واللہ تعالٰی اعلم۔	نہر میں ہے کہ کلام فقہا کا تقاضا ہے کہ مقتدی نماز کو ثبوت کراہت کی وجہ سے لوٹائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (امام کی متابعت کی وجہ سے) نقصان پورا نہیں ہوسکتا اھ قلت جب یہ صورت سہو میں ہے تو عمد میں بطریق اولٰی اعادہ ہوگا اور اس پر توفقہاء کی تصریح ہے کہ ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی سے ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار فصل اذااراد الشروع فی الصلوٰۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵
[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۶
[3] الدرالمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲
[4] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

مسئلہ ۹۶۶ : از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولانا حشمت علی صاحب طالب علم قادری رضوی ۲۹/ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھی مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکل گیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اس میں جواب امام مقصود نہیں ہوتا بلکہ امتثال امر الٰہی، لہٰذا فساد نماز نہیں۔

مسئلہ ۹۶۷ : از میرٹھ لال کرتی کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب مرسلہ مولوی محمد احسان الحق صاحب ۲۷/ رمضان ۱۳۲۹ھ۔
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:
(۱) زید ایک مسجد کا امام تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے عمرو اسی مسجد کا مؤذن۔ مہتممان مسجد کی طرف سے زید کا سامع مقرر کیا گیا ہے، محمود ایک تیسرا شخص ہے جو ہمیشہ یا کبھی کبھی اسی مسجد میں زید کے پیچھے تراویح پڑھا کرتا ہے اگر محمود کے خیال میں زید (امام) نے کچھ غلط پڑھا اور عمرو مقرر کیا ہوا سامع سہواً یا عمداً خاموش رہا یا یہ کہ زید نے صحیح پڑھا اور عمرو نے سہواً یا عمداً غلط بتایا یا یہ کہ زید نے غلط پڑھا اور عمرو نے بھی سہواً یا عمداً غلط بتایا تو ان تینوں صورتوں میں محمود شخص ثالث کو غلطی کی تصحیح کا اگرچہ وہ غلطی مفسد نماز نہ ہو حق حاصل ہے یا نہیں اور ایسی تصحیح اس کو حالت قرات میں کرنی چاہئے یا بعد اختتام نماز کے وجوبًا کرنی چاہئے یا اختیارًا۔ قرآن مجید کے غلط پڑھے جانے کے غالب گمان ہونے کی حالت میں محمود کی خاموشی اس کے لئے گنہگار ہونے کا باعث ہوگی یا نہیں؟
(۲) شرع شریف میں امامت اور مؤذن کی طرح سماعت قرآن مجید کا بھی کوئی منصب مقرر ہے یا نہیں یعنی آیا یہ بات شرعاً جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید سننے کے لئے کسی طرف سے ایسا سامع مقرر کیا جائے جس کی بلااجازت واذن دوسرا شخص امام کو فتح نہ کرسکے۔ کسی مہتمم مسجد کا ایک ایسی بات کو جو شرعاً مستحسن واولیٰ یا واجب ہو اپنے ذاتی رسوخ اور تمکنت اور اعلیٰ شخصیت کی وجہ سے حکمًا بند کردینا یعنی درصورت خلاف ورزی حکم کے خلاف کرنے والے کو مسجد سے نکلوادینا یا آئندہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت کرنا یا اور تشدد کرنا شرعاً واخلاقاً کیسا ہے خصوصًا اس حالت میں کہ جس فعل کے ارتکاب سے دوسروں کو تشدد کے ساتھ روکا جاتا ہو خود مانع اس کو انہیں تغیر کے ساتھ متعدد بار کرچکا ہو۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

امام جب ایسی غلطی کرے جو موجب فساد نماز ہو تو اس کا بتانا اور اصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے ان میں سے جو بتادے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکب حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہوجائے گی،

وذٰلك لان الغلط لما كان مفسدا كان السكوت عن اصلاحه ابطالا للصلاة وهو حرام بقوله تعالٰى وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝[1] ۔	وجہ یہ کہ غلطی جب مفسد ہو تو اس کی اصلاح کرنے پر خاموشی، نماز کے بطلان کا سبب ہے اور اللہ تعالٰی کے اس ارشاد مبارک کی وجہ سے حرام ہے کہ "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو"۔(ت)

اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری اور امام کو وثوق حاصل ہو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے،

وذٰلك لان الاصلاح ههنا فرض و مالا يتم الفرض الابه فهو فرض اقول ونظيره ان الشهادة فرض كفاية فان علم الشاهد انه اسرع قبولا عند القاضى وجب عليه الاداء عينا و ان كان هناك من تقبل شهادته[2] كما فى الخانية والفتح والوهبانية والبحر والدر وغيرها۔	اس لئے کہ یہاں اصلاح فرض ہے اور ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض مکمل نہ ہو وہ فرض ہوتی ہے اقول اس کی نظیر گواہی ہے جو فرض کفایہ ہے اگر کوئی گواہ جانتا ہے کہ اس کی گواہی قاضی کے ہاں زیادہ مقبول ہے تو اس پر ادائیگی شہادت لازم ہے اگرچہ وہاں ایسے گواہ ہوں جن کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو خانیہ، فتح، وہبانیہ، بحر اور در وغیرہ۔(ت)

اور اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہو تو اس کا بتانا ہر مقتدی پر

---

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] بحرالرائق کتاب الشادات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵۸،۵۷

واجب کفایہ ہے اگر ایک بتادے اور اس کے بتانے سے کاروائی ہو جائے سب پر سے واجب اتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے،

فان قیل له مصلح اٰخر وھو سجود السھو فلایجب الفتح عینا قلت بلی فان ترك الواجب معصیة وان لم یاثم بالسھو و دفع المعصیة واجب ولایجوز التقریر علیھا بناء علی جابر یجرھا کمالایخفی۔	اگر یہ کہا جائے کہ یہاں اصلاح کی دوسری صورت، بصورتِ سجدہ سہو موجود ہے تو یہاں لقمہ دینا واجب نہ ہوگا، قلت کیوں نہیں، کیونکہ ترک واجب گناہ ہے اگرچہ امام سہو سے گناہگار نہیں ہوتا، اور گناہ سے بچنا ضروری ہے تو معصیت پر اثبات اس لئے کہ کسی دوسرے سے اس کا ازالہ کرلیا جائے گا جائز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

اور اگر اس غلطی میں نہ فساد نماز ہے نہ ترک واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقًا بتانے کی اجازت ہے ھو الصحیح[1] کما نص علیه فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (یہی صحیح ہے جیسا کہ اس پر در وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں لعدم الموجب اقول مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کرکے خود متنبہ ہوا اور یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رکا اگر تین بار سبحان الله کہنے کی قدر رُکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدہ سہو واجب ہوگا،

فی الدر المختار اذا شغله الشك فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالة الشك بقراءة، وجب علیه سجود السھو[2]۔	درمختار میں ہے جب کوئی شک میں پڑ جائے اور وہ ایک رکن کی ادائیگی کے مقدار غور کرتا ہے اور حالتِ شک میں قرأت میں مشغول نہ ہوا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا(ت)

تو اس صورت میں جب اُسے رُکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدر ناجائز تک نہ پہنچے، دوسرے یہ کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اضطرارًا اُن سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو جس کی یہ عادت معلوم ہے وہ جب رکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فورًا بتائیں قبل اس کے کہ وہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے،

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۰/۱

[2] درمختار باب سجود السہو، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۳/۱

وذٰلك لانه اذن يكون صيانته عن البطلان وهى فريضة غير ان وقوعه مظنون للعادة لامقطوع به فينزل فيما يظهر الى الوجوب۔	وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس کا بطلان سے بچانا ہے جو کہ فریضہ ہے لیکن عادت کی بنا پر اس کا وقوع صرف ظنی ہے قطعی نہیں ہے تو موجودہ صورت میں یہ فرض سے مرتبہ وجوب پر آجائے گا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

| نص القاضى فى شرح الجامع الصغير على انه الاصح وعلله هو وغيره بانه لولم يفتح ربما يجرى لسانه مايكون مفسدا[1] ھ **اقول:** ولايرد عليه مافى الحلية انه كما يكره للامام الجاء القوم الى الفتح عليه، يكره للمقتدى ان يفتح عليه من ساعته، قال فى الذخيرة لانه ربما يتذكر الامام من ساعته فتكون قراءته خلفه قراءة من غير حاجة[2] ھ فان هذا حيث لم يخش الفساد اما اذا خشى كما ذكرنا فحاجة واى حاجة۔ | قاضی نے شرح جامع صغیر میں اس کے اصح ہونے کی تصریح کی انہوں نے اور دیگر علما نے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ لقمہ نہیں دیتا تو بعض اوقات امام کے زبان پر ایسے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں جو نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں وہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو حلیہ میں ہے کہ جس طرح امام کا قوم کو لقمہ پر مجبور کرنا مکروہ ہے اسی طرح مقتدی کافی الفور امام کو لقمہ دینا بھی مکروہ ہے۔ ذخیرہ میں ہے اس لئے کہ بعض اوقات امام کو اسی وقت یاد پڑتا ہے تو امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت بغیر حاجت کے ہوگی اھ لیکن یہ وہاں ہے کہ جہاں فساد کا خوف نہ ہو، اگر وہاں فساد کا خوف ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو اب لقمہ کی حاجت ہوگی اور وہ کوئی بھی ہو سکتی ہے۔(ت) |

اقول: اور ان دونوں صورتوں کے سواجب تراویح میں ختم قرآن عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جبکہ امام سے نہ نکلے یا وہ آگے رواں ہو جائے اگرچہ اس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختم کتاب عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پورا نہ ہوگا، یہاں اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعد سلام اطلاع کردے امام دوسری تراویح میں اُتنے الفاظ کریمہ کا صحیح طور پر اعادہ کرلے مگر اولٰی بھی بتانا ہے کہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

حتی الامکان نظم قرآن اپنی ترتیب کریم پر ادا ہو۔ خانیہ وہندیہ وغیرہ میں ہے:

اذ غلط فی القراءۃ فی التراویح فترك سورۃ او اٰیۃ وقرأما بعدھا فالمستحب له ان یقرء المتروکۃ ثم المقروأۃ لیکون علی الترتیب[1]۔	جب تراویح میں قرأت میں غلطی ہوجائے سورت یا آیت چھوڑدی اور اس کے بعد والی پڑھ لی تو مستحب یہ ہے کہ پہلے متروکہ پڑھے پھرتلاوت کردہ، تاکہ ترتیب درست ہو جائے(ت)

اور ان تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں، ارشادات حدیث و فقہ سب مطلق ہیں ابن عساکر نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال امرنا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان نرد علی الامام[2]۔	ہم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امام پر اس کی غلطی رد کریں۔

ابن منیع نے مسند اور حاکم نے مستدرک میں ابوعبدالرحمٰن سے روایت کی:

قال قال علی کرم اللہ تعالٰی وجهه من السنۃ ان تفتح علی الامام اذاستطعمك قیل لابی عبدالرحمٰن مااستطعام الامام قال اذا سکت[3]۔	فرمایا: امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ، نے فرمایا سنت ہے کہ جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، ابوعبدالرحمان سے کہا گیا امام کامانگنا کیا، کہا جب وہ پڑھتے پڑھتے چپ ہوجائے۔

کتب مذہب میں عموماً یجوز فتحہ علی امامہ فرمایا جس میں ضمیر مطلق مقتدی کی طرف ہے کہ اسے امام کو بتانے کی اجازت ہے مسئلہ کی دلیل جو علماء نے فرمائی وہ بھی تمام مقتدی کو شامل ہے۔ بحرالرائق وغیرہ میں ہے:

لانه تعلق به اصلاح صلاته لانه لولم یفتح ربما یجری علی لسانه مایکون مفسد اولاطلاق ماروی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه اذاستطعمکم الامام فاطعموه	کیونکہ اس کے ساتھ اصلاح نماز کا تعلق ہے کیونکہ اگر لقمہ نہ دیا توبعض اوقات امام کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہوجاتے ہیں جو مفسد نماز ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کااطلاق بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۷۰

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۷۰

واستطعامه سکوته ولهذا لوفتح علی امامه بعد ماانتقل الی اٰیة اخری لاتفسد صلاته وهو قول عامة المشایخ لاطلاق المرخص[1] ھ مختصرا۔	یہی تقاضا کرتا ہے جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، امام کا قرأت سے سکوت کرنا لقمہ طلب کرنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے دوسری آیت کی طرف انتقال کرلیا پھر لقمہ دیا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور یہی اکثر مشائخ کا قول ہے کیونکہ اجازت مرحمت فرمانے والی نصوص میں اطلاق ہے اھ اختصارًا (ت)

حتی کہ بالغ مقتدیوں کی طرح تمیز دار بچہ کا بھی اس میں حق ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کی سب کو حاجت ہے قنیہ پھر بحر پھر ہندیہ میں ہے:
وفتح المراھق کالبالغ[2] (تمیز دار بچے کا لقمہ دینا بالغ کے لقمہ کے حکم میں ہے۔ت) قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی اپنے جاہلانہ خیال سے یہ قصد کرے بھی تو اس کی ممانعت سے وہ حق کہ شرع مطہر نے عام مقتدیوں کو دیا کیونکر سلب ہوسکتا ہے اور اس کے سبب کسی مسلمان پر تشدد یا مسجد میں آنے سے ممانعت یا معاذاللہ مسجد سے نکلوادینا سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَاتَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۱۹۰﴾[3]	زیادتی نہ کرو اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

اور فرماتا ہے:

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ[4]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لینے سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ[5]۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط عن	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بیشک اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں

[1] بحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶
[2] فتاوٰی ہندیہ باب فیما مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۹
[3] القرآن ۲/۱۹۰
[4] القرآن ۲/۱۱۴
[5] الترغیب والترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴، مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فیمن یتخطی رقاب الناس الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۱۷۹

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ (ت)

اور دوسرے کو منع کرنا اور خود مرتکب ہونا دوسرا الزام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾[1]	اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ کہ کہو اور نہ کرو۔

اس بیان سے جملہ مدارج سوال کاجواب منکشف ہوگیا بیشک محمود کو سب صورتوں میں عین نماز میں بتانے کا حق حاصل ہے کہیں وجوبًا کہیں اختیارًا، جس کی تفصیل اوپر گزری اور بحال وجوب عینی خاموشی میں گناہ ہوگا خصوصًا اس حالت میں کہ عمرو غلط بتائے کہ اب تو بہت جلد فورًا فورًا صحیح بتانے کی طرف مبادرت واجب ہے کہ بتانا تعلیم و کلام تھا اور بضرورت اصلاح نماز جائز رکھا گیا اور غلط بتانے میں نہ اصلاح نہ ضرورت۔ تواصل پر رہنا چاہئے تو عمرو نے اگر قصدًا مغالطہ دیا جب تو یقینًا اس کی نماز جاتی رہی اور اگر امام اس کے مغالطے کو لے گا عام ازیں کہ امام نے غلط پڑھا ہو یا صحیح، تو ایک شخص خارج از نماز کا امتثال یا اس سے تعلّم ہوگا اور یہ خود مفسد نماز ہے توامام کی نماز جائے گی اور اس کے ساتھ سب کی باطل ہوگی، لہٰذا اس فساد کا انسداد فورًا واجب ہے، بحر الرائق میں ہے:

القیاس فسادھا بہ وانما ترك للحاجۃ فعند عدمھا یبقی الامر علی اصل القیاس[2] ھ مختصرا۔	قیاس کے مطابق نماز اس کے ساتھ فاسد ہوجائے گی البتہ حاجت کی بنا پر قیاس متروک ہے جب حاجت نہیں تو معاملہ اصل قیاس کے مطابق ہی ہوگا اھ اختصارًا (ت)

اور اگر سہوًا غلط بتایا تو بظاہر حکم کتاب وقضیہ دلیل مذکور اب بھی وہی ہے

اقول: مگر فقیر امید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختم قرآن مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالبًا قاری اسے لے لیتا یا اس کے امتثال کے لئے اوپر سے پھر عود کرتا ہے تو اگر ہر بار بحال سہو فساد نماز کا حکم دیں اور قرآن مجید کا اعادہ کرائیں حرج ہوگا والحرج مدفوع بالنص (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ت) بہر حال یہ حکم قابل غور ومحتاج تحریر تام ہے تو اندیشہ فساد سے تحفظ

---

[1] القرآن ۶۱/ ۳

[2] بحر الرائق باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

کے لئے عمرو کے غلط بتانے کی حالت میں مطلقاً دوسروں کو صحیح بتانے کی طرف فوراً فوراً مبادرت چاہئے۔ **واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶۹ : از میرٹھ لال کرتی بازار مرسلہ حاجی شیخ علاء الدین صاحب رئیس ۲۵/ربیع الآخر شریف ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک امام مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے اور ایک سامع حافظ بھی اس کی تصحیح کے واسطے مقرر ہے امام اس کی تصحیح سے فائدہ اٹھاتا ہے اب کوئی حافظ بھی امام کو اپنے خیال کے موافق لقمہ دیتا ہے جو کبھی غلط اور کبھی صحیح ثابت ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع اپنی یادداشت کے موافق اس دوسرے بتانے والے کی تردید بھی کرتا ہے اور امام اس ششش وپنج میں پڑجاتا ہے کہ کس کا قول مانا جائے غرض کہ امام کو کئی شخصوں کے لقمہ دینے سے اور زیادہ شکوک پیدا ہوتے ہیں اور پریشان ہو کر معمول سے زیادہ غلطی کرنے لگتا ہے، چنانچہ یہ بات بارہا تجربہ سے ثابت ہوچکی ہے، علاوہ ازیں اکثر نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو محض اپنی یاد جتانے کے واسطے ذرا ذرا شبہے پر لقمہ دیتے ہیں اور قاری کو پریشان کرتے ہیں اور بعض اوقات امام اور نئے بتانے والے میں غلط بتانے پر جھگڑا بھی ہوتا ہے اور قاری ملامت کرتا ہے کہ کیوں غلط بتایا جس کے باعث نماز میں بے لطفی پیدا ہوتی ہے، ان امور پر لحاظ فرما کر علمائے کرام اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اور حفّاظ بعد سلام اپنے شکوک کا اظہار فرمائیں اگر فی الواقع وہ غلطی نکلے گی اور اس کی وجہ سے نماز میں نقصان کچھ واقع ہوگا تو نماز دہرالی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقط کراہت کی وجہ سے نماز دہرائی جائے؟ ایسی صورتوں میں ان حفاظ کو باوجود اپنے شک کے کہ قاری غلط پڑھتا ہے سکوت کرنے میں کچھ گناہ تو لازم نہیں آتا خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب ان کو ایسے شبہات کے موقع پر جس سے نماز میں قطعاً فساد پیدا ہوتا ہو، بولنے کی اجازت بھی دے دی جائے کیونکہ اگر حافظ عالم بھی ہو تو ایسے فساد معنی پر اس کو کماحقہ آگاہی ہوجائے گی اور ایسے مواقع میں شبہۃً نہیں بلکہ یقیناً اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع فساد نماز کا ہے **بیّنوا توجروا**

الجواب :

یہاں چند امور ہیں جن کے علم سے حکم واضح ہوجائے گا:

(۱) امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے، ردالمحتار میں ہے: **یکرہ ان یفتح من ساعتہ**[1] (فی الفور لقمہ دینا مکروہ ہے۔ت)

ہاں اگر وہ غلطی کرکے رواں ہوجائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسد معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفع فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ

[1] ردالمحتار مطلب المواضع التی لایجب فیہا ردالسلام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲۳

ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب امام کو وحشت پیدا ہو فان الامر بالمعروف یسقط بالایحاش کما فی الفتاوی العلمگیریۃ وغیرھا (وحشت پیدا کرنے والا امر بالمعروف ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ت) بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اس گھبراہٹ میں اُن سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ اُن کا بولنا باعث فساد نماز ہوگا۔

(۲) قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا ویسروا ولاتعسروا [1]۔	لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو۔(ت)

اور بیشک آج کل بہت حفاظ کا یہ شیوہ ہے یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃً یہود کے اس فعل میں داخل ہے

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ [2]	(اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو۔ت)

(۳) اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہ پر روکنا ریاء ہے اور ریاء حرام ہے خصوصًا نماز میں۔

(۴) جبکہ غلطی مفسد نماز نہ ہو تو محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعد سلام تحقیق کرلیا جائے، اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیل ختم کے لئے حافظ اتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اعادہ کرلے گا حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام ومفسد نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہٰذا حرام ہوا جب اسے شبہ ہے تو ممکن کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی۔ تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔

(۵) غلطی کا مفسد معنی ہونا مبنائے افساد نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل جان لیا جائے، ہندوستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہوسکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہوجائیں ہزار جگہ ہوگا کہ وہ افساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوٰی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا، صورت فساد میں یقینا بتایا جائے ورنہ تشویش قاری ہو تو نہ بتائیں اور خود شبہ ہو تو بتانا سخت ناجائز، اور جو ریاء وتشویش چاہیں اُن کو روکا جائے نہ مانیں تو اُن کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے کہ موذی ہیں اور موذی کا دفع واجب۔

---

[1] صحیح البخاری باب ماکان علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] القرآن ۴۱/ ۲۶

درمختار میں ہے: **ویمنع کل موذ ولو بلسانہ**[1] (ہر ایذادینے والے کو مسجد سے منع کیا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایزادے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۰: بالازجلال پور ڈاک خانہ خداگنج ضلع شاہجہاں پور مرسلہ سید مشتاق علی صاحب ۱۶جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

ذات فیض سمات قبلہ ارباب علم وکعبہ اصحاب حلم کی ہمیشہ فدویوں کے سروں پر سایہ انداز رہے، بعد سلام نیاز وشوق قدم بوسی کے عرض پرداز ہوں کہ ایک مسئلہ میں ضرورت جناب کے حکم کی بموجب شرع شریف وحدیث نبوی کے ہے کہ اس میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، ذیل کے سوال کا جواب بواپسی ڈاک، ہم لوگوں کو مکروہیت اور گناہ سے بچائیے، وہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے نماز جمعہ پڑھاتے وقت مقتدی کا لقمہ درمیان قرات کے لیا اور پھر سجدہ سہو کیا تو اس حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ وجہ شک کے پیدا ہونے کی یہ ہوئی ہے کہ ایک دوسرے صاحب بمقام لکھنؤ میں نماز جمعہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے جو کہ کسی اسلامیہ اسکول کے غالبًا منتہی طالب علم تھے اتفاق سے قرات میں بھول گئے لہذا میں نے فورًا لقمہ دیا معًا انہوں نے نماز سلام کے ساتھ ترک کرکے دوبارہ نماز پڑھائی اور یہ کہا کہ فرضوں میں لقمہ دینا ناجائز ہے فرضوں میں لقمہ دینے سے سجدہ سہو کیا جائے تو بھی نماز نہیں ہوتی ہے، میری غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اُن صاحب سے بالتشریح نہ دریافت کیا کہ اس کا کیا ثبوت۔ علاوہ اس کے اُن صاحب نے یہ بھی کہا کہ بجز تراویح کے دوسری نماز فرض یا واجب کسی میں لقمہ دینا بھی جائز نہیں لہذا اس کی بابت بواپسی جواب جلد سرفراز فرمائیے۔

الجواب:

امام جب نماز یا قرات میں غلطی کرے تو اسے بتانا لقمہ دینا مطلقًا جائز ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا تراویح یا نفل، اور اس میں سجدہ سہو کی بھی کچھ حاجت نہیں، ہاں اگر بھولا اور تین بار **سبحٰن اللہ** کہنے کی دیر چپکا کھڑا رہا تو سجدہ سہو آئے گا جس نے لقمہ دینے کے سبب نیت توڑدی اس نے محض جہالت برتی اور مبتلائے حرام ہوا کہ بے سبب نیت توڑدینا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷۱: ازبنگلور ڈاکخانہ گجادھر گنج لائن مین اسٹیشن بکسر مسؤلہ حاجی عبداللہ خاں ۲۳/محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز امام پڑھاتا ہو اور درمیان میں رک گیا لقمہ

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۴

دینا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر لقمہ دیا گیا تو سجدہ سہو جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

امام کو لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جمعہ ہو یا کوئی نماز، بلکہ اگر اس نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگی تو لقمہ دینا فرض ہے، نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی اور لقمہ دینے سے سجدہ سہو نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب مکروھات الصّلٰوۃ

(مکروہات نماز کا بیان)

مسئلہ ۹۷۲: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ دکان ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۸/ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا دو ستونوں کے بیچ میں اور مقتدیوں سے تین گرہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

امام کا دو ستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین اوزاویۃ او ناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ[1]۔	معراج الدرایۃ کے باب الامامت میں ہے کہ اصح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام کا دو ستونوں کے درمیان یا زاویہ یا مسجد کی ایک جانب یا ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ جانتا ہوں کیونکہ یہ اُمتِ محمدیہ کے عمل کے خلاف ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

اسی طرح امام کاتمام مقتدیوں سے بلند جگہ میں ہونا بھی مکروہ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا ام الرجل القوم فلایقم فی مکان ارفع من مقامھم اونحوذٰلک[1]۔	یعنی جب کوئی شخص نمازیوں کی امامت کرے تو اُن کے مقام سے اُونچی جگہ میں نہ کھڑا ہو۔

ابوداؤد وابن حبان وحاکم حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

وھذا لفظ الحاکم فی مستدرکہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یقوم الامام فوق و یبقی الناس خلفہ[2]۔	حاکم کی متدرک میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام اونچا کھڑا ہو اور مقتدی نیچے رہیں،

پھر ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ظاہر الروایہ میں اس کراہت بلندی وپستی کو کسی مقدار معین مثلاً ایک ذراع شرعی وغیرہ پر موقوف نہ مانا بلکہ جس قدر سے امام وقوم کامقام میں امتیاز واقع ہو مطلقًا باعث کراہت جانا اور اسی کوامام مالک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی نے بدائع میں صحیح اور امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الھمام صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین نے اوجہ وارجح فرمایا اور یہی اطلاق احادیث کا مفاد، تو اسی پر فتوی اور اسی پر اعتماد، ولہٰذا منیہ و نقایہ و جامع الرموز وغیرہا میں حکم کراہت کو مطلق رکھا، درمختار میں ہے:

کرہ انفراد الامام علی الدکان للنھی و قدر الارتفاع بذراع ولاباس بما دونہ وقیل مایقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ[3]۔	امام کااونچی جگہ تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس پر نہی وارد ہے اور اونچائی کی مقدار ایک ذراع ہے اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں، بعض کی رائے میں اتنی اونچائی مکروہ ہے جس سے امتیاز پیدا ہو، یہی مختار ہے کمال وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ (ت)

---

[1] سنن ابوداؤد باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۸

[2] المستدرک علی الصحیحین نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام الخ مطبوعہ المطبوعات الاسلامیہ بیروت ۱/۲۱۰

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وقیل الخ ھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولی العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث[1] ھ و کذا رجحہ فی الحلیۃ۔	قولہ وقیل الخ یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ بدائع میں ہے، بحر میں کہا ہے الغرض تصحیح میں اختلاف ہے لیکن ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل بہتر ہے اھ حلیہ میں اسی کو ترجیح ہے۔

امام ملک العلماء ابوبکر بدائع میں فرماتے ہیں:

الصحیح جواب ظاھر الروایۃ لماروی ان حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنھما قام بالمدائن یصلی بالناس علی دکان فجذبہ سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم قال ما الذی اصابك اطال العھد ان نسیت اما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لایقوم الامام علی مکان انشر مما علیہ اصحابہ وفی روایۃ اماعلمت ان اصحابك یکرھون ذلك فقال تذکرت حین جذبتنی[2]۔	ظاہر الروایہ کا جواب صحیح ہے کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مدائن میں نماز پڑھانے کے لئے اونچی جگہ کھڑے ہوتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں نیچے کھینچا اور فرمایا کیا ہوگیا کیا وقت زیادہ گزر گیا ہے یا آپ بھول گئے؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ امام ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں وہ اپنے ساتھیوں سے جُدا ہو جائے۔ دوسری روایت کے الفاظ میں ہے کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ تمہارے ساتھی اس بات کو پسند نہیں کرے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا مجھے اس وقت یہ بات یاد آگئی جب تم نے مجھے کھینچا۔ (ت)

منیہ میں ہے:

یکرہ ان یقوم ینفرد فی مکان اعلی	یہ مکروہ ہے کہ امام اکیلا ایسی جگہ کھڑا ہو کہ قوم

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مصطفی البابی مصر ۴۷۸/۱

[2] بدائع الصنائع فصل واما بیان مایستحب فیہا ومایکرہ مصطفی البابی مصر ۲۱۶/۱

من مکان القوم اذا لم یکن بعض القوم معه [1]۔	سے بلند ہو جبکہ اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی نہ ہوں۔(ت)

نقایہ کے مکروہات الصلاۃ میں ہے: و تخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ت) شرح علامہ شمس الدین محمد میں ہے:

(تخصیص الامام) ای انفرادہ (بمکان) اما بان یکون مقامه اعلی اواسفل من مکان القوم [2] الخ ویأتی تمامه۔	(تخصیص امام سے مراد) اس کا الگ ہونا ہے (بمکان) یا تو اس کا مقام قوم سے اوپر ہوگا یا نیچے ہوگا الخ اس کی تفصیل آرہی ہے(ت)

ہمارے مذہب کے قواعد مقررہ سے ہے کہ عند اختلاف الفتیا (جب فتوی میں اختلاف ہو۔ت) ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے، بحر الرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایۃ والرجوع الیھا [3]۔	جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے(ت)

اور علماء فرماتے ہیں جب روایت ودرایت متطابق ہوں تو عدول کی گنجائش نہیں۔علامہ حلبی نے غنیہ میں فرمایا:

لایعدل عن الدرایۃ ما وافقتھا روایۃ [4]۔	اس درایت سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو روایت کے موافق ہو۔(ت)

یہاں جبکہ یہی ظاہر الروایۃ اور اسی کے مطابق دلیل وروایت تولاجرم قول یہی ہے کہ ادنی مابه الامتیاز (جس سے کم از کم امتیاز پیدا ہو جائے۔ت) بلندی بھی مکروہ ہے ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے امتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے فان فی اعتبارہ حرجا والحرج مدفوع بالنص (کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج وتنگی ہے اور تنگی نصوص کی وجہ سے مدفوع ہے۔ت) یونہی اگر پہلی صف امام کے سات ہو باقی صفیں نیچی تو بھی مذہب اصح میں کچھ حرج نہیں

---

[1] منیۃ المصلی بحث یکرہ ان یصلی علی بساط فیه تصاویر مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۶۶
[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۴
[3] بحر الرائق ، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۶
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی واجبات الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

کماقدمنا عن المنیة وغیرھا وقال فی الدر المختار لم یکرہ لوکان معہ بعض القوم فی الاصح [1] ھـ **اقول:** وربما یشیرالیہ مافی حدیث الحاکم ویبقی الناس خلفہ فافھم۔	جیسا کہ ہم نے منیہ وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیاہے اور درمختار میں فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق اگرامام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں توکراہت نہ ہوگی اھ **اقول:** اس کی طرف حدیث حاکم کے یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں "اور لوگ اس کے پیچھے ہوں" اس کو سمجھ۔(ت)

اور شک نہیں کہ تین گرہ بلندی قطعًا ممتاز وباعث امتیاز ہے کہ ہر شخص بنگاہِ اولیں فورًا تفاوت بین جان لے گا تومذہب معتمد پر اس کی کراہت میں شبہہ نہیں بلکہ علما تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکانی کراہت میں یہ صورت بھی داخل کہ مثلًا وہ مکان مسقف میں ہو اور مقتدی صحن میں، شرح نقایہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وامابان یکون فی صُفّة، وھم فی وسط الدار مثلا کما فی الجوھر وامابان یقوموا فی المسجد والامام فی طاق یتخذ فی المحراب [2]۔	امام چھت میں ہو اور لوگ صحن کے درمیان، جیسا کہ جواہر میں ہے یالوگ مسجد میں ہوں اور امام طاق میں ہوجو محراب میں بنایا گیاہو۔(ت)

یہاں تک کہ امام مقتدیوں سے تقدیم کوفرماتے ہیں یہ بھی تخصیص مکانی ہے اگر شریعت مطہرہ میں اس کاحکم نہ آتا مکروہ ہوتا، علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں فرمایا:

یدخل فی تخصیص الامام بمکان قیامہ فی الطاق ای المحراب بحیث یکون قدماہ فیہ والتقدم علی القوم وان کان تخصیصالہ بمکان لکنہ مستثنی شرعا [3]۔	امام کے لئے تخصیص مکان میں یہ صورت بھی شامل ہے جب وہ طاق یعنی محراب میں اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب کے اندر ہوں، امام کاقوم سے مقدم ہونا بھی اگرچہ تخصیص مکان میں شامل ہے مگر اس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔(ت)

جب ایسے فرق کو بھی تخصیص مکانی ٹھہراتے ہیں حالانکہ مکان واحد اور زمین ہموار ہے جس میں فی نفسہٖ اصلًا

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

[3] البرجندی شرح مختصر الوقایۃ فصل مایکرہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، بھارت ۱/۱۳۰

کوئی فرق وامتیاز نہیں تو مثلاً کرسی، مکان یا چبوترہ کی بلندی اگرچہ دو تین ہی گرہ ہو بدرجہ اولیٰ تخصیص مکانی باعث کراہت ہوگی کہ یہاں نفس مکان میں تفرقہ وتفاوت موجود اور دالان وصحن کے فرق میں تو سرے سے درجہ ہی بدل گیا تو یہ سب صورتیں، ارشاد امام علام صدر الشریعۃ قدس سرہ وتخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ت) میں داخل ہیں **جزاہ اللہ خیر جزاء** (کیا دو لفظوں میں تمام صور کا احاطہ فرمالیا اور بہت نزاعوں کا تصفیہ کردیا **فالحمد للہ رب العٰلمین** پس ثابت ہوا کہ جہاں دالانِ مسجد کی کرسی صحن مسجد سے بلندی ممتاز رکھتی ہو جیسا کہ اکثر مساجد میں ہے وہاں امام کا دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونا جیسا کہ عوام ہند میں مشاہد ہے نہ صرف ایک کراہت بلکہ تین کراہتوں کا جامع ہوگا:

اوّلاً: یہی بین الساریتین قیام امام،

ثانیاً: مقتدیوں پر بلندی ممتاز،

ثالثاً: اس کا زیر سقف اور مقتدیوں کا صحن پر ہونا۔

ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہی تحقیق مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق کا مالک ہے وہ پاک وبلند زیادہ جاننے والا اور اس کا علم اجل واعلیٰ ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۷۳تا۹۷۴: از شہر کہنہ بریلی مسؤلہ محمد ظہور محمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) بعض شخص نماز میں رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں پائچوں کو گھٹنوں سے اوپر کو چھڑالیا کرتے ہیں یعنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۲) ہاتھوں کی کہنی کھول کو آستین اوپر کو چھڑھا کر نماز پڑھنے میں کس قدر نقصان ہے؟ کس درجہ کی وہ نماز ہوگی؟ زید کا خیال ہے وہ نماز مکروہ ہوئی مگر عمرو کا خیال ہے کہ مکروہ نہیں ہوئی اور عمرو کا سوال ہے کہ اگر مکروہ ہوئی تو صحت کے ساتھ بتلادیا جائے۔

الجواب:

(۱) مکروہ ہے۔

(۲) نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر نہ پھیرے گا تو گنہگار رہے گا، درمختار، حلیہ وغیرہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۵تا۹۷۶: ازبریلی مدرسہ منظرالاسلام مسؤلہ احسان علی مظفرپوری طالب علم بتاریخ ۱۳شوال ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) نمازکے اندر اگرٹوپی گرجائے تواٹھاناچاہئے یانہیں؟

(۲) امام قراءت یارکوع کوکسی مقتدی کے واسطے درازکرسکتاہے یانہیں جبکہ مقتدی وضوکررہاہو یامسجد میں آگیاہو اور یہ امام کومعلوم ہوگیاکہ کوئی شخص ہے کہ عنقریب شریک ہوناچاہتاہے بایں صورت رکوع میں کچھ دیر کردے توجائز یانہیں؟

الجواب:

(۱) اٹھالیناافضل ہے جبکہ باربارنہ گرے اور اگرتذلل وانکسار کی نیت سے سربرہنہ رہناچاہے تونہ اٹھاناافضل۔درمختار میں ہے:

سقط قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتکویر او عمل کثیر[1]	نمازی کی ٹوپی گرجائے تواس کااٹھاناافضل ہے مگراس صورت میں کہ باندھنے کی حاجت ہو یاعمل کثیرلازم آرہاہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان افضلیة اعادتها حیث لم یقصد بترکها التذلیل[2]۔	ظاہریہی ہے کہ اس کااٹھاناتب افضل ہے جب اس کے ترک میں تذلل کاارادہ نہ ہو۔(ت)

(۲) اگرکسی خاص شخص کی خاطر اپنے کسی علاقہ خاصہ یاخوشامد کے لئے منظور توایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی ہرگزاجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ **یخشی علیه امر عظیم** یعنی اس پرشرک کااندیشہ ہے کہ نماز میں اتناعمل اس نے غیرخداکے لئے کیااور اگرخاطرخوشامد منظورنہیں بلکہ عمل حسن پرمسلمان کی اعانت (اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ یہ اس آنے والے کونہ پہچانے یاپہچانے اور اس کاکوئی تعلق خاص اس سے نہ ہونہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو) تورکوع میں دوایک تسبیح کی قدر بڑھادینا جائز بلکہ اگرحالت یہ ہے کہ یہ ابھی سراٹھائے لیتاہے تووہ رکوع میں شامل ہونے نہ ہونے میں شک میں پڑجائے گاتوبڑھادینا مطلوب اور جوابھی نماز میں نہ ملے گامسجد میں آیاہے وضووغیرہ کرے گایاوضوکرتارہے اس کے لئے

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۴

قدر مسنون پر نہ بڑھائے بلکہ اگر بڑھائے موجب ثقل حاضرین نماز ہوگا تو سخت ممنوع و ناجائز، المسألۃ دوارۃ فی الکتب وبسطھا الشامی من صفۃ الصلٰوۃ وماقلتہ عطر التحقیق (یہ مسئلہ کتب فقہ میں تحریر ہے، شامی نے اسے صفت صلٰوۃ میں تفصیلًا بیان کیا اور جو کچھ میں نے بیان کریا ہے یہ تحقیق کا عطر و نچوڑ ہے۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۷: یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے منع کرنے پر کہ آستین چڑھے ہوئے سے نماز نہ پڑھا کرو آستین اُتار لیا کرو، جواب دیا کہ کس کا قول ہے، کس حدیث میں ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحیحین کی حدیث ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی ہیں، اور جاہل کو ایسے سوالات نازیبا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۸: از بریلی محلّہ ذخیرہ مسؤلہ مسعود حسین ۲۹صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دھوبی کپڑا بدل کرلائے تو اس کو پہن کر عورتوں کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بدلا ہوا کپڑا پہننا مرد و عورت سب کو حرام ہے اور اس سے نماز مکروہ تحریمی، جوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف **نھی الرجل**[1] ہے، عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو انکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کف شعر گندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اس کے ساتھ سجدہ کریں **کما فی المرقاۃ وغیرہ** (جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔ت) اور عورت ہر گز اس کے مامور نہیں، لاجرم امام زین الدین عراقی نے فرمایا: **ھو مختص بالرجال دون النساء** (یہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] المعجم الکبیر حدیث ۵۱۳ مروی عن ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۳/ ۲۵۲، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۸

ف: حدیث کے الفاظ یوں ہیں: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوصٌ۔ نذیر احمد

مسئلہ ۹۷۹: از موضع مانیاوالہ ڈاکخانہ قاسم پور گڈھی ضلع بجنور پرگنہ افضل گڑھ مرسلہ سید کفایت علی ولد حمایت علی ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

حضور کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز عشاء کی پڑھ رہا تھا سر پر چادر اوڑھے ہوئے تھا اور چادر بدن پر قائم رہی مگر سر پر اتر کر کندھے پر گر گئی تھی، میں نے یہ مسئلہ سنا بھی نہیں تھا آپ کے خلیفہ مولوی امجد علی صاحب نے یہ فرمایا اگر چادر رکوع میں یا کھڑے ہونے سے گرجائے تو ہاتھ سے اشارہ کرکے سر پر رکھ لینی چاہئے اگر نہیں رکھے گا تو نماز مکروہ ہوگی اور بھیتر چادر اوڑھنے کے ٹوپی کے دوپٹہ بندھا ہوا تھا جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا ویسا خاکسار عمل میں لایا تھا مگر غریب خانہ آکر جو نمازیوں کو دیکھا تو وہ چادر یا رضائی سر کے اوپر سے نہیں اوڑھتے بلکہ کاندھے پر اوڑھتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ چادر نماز پڑھتے میں سر پر سے اوڑھنی چاہئے اگر سر پر گرجائے تو ہاتھ سے سر پر رکھ لینی چاہئے انہوں نے کہا نماز پڑھتے میں چادر سر پر رکھے گا نماز نہیں ہوگی، اب اس مسئلہ کا خواستگار ہوں تحریر کیجئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ابونعیم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاینظر اللہ الٰی قوم لایجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلٰوۃ[1]**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی اُس قوم کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو نماز میں اپنے عمامے اپنی چادروں کے نیچے نہیں کرتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۹۸۰: از سرولی کلاں ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر سر پر رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے رومال بندھا جائے تو نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب: رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آسکیں جو سر کو چھپالیں تو وہ عمامہ ہی ہوگیا، اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آسکیں لپیٹنا مکروہ ہے، اور بغیر ٹوپی کے عمامہ بھی نہ چاہئے نہ کہ رومال، حدیث میں ہے:

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۶/۵

فرق مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس[1]۔	ہم میں اور مشرکوں میں ایک فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۱: از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسؤلہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو جاگتے میں کچھ غفلت ہوئی یا نماز پڑھتے میں کچھ شیطانی خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے عورت کی فرج کو دیکھا اور اپناذ کر سامنے کیا لیکن دخول نہ کیا ایک منٹ کے بعد اس خیال کو دور کیا اور نماز تمام کی اب اس نے نہ دخول کیا اور نہ ذکر کھڑا ہوا تھا اور نہ منی یا مذی نکلی ہے ایک ذراسا یہ خیال اس کو تھا لیکن پیشاب اس کو لگا ہے غسل کرنا ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی نماز کیسی ہوئی؟ اس کا خیال ہے کہ مجھ پر غسل نہیں اور نمازیں پڑھتا ہے قرآن مجید پڑھتا ہے اب نمازیں پڑھنا یا قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا سب کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جب نہ اس نے دخول کیا نہ منی نکلی، تو غسل واجب نہ ہوا، قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے اور سوائے قرآن مجید اور اذکار مثل کلمہ طیبہ و تسبیح و تہلیل و درود شریف وغیرہا تو حالت جنابت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور جبکہ صورت مذکورہ میں مذی بھی نہ نکلی تو نماز بھی ہوگئی بشرطیکہ اس کا برہنہ عضو عورت کی برہنہ شرمگاہ سے ملا نہ ہو ورنہ وضو جاتا رہا اور نماز نہ ہوئی، باقی نماز میں ایسا خیال بہت بد ہے اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا نماز سخت مکروہ ہوگی اور اگر برہنگی ایسی ہو جس سے دوسرے کی نظر سے حجاب نہ ہو تو اسی قدر سے نماز جاتی رہے گی جبکہ چہارم عضو کی قدر برہنہ کرے اگرچہ وضو نہ جائے گا جبکہ برہنہ شرمگاہ زن سے ملانہ ہو یہ سب اسی صورت میں ہے کہ واقعی کوئی عورت موجود ہو ورنہ مجرد خیال سے نہ وضو جائے گا جب تک مذی نہ نکلے نہ غسل واجب ہوگا جب تک منی نہ نکلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۲: از جمشید پور ڈاکخانہ خاص ضلع سنگھ بھوم آفس کارکیسے مسؤلہ حمیداللہ ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ پتلون پہن کر نماز درست ہے یا نہیں جبکہ اس میں نشست وبرخاست

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸

پوری طور سے ہوتا ہے **بیّنوا توجروا**

الجواب:

پتلون پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑے سے نماز بھی مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۳: گلوبند یا پگڑی یا رومال سے پیشانی چھپی ہے تو سجدہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

سجدہ درست ہے اور نماز مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸۴: مرزا اصغر علی خاں بانس منڈی، بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر جماعت میں امام مسجد کے در میں اور مقتدی باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اس میں کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

امام کا در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے **کما فی رد المحتار عن معراج الدرایة عن سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ**[1] (ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۵: جرابیں پہن کر پاؤں میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جبکہ ان کے پہننے سے ٹخنے بند ہوگئے تو نماز مکروہ ہوگی۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زید کا قول غلط ہے، موزے پہن کر نماز پڑھنا بہتر ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸۶: از سرکار پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری درگاہ اقدس مرسلہ امام علی شاہ صاحب ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۱ھ

حق، حق، حق، جناب مولٰنا! السلام علیکم، مکلّف ہوں کہ اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کے آستانہ پاک میں اسی بزرگ صاحب مزار کے روضہ منورہ کے دروازے کو بند کرکے روضہ کے آگے ہی اگر نماز پڑھ لی جائے تو شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اخبار دبدبہ سکندری میں لکھ دیا جائے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ زیادہ نیاز المکلف فقیر محمد امام علی شاہ اولاد باباصاحب رحمہ اللہ تعالٰی از درگاہ حضرت جناب

---

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

بابا صاحب رحمہ اللہ تعالٰی گنج شکر قطب عالم اغیاث ہند پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری

الجواب:

جناب شاہ صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، صورت مذکورہ میں نماز جائز اور بلا کراہت جائز، اور قرب مزار محبوباں کردگار کے باعث زیادہ مثمر برکات وانوار و مورد رحمت جلیلہ غفار۔ خلاصہ وذخیرہ ومحیط وہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لھذین قال محمد اکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی المخرج والحمام والقبر[1] (الی قولہ اعنی المحیط) ھذا کلہ اذا لم یکن بین المصلی وبین ھذہ المواضع حائط اوسترۃ اما اذاکان لایکرہ ویصیر الحائط فاصلا[2]۔	ان دونوں کی عبارت یہ ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں مسجد کے قبلہ کابیت الخلاء، حمام اور قبر کی طرف ہونا مکروہ جانتاہوں (محیط کے قول تک) یہ اس وقت ہے جب نمازی اور ان کے درمیان کوئی دیوار یاسُترہ نہ ہو لیکن اگر درمیان کوئی چیز ہے ومکروہ نہیں اب دیوار ان کے درمیان فاصل ہو جائے گی۔ (ت)

سرکار اعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علٰی من طیبہا وآلہ وسلم میں روضہ انور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صفیں ہوتی ہیں جن کا سجدہ خاص روضہ انور کی طرف ہوتا ہے مگر نیت استقبال قبلہ کی ہے، نہ استقبال روضہ اطہر کی۔ لہٰذا ہمیشہ علمائے کرام نے اسے جائز رکھا ہاں بلا مجبوری مزار اقدس کو پیٹھ کرنے سے منع فرمایا اگرچہ نماز میں ہو، منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط ملا علی قاری میں ہے:

(لایستدبر القبر المقدس) ای فی صلاۃ ولاغیرھا الالضرورۃ ملجئۃ الیہ[3]۔	(مزار اقدس کی طرف پشت نہ کرے) نماز اور غیر نماز میں البتہ جب کوئی مجبوری وضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں (ت)

نیز شرح مذکور میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۱۹/۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۰/۵

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۲

لاتکرہ الصلٰوۃ خلف الحجرۃ الشریفۃ الا اذا قصدالتوجہ الٰی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	حجرہ شریف کے سامنے نماز ادا کرنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جب توجہ سے مقصود ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر شریف ہو۔(ت)

[1] امام اجل قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف پھر [2] علامہ طیبی شرح مشکٰوۃ المصابیح پھر [3] علامہ قاری مرقاۃ المفاتیح نیز [4] علامہ محدث طاہر فتنی مجمع بحارالانوار نیز [5] امام قاضی ناصرالدین بیضاوی پھر [6] امام جلیل علامہ محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر [7] امام احمد محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری نیز [8] امام ابن حجر مکی شرح مشکٰوۃ شریف پھر [9] شیخ محقق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاولین، من اتخذ مسجدا فی جوار صالح اوصلی فی مقبرہ وقصد الاستظھار بروحہ اووصول اثر من اٰثار عبادتہ الیہ، لاللتعظیم لہ و التوجہ نحوہ، فلاحرج علیہ الاتری ان مرقد اسمٰعیل علیہ الصلاۃ و السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلك المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ[2]۔	یعنی جس نے کسی نیک بندے کے قرب میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے استمداد واستعانت کا قصد کیا یا یہ کہ اس کی عبادت کا کوئی اثر پہنچے، نہ اس لئے کہ نماز سے اس کی تعظیم کرے یا نماز میں اس کی طرف منہ ہونا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کا مزار شریف خاص مسجد الحرام میں حطیم کے پاس ہے پھر یہ مسجد سب سے افضل وہ جگہ ہے کہ نمازی نماز کے لئے جس کا قصد کرے۔

اخیرین کے لفظ یہ ہیں:

خرج بذلك اتخاذ مسجد بجوار نبی او صالح والصلٰوۃ عند قبرہ لالتعظیمہ والتوجہ نحوہ بل لوصول مدد منہ حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ	یعنی کسی نبی یا ولی کے قرب میں مسجد بنانا اور ان کی قبر کریم کے پاس نماز پڑھنا نہ ان دو نیتوں سے بلکہ اس لئے کہ اُن کی مدد مجھے پہنچے اُن کے قرب کی برکت سے میری عبادت کامل ہو اس میں کچھ مضائقہ

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۲۲

[2] شرح طیبی علٰی مشکٰوۃ المصابیح الفصل الاول باب المساجد ومواضع الصلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۵

لتلك الروح الطاھرۃ فلاحرج فی ذلك لما ورد ان قبر اسمعیل علیه الصلٰوۃ والسلام فی الحجر تحت میزاب وان فی الحطیم وبین الحجر الاسود وزمزم قبرسبعین نبیا ولم ینه احد عن الصلاۃ فیه[1]۔	نہیں کہ وارد ہوا ہے کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کامزار پاک حطیم میں میزاب الرحمۃ کے نیچے ہے اور حطیم میں اور سنگِ اسود وزمزم کے درمیان ستّر پیغمبروں کی قبریں ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام، اور وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہ فرمایا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: کلام الشارحین متطابق فی ذٰلک[2] تمام اصحاب شرح اس بارے میں یک زبان ہیں۔

الحمدللہ ائمہ کرام کے اس اجماع واتفاق نے جان وہابیت پر کیسی قیامت توڑی کہ خاص نماز میں مزارات اولیائے کرام سے استمداد واستعانت کی ٹھہرادی، اب تو عجب نہیں کہ حضرات وہابیہ تمام ائمہ دین کو گورپرست کالقب بخشیں ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پھر روضہ مبارک کادروازہ مبارک بند کرنے کی بھی ضرورت اس حالت میں ہے کہ قبرانور نمازی کے خاص سامنے ہو اور بیچ میں چھڑی وغیرہ کوئی سترہ نہ ہو اور قبر اتنی قریب ہو کہ جب یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے تو حالت قیام میں قبر پر نظر پڑے، اور اگر مزار مبارک ایک کنارے کو ہے یا بیچ میں کوئی سترہ ہے اگرچہ آدھ گز اونچی کوئی لکڑی ہی کھڑی کرلی ہو یامزار مطہر نماز کی جگہ سے اتنی دور ہے کہ نمازی نیچی نظر کئے اپنے سجدہ کی جگہ نظر جمائے تومزار شریف تک نگاہ نہ پہنچے توان صورتوں میں دروازہ بند کرنے کی بھی حاجت نہیں یونہی نماز بلاکراہت جائز ہے۔[1]تاتارخانیہ پھر [2]فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

ان کان بینه وبین القبر مقدار ما لوکان فی الصلٰوۃ ویمر انسان لایکرہ فھھنا ایضا لایکرہ[3]۔	اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنافاصلہ ہو کہ آدمی نماز میں ہو اور اس کے آگے سے کسی آدمی کا گزر نامکروہ نہ ہو تو یہاں بھی کراہت نہ ہوگی۔(ت)

[3]جامع مضمرات شرح قدوری پھر [4]جامع الرموز شرح نقایہ پھر [5]طحطاوی علی مراقی الفلاح و[6]ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ مطبوعہ معارف علمیہ لاہور ۵۲/۳

[2] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ مطبوعہ معارف علمیہ لاہور ۵۲/۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰۷/۱

لاتکرہ الصلٰوۃ الٰی جھۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لوصلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ[1]۔	قبر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جبکہ نمازی خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو (جائے سجدہ پر نظر ہو) تو قبر پر نظر پڑے (ت)

یہ قلب وہابیت پر کیسا شاق ہوگا کہ مزار مبارک بلاحائل بے پردہ صرف چار پانچ گز کے فاصلے سے عین نماز میں نمازی کے سامنے ہے اور نماز بلا کراہت جائز، کیا یہ فقہائے کرام کو قبر پرست نہ کہیں گے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وہ بہ نیت فاسدہ نہ ہوں یعنی نماز سے تعظیم قبر کا ارادہ یا بجائے کعبہ نماز میں استقبال قبر کا قصد۔ ایسا ہو تو آپ ہی حرام بلکہ معاذاللہ نیت عبادت قبر ہو توصریح شرک وکفر مگر اس میں مزار مقدس کی جانب سے حرج نہ آیا بلکہ اس شخص کا فاسد ارادہ یہ فساد لایا اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی ناخدا ترس کعبہ معظّمہ کے سامنے اس نیت سے نماز پڑھے کہ وہ کعبہ کی طرف نہیں بلکہ وہ خود کعبہ کو سجدہ کرتا ہے یا نماز تعظیم کعبہ کے لئے پڑھتا ہے ایسی نماز بیشک حرام اور نیت عبادت کعبہ ہو تو سلب اسلام مگر اس میں کعبہ معظّمہ کا کیا قصور ہے یہ تو اس کی نیت کا فتور ہے، یونہی جو مزارات کے حضور ہے اور مزار کریم مستور ہے یا نظر خاشعین سے دور ہے تو فاسد نیت سے ماذور ہے اور تبرک واستمداد کی نیت سے ماجور ہے کہ نماز ونیاز کا اجتماع نورٌ علیٰ نور ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۹۸۷تا۹۸۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

(۱) وضو، نماز، غسل، جماعت، لباس، نماز جنازہ، کفن، دفن، نکاح وغیرہ میں کتنے کتنے اور کون کون سے فرض، سنت، مستحب، واجب ہیں جس کے ترک سے نماز فاسد یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا کہ بطور دہرانے کے یا سجدہ سہو کے قابل ہوجاتی ہے یا کیا چیز ترک ہو جس سے امام نے دوبارہ جماعت شروع کی اب اور نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے ہیں اور کس ترک کے سبب سے اب نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اسی طرح غسل، جماعت، لباس، کفن، دفن، نکاح سب کا حال علیحدہ علیحدہ ترتیب وار تحریر فرمایا جائے۔

(۲) زید تمباکو کھانے پینے کی اکثر اشیاء باندھ کر نماز پڑھتا ہے نماز ہوگی؟

(۳) زید اکثر رزائی، کمبل، چادر کی گھوگی ڈال کر نماز پڑھتا ہے ہوگی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) اس سوال کا جواب اگر مفصل لکھا جائے تو کم از کم دو ہزار ورق ہوں گے سائل کو چاہیے علم سیکھے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

یہ باتیں آجائیں گی، فرض کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے اور واجب کے ترک سے مکروہ تحریمی، اور سنت مؤکدہ کا ترک بہت برا ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک سے مکروہ تنزیہی، اور مستحب کے ترک سے غیر اولٰی، فرض کے ترک میں پڑھنا فرض ہے کہ پہلی نماز اصلًا نہ ہوئی اور اسی صورت میں نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اور واجب بھول کر چھوٹا تو سجدہ سہو کا حکم ہے اور قصداً چھوڑا یا بھول کر چھوٹا تھا مگر سجدہ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے اور سنت کے ترک میں سنت اور مستحب کے ترک میں مستحب، اور ان سب صورتوں میں نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے۔

(۲) ہاں نماز ہوجائے گی مگر بدبو آئے تو کراہت ہے۔

(۳) نماز مکروہ ہوگی جب تک ایک پلہ اس کا دوسرے کندھے پر نہ ڈالا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۰: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو ریشمیں کپڑا پہن کر نماز کیسی ہے؟ اور جب امام باوصف معلوم ہوجانے حرمت کے لباس ریشمیں پہن کر امامت کیا کرے تو ساری جماعت کی نماز میں کراہت تحریمی کا وبال امام پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

فی الواقع ریشمیں کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اتار کر پھر پڑھنا واجب کما ھو معلوم من الفقہ فی غیر ما موضع (جیسا کہ فقہ میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ت) شرح مقدمہ غزنویہ پھر فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

تکرہ الصلٰوۃ فی ثوب الحریر وعلیہ ایضاً لانہ محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلٰوۃ ففیھا اولی فان صلی فیھا صحت صلاتہ لان النھی لایختص بالصلٰوۃ[1] انتھی **اقول:** وقولہ وعلیہ ایضاً مبتن علی قولھما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عندالامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی	ریشمی کپڑے میں اور اس کے اوپر نماز مکروہ ہے کیونکہ جب نماز کے علاوہ اسے پہننا حرام ہے تو نماز میں بطریق اولٰی حرام ہوگا، اگر ان میں نماز ادا کی تو صحیح ہوگی کیونکہ نہی نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں انتہی **اقول:** اس کا قول "ریشمی کپڑے پر بھی" صاحبین کے اس قول پر مبنی ہے کہ ریشم کا بچھونا بنانا بھی حرام ہے ورنہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالاشاعت قندھار، افغانستان ۱/۷

عنه لان المحرم لبسه لاسائر وجوه الانتفاع[1] کما فی ردالمحتار وغیرہ نعم تکرہ الصلاۃ علیه وان جاز افتراشه لان الصلٰوۃ لیست موضع الترفه وھذہ الکراھة تنزیھیا۔	ہے کیونکہ ریشم کا پہننا حرام ہے باقی نفع کی صورتیں منع نہیں جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے، ہاں اگرچہ اس کا بچھونا بنانا جائز ہے مگر اس پر نماز مکروہ ہوگی کیونکہ نماز تعیش کا مقام نہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہوگی۔(ت)

جبکہ اللہ عزوجل نے مرد کو ریشمیں کپڑا گھر میں پہننا حرام کیا تو خود اس کے دربار میں اسے پہن کر حاضر ہونا کس درجہ گستاخی وبے ادبی ہوگا، جو بات گھر بیٹھ کر تنہائی میں کرنا تو قانون سلطانی میں جرم ہو وہ خود بارگاہ سلطانی میں اس کے حضور کھڑے ہو کر کرنا کیسی صریح بیباکی اور بادشاہ کا موجبِ ناراضی ہوگا **والعیاذ باللہ تعالٰی** اور پُرظاہر کہ نماز امام کی یہ کراہت نماز مقتدیان کی طرف بھی سرایت کرے گی تو اُن سب کی نمازیں خراب وناقص ہونے کا یہی شخص باعث ہوا اور معاذاللہ ارشاد حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی کا مصداق ٹھہرا ؎

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ھمہ آفاق زد

(بے ادب تنہا اپنے آپ کو ہی تباہ نہیں کرتا بلکہ اس ایک کی بے ادبی تمام عالم کو برباد کردیتی ہے)

بعینہٖ یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمربند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلّے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام وناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہ تحریمی اور تانبے پیتل لوہے کے زیور تو عورتوں کو بھی حرام ہیں انہیں پہن کر اُن کی نماز بھی مکروہ تحریمی، ان مسائل کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۱ : از بدایوں کچہری منصفی مرسلہ شیخ حامد حسین وکیل ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی وضع کے کپڑے پہننا کیسا؟ اور ان کپڑوں سے نماز

[1] ردالمحتار فصل فی اللبس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۵۴

ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ہوتی ہے تو بکراہت تحریمی یا تنزیہی یا بلا کسی فساد کے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام سخت حرام اشد حرام، اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار سیدی علامہ اسمٰعیل نابلسی شرح درر وغرر پھر علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

مافعله بعض [عـــہ۱] ارباب الحرف بدمشق لما زينت البلدة بسبب اخذ بلد من الافرنج من لبسهم زی الافرنج فی رؤسهم وسائر بدنهم وجعلهم اساری فی القيود وعرض ذلك فی البلدة علی زعم انه حسن وهو والعياذ بالله كفر علی الصحيح وخطأ عظيم علی القول المرجوع [عـــہ۲] اعاذنا الله من الجهل المورد موارد السوئ [1]۔	دمشق شہر کی خوبصورتی کے وقت بعض ارباب صنعت نے فرنگیوں سے شہر کی قبضہ میں لیتے وقت جشن مناتے ہوئے مذاق کے طور پر فرنگیوں کا لباس سر اور جسم پر پہنا کر (کچھ لوگوں کو) قید میں ڈالا اور شہر میں پھرایا اور اس سے خوش ہوئے (اللہ کی پناہ) یہ صحیح قول کے مطابق کفر اور قول مرجوع پر خطأ عظیم ہے اللہ تعالٰی جہالت کے ایسے برے مواقع سے محفوظ رکھے۔(ت)

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: تکرہ الصلاۃ مع البرنس [2] (ٹوپی والے جبّہ میں نماز مکروہ ہے۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

عـــہ۱ ذكره فی النوع الثامن من المبحث الاول من القسم الثانی من الصنف الثانی اٰفات اللسان وهو نوع السخريه ۱۲ منه (م)	اسے نابلسی نے مبحث اول کی قسم ثانی کی نوع ثامن میں آفات زباں کی صنف ثانی کے تحت ذکر کیا ہے اور یہ مذاق کی قسم ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲ هكذا هو بالعين فی نسختی الحديقة ۱۲ منه (م)	میرے پاس جو حدیقہ کا نسخہ ہے اس میں یہ لفظ ع کے ساتھ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثامن من الانواع الستین الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۶

مسئلہ ۹۹۲: از ملک اپر برہما چھاؤنی مٹکینہ مرسلہ حاجی ہادی یار خاں ۶صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے حامیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ہے اس کے کپڑا بہت ہے لیکن آستینیں چڑھا کر کُہنی سے اوپر نمازپڑھتا ہے، کچھ کراہت نماز میں آتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بمع حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب: مکروہ ہے نماز پھیرنے کا حکم ہے، درمختار میں ہے:

کرہ سدل ثوبہ وکرہ کفہ ای رفعہ ولولتراب کمشمر کم اوذیل[1]۔	کپڑے کالٹکانا اسی طرح کپڑے کا اٹھانا بھی مکروہ ہے اگرچہ کیچڑ کی وجہ سے ہو جیسے کوئی آدمی آستین اور دامن اٹھالے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حررالخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ[2]۔	شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے (ت)

حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لا اکف شعرا ولا ثوبا رواہ الستۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما[3]۔	مجھے سات اعضا پر سجدہ کا حکم دیا گیاہے اور اس بات کا حکم ہے کہ بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں، اس روایت کو صحاح ستّہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹۳: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حسین ۲صفر ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آستین کہنی تک چڑھی ہوئی نماز پڑھنی مکروہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

ضرور مکروہ ہے اور سخت وشدید مکروہ ہے، صحاح ستّہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

[2] ردالمحتار مطلب مکروہات الصلوٰۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۳/۱

[3] صحیح مسلم، باب اعضاء السجود، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۹۳/۱

وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لا اکف شعرا ولاثوبا[1]۔	مجھے سات اعضاپر سجدہ کاحکم ہے اور اس بات کاکہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔(ت)

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان لا اکف الشعر والثیاب [2]۔	مجھے حکم دیا گیاہے کہ میں بالوں اور کپڑوں کو اکٹھا نہ کروں۔(ت)

تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کواٹھانا مکروہ ہے۔ت) فتح القدیر وبحرالرائق میں ہے:

یدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ[3]۔	کپڑا اٹھانے میں آستینوں کاچڑھانا بھی داخل ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کرہ کف ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم اوذیل[4]۔	کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیساکہ آستین اور دامن کاچڑھانا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حرر الخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ [5]۔	شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے(ت)

غنیہ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود اویدخل فیھا	عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے بایں طور کہ پیچھے یاآگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یانماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا

---

[1] صحیح مسلم باب اعضاء السجود مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

[2] صحیح مسلم، باب اعضاء السجود، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

[3] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴

[4] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[5] ردالمحتار، مطلب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۳

وھو مکفوف کما اذا دخل وھومشمرا لکم او الذیل[1]۔	جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یادامن چڑھایا ہواتھا۔(ت)

علامتین محققین جلیلین شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔غنیہ میں ہے:

(و) یکرہ ایضا (ان یرفع کمه) ای یشمرہ (الی المرفقین) وھذا قید اتفاق فانه لو شمر الی مادون المرفق یکرہ ایضا لانه کف للثوب وھو منھی عنه فی الصلاۃ لما مر وھذا اذاشمرہ خارج الصلوٰۃ وشرع فی الصلوٰۃ وھو کذٰلك اما لوشمرہ فی الصلاۃ تفسد لانه عمل کثیر[2]۔	اور یہ بھی مکروہ ہے (کہ آستین اٹھائی) یعنی چڑھائی ہو (کہنیوں تک) اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہوں تب بھی کراہت ہے کیونکہ یہ کپڑے کااٹھانا ہے حالانکہ وہ نماز میں ممنوع ہے جیسا کہ اس پراحادیث گزری ہیں اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز سے باہر آستین کوچڑھایا تھااور اسی حال میں نماز شروع کردی اور اگردوران نماز آستین چڑھاتا ہے تونماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیرھما الٰی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا[3]۔	آستینوں کانصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہوناچاہئے کیونکہ اس پر بھی کپڑااٹھانا صادق آرہاہے(ت)

تولازم ہے کہ آستینیں اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے اور اگرآستین چڑھی نمازپڑھے تو اعادہ کی جائے کما ھو حکم صلاۃ ادیت مع الکراھة کمافی الدر وغیرہ (جیسا کہ ہراس نماز کاحکم ہے جو کراہت کے ساتھ اداکی گئی ہو جیسا کہ دروغیرہ میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۴: غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب ہے اور اس نے کسی وجہ سے نماز

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ فصلہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

[2] غنیۃ المستملی ، یکرہ فصلہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دست کشاپڑھی تو وہ اس کی نماز صحیح ہو گئی یا نہیں یا اس کا اعادہ کرنا چاہئے یا کیا؟

الجواب:

نماز ہو جائے گی مگر بکراہت لترک السنۃ (ترک سنت کی بنا پر۔ت) اعادہ چاہئے علٰی وجہ الاستحباب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۵: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ محلّہ کمبوہان مرسلہ تاج الدین حسین خاں صاحب ۵ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

موسم گرما میں مَیں ساری بہت نیچی باندھتا ہوں اکثر نماز مولوی صاحبوں کے ہمراہ پڑھی کسی نے اعتراض نہ کیا ایک سید صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا جو اونچی دھوتی باندھتے ہیں ان کو کانچھ کھولنی ضرور ہے کہ ستر پوشی ہو اور تم بہت نیچی باندھتے ہو اس میں ضرور نہیں کہ ستر چھپا رہتا ہے، میں نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا اس پر چند آدمیوں نے اعتراض کیا کہ کھول دیا کرو ورنہ نماز میں خلل پڑتا ہے، پس آں مخدوم کو تکلیف دیتا ہوں حکم شرح بیان فرمایئے، اور اگر باندھنا ساری کا داخل پوشاک مشرکین ہو تو میں موقوف کروں کیونکہ میرا اعتقاد آپ کے قول پر ہے بمقابلہ آپ کے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتا ہوں بقول مخدوم مینا صاحب قدس سرہ العزیز ۔

ہمہ شہر پُر ز خُوباں منم و خیال ماہے
چکنم کہ چشم بد خو نکند بکس نگاہے

(تمہارا شہر خوبصورت حضرات سے بھرا ہے، میرا ذوق اپنا ہے، میں کیا کروں کہ بد خو آنکھ کسی پر بھی ایک نگاہ نہیں ڈالتی)

زیادہ نیاز

الجواب:

مکرمی سلمکم اللہ تعالٰی! جواب مسئلہ اُنہی لفظوں میں ہے جو آپ نے تحریر فرمائے کہ اس عقدے کو حل فرمایئے واقعی ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہت نماز کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **امرت ان لا اکف شعرا و لا ثوبا**[1] (مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔ت)

---

[1] صحیح مسلم باب اعضاء السجود والنہی عن کف الثوب مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۹۳

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھوفی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عن السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھومشمر الکم او الذیل۔[1] ۔	نماز میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا اٹھانا مکروہ ہے یوں کہ آگے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھائے یا نماز میں کپڑا چڑھائے ہوئے داخل ہونا اور یہی حکم ہے جبکہ نمازی آستین یا دامن چڑھائے ہوئے ہو۔(ت)

اور ساری یادھوتی باندھنا جہاں کے شرفا میں اس کا رواج نہ ہو جیسے ہمارے بلاد وہاں شرفاکے لئے خود بھی کراہت سے خالی نہیں کماحققناہ فی کتاب الحظر من فتاوٰنا (ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الحظر میں کی ہے۔ت) اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے حرج پیچھے گھُرسنے میں ہے ورنہ تہبند تو عین سنت ہے اور گٹّوں سے اُوپر تک ہونا چاہئے اس سے زیادہ نیچی مکروہ ہے واللہ تعالٰی اعلم یہ تو آپ کے سوال کا جواب تھا اور ان سب باتوں سے زیادہ ضروری مسئلہ قیام نماز ہے فرض و وتر و سنت فجر بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت صرف اس حالت میں ہے کہ کھڑے ہونے پر اصلاً قدرت نہ ہو نہ دیوار کی ٹیک نہ کسی آدمی یا لکڑی کے سہارے سے، اور عجز بھی ایسا ہو کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے کی دیر تک بھی کھڑا نہ ہوسکے اگر اتنی ہی دیر قیام کی طاقت ہو اگرچہ کسی سہارے سے، توفرض ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پھر طاقت نہ رہے تو بیٹھ جائے، آج کل اکثر لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں ذرا تکلیف ہوئی اور نماز بیٹھ کر پڑھ لی اور سیدھے کھڑے ہو کر گھر کو راہی ہوئے، یوں نمازیں قطعاً باطل ہوتی ہیں بلکہ جتنی دیر جس قدر اور جس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو اتنا قیام ہر رکعت میں فرض ہے، یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے وقد بیناہ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق ثم السلام

مسئلہ ۹۹۶ : ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وقت نماز اپنی جوتیاں سجدہ کے روبرو رکھ کر نماز ادا کرے تو نماز میں کیا شرعاً کراہت آتی ہے اور دہنے یا بائیں طرف رکھنے سے کیا نفع نقصان ہے، اگر سجدہ کے برابر رکھ کر کپڑے وغیرہ سے چھپادی جائیں توعلیحدہ ہونے کے مرتبہ میں ہوئیں یانہیں؟ اور کس حدیث سے جوتیوں کو سجدہ کے روبرو رکھنا منع آیا ہے؟ اور ایسے وقت میں نزول رحمت کا بند ہونا کیوں ہے؟ معمولی جوتیاں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراہیۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

جو ہر شخص پہنے پھرتا ہے پہنے ہوئے مسجد میں چلاآئے اور پہنے ہوئے نماز ادا کرے جائز ہے یا نہیں؟ کن بزرگان دین نے ایسا فعل کیا تھا؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اصلی احدکم فلایضع نعلیه عن یمینه ولاعن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الاان لایکون احد ولیضعھما بین رجلیه[1]۔ رواہ الحاکم ایضا والبیھقی۔	جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو جوتی اپنے دائیں طرف نہ رکھے نہ اپنے بائیں طرف رکھے کہ دوسرا جو اس کے بائیں ہاتھ کو ہے اس کے دہنی طرف ہوں گی ہاں اگر بائیں طرف کو کوئی نہ ہو تو بائیں جانب رکھے ورنہ اپنے پاؤں کے بیچ میں رکھے، اسے بھی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔

دوسری روایت میں اس ممانعت کے لئے یوں حدیث آئی:

فلایؤذ بھما احدا[2]۔ رواہ الثلثة المذکورون وابن حبان رضی اللہ تعالٰی عنه۔	کسی کو ایذا نہ دے۔ مذکورہ تینوں محدثین اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں اس ایذا کی یوں تصریح آئی:

لاتضعھما عن یمینك ولا عن یسارك فتؤذی الملئکة والناس[3]۔ رواہ الخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	دہنے ہاتھ کو رکھے گا تو ملائکہ کو ایذا ہوگی، بائیں کو رکھے گا تو جو لوگ بائیں طرف ہیں انہیں ایذا ہوگی۔ اسے خطیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

علماء نے اس ایذا کی وجہ فرمائی یعنی وفیه نوع اھانة له[4] (جس کی طرف جو تا رکھا جائے اس کی

---

[1] سنن ابوداؤد باب المصلی اذاخلع نعلیہ این یضعھما مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۶

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۵۹

[3] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن حمویہ نمبر ۵۰۷۸ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۹/۴۴۹

[4] مرقات المفاتیح حدیث ۷۶۷ کے تحت مذکور ہے مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۷۵

اہانت ہوتی ہے قاله الطيبى ونقله فى المرقاة (یہ علامہ طیبی نے فرمایا اور مرقات میں نقل ہوا۔ت) اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا كان احدكم يصلى فلايبصق قبل وجهه فان الله تعالٰى قبل وجهه اذا صلى [1]۔ رواه مالك فى الموطا عن ابن عمر رضى الله تعالٰى عنهما و طريقه الشيخان فى الصحيحين۔	جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے اللہ عزوجل کا فضل وجلال ورحمت ہوتے ہیں۔ اسے امام مالک نے مؤطا میں امام نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور اسی سند سے بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ائمہ دین اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

يجب على المصلى اكرام قبلته بما يكرم به من يناجيه من المخلوقين عند استقبالهم بوجهه[2]۔ ذكره ابن بطال ونقله فى ارشاد السارى۔	یعنی نمازی پر واجب ہے کہ معظمین کے سامنے کھڑے ہونے میں جس بات میں ان کی تعظیم جانتا ہے وہی ادب اپنی جانب قبلہ میں ملحوظ رکھے کہ اللہ عزوجل سب سے زیادہ احق بالتعظیم ہے۔ اسے شیخ ابن بطال نے ذکر کیا اور ارشاد الساری میں مذکور ہے۔

ان احادیث میں دہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور سامنے کا حکم اس حدیث صحیح کہ دلالۃ النص اور اسی ارشاد علما کے عموم اور نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین وتعظیم کا مدار عرف وعادت ناس وبلاد پر ہے۔

وقد حققه المولى العلامة خاتم المحققين سيدنا الوالد قدس سره الماجد فى اصول الرشاد۔	اس کی تحقیق علامہ خاتمۃ المحققین سیدنا والد گرامی قدس سرہ الماجد نے اصول الرشاد میں فرمائی ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ اب عرف عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربار شاہی میں بحضور سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا فقیر نے بچشم خود دیکھا ہے کہ کعبہ معظّمہ پر پھوہار برسی تھی میزاب رحمت سے

[1] موطاامام مالک النہی عن البصاق فی القبلۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱/۴۱۹

بُوندیں ٹپک رہی تھیں مسلمان حاضر تھے اُن بوندوں کو لیتے اور چشم ودل سے ملتے، ان میں کوئی ہندی شخص جوتا ہاتھ میں لئے تھا تر کی خادم دوڑا اور اس کی گردن دبادی تتاجی ربک ونعلاک بیدک جوتیاں ہاتھ میں لئے ہوئے اللہ تعالٰی سے مناجات کرتا ہے، بلکہ سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یوں ہے:

فاجعلهما بين رجليك ولاتجعلهما عن يمينك ولاعن يمين صاحبك ولاورائك فتوذی من خلفک[1]۔	یعنی جوتے اپنے پیچھے بھی نہ رکھ جو پیچھے ہے اس کے آگے ہوں گے اسے ایذا ہو گی۔

انجاح الحاجہ میں لکھا ہے:

لانك اذاوضعتهما ورائك تكونان قدام من كان فی الصف الموخر فيتأذی ورحمة الله تعالٰی تنزل عليهم فيكون هذاالفعل اساءة[2]۔	جب تو ان کو اپنے پیچھے رکھے گا تووہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے نمازی کے سامنے ہوں گی تو اسے اذیت ہوگی حالانکہ ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہورہی ہوگی۔ للذا یہ عمل برا ہے۔(ت)

وللذا ائمہ دین نے تصریح فرمائی کہ استعمال جوتیاں پہنے ہوئے مسجد جانا بے ادبی ومکروہ ہے، امام برہان الدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید پھر علامہ بحر بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

قدقيل دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[3]۔	مسجد میں جوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں عمدۃ المفتی سے ہے:

دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[4]۔	مسجد میں جوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔(ت)

فتاوٰی سراجیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: **دخول المسجد متنعلا مكروه**[5] (مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے ۔(ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء این توضع النعل اذاخلعت فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۵

[2] انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ باب ماجاء این توضع النعل اذاخلعت فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۵

[3] بحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴

[4] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵۷

[5] فتاوٰی سراجیہ باب المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ دوجوڑے رکھتے تھے استعمالی جوتا پہن کر دروازہ مسجد تک تشریف لاتے پھر دوسرا جوڑا پہن کر مسجد میں جاتے[1]

ذکرہ ایضاً فی البحر عن التجنیس واذاالامر دار علی العرف فالحکم الحظر الاٰن مع ثبوتہ عن سیدالمتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وذٰلك کترك الکلاب تدور فی المسجد ووضع السریر وادخال البعیر وضرب الخیمۃ للمرضی وغیرھم فیہ ولنا رسالۃ فی الباب سمیناھا"جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال"واخری"نفیسۃ حافلۃ فیماتصان عنہ المساجد"۔	اسے بحر میں تجنیس کے حوالے سے ذکر کیا اور مسئلہ کا مدار عرف پر ہوتا ہے اس دور میں یہ ممنوع ہے باوجودیکہ اس کا ثبوت سید المتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کتوں کا مسجد میں آناجانا، چارپائی کا بچھانا، اونٹوں کاداخل ہونا، بیمارلوگوں اور دیگر ضروریات کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم متروک ہے، ہم نے اس موضوع پر ایک رسالہ "جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال"اور دوسرا"نفیسۃ حافلۃ فیما تصان عنہ المساجد"لکھاہے۔(ت)

ہاں اگر بائیں جانب یا پیچھے رکھنے میں چوری کاخوف ہو اور یہاں جوتی پاؤں کے بیچ میں جو فرجہ نماز میں ہوتا ہے یعنی چار انگل اس قدر میں آنے کے قابل نہیں ہوتے تو کپڑے سے چھپانا کافی ہے

ھذا کلہ ماظھر لی تفقھا وبما قررت ظھر ان لاورود لبقیۃ حدیث الخطیب المذکور وان سُلِّم ان سلمَ من الضعف لان الاحکام ھھنا بالعرف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام وہ جو مجھے ازراہ تفقہ حاصل ہوا، جو ہم نے گفتگو کی اس سے یہ بھی واضح ہوجاتاہے کہ خطیب کی ذکر کردہ حدیث کا یہ محل نہیں اگرچہ تسلیم بھی کرلیاجائے کہ یہ روایت ضعف سے خالی ہے کیونکہ ان احکام کا مدار عرف پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۹۹۷: ۴ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے احناف، رحم کرے اللہ آپ لوگوں پر، اور برکت دے علم میں کہ فیض پہنچاتے رہیں علم سے اپنے خلائق کو اس قول میں کہ وردی جو کہ سپاہی پولیس کے پہنتے ہیں اور دھوتی جو کہ کفار پہنتے ہیں اس کو پہن کر نماز مکروہ ہے یا کہ مکروہ تحریمی، حکمش چیست؟

[1] بحرالرائق ، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴

الجواب:

وہ وردی پہن کر نماز مکروہ ہے خصوصًا جبکہ سجدہ بردرجہ مسنون سے مانع ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اوالخیاط اذااستوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذلك کثیر اجرلایستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[1]۔	جب کسی درزی کو فاسقوں کے لباس سینے پر اُجرت دی جائے اور اسے اس پر اجر کثیر دیاجائے تو یہ عمل اس کے لئے بہتر نہیں کیونکہ یہ گناہ پر معاونت ہے۔(ت)

اور دھوتی باندھنا بھی مکروہ ہے کہ اگرلباس ہنود وغیرہ نہ ہو توکپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کومکروہ کرنے کے لئے بس ہے لنھیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کف ثوب اوشعر (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کپڑے یا بال مجتمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ت) ہاں پیچھے نہ گھرسیں تووہ دھوتی نہیں تہ بند ہے اوراس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنت ہے واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عینک لگاکر نمازپڑھاتا ہے تومقتدیوں کی نماز میں کچھ قصورتونہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

اگرعینک کا حلقہ یا قیمیں چاندی یاسونے کی ہیں توایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یااوردھات کی ہوں توبہتر یہ کہ نمازپڑھتے میں اُتارلے ورنہ یہ خلاف اولٰی اور کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے درومحراب میں نمازپڑھناوپڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اوراکثر آگے در کے چبوترہ یالکڑی کی مثل چوکی کے بناکراس پر نمازپڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم در کے باہر نمازپڑھتے ہیں، اور بعض در ایسے ہیں کہ کچھ دروازہ اُن کا عمارت میں نکال دیاگیاہے اور کہتے ہیں کہ یہ در بیچ کاآگے کو ان دونوں دروں سے نکال دیاگیاہے تب ان صورتوں میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

اصل حکم یہ ہے کہ تنہاایک شخص کہ نہ امام ہے نہ مقتدی بلکہ اپنی نمازجداپڑھ رہاہے اسے درمیں کھڑے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۸۰

ہو کر اپنی نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے اور مقتدی کو در میں کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر بضرورت کہ جگہ نہیں ہے یامثلاً مینہ برس رہاہے، صحیح حدیث میں ہے:

کنانتقی ھذا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	ہم اس عمل سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بچا کرتے تھے (ت)

کما بیّناہ فی فتاوینا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیاہے۔ت) یہ حکم منفرد ومقتدی کے لئے تھا، رہاامام اس کے لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاہے کہ در میں کھڑے ہونا مکروہ ہے، تاتارخانیہ وردالمحتار میں امام سے ہے:

انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[2]۔	میں امام کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔(ت)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل خلاف امت ہے کما فی المعراج وغیرہ (جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے۔ت) اور دوسرے یہ کہ امام ومقتدی کادرجہ بدل گیا اگرامام ایک درجہ میں تنہا ہے اور مقتدی دوسرے درجے میں ہے تو یہ مکروہ ہے کما نص علیہ القھستانی فی شرح النقایۃ (جیسا کہ قہستانی نے شرح نقایہ میں اس پر نص وارد کی ہے۔ت) در کاآس پاس کے دروں سے آگے نکلا ہونا اس سے کراہت کادفع نہیں ہوسکتا البتہ امام درکے باہر کھڑا ہو اور سجدہ درکے اندر کرے تو وہ کراہت جاتی رہے گی کہ اب امام ومقتدی ایک ہی درجہ میں ہیں لان العبرۃ للقدم[3] کما نصوا علیہ (کیونکہ اعتبار قدم کاہے جیسا کہ اس پر فقہانے تصریح کی ہے۔ت) مگر اب غالب مساجد میں ایک اور کراہت پیش آئے گی وہ یہ ہے کہ اگلے درجے کی کرسی صحن سے بلند ہوتی ہے تو کھڑا ہوا نیچے اور سجدہ بلندی پر کیا یہ بلندی اگر دوخشت بخارا یعنی ۱۲اانگل یعنی پاؤ گز کی قدر ہوئی جب تو نماز ہی نہ ہوگی کما نص علیہ فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں اس پر نص وارد کی گئی ہے۔ت) اور اگر اس سے کم ہوئی جب بھی کراہت سے خالی نہیں، لہٰذا اس کاعلاج یہ ہے کہ در کی کرسی اس قدر جس میں امام سجدہ کرسکے زمین کاٹ کر صحن کے برابر کردی جائے اب امام درکے باہر کھڑا ہو اور اس کٹی ہوئی زمین میں سجدہ کرے سب کراہتیں جاتی رہیں اور وہ جو چوکی رکھ دیتے ہیں یا لکڑی وغیرہ کاچبوترہ بنادیتے ہیں اس سے اگرچہ

[1] سنن ابوداؤد باب الصفوف بین السواری، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸

[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[3] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

دو۲ کراہتیں جاتی رہیں کہ اب نہ امام در میں ہے نہ اس کا سجدہ پاؤں کی جگہ سے بلند ہے مگر تیسری کراہت اور عارض ہوئی کہ امام کو مقتدیوں سے ببلند جگہ بقدر امتیاز کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے کما فی الدر المختار وھو الاصح المختار (جیسا کہ در مختار میں ہے اور یہ اصح و مختار ہے۔ت) اور مشابہت یہود ہے، اور حدیث میں فرمایا:

لاتشبھوا بالیھود [1] وقد قالوا انھم یقیمون امامھم علی دکان ممتازا عمن خلفہ۔	یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو، اور منقول ہے کہ یہود اپنے ائمہ کو بلند جگہ کھڑا کرتے تھے تاکہ وہ مقتدیوں سے ممتاز ہو جائے۔ (ت) تو چارہ کار وہی ہے جو اُوپر بتایا گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ اشارۃ الید فی السلام مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب [۱۳۲۰ھ]

(محراب میں قیام امام سے متعلق درستگی کے تاج)

(محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث)

مسئلہ ۱۰۰۰: از جبل پور قریب مسجد کوتوالی مرسلہ مولٰنا مولوی شاہ محمد عبدالسلام صاحب قادری برکاتی ۶ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

اما بعد مایقول سیدنا وسندنا ومولٰنا ومرشدنا والذخرلیومنا وغدنا و وسیلتنا وبرکتنا فی الدنیا والدین، اٰیۃ من اٰیات اللہ رب العٰلمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، اعلم العلماء المتبحرین افضل الفضلاء المتصدرین، تاج المحققین سراج المدققین، مالك ازمۃ الفتاوی و المفتین، ذوالمقامات الفاخرۃ والکمالات الزاھرہ الباھرۃ، صاحب الحجۃ القاھرۃ، مجدد المائۃ الحاضرۃ، العلامۃ الاجل الابجل، حلال عقدۃ مالاینحل، بحرالعلوم، کاشف السر المکتوم، صدرالشریعۃ، محی السنۃ، المحدّث	حمد وصلٰوۃ کے بعد، کیافرماتے ہیں ہمارے سربراہ وآقا، مرشد، ہمارے آج اور کل کے لئے ذخیرہ، دنیاوآخرت میں ہمارے وسیلہ، اللہ رب العالمین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، مسلمانوں پر اللہ کی نعمت، متبحر علماء سے زیادہ صاحب علم فضلاء سے افضل، تاج المحققین، سراج المدققین، فتاوٰی اور اصحاب فتاوٰی کے شیخ، صاحب مقامات کاملہ اور کمالات زاہرہ و باہرہ، صاحب حجت قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، علامہ اجل وابجل، نہ کھلنے والے عقدوں کو کھولنے والے، علوم کے سمندر، مخفی رازوں کے واضح کرنے والے، صدرالشریعۃ، سنت کو زندہ کرنے والے، عظیم محدث و

الفقیه العدیم النظیر النحریر لازالت لوامع افکارہ توضح غوامض المشکلات وانوار اسرارہ تحل المعضلات فی ھذا المرام۔	فقیہ، جن کی مثالیں نہیں، آپ کے افکار عالیہ ہمیشہ نہایت ہی مشکل پیچیدگیوں کو واضح کرتے رہیں، اور آپ کے اسرار کے نور اس مقصد کی مشکلات روشن کرتے رہیں۔
سوال اوّل: امام راتب اگر محراب را گزاشتہ در مسجد یا در صحن بازائے وسط قیام نماید آیا ایں ترک مقام معین ومقام درغیر محراب مکروہ باشد یانہ برتقدیر اول انچہ درکتاب مستطاب ردالمحتار درباب الامامۃ مذکورست والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلولم یلزم ذلك لایکرہ[1] فما المراد منه وبرتقدیر ثانی آنچہ درہماں کتاب درمکروہات الصلوٰۃ مسطوراست ومقتضاہ ان الامام لوترك المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامه وسط الصف لانه خلاف عمل الامۃ وھوظاھر فی الامام الراتب دون غیرہ والمنفرد[2] الخ فما المستفاد عنه ازعبارت اولیٰ مفہوم می شود کہ ترک محراب سبب کراہت نیست بلکہ لزوم عدم قیام فی الوسط باعث کراہت است پس اگرامام راتب ہم ترک محراب نمودہ درغیر محراب بمحاذات وسط صف	**سوال اول:** مقررہ امام اگر محراب چھوڑ کر مسجد یا صحن مسجد محراب کے مقابل درمیان میں کھڑاہوا تو کیامقام مقررہ کا چھوڑنا مکروہ ہے یانہیں؟ اگرمکروہ ہے تو ردالمحتار کے باب الامامت کی اس عبارت کہ "ظاہر یہ ہے کہ یہ اس امام مقرر کے لئے ہے جو جماعت کثیرہ کا ہو، تاکہ اس کا وسط میں کھڑا نہ ہونالازم آئے، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کراہت نہیں "کا کیا معنی ہوگا؟ اور مکروہ نہیں تو اس کتاب کے باب مکروہات نماز میں تحریر ہے "اور اس کا تقاضایہ ہے کہ اگرامام نے محراب چھوڑدیا اور دوسری جگہ کھڑاہوگیا تو مکروہ ہے اگرچہ اس کا قیام صف کے درمیان میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کا یہ عمل امت کے عمل کے خلاف ہے اور یہ بات مقررہ امام میں واضح ہے مگر غیر مقرر امام اور منفرد میں نہیں" تو اس کا مفہوم کیاہوگا؟ پہلی عبارت سے یہ سمجھ آرہاہے کہ ترک محراب کراہت کاسبب نہیں بلکہ وسط میں کھڑا نہ ہونا سبب کراہت ہے لہٰذا اگر مقرر امام بھی محراب ترک کردے اور کسی اور مقام پر اس کے محاذات میں صف کے درمیان

[1] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۶۸/۱

[2] ردالمحتار مطلب اذاتردد الحکم بین سنۃ وبدعت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۴۶/۱

قیام نماید در مسجد باشد یادر صحن مسجد باجماعت قلیل کہ ازوعدم محاذات وسط صف لازم نیاید مکروہ نباشد وازعبارت اخری مستفاد می شود کہ امام راتب راترک محراب و قیام در غیر محراب مطلقًا اگرچہ بازائے وسط صف باشد وبہر کجاکہ بود اندرون مسجد یابیرون مسجد در صحن وغیرہ مکروہ باشد لانہ خلاف عمل الامۃ وظاھرھما یدل علی التضارب و التنافی بینھما فکیف التطبیق۔	کھڑا ہو خواہ مسجد کے اندر ہو یا صحن مسجد میں یاجماعت قلیل ہوتا کہ وسط صف کی عدم محاذات لازم نہ آئے تو یہاں کراہت نہ ہوگی اور دوسری عبارت سے پتا چلتاہے کہ مقررامام کامحراب کوترک کرکے غیر محراب میں کھڑا ہونا خواہ صف کے وسط میں ہو اندرون مسجد یا صحن مسجد میں ہر جگہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل امت کے خلاف ہے اوران دونوں عبارات میں بظاہر تعارض ومنافات ہے ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟
سوال دوم: قیام امام در محراب بطوریکہ مصرح فقہائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی است یعنی قیامه خارجه وسجودہ فیه چہ حکم دارد مباح یا سنت، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی درجامع صغیر می فرمایند عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمه اللہ تعالٰی لاباس ان یکون مقام الامام فی المسجد وسجودہ فی الطاق ویکرہ ان یقوم فی الطاق[1] ھ وھکذا فی الھدایۃ ودرکتاب الآثار می نویسند واما نحن فلانری باسا ان یقوم بحیال الطاق مالم یدخل فیه اذاکان مقامه خارجا منه و سجودہ فیه وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیه[2] فیفھم من ھذہ العبارات	**سوال دوم:** امام کامحراب میں اس طرح کھڑا ہونا جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے بیان کیاہے یعنی خود خارج میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں کرے کیاحکم رکھتاہے مباح یاسنت؟ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ امام یعقوب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا ہے کہ امام کامسجد میں کھڑا ہو کر محراب میں سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد لکھتے ہیں کہ رہا معاملہ ہمارا تواگرامام محراب کے گوشے میں کھڑا ہو بشرطیکہ اس میں داخل نہ ہو اوراس کی قیام گاہ اس سے باہر ہو اور سجدہ اس کے اندر ہو توہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یے ہی موقف ہے، ان تمام عبارات سے

[1] الجامع الصغیر باب فی الامام این یستحب له ان یقوم الخ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۱

[2] کتاب الآثار باب الصلوٰۃ فی الطاق مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ص ۲۱

الاذن والرخصة فيه، وازاکثر کتب معتمدہ فقہیہ ہم جواز مطلق مفہوم می شود کہ عبارات متون و شروح معتبرہ مشہورہ یکرہ قیام الامام فی الطاق ولایکرہ سجودہ فی الطاق اذاکان قائما خارجا المحراب[1] ھ ملخصا عینی کنز، لاسجود فیہ وقدماہ خارج[2] الخ مختصرا درمختار، لایکرہ ان قام الامام فی المسجد وسجد فی الطاق الخ مختصرا قھستانی وغیرھا من العبارات المتقاربة لھا مشعر ہمیں معنٰی خواہند شد ازایں تصریحات معلوم می شود کہ قیام امام در محراب بطور مذکور مباح وجائز ست نہ کہ سنت ومندوب پس از طرف محراب وقیام در غیر آں ہیچ کراہتے لازم نا نیاید اما علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ در ردالمحتار از معراج الدرایہ و مبسوط نقل می فرمایند : السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ[3] الخ ایضا السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری

یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اجازت ورخصت ہے، اور اکثر کتب فقہ جو معتمد ہیں ان سے بھی مطلق جواز مفہوم ہوتا ہے کیونکہ مشہور متون اور شروحات میں درج ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں جبکہ وہ خارج محراب کھڑا ہواھ تلخیصا عینی کنز، محراب میں اس کا سجدہ مکروہ نہیں جبکہ اس کے قدم محراب سے خارج ہوں الخ اختصارًا، درمختار میں ہے اگرامام مسجد میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں ہو تو کراہت نہیں الخ اختصارًا، قہستانی اور دیگر کتب میں ایسی ہی قریب المعنی عبارات ہیں جن سے یہی معنی مترشح ہوتا ہے، ان تمام تصریحات سے معلوم ہورہا ہے کہ امام کا محراب میں مذکورہ طریقہ پر کھڑا ہونا جائز ومباح ہے سنت ومندوب نہیں لہٰذا محراب کا ترک اور دوسری جگہ کھڑے ہونے سے کراہت لازم نہیں آتی۔ لیکن علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں معراج الدرایہ اور مبسوط سے نقل کیا کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہوجائے، اگر کسی ایک جانب کھڑا ہواتو کراہت ہوگی الخ وہاں یہ بھی ہے امام کا وسط صف کے مقابل کھڑا ہونا سنت ہے کیاآپ نے

---

[1] عینی علی الکنز باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۳

[2] درمختار باب مایفسد فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[3] جامع الرموز للقہستانی فصل مایفسد فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهى عينت لمقام الامام[1] ايضا والاصح ماروى عن ابى حنيفة انه قال اكره ان يقوم بين الساريتين اوفى زاوية اوفى ناحية المسجد اوالى سارية لانه خلاف عمل الامة قال عليه الصلٰوة و السلام توسطوا الامام[2] الخ واز تاتارخانیہ می آرند ويكره ان يقوم فى غيرالمحراب الابضرورة[3] ونیز می فرمایند يفهم من قوله او الى سارية كراهة قيام الامام فى غيرالمحراب ويؤيده قوله قبله السنة ان يقوم فى المحراب وكذا قوله فى موضع اٰخر والسنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف[4] الٰى اٰخر ماهو المنقول والمذكور فيه كل ذلك يدل على ان السنة للامام ان يقوم فى المحراب ويكره ان يقوم فى غيره فما صورة التطبيق بين هذه الاقوال المختلفة او الترجيح لواحد على وجه يتبين به الصواب والحكم الصحيح آیا امام راتب	نہیں دیکھا کہ محرابیں مساجد کے درمیان بنائی جاتی ہیں جو امام کے مقام کا بھی تعین کردیتی ہیں اور اصح قول جو امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میں امام کا دو ستونوں کے درمیان یا زاویہ یا مسجد کے گوشے یا ستون کی طرف کھڑا ہونے کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ یہ عمل امت کے خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: امام کو درمیان میں کھڑا کرو۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ امام کا ضرورت کے بغیر محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام صاحب کے "یا ستون کی طرف" سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر محراب میں امام کا قیام مکروہ ہے اس کی تائید اس پہلے قول سے ہوتی ہے کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، اسی طرح دوسرے مقام پر ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام وسط صف کے مقابل کھڑا ہو، اس بارے میں جو کچھ منقول ومذکور ہے وہ تمام اس پر دال ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے اور غیر محراب میں قیام مکروہ ہے، تو اب ان مختلف اقوال میں تطبیق کیسے ہوگی یا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دی جائے تاکہ درست رائے اور حکم صحیح واضح ومتعین ہوجائے، کیا امام کا

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴۶
[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸
[4] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

راقیام در صحن مسجد بمحاذاۃ محراب درصف کماھو المتعاد فی دیارنا براعتبار فرق مسجد صیفی و شتوی جائز داشتہ شدہ یابوجہے دیگر فالمسؤل من الحضرۃ العلیۃ البھیۃ السنیۃ الرضیۃ المطھرۃ القدسیۃ ان نستفیض بتحقیق المقام وتوضیح المرام بحیث ینکشف بہ المشکل و ینحل بہ المعضل فتطمئن بہ الاوھام۔	محراب کے محاذی صحن مسجد میں قیام جیسا کہ ہمارے علاقے میں متعارف ہے بنابراعتبار مسجد صیفی و شتوی جائز ہے یا کوئی اور صورت ہے، اس بارگاہ میں سوال ہے جو بلند، اعلیٰ، محبوب، پاکیزہ ومقدسہ ہے کہ ہمیں اس مقام کی ایسی تحقیق اور مقصد کی وضاحت عطافرمائے جس سے مشکل حل ہوجائے اور ذہن مطمئن ہوجائیں۔(ت)

بیّنوا توجروا۔ فقیر حقیر مستہام غلام تراب الاقدام اذل خدام الحضور عالی مقام احقر الطلبہ محمد عبدالسلام سنی حنفی قادری جبلپوری عفی عنہ۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد برضمیر منیرہدی تخمیر مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل التقی النقی الحفی الوفی الصفی الزکی الذکی السنی السنی الجمیل الجلیل المولوی الشاہ محمد عبدالسلام القادری البرکاتی السنی الحنفی سلمہ اللہ تعالٰی بالعز والاکرام و السلامۃ والسلام وحمایۃ الاسلام وجعلناہ وایاہ دارالسلام آمین آمین یاذالجلال والاکرام، مستترنیست کہ مسئلہ مرسلہ سامی برچار سوال اشتمال دارد، یکے نفی تنافی از دو عبارت علامہ شامی کہ جائے مبنائے کراہت درحق امام عدم توسط صف راداشتہ است نہ ترک محراب راتاآنکہ اگر میانہ صف ایستد کراہت نبود اگرچہ ترک محراب گوید، ودگرجانفس ترکش راتاآنکہ اگردرغیر محراب ایستد کراہت باشد گومیانہ صف باش دوم دفع	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہم اس کی حمد بجالاتے ہیں اور اس کے رسول کریم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے روشن ضمیر، سراپاہدایت، مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل تقی نقی، لائق، تام، پاکیزہ، ستھرا، سنی، قیمتی، جمیل، بزرگ، اللہ تعالٰی ان کو عزت و اکرام سے زندہ رکھے، ہمیں اور ان کو جنت میں داخل کرے، یاذالجلال والاکرام آمین! ارسال کردہ مبارک مسئلہ چار سوالات پر مشتمل ہے ایک یہ ہے کہ علامہ شامی کی دوعبارات میں منافات کی نفی مقصود ہے کہ ایک جگہ امام کے صف میں عدم توسط کو علت کراہت قرار دیا ہے نہ کہ ترک محراب کو، حتی کہ اگرامام صف کے درمیان کھڑا ہوجاتا ہے اگرچہ محراب میں نہیں تواب کراہت نہ ہوگی، دوسرے مقام پر ترک محراب کو مکروہ کہا ہے حتی کہ اگرامام محراب چھوڑ کر

تدافع از تنصیصات متون وغیرہا کہ قیام در نفس محراب را مکروہ فرمودہ اند و بازائے اُو استادن راچنانکہ سجدہ در محراب افتد بہ لفظ لا باس بہ کہ مفید مجرد اباحت عاری از فضیلت بلکہ در غالب اطلاق مشعر بکراہت است تعبیر نمودہ، وتصریحات مبسوط امام خواہرزادہ ومعراج الدرایہ وتاتارخانیہ وغیرہا کہ قیام امام در محراب سنت است وترکش موجب کراہت واسائت، سوم آنکہ امام راتب راترک محراب باوصف توسط صف در مسجد صیفی خواہ شتوی مکروہ باشد یاخیر، چہارم آنکہ امام را بازائے محراب ایستادن چنانکہ سجدہ درون طاق باشد سنت ووجہ فضیلت ست یا محض مباح، دوسوال پیشین تشابہ ومتماثل ست عبارت اول شامی کہ ترک محراب را وجہ ایراث کراہت نداشت بانصوص متون موافق می آید کہ قیام بازائے محراب را لاباس بہ گفتند پیداست کہ ترک مباح کراہتے ندارد وعبارت دومش باقوال مبسوط ومامعہ مشایعت نماید کہ قیام فی المحراب چوں مسنون ست نفس ترکش ہرآئینہ مکروہ و زبون ست و سوال سوم نیزاز ہمیں مناشی ناشی آمدہ کہ اونیزاز کراہت وعدم کراہت ترک محراب مستحسن می راند واگر نیکو بنگرند سوال چہارم نیزاز ہمیں گریبان سربرزدہ زیراکہ چونکہ بتصریحات ائمہ مذہب قیام در نفس طاق مکروہ است لاجرم آنجاکہ حکم فضیلت۔

دوسری جگہ کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے خواہ وہ درمیان صف ہی کھڑا ہوا ہو، دوم متون وغیرہ کی نصوص کے درمیان اختلاف کا تدافع ہے کہ بعض میں ہے کہ محراب میں قیام مکروہ ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنے کی صورت کو "اس میں کوئی حرج نہیں" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ یہ مباح ہے اور فضیلت سے عاری ہے بلکہ اغلب طور پر ان کا اطلاق کراہت پر ہوتا ہے، دوسرے متون مثلاً مبسوط امام خواہرزادہ، معراج الدرایہ اور تاتارخانیہ وغیرہ میں ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے اور اس کا ترک کراہت واسائت کا موجب ہے۔ تیسرے یہ کہ امام مقررہ کا محراب کو چھوڑنا خواہ مسجد صیفی ہو یا شتوی، اگرچہ وہ صف کے درمیان ہی کھڑا ہو مکروہ ہے یا نہیں، چہارم یہ کہ امام کا محراب کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب کے اندر ہو، سنت اور سبب فضیلت ہے یا صرف مباح، پہلے دونوں سوالات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ امام شامی کی پہلی عبارت کہ امام کا ترک محراب مکروہ نہیں ان نصوص متون کے موافق ہے کہ امام کا مقابل محراب کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ترک مباح میں کراہت نہیں ہوتی، دوسری عبارت شامی کی مبسوط وغیرہ کتب کے مناسب وموافق ہے کہ جب امام کا محراب میں کھڑا ہونا مستون ہے تو اس کا ترک بہر طور مکروہ ہوگا۔ تیسرا سوال بھی اسی تشابہ کی بناپر پیدا ہوا کہ ترک محراب کی کراہت وعدم کراہت ہے یا نہیں، اگر

یاسلب کراہت کنند مرادنباشد مگر قیام بازائے اوقریبًا پس سوال ازدوشق فضیلت و اباحت محضہ راجح شود بتخالف مافی المتون والمبسوط پس گرہے کہ ایں جاباید کشود ہمین ست کہ معنی قیام فی المحراب و حکمش درحق امام از کراہت واباحت واستحباب چیست وہرچہ منقح شود درکلمات کرام ایں چہ تنافی ست۔	اسے مستحسن جانتے ہیں تو چوتھا سوال اسی سے جنم لے گا کیونکہ جب ائمہ مذہب کی تصریحات ہیں کہ محراب میں کھڑاہونا مکروہ ہے تواب ہر صورت فضیلت یا عدم کراہت کاحکم نہیں ہوسکتا مگراس صورت میں جب قیام محراب کے مقابل ہو پس ان دوشقوں کی وجہ سے، فضیلت واباحت محضہ کاسوال متون اور مبسوط میں تخالف وتضاد کی طرف راجح ہوگیا، یہاں اس بات کاجاننا ضروری ہے کہ امام کامحراب میں کھڑے ہونے کامعنی ومفہوم کیاہے، امام کے حق میں اس کاکیاحکم ہے مکروہ، مباح یامستحب ہے، جب ان بزرگوں کے کلمات سے یہ واضح ہوجائے گا تو(پھر دیکھنا ہے کہ) منافات کیاہے!
فقیر گوید یغفراللہ لہ اما دفع تدافع میاں حکم سنیت و تعبیر بلاباس بہ بنظر ظاہر خود آسان ست کلمہ لاباس گاہے برائے دفع توہم باس آید گوآں کارخودسنت بلکہ واجب باش قال اللہ تعالٰی اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا[1] عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما خالہ اش ام المومنین محبوبہ محبوب رب العٰلمین عائشہ صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علٰی بعلہا الکریم	فقیر (اللہ تعالٰی اسے معاف کرے) کہتاہے کہ اسے سنت قرار دینا اور "اس میں کوئی حرج نہیں" کہنا، اس پر منافات کادور کرنا نہایت ہی آسان ہے کیونکہ "لاباس بہ" کے کلمات میں دفع وہم کے لئے بھی آجاتے ہیں اگرچہ وہ کام سنت بلکہ واجب بھی ہو۔ اللہ تعالٰی کاارشاد گرامی ہے: "صفاومروہ اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ہیں پس جوبیت اللہ کاحج کرے یاعمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کاطواف کرے۔" حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنی خالہ ام المومنین محبوبہ محبوب رب العٰلمین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق (اللہ تعالٰی ان کے

[1] القرآن ۲/۱۵۸

وابیہا وعلیہا وسلم الکریم راازیں آیت پرسید وگفت

فواللّٰه ماعلی احد جناح ان لایطوف بالصفا والمروة ام المؤمنین فرمود بئس ماقلت یاابن اخی ان ھذہ لوکانت کما اولتھا علیه کانت لاجناح علیه ان لایطوف بھما ولکنھا انزلت فی الانصار کانواقبل ان یسلموا یھلون لمناة الطاغیة التی کانوا یعبدونھا عندالمشلل فکان من اھل یتحرج ان یطوف بالصفا و المروة فلما اسلموا سئلوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عن ذلك قالوا یارسول اللّٰه انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروة فانزل اللّٰه تعالٰی ان الصفا والمروة من شعائر اللّٰه الاٰیة وقدسن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الطواف بینھما فلیس لاحد ان یترك الطواف بینھما[1]

نظر کردنی ست ام المومنین چساں نفی حرج رابردفع توہم حرج فرودآورد وہم عروہ رایک دم دلیل ساطع رد کرد کہ اگرچناں بودے لاجناح علیه ان لایطوف بودے

مبارک خاوند، ان کے والد گرامی، خود ان کی ذات پر رحمت وسلام نازل فرمائے) سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا اللہ کی قسم صفاومروہ کا طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو ام المومنین نے فرمایا اے بھتیجے! تونے بہتر قول نہیں کیا اگر اس کا معنی یہی ہوتا جو تونے کیا ہے تو اس کے الفاظ یوں ہوتے "نہیں گناہ اس پر اگروہ ان کا طواف نہ کرے" لیکن یہ توانصار کے بارے میں نازل ہوئی جواسلام سے پہلے مقام مشلّل میں "مناۃ" کی عبادت کیا کرتے تھے تو ان میں سے جو شخص حج کے لئے آتاوہ صفا ومروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتاجب انصار اسلام لائے توانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے عرض کیاکہ ہم صفاومروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتے ہیں، تواللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "صفاومروہ اللہ کی نشانیاں ہیں" (الآیۃ) تورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی نے صفاومروہ کے درمیان طواف کوسنت قرار دیا، تواب کوئی ان کے طواف کوترک نہیں کرسکتا۔

دیکھا ام المومنین نے نفی حرج کودفع توہم پرچسپاں کرتے ہوئے حضرت عروہ کے وہم کو واضح دلیل سے رَد کردیااور کہا اگرمعاملہ ایسے ہوتا توالفاظ یہ ہوتے "نہیں گناہ اس پر کہ ان دونوں کاطواف نہ کرے" "ان کاطواف کرے" کے الفاظ

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفاوالمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۲

نہ ان یطوف یعنی منافی وجوب نفی حرج از ترک است نہ از فعل کہ اوخودلازم وجوب است زیرا کہ واجب رادرترک حرج باشد وثبوت حرج دراں مستلزم انتفائے آں از فعل است واثبات لازم منافی ثبوت ملزوم نباشد بلکہ مؤکد ومقرر آن است این معنی شریف رابالطف واخصر لفظے ادافرمود وللہذا چوں عروہ ایں حکایت پیش ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام برو ابوبکر گفت ان ھذا لعلم وآیت راسببے دیگرازاہل علم آورد کہ ذکر اللہ تعالٰی الطواف بالبیت ولم یذکر الصفا والمروۃ فی القراٰن قالوا یارسول اللہ کنا نطوف بالصفا والمروۃ وان اللہ تعالٰی انزل الطواف بالبیت فلم یذکر الصفا فھل علینا من حرج ان نطوف بالصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالٰی ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ الاٰیۃ قال ابوبکر فاسمع ھذہ الاٰیۃ نزلت فی الفریقین الخ[1] رواہ الشیخان ایں دگر نیز از ھماں وادی ست کما لایخفی در ردالمحتار باب ما یکرہ فی الصلوۃ قبیل احکام المسجد	نہ ہوتے یعنی وجوب کے منافی، ترک سے حرج کی نفی ہے، فعل سے حرج کی نفی منافی نہیں، فعل توخود لازم واجب ہے کیونکہ ترک واجب میں حرج ہے اوراس میں ثبوت حرج اس بات کو مستلزم ہے کہ اس فعل کی نفی ہو اور کسی لازم کا اثبات لازم کے ثبوت کے منافی نہیں ہوتا کے منافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مؤکد اور ثابت کرنے والا ہوتاہے، اس مبارک معنی کو انہوں نے کتنے احسن اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا، یہی وجہ ہے کہ جب یہ بات حضرت عروہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے رکھی توانہوں نے کہا علم یہی ہوتاہے، اس آیت کے نزول کاسبب اہل علم نے ایک اور بھی ذکر کیاہے کہ اللہ تعالٰی نے قرآن میں بیت اللہ کے طواف کاذکر کیا مگر صفا ومروہ کے طواف کاذکر نہ کیا توصحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم صفا ومروہ کاطواف کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیت اللہ کے طواف کاذکر فرمایااور صفاومروہ کاذکر نہیں کیا توکیا ہمارا صفاومروہ کاطواف کرنا صحیح نہیں؟ تواللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی: "بلاشبہ صفاومروہ اللہ کی نشانیاں ہیں" ابوبکر نے کہااس آیت کو سنو جو دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے الخ (بخاری ومسلم) یہ دوسرا بھی اس (دفع وہم) معاملہ سے تعلق رکھتاہے جیساکہ واضح ہے۔ ردالمحتار میں احکام مسجد سے تھوڑاسا

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفاوالمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۳

است، قد یقال ان لاباس ھنا لدفع مایتوھم ان علیه باسا فی عدم الاجابة[1] نیز دراوائل ادراک الفریضة گوید لیس کلمة لاباس ھنا لخلاف الاولی لان ذلك غیر مطرد فیھا بل قد تاتی بمعنی یجب[2] ہم در باب العیدین فرمود کلمة لاباس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجھاد ومنه ھذا الموضع[3] اینجانیز زآنرو کہ قیام فی الطاق رامکروہ فرمودہ بودند توہم می شود کہ شاید ایں چناں قیام کہ سجدہ درطاق افتد نیز مکروہ باشد دفع ایں التباس را لاباس آوردند۔ امانفی تنافی از دو کلام شامی **فاقول:** محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی درہر دو باب کلام امام امام الکلام وکلمات علمائے رام از مبسوط ودرایہ وتاتارخانیہ آوردہ مقتضایش وانمود کہ قضیہ ایں سخن کراہت ترک محراب است مرامام رامطلقًا اگرچہ میانہ صف ایستد ایں اطلاق رابنظراو دو تخصیص بود، یکے مستفاد از حکم	پہلے "باب مایکرہ فی الصلٰوۃ" میں ہے، یہ کہا گیا گیا ہے لکہ اس مقام پر "لاباس" کا ذکر اس وہم کے ازالے کے لئے، کہ یہاں حرج ہے ادراک الفریضہ کی ابتداء میں ہے لاباس کا کلمہ یہاں خلاف اولٰی کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ معنی غیر یقینی ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات وجوب کا معنی دیتا ہے اور باب العیدین میں بھی فرمایا لاباس کا کلمہ مندوب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بحر کے باب الجنائز اور باب الجہاد میں ہے اور مذکورہ مقام اس کے باب الجہاد سے ہے یہاں بھی فقہاء نے جوطاق میں قیام کرمکروہ فرمایا تو اس سے وہم پیدا ہوا شاید اس طرح کھڑا ہو کہ سجدہ طاق میں کرنا بھی مکروہ ہے لہٰذا اس کو لاباس کے ساتھ دفع کردیا۔ رہا معاملہ امام شامی کی دو۲ عبارات میں منافات ہونے کا **فاقول:** (تومیں کہتا ہوں) محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور تاتارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان کا مقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا ہو، اس کے اطلاق کے لئے ان کی نظر میں دو تخصیصیں

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۶

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۱

منصوص وآں تخصیص امام غیر راتب ست اے در مسجد محلّہ زیراکہ فرق احکام راتب وغیرا وہما نجاست امامساجدالقوارع والجوامع العامۃ وامثالھا فلاراتب لھا وان کان فلافضل لہ علی غیرہ بل الکل فیھا سواء ولذاکانت کل جماعۃ فیھا جماعۃ اولٰی وکان الافضل فی کل جماعۃ ان تقام باذان واقامۃ جدیدین[1] کما نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا وبیناہ فی فتاوٰنا علماء تصریح فرمودہ اند کہ بعد امام راتب اعنی بعد جماعت اولٰی در مسجد محلّہ امام دیگر راباید کہ از محراب عدول نماید **اقول**: ولعل ذلك ابانۃ لشرف الاولٰی وتنبیھا علی ان من تاخر اُخر عن اشرف المقامات وایضا قدتأدی حق المسجد فلایکرر فی صلوۃ مرتین لحدیث لایصلی بعد صلٰوۃ مثلھا[2] رواہ ابن ابی شیبۃ عن امیر المؤمنین الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وظاھر کلام الامام محمد انہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح

ہیں، ایک توحکم منصوص سے مستفاد ہے اور وہ تخصیص غیر مقررہ امام جب محلّہ کی مسجد ہیں ہو، کے اعتبار سے ہے، کیونکہ مقرر اور غیر مقرر کے درمیان فرق مسجد محلّہ ہی کے اعتبار سے ہے، رہامعاملہ مساجد شوارع یاعام جامع مسجد کا تو وہاں امام مقرر نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تواسے دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ اس میں تمام برابر ہیں اسی لئے وہاں کی ہر جماعت، جماعت اولٰی ہوتی ہے اور ہر جماعت میں افضل یہی ہے کہ وہ نئی اذان وتکبیر کے ساتھ ہو، اس پر خانیہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ مقررامام یعنی جماعت اولٰی کے بعد مسجد محلّہ میں دوسرے امام کو محراب سے عدول کرنا چاہئے اقول شاید اس میں پہلی کے شرف کااظہار ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ ہر وہ شخص جو جماعت اولٰی سے مؤخر ہو جاتا ہے وہ اعلٰی مقامات سے بھی مؤخر رہ جاتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ مسجد کا حق ادا ہو گیا تھا لہٰذا نماز میں دودفعہ تکرار اس حدیث کی بناپر "مناسب نہیں کہ نماز کے بعد اس کی مثل نہ پڑھی جائے"، ابن ابی شیبہ نے اسے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے طورپر نقل کیاہے، اور امام محمد کی عبارت سے واضح ہوتاہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد عالی ہے، محقق علی الاطلاق نے فتح میں

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی المسجد مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/۳۰۲

ومحمد اعلم بذلك منا[1] هوقد حمله على الجماعة الثانية الامامان الجليلان فخر الاسلام وفخرالدين قاضی خاں قال فی البحر فالحاصل ان تكرار الصلٰوة ان كان مع الجماعة فی المسجد علی هيأته الاولٰی فمكروه[2] الخ وفی ردالمحتار عن الغنية عن البزازية عن ابی يوسف اذالم تكن علی الهيأة الاولٰی لاتكره والاتكره قال وهوالصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيأة وفيه عن التتارخانية عن الولوالجية وبه ناخذ[3] ایں تخصیص چوں مبنی بر تنصیص بودہر دوجا اورابیان نمود، ودر مکروہات خود سخنے درآں نفر مود بلکہ درآخرش بجملہ فاغتنم هذه الفائدة لب کشود دوم آنکہ ازحکمت وعلتش استنباط خواست و تحقیقش علی ما اقول: چنانست کہ معہود ومتوارث از زمان برکت توامان حضورسیدالانس والجان وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام امام درمحراب است فاماظاہر ایں سنت مقصود لعینہا نیست بلکہ لغیرہا واصل سنت توسط امام درصفت است لحکم بالغۃ سیأتیك بیان بعضها ان شاء اللہ تعالٰی وللہذا جائیکہ قیام درمحراب	فرمایاامام محمد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں، دوبزرگ امام فخرالاسلام اور فخرالدین قاضی خاں نے اسے دوسری جماعت پر محمول کیاہے۔ بحر میں ہے حاصل یہ ہے کہ اگر تکرار جماعت محلّہ کی مسجد میں پہلی حالت پر ہے تومکروہ ہے الخ ردالمحتار میں غنیہ وہاں بزازیہ سے امام ابویوسف کے حوالے سے ہے کہ جب پہلی حالت کے مطابق نہ ہو تو کراہت نہیں ورنہ کراہت ہوگی، فرمایا یہی صحیح ہے اور محراب سے عدول کرلینے سے حالت بدل جاتی ہے اور اس میں تاتارخانیہ وہاں والوالجیہ سے ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے یہ تخصیص چونکہ دونوں جگہ پر نصوص فقہاء پر مبنی تھی اس لئے اس کی تصریح کردی اور مکروہات میں اس پر خود کچھ نہ فرمایا بلکہ اس کے آخر میں یہ جملہ کہہ دیا "اس فائدہ کو غنیمت جان لو، "دوسری (تخصیص) اس کی حکمت اور علت سے مستنبط ہوتی ہے اس کی تفصیل میرے نزدیک یہ ہے کہ حضور سیدالانس والجن صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کامحراب میں کھڑا ہونا آرہاہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت بذاتہ مقصود نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے مقصود ہے بلکہ اصل سنت امام کاصف کے درمیان کھڑا ہونا ہے ان عظیم حکمتوں کی وجہ سے جن میں سے بعض کاتذکرہ آرہاہے ان شاء اللہ تعالٰی، للہذا وہ جگہ جہاں محراب

[1] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر، باب الوتروالنوافل، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۱۶

[2] بحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶۲

[3] ردالمحتار مطلب فی کراہیۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

باتوسط صف بر طرف افتد اعنی جمع میان ہر دو نتواں کرد آنجا توسط صف اختیار کنند وقیام محراب راترک دہند مثلاً مسجد صیفی درجنب شتوی باشد ومردماں بکثرت گرد آمدند کہ ہر دو مسجد بصفوف صلٰوۃ یکے شد آں گاہ راامام راحکم ست کہ محراب گزاشتہ بکنار دیوار ایستد تامیانہ صفہا باشد فی ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن مبسوط الامام بکر خواھر زادہ السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احدجانبی الصف یکرہ ولو کان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ الٰی قومہ قال علیہ الصلٰوۃ والسلام توسطواالامام[1]۔ پس ایں استدلال بحدیث وآں فرع نفیس خاصہ بعدازاں مقال کہ السنۃ ان یقوم فی المحراب وتعلیلش بآں کہ لیعتدل الطرفان و تعقیبش بقول اوولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ[2] ایں ہمہ ہا دلیل روشن است برآنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب

میں کھڑا ہونا اور وسط صف دونوں جمع نہ ہوسکتے ہوں تو وہاں امام وسط صف کو اختیار کرے اور محراب میں قیام کو ترک کردے مثلاً مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور لوگ کثیر ہوں اور دونوں مساجد کی دو صفیں ایک ہوجائیں تو امام کے لئے حکم ہے کہ وہ محراب کو چھوڑ کر دیوار کے پاس کھڑا ہو تاکہ صفوں کے درمیان ہوجائے، ردالمحتار میں معراج الدرایہ وہاں مبسوط امام بکر خواہر زادہ سے ہے کہ امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں برابری ہوجائے، اگر صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے اور اگر مسجد صیفی، شتوی کے پہلو میں ہو، مسجد بھر جائے توامام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ لوگ دونوں طرف برابر ہوجائیں اور اصح طور پر امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا امام کو درمیان میں کھڑا کرو، پس اس حدیث سے استدلال اور اس پر اس فرع کا ذکر کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، اس کی علت یہ تاکہ دونوں اطراف برابر ہوجائیں اور اس کے بعد یہ قول ذکر کرنا کہ اگر امام کسی صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا، یہ تمام کے تمام اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں،

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۲۰
[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۲۰

آرے غالب آنست کہ محراب مقام تعادل طرفین ست چوں صف کامل باشد خود ظاہر ست وآں گاہ بترک محراب ترک سنت مقصودہ بالفعل نقدوقت ست ورنہ درعامہ مساجد استکمال صف بہ پس آیند گاں مرجو و متوقع می باشد وزیادتش بنحیکہ توسط موجوداز ہم باشد پس ترک محراب تعرض بترک سنت و مخالف عمل امت بود واحکام فقہیہ برامور غالبہ انسحاب یابدازیں امر حکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند امااگر مسجد درجائے خامل بعیداز ممر و مورد باشد کہ ہمیں چندکساں دروحاضراندوآں بقدر زیادت اصلا متوقع نیست آں جااگرامام راتب درگوشہ ازمسجد میانہ صف موجودایستد ظاہر مخالف سنت نباشد زیراکہ سنت قولیہ وسطواالامام خودادا شد وسنتِ فعلیہ مبتنی برہمیں حکمت بودواین جاازعدم توقع زیادت مذکورخودرابمعرض مخالفت افگندن لازم نیست وفعل متوارث اززمان اقدس درمسجدے ست ازابشہر واعمر مساجد بود، ہیچو مسجدے خامل رابرآں قیاس نتواں کردو کراہت حکم شرعی ست بے دلیل شرعی رنگ ثبوت نیابد پس ظاھراً ایں صورت نادرترباشد این مطمح نظر علامہ شامی و ایں جملہ مطالب راباوجزکلام	ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہو توخود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر سنت مقصودہ کوترک کرنا یعنی وسط کاترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے صف کامکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے زائد بھی ہوسکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کوترک کرنا سنت کاترک اور امت کی مخالفت ہوگی۔ اور احکام فقہیہ اکثر طورپر امور غالبہ پر جاری کئے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کوسنت قرار دیاگیاہے، اب اگر بے آباد مسجد ایسی جگہ پر ہے جو گزرگاہ اور جائے وَرود سے دور ہے اس میں چندلوگ اکٹھے ہیں اب اس سے زیادہ افراد کی توقع بھی نہیں توامام اس مسجد کے کسی کونے میں موجود صف کے درمیان کھڑاہوسکتاہے اورظاہر یہی ہے کہ یہ سنت کے خلاف نہیں کیونکہ سنت قولیہ "امام کودرمیان میں کھڑا کرو" پر عمل ہورہاہے اور سنتِ فعلیہ بھی اسی حکمت پر مبنی ہے اور اس جگہ زیادہ کی عدم توقع سے مخالفت میں ڈالنالازم نہیں آتا، اور آپ کی ظاہری حیات سے جو معمول چلاآرہاہے وہ مشہور اور آباد مسجد میں ہے اس طرح کی گمنام مسجد کواس پر قیاس نہیں کیاجاسکتا، کراہت حکم شرعی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی توایسی صورت کا ظہور نادرتر ہے، علامہ شامی کا مطمح نظر یہی ہے اور ان تمام مطالب کوانہوں نے نہایت ہی اختصار

دریں دو لفظ ادا فرمود والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ[1] فمعنی قولہ الامام الراتب ای امام الجماعۃ الاولٰی دون الثانیۃ وھو فی مسجد المحلۃ ظاھر وفی غیرہ کل امام لان جمیع جماعاتہ اولی فالکل فی حکم الراتب فی مسجد المحلۃ ومعنی قولہ لجماعۃ کثیرۃ ای واقعۃ اومتوقعۃ وکذا قولہ لئلا یلزم ای حالا اومآلا ظنا اواحتمالا ھذا مایعطیہ الفقہ فی تفسیر کلامہ وتبیین مرامہ واللہ تعالٰی اعلم باحکامہ لکن ازانجا کہ برخلاف تخصیص اول اینجا نصے کہ مفید او باشد بدست نبود باستظہار خودش بودن او تصریح نمود ودرآخر امر تأمل فرمود زیرا کہ می تواند کہ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام رادر نفس قیام امام راتب فی المحراب حکمتے باشد پس جزم بحکم نتواں نمود کما ھو داب العلماء فی امثالھم ایں راتنافی نتواں گفت کہ جائے بر منصوص ومفاد پر نصوص اقتصار ورزیدہ وجائے بہ رائے خود استظہار خصوصے وگر نمودہ نظائر ایں ترک و

کے ساتھ ان دو الفاظ میں بیان کردیا ہے "اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مقرر امام اور جماعت کثیرہ کے لئے ہے "امام راتب سے مراد پہلی جماعت کاامام ہے دوسری کا نہیں اور یہ بات مسجد محلّہ میں ظاہر ہے، اس کے علاوہ مسجد میں ہر امام مراد ہے کیونکہ وہاں کی تمام جماعتیں اولٰی ہیں لہٰذا وہاں کا ہر امام مسجد محلّہ کے امام مقرر کے حکم میں ہوگا، جماعت کثیرہ سے مراد نفس الامر میں لوگ کثیر موجود ہوں یا ان کی توقع ہو اس طرح کاقول "تاکہ لازم نہ آئے" حالًا یا مآلًا، ظنًا اور احتمالًا مراد ہے جو شامی کے کلام کی تفسیر ومقصد کی تفصیل کے بارے میں عطا ہوا، اللہ تعالٰی اپنے احکام کاسب سے زیادہ عالم ہے لیکن اس وجہ سے کہ تخصیص اول کے خلاف اس جگہ کوئی ایسی نص جو انہیں مفید ہوتی ان کے ہاتھ میں نہ تھی تاکہ اپنے اظہار کی صورت میں اس کی تصریح کرتے اور آخر میں "غور کرو" فرمایا کیونکہ ہوسکتاہے کہ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ہاں محراب میں امام راتب کے نفس قیام میں کوئی حکمت ہو، لہٰذا اس پر جزمًا حکم جاری نہیں کیا، علماء کا ایسے مقامات میں بحث کایہی طریقہ رہاہے۔ تواسے منافات نہیں کہہ سکتے ایک جگہ پر حکم منصوص اور نصوص سے مستفاد پر منحصرًا ہے اور دوسری جگہ خود اپنی رائے کااظہار ہے اس ترک و

---

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

اظہار واقتصار واستظہار در کلام شراح ومحشین وخود علامہ شامی بوفور یافتہ می شود **فانھم اذا لم یجزموا بمااستظھر والم یتات لھم المشی علیہ وانما یمشون علی المنصوص وینقطعون الیہ ویقفون لدیہ۔**

اما تحقیق کلام در تفسیر واحکام محراب وقیام **فاقول: وباللّٰه التوفیق** وبہ الاعتصام حضرت عزہ منزہ از صورت جلت آلاؤہ وتوالت نعماؤہ دریں عالم ہر شیئ را صورتے دادہ است وہر صورت را حقیقتے شہادت شرع مطہر درغالب احکام مطمح نظر حقیقت شیئ راداشت وصورت رانیز مہمل نگزاشت اے بسا احکام کہ تنہا برصورت میرودوگاہے مجموع حقیقت وصورت بہیات اجتماعیہ ملحوظ می شود **وکل ذلك جلی عند فضلکم لایخفی علی مثلکم** پس چنانکہ مسجد را حقیقتے ست وآں بقعہ مخصوصہ موقوفہ للصلٰوۃ مفرزۃ فی جمیع الجہات عن حقوق العباد ست کہ ہیچ بنائے عمارت رادر سنخ ماہیتش مدخلے نیست **فی الخانیۃ وفی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الواقعات للامام الصدر الشہید رجل لہ ساحۃ لابناء**

اظہار اور اقتصار واستظہار کے متعدد نظائر شارحین ومحشین اور خود علامہ شامی کے ہاں کثرت کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ جب تک فقہاء کو اپنی رائے پر جزم نہ ہو وہ اس پر عمل نہیں کرسکتے وہ احکام منصوصہ پر چلتے ہیں انہیں کی طرف انقطاع اور رجوع کرتے ہیں اور انہیں پر گامزن ہوجاتے ہیں۔

اب رہ گیا معاملہ محراب وقیام کے احکام وتفسیر کا تو اللہ کی توفیق اور اس کے سہارے سے **میں کہتا ہوں** اس ذات اقدس نے جو صورت سے منزہ ہے اس کی قدرتیں اور نعمتیں مسلسل ہیں اس کائنات میں ہر شی کو اس نے صورت بخشی ہے اور ہر صورت کو ایک حقیقت دے رکھی ہے شریعت مطہر کے احکام میں مطمح نظر اغلب طور پر شے کی حقیقت ہے لیکن صورتِ شئ کو بھی بے فائدہ نہیں چھوڑا، بہت دفعہ احکام صورت پر جاری ہوتے ہیں اور بعض اوقات حقیقت وصورت دونوں کے مجموعہ پر بحیثیت اجتماعی احکام لاگو ہوتے ہیں، فاضل لوگوں کے ہاں یہ نہایت ہی واضح اور آپ جیسے لوگوں سے مخفی نہیں جیساکہ مسجد کی حقیقت ہے جس سے مراد وہ بقعہ ہے جو نماز کے لئے مخصوص ووقف شدہ ہو اور ہر لحاظ سے بندوں کے حقوق سے علیحدہ کیا گیا ہو اس کی حقیقت میں عمارت کا کوئی دخل نہیں، خانیہ اور ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام صدر الشہید کے واقعات کے حوالے سے ہے کہ ایک آدمی کی کھلی جگہ تھی جس میں کوئی

فیھا امر قوما ان یصلوافیھا ابداوامرھم بالصلٰوۃ مطلقا ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا لومات لایورث عنہ[1] ھ مختصرا درآیہ کریمہ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ[2] وکریمہ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ[3] وحدیث خیر البقاع المساجد شر البقاع الاسواق[4] رواہ الطبرانی وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر ومعناہ لمسلم عن ابی ھریرۃ ولاحمد والحاکم عن جبیربن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنم عن النبی صلی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث لاصلٰوۃ لجارالمسجد الافی المسجد[5] رواہ الدارقطنی عن جابر وابی ھریرۃ وفی الباب عن امیرالمؤمنین علی وعن ام	تعمیر نہ تھی اس نے لوگوں سے کہا یہاں تم ہمیشہ نماز پڑھا کرو یا صرف مطلق نماز کا حکم کیا اور ہمیشگی کی نیت کی تو یہ جگہ مسجد قرار پائے گی اب وہ شخص اگر فوت ہوجاتا ہے تو اس کے ورثا اس زمین کے مالک نہ ہوں گے اھ آیت مبارکہ "اللہ کی مساجد وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں"۔ آیت کریمہ "جب تم مساجد میں معتکف ہوتو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو" اور یہ حدیث کہ "سب سے اعلٰی جگہ مساجد ہیں اور بدتر جگہ بازار ہیں"۔ اسے طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور مسلم نے اسی معنی کی روایت حضرت ابوہریرہ سے امام احمد اور حاکم نے حضرت جبیر بن مطعم سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ یہ اور حدیث کہ "مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں"۔ اسے دار قطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، اس سلسلہ میں امیر المومنین

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المسجد ومایتعلق بہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

[2] القرآن ۹/ ۱۸

[3] القرآن ۲/ ۱۸۷

[4] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی عن ابن عمر باب فضل المسجد مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۶، الجامع الصغیر حدیث ۴۰۰۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۷۰ ۴، کنزالعمال فضائل المسجد مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۵۲۔ ۶۵۸

[5] سنن الدار قطنی کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۱/ ۴۲۰

المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۔ واکثر احادیث واحکام فقہیہ متعلقہ بمساجد نظر اصلی یا کلی بہمیں حقیقت است واوراصورتے ست کہ عبارت از بنائے مخصوص بروجہ مخصوص درآیہ کریمہ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا[1] وکریمہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا[2] وحدیث ابنوا المساجد واتخذوھا جمّا[3] رواہ البیھقی عن انس وابن ابی شیبة عنہ و عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث ماامرت بتشیید المساجد[4] رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ومسئلہ نقش ونگار مسجد بآب زروغیرہا مراد ہمیں صورت	حضرت علی اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیاہے۔ یہ تمام اوردیگر احادیث اور احکام فقہیہ کا تعلق بنظر اصلی یا کلی مسجد کی حقیقت کے ساتھ ہے البتہ مسجد کی ایک صورت ہوتی ہے جو بنائے مخصوص بروجہ مخصوص سے عبارت ہے، درج ذیل آیات اور احادیث میں یہی صورت مراد ہے "اگراللہ تعالٰی بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتاتو یہود ونصارٰی کی عبادت گاہیں اور مساجد گرادی جاتیں جن میں اللہ کاذکر کثیر کیاجاتاہے" "وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار کو بنایا، اور حدیث "مساجد مُنڈی بناؤ اور ان میں کِنگرے نہ رکھو"۔ اسے بیہقی نے حضرت انس اور ابن شیبہ نے ان سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، حدیث "مجھے مساجد مزیّن کرنے کاحکم نہیں دیاگیا" اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔ مسجد کو سونے کے پانی کے ساتھ نقش ونگار کرنے کا تعلق صورتِ مسجد کے ساتھ

[1] القرآن ۲۲/۴۰
[2] القرآن ۹/۱۰۷
[3] السنن الکبرٰی للبیہقی باب کیفیۃ بناء المسجد مطبوعہ دارصادر بیروت ۲/۴۳۹
[4] السنن ابوداؤد باب فی بناء المسجد مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۵

ست ہمچناں محراب صورتے دارد وآں طاق معین درجدار قبلہ است و حقیقتش کہ ایں صورت برآں علم باشد موضعے ست از مسجد برائے قیام امام ملحوظ بدولحاظ یکے آنکہ درعرض مسجد (کہ خط عموداست برخط مار از مصلی بقبلہ چنانکہ دردیارِ ماجنوبًا شمالًا) واقع دروسط بود لحدیث وسّطوا الامام وسُدّوالخلل[1] رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحکمت درآں تعدیل واعتدال درقرب وبُعد رجال وسماع قرأت واطلاع انتقال وسریان فیوض بہ یمین و شمال ازامام ست دوم آنکہ درجہت قبلہ تاحد تیسر شرعی وعادی ہرچہ تمام تراقرب بقبلہ باشد لحدیث کان بین مصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبین الجدار ممرالشاۃ[2]۔ رواہ الائمۃ احمد والشیخان عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ وحدیث لایزال قوم یتأخرون حتی	ہی ہے۔ اسی طرح محراب کی ایک صورت ہے کہ وہ طاق جو قبلہ کی دیوار میں ہوتاہے اور اس کی حقیقت جس پر یہ صورت علامت ہے وہ جگہ ہے جو قیام امام کے لئے دولحاظ سے ہو، اس میں ایک لحاظ یہ ہو کہ عرض مسجد میں (کہ گزرنے والے خط پر خط عمود ہو جو نمازی سے قبلہ کی طرف گزرنے والے خط پر جیسا کہ ہمارے علاقے میں جنوبًا شمالًا) وسط میں واقع ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ "امام کو درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے رخنے بند کرو" اسے ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیاہے، اوراس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے قرب وبعد میں برابری ہوتاکہ قرأت سننے، امام کے اوپر نیچے انتقال پر اطلاع اور دائیں بائیں لوگوں پر فیضان میں آسانی ہوجائے، دوسرالحاظ یہ کہ جہت قبلہ میں ہوتاکہ حد شرعی وعادی تمام تر قبلہ سے اقرب ہو اس حدیث کی بناپر کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مصلّی اور دیوار کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی، اسے امام احمد، بخاری ومسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث کہ "ہمیشہ لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے حتّٰی کہ

[1] سنن ابوداؤد مقام الامام فی الصّف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۹

[2] صحیح البخاری باب قدر کم ان ینبغی ان یکون بین المصلی والسترہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/۷۱

یؤخرھم اللہ عزوجل[1] رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ لایصلین احدکم وبینہ وبین القبلۃ فجوۃ[2] رواہ عبدالرزاق فی مصنّفہ، پس حکمت دروے توسیع برائے مقتدیاں وپس آیندگاں و عدم تضییق برذاکراں و گزرندگاں وعدم تعطیل پارہ از قبلہ مسجد باہمال آں وتفاؤل حسن بقرب رحمت ونزدیکی رحمان ست جل وعلی فان احدکم اذاقام فی صلوتہ فانہ یناجی ربہ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ[3] کمارواہ الشیخان وغیرھما عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیداست، وتعین ایں موضع راطاق معروف بلکہ بہ ہیچ بناہر گزنیاز نیست تاآنکہ اگر مسجد ساحتے سادہ باشد ایں موضع بتعیین وتحدید اوخود متعین می شود درزبان عرب نیز معنی محراب باصورت طاق جفت نیست عرباں ہر مکان رفیع وصدرِ	اللہ تعالٰی انہیں مؤخر فرمادے گا"۔ اسے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ حضرت ابن سعد کی یہ حدیث کہ "تم میں ہرگز کوئی نماز اس طرح ادا نہ کرے کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان بیکار خالی جگہ رہے" اسے عبدالرزاق نے مصنّف میں ذکر کیا ہے، اس میں مقتدیوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے وسعت، ذاکرین اور گزرنے والوں کے لئے عدم تنگی، مسجد کے قبلہ کی جانب کسی گوشے کا مہمل نہ ہونا، اللہ تعالٰی کے قربِ رحمت کے لئے نیک فال ہے کیونکہ جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کررہا ہوتا ہے اس نمازی اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا، محراب کو طاق معروف یا کسی اور تعمیر کی حاجت نہیں بلکہ اگر مسجد سادہ میدان ہو تو بھی مسجد کی حدود خود بخود متعین ہوجاتی ہیں اور عربی زبان میں محراب کا اطلاق صرف طاق پر ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر بلند جگہ، صدر مجلس اور گھر کی اعلٰی جگہ کو محراب کہا جاتا ہے

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف واقامتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲

[2] المصنف لعبدالرزاق نمبر ۲۳۰۶ باب کم یکون بین الرجل وبین سترتہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۶

[3] صحیح البخاری حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۸

مجلس واشرف مواضع بیت رامحراب نامند لانه ممایتنافس فیه ویتنازع علیه فربما ادی الی حرب وقتال وفی الحدیث اتقوا هذه المذابح یعنی المحاریب[1] رواه الطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی السنن عن عبدالله بن عمروبن العاص رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم .قال المناوی فی التیسرای تجنبوا تحری صدور المجالس یعنی التنافس فیها[2] ومحراب مسجد حسب تصریح ائمہ لغت وتفسیر ازہمیں معنی ماخوذ ست لانه صدر المقام ومقدمه واشرف موضع فیه لکونه مقام الامام اوسط قطعة تلی القبلة لاجرم محراب رابمطلق مقام فی المسجد تفسیر کردہ اندر مجمع بحارالانوار ست دخل محرابالهم هو الموضع العالی المشرف وصدر المجلس ایضا ومنه محراب المسجد وهو صدره واشرف موضع فیه ومنه[3] ح انس کان یکره المحاریب ای لم یکن یحب ان یجلس فی صدرالمجلس ویترفع علی الناس درقاموس فرمود المحراب الغرفة وصدر البیت واکرم

کیونکہ اس میں ایک دوسرے پر رشک کرتے اور اس حصول میں جھگڑتے ہیں بسا اوقات جنگ وقتال تک نوبت جا پہنچتی ہے، اور حدیث میں ہے ان مذابح یعنی محرابوں سے بچو، اسے طبرانی نے کبیر اور بیہقی نے سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، شیخ مناوی نے تیسیر میں فرمایا یعنی صدورِ مجالس کی تلاش سے بچو یعنی اس میں تنافس سے بچو، ائمہ لغت وتفسیر کی تفسیر کے مطابق مسجد کا محراب بھی اسی معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ صدر مقام اور اعلٰی جگہ ہوتی ہے اس لئے کہ امام کی جگہ قبلہ سے متصل سب سے وسط میں ہے اسی لئے محراب کی تفسیر مسجد میں مطلق مقام سے کی ہے، مجمع بحارالانوار میں ہے وہ ان کے محراب میں داخل ہوا اور وہ محراب بلند و عالی جگہ ہے، صدر مجلس کو بھی کہا جاتا ہے اسی سے محراب مسجد ہے اور یہ صدر اور اعلٰی جگہ ہے، اسی پر حدیث دال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ محاریب کو پسند نہ کرتے یعنی لوگوں پر بلند اور صدر مجلس کے طور پر بیٹھنا پسند نہ کرتے۔ قاموس میں ہے محراب المارى، صدر گھر، گھر کا اعلٰی مقام،

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب فی کیفیۃ بناء المسجد مطبوعہ دار صادر بیروت ۴۳۹/۲

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۵۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۴/۱

[3] مجمع بحارالانوار باب الحاء مع الراء مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۲۴۹/۱

مواضعه ومقام الامام من المسجد و الموضع ینفرد به الملك فیتباعد عن الناس [1] درمختار رازی منتخب صحاح ست المحراب صدر المجلس ومنه محراب المسجد[2] درصراح ست محاریب پیشگاہ ہائے مجالس ومنه محراب المسجد[3] درمصباح المنیر ست المحراب صدر المجلس ویقال هو اشرف المجالس وهوحیث یجلس الملوك والسادات و العظماء ومنه محراب المصلی [4] درتاج العروس ست المحراب الغرفة وموضع العالی نقله الهروی فی غریبیه عن الاصمعی وقال الزجاج المحراب ارفع بیت فی الدار وارفع مکان فی المسجد وقال ابوعبیدة المحراب اشرف الاماکن قال ابن الانباری سمی محراب المسجد لانفراد الامام فیه وبعده من القوم [5] وفی لسان العرب المحاریب صدورالمجالس ومنه محراب المسجد ومنه محاریب غمدان بالیمن والمحراب القبلة ومحراب	مسجد میں امام کی جگہ، اور اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بادشاہ تنہا بیٹھتا ہو تاکہ لوگ دُور رہیں، مختار رازی منتخب صحاح میں ہے کہ محراب صدر مجلس کو کہا جاتا ہے، اور اسی سے محراب مسجد ہے۔ صراح میں ہے محاریب مجالس کی اگلی جگہ، اسی سے محراب مسجد ہے۔ مصباح المنیر میں ہے محراب مجلس کے لئے اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے وہ اعلٰی جگہ ہے کہ وہاں بادشاہ، سادات اور بڑے لوگ بیٹھتے ہیں، اسی سے عیدگاہ کا محراب ہے۔ تاج العروس میں ہے لفظ محراب کو ہروی نے غریب میں اصمعی سے نقل کیا، اور زجاج نے کہا کہ گھر کا سب سے بلند مقام محراب کہلاتا ہے اور مسجد میں بلند جگہ۔ ابوعبیدہ نے کہا محراب بزرگ جگہ ہے۔ ابن الانباری کہتے ہیں کہ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں امام اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ محاریب سے مراد جائے صدور ہے اسی سے محراب مسجد ہے، اسی سے محراب مسجد ہے، اسی سے یمن میں غمدان کے محراب اور محراب قبلہ ہے،

[1] القاموس باب الباء فصل الحاء مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۵

[2] الصحاح باب الباء فصل الحاء مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت ۱/۸۸

[3] الصراح باب الباء فصل الحاء مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۲۴

[4] مصباح المنیر تحت لفظ الحرب مطبوعہ منشورات دارالہجرۃ قم ایران ۱/۱۲۸

[5] تاج العروس فصل الحاء من باب الباء مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۱/۲۰۷

المسجد ایضا صدورہ واشرف موضع فیہ والمحراب اکرم مجالس الملوك عن ابی حنیفۃ، وقال ابوعبیدۃ المحراب سیّد المجالس ومقدمھا واشرفھا قال وکذلك ھو من المساجد[1] اھ ملخصًا۔ در معالم التنزیل فرمود المحراب اشرف المجالس ومقدمھا وکذلك ھو من المسجد[2] درانوارالتنزیل ست (المحراب) ای الغرفۃ اوالمسجد اواشرف مواضعہ ومقدمھا سمی بہ لانہ محل محاربۃ الشیطان کانھا (ای سیدتنا مریم) وضعت فی اشرف موضع من بیت المقدس[3] درشرح او عنایۃ القاضی ست ذکر المحراب معانی المشھور منھا الاخیر ولذااقتصر علیہ اخیرافی قولہ کانھا[4] الخ درجلالین ست(المحراب) الغرفۃ وھی اشر المجالس[5] درتفسیر کبیر ست المحراب الموضع العالی الشریف وقیل المحراب اشرف المجالس	مسجد کا محراب بھی اس کی اعلٰی واشرف جگہ ہوتی ہے، یہ امام ابوحنیفہ سے ہے۔ ابوعبیدۃ کہتے ہیں کہ محراب مجالس کی اعلٰی واشرف جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح مساجد کے محراب ہیں اھ تلخیصًا۔ معالم التنزیل میں ہے محراب سے مراد مجالس کی اعلٰی اور مقدم جگہ ہے اور مسجد میں بھی محراب کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ انوارالتنزیل میں ہے (محراب یعنی کمرہ یا مسجد یا کمرہ ومسجد کی اعلٰی واشرف جگہ مراد ہے یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطان سے محاربہ کی جگہ ہوتی ہے گویا (سیّدہ مریم علیہا السلام) بیت المقدس کی اعلٰی جگہ پر پیدا ہوئیں، اس کی شرح عنایۃ القاضی میں ہے کہ محراب کے متعدد معانی ہیں ان میں سے مشہور آخری ہے اسی لئے ماتن نے اس آخری معنی پر "**کانھاوضعت الخ**" کے الفاظ سے اقتصار کیا۔ جلالین میں ہے (محراب) کمرہ، یہ مجالس کی اعلٰی جگہ ہوتی ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے محراب سے مراد بلند واعلٰی جگہ ہے، بعض کے نزدیک مجالس کے لئے

---

[1] لسان العرب فصل الحاء المہملہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰۵

[2] معالم التنزیل علی ہامش الخازن سورہ آل عمران مطبوعہ مصطفی البابی بیروت ۱/۳۴۲

[3] انوارالتنزیل (بیضاوی) سورہ آل عمران مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸

[4] حاشیۃ الشہاب المعروف عنایۃ القاضی سورہ آل عمران مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۳۳

[5] تفسیر جلالین سورہ آل عمران مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۸

وارفعھا[1] درکشاف ست غرفة وقیل اشرف المجالس ومقدمھا [2]این ست معظم عبارات ائمہ فن کہ ازہمان نفس موضع نشان می دہدہ از صورت طاق وچسپاں ازونشان دہند کہ اوخودحادث ست درمساجد قدیمہ تاسال ہشتاد وہشت ہجری نامے ازاں نبود افضل المساجد مسجد الحرام ہنوزازان خالیست ودرمسجد اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیز نہ بزمان اقدس بودنہ بعہد خلفائے راشدین نہ بعہد امیر معاویہ وعبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی زمانہ امارتِ خوداحداث کردہ است وماناکہ حامل برآں غیر زینت اعلام مقام امام بعلامتے ظاہرہ متبینہ باشد کہ درتوسط صف خاصہ بمساجد کبارحاجت بنظروآزمودن نیفتدوبشب نیزبے روشنی مدرک شودوبرائے مقتدیاں بسجدہ امام درطاق فراخی فراغے ہم نماید چوں کارمشتمل مصالح بوددرواج گرفت وزاں بازدرعامہ بلاداسلام معہود شد پس اطلاق محراب برآں نام مُعَیَّن برائے مُعَیِّن ست اعنی تسمیۃ الدال باسم المدلول سید سمہودی عـــہ	اعلٰی وارفع جگہ ہے۔ کشاف میں ہے محراب کا معنی کمرہ، بعض کے نزدیک مجالس کے لئے اعلٰی واشرف جگہ مراد ہوتی ہے۔ محراب کے بارے میں یہ ہیں تمام ائمہ فن کی عبارات جن سے واضح ہورہاہے کہ اس سے مراد جگہ ہے طاق وغیرہ کی صورت کانام نہیں بلکہ اٹھاسی ۸۸ ہجری سے پہلے مساجد قدیمہ میں اس کاوجود نہ ہوتا تھا سب سے افضل مسجد مسجد حرام اس سے اب تک خالی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات، خلفاء راشدین، امیر معاویہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں مسجد نبوی میں صورت محراب نہیں تھی بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی نے اپنے دورامارت میں محراب بنایااور یہ تسلیم ہے کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پرعلامت کے طورپر محراب کاہونا بہتر ہے خصوصا بڑی مساجد میں تاکہ ہر دفعہ غوروفکرنہ کرناپڑے اور رات کو بغیر روشنی کے امام کو پایاجاسکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی وجہ سے مقتدیوں کووسعت بھی مل جاتی ہے توجب محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کارواج ہوگیا اور تمام بلاد اسلامیہ میں یہ معروف ہواتو یہ یہاں مدلول کانام دال کودیاگیاہے۔ سیّد سمہودی قدس سرہ، نے

عـــہ بتصریحات ھؤلاء الکبراء رحمھم اللہ | اکابر رحمہم اللہ تعالٰی کی ان تصریحات سے یہ بات (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] التفسیر الکبیر سورہ آل عمران میں مذکور ہے مطبوعہ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۸

[2] تفسیر الکشاف سورہ آل عمران میں مذکور ہے مطبوعہ انتشارات آفتاب تہران ایران ۴۲۷/۱

قدس سرہ درخلاصہ الوفا در فصل ہشتم باب چہارم فرماید یحیی عن عبدالمھیمن بن عباس عن ابیہ مات عثمٰن ولیس فی المسجد شرفات ولامحراب فاول من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبدالعزیز [1] ہمدر فصل دوم ازاں فرمودِ لم یکن للمسجد محراب فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولافی عھدالخلفاء بعدہ حتی اتخذعمربن عبدالعزیزفی امارۃ الولید [2] امام عسقلانی درفتح الباری شرح صحیح بخاری آورد قال الکرمانی من حیث انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقوم بجنب المنبرای ولم یکن لمسجدہ محراب [3] امام عینی درعمدۃ القاری شرح بخاری فرمود	خلاصۃ الوفا کے باب چہارم کی آٹھویں فصل میں فرمایا یحیٰی نے عبدالمھیمن بن عباس انہوں نے اپنے والد سے بیان کیاکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید ہوئے تومسجد میں کنگرے اور محراب نہ تھے سب سے پہلے محراب اور کنگرے بنانے والے حضرت عمربن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، اسی کی دوسری فصل میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفائے راشدین کے دور میں محراب نہ تھا حتی کہ امارتِ ولیدبن عبدالملک میں عمربن عبدالعزیز نے بنوایا۔ امام عسقلانی فتح الباری شرح البخاری میں فرماتے ہیں کہ امام کرمانی نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کی ایک جانب کھڑے ہوتے یعنی اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ امام عینی نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں فرمایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی ظھران ماوقع فی الفتح مسألۃ القیام فی الطاق انہ نبی فی المساجد المحاریب من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [4] ھ سھو فلیتنبہ ۱۲منہ غفرلہ(م)

واضح ہوگئی کہ فتح القدیر میں امام کے محراب میں کھڑاہونے کے بیان میں جو کہاگیاکہ یہ محراب مساجد میں رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے ہیں سہو وبھول ہےاھ اس پر متنبہ رہناچاہئے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۲/ ۵۲۵

[2] وفاء الوفاء محراب المسجد النبوی وتی صنع مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۱/ ۳۷۰

[3] فتح الباری شرح بخاری قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۱

[4] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۰

انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یقوم بجنب المنبر لانه لم یکن لمسجده محراب[1] علامہ شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز درجزب القلوب شریف فرماید درزمان آں سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علامت محراب کہ الآن درمساجد متعارف ست نبودابتدائے آں ازوقت عمربن عبدالعزیزست دروقتیکہ امیرمدینہ منورہ بوداز جانب ولید بن عبدالملک اموی [2] اھ ہمدرآن ست طول مسجد درزمان ولیددوئیست ذراع بودوعرض آں یکصدوشصت ہفت ذراع ووی در تکلف وتصنّع عمارت باقصی الغایۃ کوشید وعلامت محراب کہ الآن درمساجد متعارف ست اوساخت وپیش ازاں نبود [3] اھ مختصرًا ازیں تقریر منیر مستنیر شد کہ ہیچ مسجد شتوی خواہ صیفی تاآنکہ بقعہ سادہ موقوفہ للصلوٰۃ نیزازمحراب حقیقی تہی نتواں بودوہمون ست مقام امام متوارث اززمان امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام پس جائیکہ قیام امام فی المحراب راسنت گفتہ اند مراد ہمین ست ونہ قیام در محراب صوری یاباز آئے آن کہ اوخوددرزمان سنت بودو جائیکہ

حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کے پہلو میں قیام فرماتے کیونکہ اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔علامہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز جذب القلوب میں فرماتے ہیں یہ محراب جوآج متعارف ہے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہ تھااس کی ابتداء ولید بن عبدالملک اُموی کے دور میں عمربن عبدالعزیز نے کی، جبکہ وہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔
اوراسی میں ہے کہ ولید مسجد کا طول چالیس ۴۰ہاتھ اور عرض ایک ۱۶۷سو سڑسٹھ ہاتھ تھا اور عمارت بنانے میں تکلف وتصنع سے انہوں نے کام لیا اور علامت محراب جوآج کل مساجد میں متعارف ہے اس دور میں نہ تھااھ المختصر اس پرنور تقریر سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ کوئی بھی مسجد خواہ شتوی ہو یا صیفی جب سے وہ وقف ہوئی ہے وہ محراب حقیقی سے خالی نہیں ہوتی اور یہی وہ مقام ہے جو امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کی جگہ بنتا رہالہٰذا جس جگہ بھی علماء نے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنت کہا ہے وہاں یہی محراب حقیقی مراد ہے نہ کہ محراب صوری میں قیام مراد ہے یااس کے برابر جواس وقت

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴ /۲۸۰

[2] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ششم دربیان عمارت مسجد شریف نبوی مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ چوک دار لگراں لاہور ص ۷۳

[3] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ہفتم دربیان تغیرات وزیادات کہ بعد از وصلت الخ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ چوک دار لگراں لاہور ص۸۸

مکروہ گفتند مراد در محراب صوری استادن ست بوجہیکہ پائے اندر قضائے او باشد بدلیل وآں اشتباہ حال امام ست بر قولے وتشبّہ بہ یہود وشبہ اختلاف مکان بر قول اصح ووجہ اطلاق محمد۔

اقول: وفی تعلیل الاشتباہ نظرواشتباہ فانہ لایحصل غالبا الااذازداد طول الصف وھو یحصل بدون القیام فی المحراب بل مع عدم المحراب والبناء اصلا وایضا ان اریداطلاع الکل بنظرنفسہ فان النظرلہ حدلایتجاوزہ فکما یعجز عند قیام الامام فی المحراب لبعد ما یعجز ایضا بدونہ علی بعد اخر وان اکتفی بالاطلاع ولو بواسطۃ من معہ فی الصلٰوۃ فلامعنی للاشتباہ بالقیام فی المحراب ولاشك ان الاخیرھوالمعتبر والالم یکن لکل من بعد الصف الاول بدمن الاشتباہ ولالمن فی طرفی الاول علی بعد

بھی سنت تھا، اور جہاں علماء نے محراب میں امام کے قیام کو مکروہ قرار دیا ہے وہاں محراب صوری میں کھڑا ہونا ہے اس طریقہ پر کہ اس کے پاؤں محراب کے اندر ہوں، اس پر دلیل، ایک قول کے مطابق امام کے حال کا مشتبہ ہونا اور ایک قول پر یہود کے ساتھ تشابہ، لیکن اصح قول کے مطابق مکان کا مختلف ہو جانا ہے اور ایک وجہ امام محمد کے قول کا اطلاق ہے۔

اقول: مشتبہ ہونے کی علت میں نظر واشتباہ ہے کیونکہ یہ اکثر طور پر حاصل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جب صف زیادہ لمبی ہو اور یہ اشتباہ قیام فی المحراب کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت بھی جب محراب اور عمارت نہ ہو اور یہ بھی معاملہ ہے کہ کیا تمام مقتدیوں کا امام کو اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ نظر کی ایک حد ہے جس سے متجاوز نہیں ہوتی، تو جس طرح محراب کے اندر کھڑے ہونے پر امام کے بُعد کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا اس طرح اس کے بغیر بھی بعد کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ نظر نہ آئے اور اگر محض اطلاع کافی ہے خواہ وہ بالواسطہ کسی مقتدی کے ذریعے ہو تو محراب میں کھڑے ہونے سے اشتباہ کا پیدا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور بلاشبہ آخری بات (وجہ) ہی معتبر ہے ورنہ ہر وہ شخص جو صف اول کے بعد والی صف میں ہو اسے اشتباہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اسی طرح

یمنع النظر الابالتفات عن القبلة درردالمحتار ست صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراھة ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببھا فقیل کونه یصیر ممتازاعنھم فی المکان المحراب فی معنی بیت اٰخر وذلك صنیع اھل الکتب واقتصر علیه فی الھدایة و اختارہ الامام السرخسی و قال انه الاوجه وقیل اشتباہ حاله علی من فی یمینه ویسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقا وعلی الثانی لایکرہ عندعدم الاشتباہ وایدالثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب وتقدمه واجب وغایة اتفاق الملتین فی ذلك وارتضاہ فی الحلیة وایدہ لکن نازعه فی البحر بان مقتضی ظاھر الروایة الکراھة مطلقا بان امتیاز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلاوقوف فی مکان اٰخر ولھذا قال فی الولوالجیة وغیرھا اذا لم یضق المسجد	اس کو بھی جو صف اول کے اطراف میں اتنا دور کھڑا ہو کہ نظر سے دیکھ نہ پائے۔ اشتباہ کو دور کرنے کے لئے ان کو اپنے قبلہ سے انحراف ضروری ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں اس محراب میں ہونے پر کراہت کا حکم لگایا ہے اور کوئی تفصیل نہیں دی اس لئے سبب کے بیان میں مشائخ کا اختلاف ہوا، ایک یہ ہے کہ امام ایسی صورت میں ممتاز ہو کر یوں ہو جاتا ہے جیسے وہ کسی دوسرے کمرے میں ہے اور یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔ ہدایہ میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ امام سرخسی نے اسے ہی پسند کیا اور کہا یہی مختار ہے۔ بعض نے کہا کہ امام اپنے دائیں بائیں مقتدیوں پر مشتبہ ہو جاتا ہے، پہلی صورت میں ہر حال میں کراہت ہے اور دوسری صورت میں جب اشتباہ نہ ہو کراہت نہ ہوگی۔ فتح میں یہ کہتے ہوئے دوسری کی تائید کی اور کہا کہ امام کا ممتاز مقام پر کھڑا ہونا تو مطلوب ہے اور اس کا مقدم ہونا واجب ہے اور اس میں دونوں فریق متفق ہیں اسے حلیہ میں پسند کیا گیا اور اس کی تائید کی لیکن بحر میں یہ کہتے ہوئے اس سے اختلاف کیا کہ ظاہر روایت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر حال میں کراہت ہو اور یہ کہ امام کا مطلوبہ امتیاز آگے ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے یہ اس کے دوسرے مقام پر کھڑے ہونے پر موقوف نہیں ہے اسی لئے ولوالجیہ وغیرہ میں ہے کہ جب مقتدیوں پر مسجد

بمن خلف الامام لاینبغی له ذلك لانه یشبه تباین المکانین ھ یعنی وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الکراهة والمحراب وان کان من المسجد فصورته هیأته اقتضت شبهة الاختلاف ھ ملخصاً **قلت** ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماهوالسنة لالان یقوم فی داخله فهو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبه مکاناً اُخر فاورث الکراهة ولایخفی حسن هذا الکلام فافهم لکن تقدم ان التشبه انما یکرہ فی المذموم وفیما قصد به التشبه لامطلقاً ولعل هذا من المذموم تامل [1] ھ کلام الشامی **اقول:** ولامحل للترجی بعد ماافادنا قلاعن الولوالجیة وغیرها انه یشبه تباین المکانین وحقیقة تفسد فشبهته تکرہ بل لوعد هذا دلیلا براسه لکفی وشفی کما	تنگ نہ ہو توامام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ دونوں مقامات کاجدا ہونالازم آتا ہےاھ اور حقیقۃ جگہ کااختلاف جواز نماز سے مانع ہے اور جہاں اختلاف کاشبہ ہو وہاں کراہت ہوگی اور اگر محراب اگرچہ مسجد میں ہی ہے لیکن اس صورت و ہیئت سے شبہ اختلاف پیدا ہوتا ہےاھ تلخیصًا **قلت** (میں (شامی) کہتا ہوں) محراب کا مقصد یہ ہے کہ وہ قیام امام کی علامت ہو تاکہ اس کا قیام صف کے درمیان ہو یہ مقصد نہیں کہ امام محراب کے اندر کھڑا ہو۔ محراب اگرچہ مسجد کاہی حصہ ہے لیکن ایک دوسرے مقام کے مشابہ ہے للذا اس سے کراہت ہوگی۔ اس کلام کاحسن واضح ہے اسے اچھی طرح محفوظ کرو، لیکن پیچھے گزرا کہ تشبہ بری بات میں مکروہ ہوتا ہے اور اس صورت میں جب تشبہ مقصد ہو ہر حال میں مکروہ نہیں اور ممکن ہے یہ مذموم میں سے ہو۔ (کلام شامی ختم ہوا) **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ "شاید" کہنے کا محل نہیں کیونکہ اس نے ولوالجیہ وغیرہ سے نقل کردیا ہے کہ یہ عمل دو جگہوں کے متخالف ہونے کے مشابہ ہے اور اگر تباین حقیقۃً ہو تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور اگر تباین کاتشابہ ہو تو نماز میں کراہت آئے گی بلکہ اگر اسے

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۷

لایخفٰی پیداست کہ ایں شبہہ وتشبہ واشتباہ ہمہ ہاہمیں در محراب صوری ست نہ حقیقی اما قیام بمحاذات محراب صوری آنچناں کہ سجدہ درطاق افتد پس فی نفسہ نہ کراہتے دارد **لعدم الوجوہ المذکورۃ من الشبھۃ و التشبہ والاشتباہ فیہ نہ فضیلتے لما قدمنا انہ لم یکن فی اصل السنۃ محراب صوری ولامحاذاتہ** پس نظربذات خودش نباشد جز مباح ازینجاست کہ ایں راسنت نگفتہ اند وچوں مکروہ ہم نبود دفع توہم رالاباس آورند آرے اگر قیام بمحل محرابِ حقیقی موافق آید **کما ھو الغالب** لاجرم سنت باشد نہ ازاں روکہ محاذات محراب صوری ست بل ازاں جہت کہ موافات محراب حقیقی ست ازیں تحقیق انیق بحمداللہ روشن شد کہ اگرامام درمسجد صیفی بمحراب حقیقی ایستد یقینا اصابت سنت یافتہ باشد وہیچ کراہتے برونبود گو محراب صوری را محاذی ہم مباش چنانکہ صیفی درعرض ازیدازشتوی باشد آنگاہ باید کہ از محاذاتِ طاق بجانب زیادت میل کند وبوسط صیفی بایستد

مستقل دلیل بنایا جائے تو یہ کافی وشافی ہے جیسا کہ واضح اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ شبہ، تشبّہ اور اشتباہ وغیرہ تمام صورتیں محراب صوری میں ہیں، نہ کہ حقیقی میں، محراب صوری کی محاذات میں اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب میں ہو فی نفسہٖ مکروہ نہیں کیونکہ وجوہ مذکورہ یعنی شبہ، تشبّہ اور اشتباہ یہاں نہیں ہیں اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے کیونکہ ہم نے پہلے یہ بیان کردیا ہے کہ اصل سنت میں نہ محراب صوری ہے اور نہ اس کی محاذات پس وہ اپنی ذات کے حوالے سے سوائے مباح کے کچھ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے سنت نہیں کہا گیا، چونکہ مکروہ بھی نہیں تو علماء دفع توہم کے لئے لفظ "**لاباس**" لے آئے ہیں، اگر اس کی محاذات کا قیام محراب حقیقی کے موافق ہوجاتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو اب یہ سنت ہوگا مگر اس کی وجہ محرابِ صوری کے محاذی ہونا نہیں بلکہ محراب حقیقی کے موافق ہونا ہے، بحمداللہ اس شفاف تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اگرامام مسجد صیفی میں محراب حقیقی میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ یقینا سنت کو پانے والا ہے اور اس پر ہرگز کوئی کراہت نہ ہوگی اگرچہ وہ محراب صوری کے محاذی نہ ہو، کیونکہ جب مسجد صیفی عرض میں شتوی سے زیادہ ہو تو اس وقت محراب کی محاذات میں جانب زیادت کی طرف ہو کر صیفی کے درمیان میں

بمحراب حقیقی قیام کردہ باشد وبدستور در شتوی نیز اگر طاق درحاق وسط نبود امام راطاق گزاشتہ بوسط شتوی عدول باید کہ محراب حقیقی بدست آید درولایت افغانستان از علمائے زمان کہ قیام امام رادر مسجد صیفی مکروہ گویند دلیل برآں ازہماں مسئلہ سنیت قیام فی المحراب چون درسوالیکہ نزد فقیر ازان ولایت آمدہ بودوانمود ناشی از اشتباہ معنی محراب است عزیزان اورا محراب صوری گماشتند واز حقیقی غفلت کردہ اندودانستہ شد کہ قیام در صوری سنت نیست بلکہ بمعنی حقیقتش خود مکروہ ہے ست وانکہ سنت است بہ مسجد صیفی نیز نقد وقت ست پس کراہت از کجا امام ابن الہمام در فتح ایں معنی رارنگ ایضاح داد کہ فرمود لولم تبن (ای المحاریب) کانت السنة ان یتقدم فی محاذاۃ ذلك المکان لانه یحاذی وسط الصف وھوالمطلوب اذقیامه فی غیرمحاذاته مکروہ[1]ھ واگر چناں باشد کہ صیفی مطلقًا از صلاحیت اقامت جماعت بدرود زیراکہ آنجا محراب صوری نتواں یافت ومجرد محاذات اگرچہ از دور بسندہ نیست کما	کھڑا ہونا چاہئے تاکہ محراب حقیقی میں قیام ہوجائے اسی طرح شتوی میں بھی اگر طاق وسط میں نہیں توامام طاق چھوڑ کر شتوی کے وسط میں ہوجائے تاکہ محراب حقیقی کو پایا جاسکے، افغانستان کے علاقے میں اس وقت کے علماء مسجد صیفی میں امام کے قیام کو مکروہ قرار دیتے ہوئے یہی دلیل دیتے ہیں کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے کیونکہ اس ملک سے فقیر کے پاس جو سوال آیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں معنی محراب میں اشتباہ ہے اور انہوں نے محراب صوری مقرر کئے ہیں مگر محرابِ حقیقی سے غافل ہوگئے ہیں اور معلوم ہوا کہ صوری میں قیام سنت نہیں بلکہ اسے حقیقی سمجھنا بذاتِ خود مکروہ ہے اور جو سنت ہے وہ صیفی مسجد میں بھی درست ہے، پس یہاں کراہت کہاں! امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسے واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ بنے ہوئے نہیں (یعنی محاریب) توسنت یہ ہے کہ اس جگہ کے محاذی کھڑا ہوجائے کیونکہ وہ وسط صف کے محاذی ہے اور یہی مطلوب ہے کیونکہ محاذات کے علاوہ امام کا قیام مکروہ ہے اھ اور اگر ایسے ہو کہ صیفی اقامت جماعت کی صلاحیت نہ رکھتی کیونکہ وہاں محراب صوری نہیں اور صرف محاذات اگرچہ دور سے ہو محراب کی نشانی نہیں ہے جیسا کہ تو نے

[1] فتح القدیر فصل یکرہ المصلی مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۶۰

علمت وقداعترفوا به والالم یحکموا بکراهة قیام الامام فی الصیفی مطلقا وایں برخلاف عمل و نیت جملہ امت ست مسجد رابردودرجہ سرما وگرما ازہمیں روبخش میکنند کہ بہر موسم اقامت جماعت بہ مسجد نتوانند اگرایں پارہ از قیام امام معطل ماند لاجرم جماعت رانیز لازم باشد ہم درپارہ شتوی صفہا بستن کہ انفراد امام بدرجہ خود مکروہ ست پس از صیفی بہرہ نیابند مگر بعض قوم در بعض احیان آنگاہ کہ شتوی ہمہ آوردہ شودوایں یقینا مخالف نیت وقصد جملہ بانیان وعمل وتوارثِ عامہ مومنان ست بازدرہندیہ وبزازیہ وخلاصہ وظہیریہ وخزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ ست قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الداخل فامهم قال من سبق بالشروع فهو والمقتدون به لاکراهة فی حقهم[1] چرابلائے نفی جنس مطلقاً سلب مستغرق نمایندچرانگویند کہ امام مسجد صیفی ومقتدیانش بہرحال درگرد کراہت اندزیراکہ قیام	سمجھا اور جیسا کہ انہوں نے اس کااعتراف کیاہے ورنہ وہ صیفی میں مطلقاً قیام امام کو مکروہ قرارنہ دیتے حالانکہ یہ بات تمام امت کے عمل کے خلاف ہے کیونکہ مسجد کے دودرجے موسم گرماوسرماکے لحاظ سے کئے جاتے ہیں کہ ہر موسم میں ایک جگہ جماعت نہیں کرائی جاسکتی تو اگریہ حصہ قیام امام سے معطل ہو تولازم ہوگا کہ جماعت بھی شتوی حصے میں صفیں بنائے کیونکہ امام کاتنہا ہونا بذات خود مکروہ ہے تواس طرح صیفی حصہ سے فائدہ صرف بعض اوقات بعض لوگ اس وقت ہی اٹھاسکیں گے جب شتوی حصہ پُرہوجائے گا، اور یہ بات تمام بانیان مساجد کی نیت اور عمل اور توارث امت کے خلاف ہے ہندیہ، بزازیہ، خلاصہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ کچھ لوگ مسجد کے اندر اور کچھ مسجد کے صحن میں تھے مؤذن نے اذان کہی اوراہل خارج میں سے امام نے جماعت کرائی اسی طرح اندر والوں میں سے امام نے جماعت کرائی تو جس نے پہل کردی وہ امام ہوگا اور تمام لوگ اس کے مقتدی ہوں گے ان کے حق میں کوئی کراہت نہ ہوگی کیونکہ یہاں لانفی جنس انہوں نے استعمال کیاہے جو مطلق سلب کااحاطہ کرتاہے انہوں نے یہ کیوں نہ کہاکہ مسجد صیفی کاامام، اس کے مقتدی بہرحال کراہت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ انہوں نے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵

فی المحراب راترک گفتند بالجملہ ایں خطائے فاحش ست کہ ولاتیان دریں جزوزمان احداث کردہ اند ازیں باخبر باید بود۔ سخن راندن مانداز استظہار علامہ شامی عاملہ اللہ باللطف النامی **اقول:** انچہ بالاگفتہ ایم غایت توجیہ کلام آں فاضل علام بود وہنوز گل نظرے دمیدن دارد ماثور وموروث چنانکہ دانی ہماں قیام امام در محراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکہ شنیدی پس ترک اوبے عذر شرعی عدول ازافضل وخلاف متوارث العمل، وفرع مبسوط دلالت برآں ندرد کہ اینجا فی نفسہٖ اصلاً منظور نیست بلکہ غایتش آنست کہ توسط صف سنت عظیمہ مہم ترازآن ست چوں ہردودست وگریبان شود اختیار بہ سنت توسط رود پس انچہ بدل می چسپد کلمات ائمہ رابر اطلاق آنہاداشتن اگرچہ درکمال خمول باشد غیر امام جماعت ثانیہ فی مسجد المحلہ را محراب حقیقی گذاشتن ست ہذا اخر الکلام فی ہذا المقام وقد اتضح بہ کل مرام وانکشف بہ جمیع الاوہام والتأمت کلمات الائمۃ الکرام وماتوفیقی الاباللہ الملك العلام والسلام مع الکرام علی مولٰنا عبد السلام واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	محراب میں قیام کوترک کیاہے، حاصل کلام یہ کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جو اس دور میں ان علاقوں میں پیدا ہوئی ہے اس سے باخبر ہونا چاہئے۔ رہامعاملہ علامہ شامی کے مختار قرار دینے کاتو **میں کہتاہوں** کہ جو کچھ ہم نے بیان کیااس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہےاور جو کچھ منقول ومتوارث ہے وہ امام کامحراب حقیقی میں قیام ہے اور وہ مقام سب سے اعلٰی اور صدر مسجد ہوتاہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے للذا اس کاترک بغیر کسی عذر کے افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے اور مبسوط کاجزئیہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ مقام فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ صف کے درمیان کھڑاہونا سنت عظیمہ ہے کیونکہ جب دونوں میں تعارض ہو توو سط میں کھڑا ہونا سنت اور مختار ہوگا، دل لگتی بات یہ ہے کہ ائمہ کے کلام کو اپنے اطلاق پر رکھیں اگرچہ یہ کمزور سی بات ہے تاہم اس سے محلّہ کی مسجد میں پہلے امام کاحقیقی محراب کو چھوڑنا مراد ہے، یہ اس مقام میں آخری کلام ہےاوراس سے پورا مقصد واضح ہوگیا اور تمام ائمہ کا کلام موافق ہوگیا وماتوفیقی الاباللہ الملك العلام والسلام مع الاکرام علٰی مولٰنا عبدالسلام واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۰۰۲: ازبنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھمرامرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین وفضلائے شرع متین	کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین

اندریں صورت کہ شخصے مصلی ردائے خود رابدیں نوع پوشد کہ اولا وسط ردار ابرپشت نہادہ وہر دوسرش راتحت بطین بیروں آوردہ بازجانب چپ رابرمنکب راست وطرف راست رابرمنکب چپ افگند حتی کہ ہر دوسرش نیز بطرف پشت و سریں رسند ایں صورت در حالت صلٰوۃ شرعًا جائزست یانہ؟	اس مسئلہ میں کہ نمازی ایک چادر اس طرح پہنتا ہے کہ پہلے اس کانصف حصہ اپنی پشت پرڈالتا ہے اور اس کے دونوں کونوں کو بغلوں کے نیچے سے باہر لاکر اس کی جانب کو دائیں کاندھے اور اس کے دائیں حصے کو بائیں کاندھے پرڈالتا ہے حتی کہ اس کے دونوں کونے بھی پشت وسرین تک پہنچ رہے ہوتے ہیں اس حالت میں نماز جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جائزست فی الصحیحین عن عمربن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملا بہ فیبیت ام سلمۃ واضعاطرفیہ علی عاتقیہ[1]۔ وللبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من صلی فی ثوب واحد فلیخالف بین طرفیہ[2] شیخ محقق دہلوی قدس سرہ راشعۃ اللمعات می فرماید صورت اشتمال آن ست کہ طرفے راست از جامہ کہ بردوش راست است گرفتہ بردوش چپ بینداز دوطرف چپ	جائز ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت عمربن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بیت حضرت ام سلمہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں اطراف آپ کے کاندھوں پر تھیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو آدمی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کی دونوں اطراف کو مخالف سمت میں ڈالے۔ شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں صورتِ اشتمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کپڑے کی دائیں طرف جو کپڑا دائیں کاندھے پر ہے بائیں پر ڈال دے اور بائیں کاندھے

[1] صحیح مسلم، باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۸

[2] صحیح بخاری باب اذا صلی فی الثوب الواحد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۲

کہ بردوش چپ است اززیردست چپ گرفتہ بردوش راست بینداز وپستر بندد ہردوطرف رابرسینہ وغالبًا احتیاج بہ بستن ہردوطرف برسینہ برتقدیریست کہ گوشہائے جامہ دراز نباشد وبیم واشدن بودواگردراز بسیار باشد احتیاج بربستن نباشد چنانکہ ازلباس فقرائے یمن ظاہر میگرددولہذا درعبارت بعض شارحان این قید واقع شدہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کی طرف کو بائیں کے نیچے سے نکال کر دائیں کاندھے پر ڈال دے اس کے بعد دونوں اطراف کو سینہ پر باندھ لے، غالبًا دونوں کو سینہ پر باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے طویل نہ تھے اور اس کے گرجانے کا خطرہ تھا، اور اگر اطراف لمبے ہوں تو باندھنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ فقرائے یمین کالباس ہوتاہے، یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارت میں اس قید کاذکر نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۳: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸/جمادی الاول ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چبوترہ جوصحن میں ملاصق بیچ کے در میں جوکچھ بلندی ہوتی ہے اس پر نماز جماعت میں امام کا کھڑے ہوکر نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں اور اس کو اگر دور کردیا جائے تو نماز جائز ہوگی یانہیں؟

الجواب:

یہ صورت مکروہ ہے،

لمشابھۃ الیھود فانھم یجعلون لامامھم علی دکان ممتازًا عمن خلفہ والاصح ان لاتقدیر، بل کل مایقع بہ الامتیاز یکرہ کمافی الدر[2]۔	یہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ امام کے لئے اونچی جگہ بناتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ اس کی مقدار کاتعین نہیں بلکہ اتنی اونچائی جس سے امتیاز ہوجائے مکروہ ہے جیسا کہ در میں ہے۔(ت)

اور اگر اسے دُور کردیں توامام اگر در میں کھڑا ہوتو یہ بھی مکروہ ہے

لقول امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[3]	ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی کاارشاد ہے کہ امام کے دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونے کو

[1] اشعۃ اللمعات باب الستر الفصل الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۴
[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

کما فی المعراج	ناپسند جانتا ہوں، جیسا کہ معراج میں ہے(ت)

اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر کرسی کی بلندی پر سجدہ کرے تو یہ سخت ترمکروہ ہے یہاں تک کہ وہ بلندی بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی **کمافی درالمختار وغیرہ** (جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت) توجب صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑا صحن سے ہموار کردیں امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق نماز میں سجدہ کرے اب کوئی کراہت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰۴: ازاترولی ضلع علی گڑھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸/جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلی رکعت میں قل یا پڑھے، دوسری رکعت میں **انا اعطینا** پڑھے ترتیب واجب میں فرق آیا اُلٹا قرآن پڑھنے سے۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ترتیب اُلٹنے سے نماز کا اعادہ واجب ہو نہ سجدہ سہو آئے۔ہاں یہ فعل ناجائز ہے اگر قصداً کرے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر بعد کی سورت پڑھنا چاہتا تھا زبان سے اُوپر کی سورت کا کوئی حرف نکل گیا تو اب اسی کو پڑھے اگرچہ خلاف ترتیب ہوگا کہ یہ اس نے قصداً نہ کیا اور اس کا حرف نکل جانے سے اس کا حق ہوگیا کہ اب اسے چھوڑنا قصداً چھوڑنا ہوگا۔ردالمحتار میں ہے:

ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلا لضرورۃ التعلیم ط التنکیس اوالفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھوا فلا، شرح المنیۃ، واذا انتفت الکراھۃ فاعرضہ عن التی شرع فیھا لاینبغی، وفی الخلاصۃ، افتتح سورۃ و قصدہ سورۃ اخری فلما قرء اٰیۃ واٰیتین اراد ان یترک تلک السورۃو یفتتح التی ارادھا یکرہ الخ	قرات میں سورتوں کے درمیان ترتیب رکھنا واجب ہے، چھوٹے بچوں کے لئے ضرورت تعلیم کے پیش نظر جائز ہے تاکہ آسانی ہو ط، خلاف ترتیب یا تھوڑا فاصلہ اس وقت مکروہ ہے جب دانستہ ہو اگر بھول کر ہو تو مکروہ نہیں شرح المنیہ، اور جب کراہت ختم ہو تو مشروع سے اعراض مناسب نہیں، خلاصہ میں ہے کسی ایک نے سورت شروع کی اور دوسری کا ارادہ کیا جب ایک آیت یا دو آیات تلاوت کیں تو اس نے چاہا کہ یہ سورت چھوڑدے اور وہ شروع کرے جس کا ارادہ تھا تو یہ مکروہ ہے الخ اور فتح میں ہے کہ اگرچہ پڑھا ہوا محض ایک حرف ہو الخ

وفی الفتح ولوکان ای المقرؤ حرفا واحدا[1] الخ فی ردالمحتار انھم قالوا یجب الترتیب فی سورۃ القراٰن فلوقرأمنکوسا اثم لکن لایلزمه سجود السھو لان ذلك من واجبات القرائۃ لامن واجبات الصلوٰۃ کمافی البحر باب السھو[2] الخ شامی اقول وبه یظھر مافی افتاء الشیخ الملانظام الدین والد ملك العلماء بحرالعلوم رحمھما اللہ تعالٰی بایجاب السجود فیه بناءً علی وجوبه فانه خلاف المنقول المنصوص علیه فی کتب المذھب وقدکان یتوقف فیه المولی بحرالعلوم قدس سرہ،، واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ قرآنی سورتوں میں ترتیب ضروری ہے اگر کسی نے خلاف ترتیب پڑھا تووہ گنہگار ہوگا لیکن اس پر سجدہ سہولازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ واجبات قرات میں سے ہے نماز کے واجبات میں سے نہیں جیسا کہ بحر کے باب السہومیں ہے الخ شامی، اقول (میں کہتاہوں) اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ شیخ ملانظام الدین والد گرامی ملک العلماء بحرالعلوم رحمہمااللہ تعالٰی نے جوفتوٰی دیا کہ اس صورت میں سجدۂ سہولازم ہے کیونکہ یہ عمل واجب ہے یہ کتب مذہب میں منقول نصوص کے خلاف ہے اور اس میں بحرالعلوم قدس سرہ، نے توقف سے کام لیا ہے،واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۵: ۲۱ ذیقعد ۱۳۲۲ھ

اگر کسی شخص نے صبح کی نماز کے وقت جلدی میں غلطی سے یااندھیرے میں اُلٹی دلائی اوڑھ کر نمازپڑھی تو وہ نماز مکروہ تحریمی یاواجب الاعادہ ہوگی یافاسد وغیرہ؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

واجب الاعادہ اورمکروہ تحریمی ایک چیز ہے، کپڑا اُلٹا پہننااوڑھناخلاف معتاد میں داخل ہےاور خلاف معتاد جس طرح کپڑا پہن یا اوڑھ کر بازار میں یااکابر کے پاس نہ جاسکے ضرور مکروہ ہے کہ دربار عزت احق بادب وتعظیم ہے۔

واصله کراھۃ الصلوٰۃ فی ثیاب	اصل یہ ہے کہ کام ومشقت کے لباس میں نماز مکروہ ہے در میں ہے نمازی کاکام کے کپڑوں میں نمازادا کرنا

[1] ردالمحتار فصل ویجہر الامام قبیل باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۴

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳۷

مهنة قال فی الدر وکرہ صلٰوته فی ثیاب مهنة[1] قال الشامی وفسرها فی شرح الوقایة بما یلبسه فی بیته ولایذهب به الی الاکابر[2]۔	مکروہ ہے، شامی نے فرمایا اور اس کی تفسیر شرح وقایہ میں ہے وہ کپڑ جو آدمی گھر پہنتا ہے مگران کے ساتھ اکابر کے پاس نہیں جاتا (ت)

اور ظاہر کراہت تنزیہی۔

فان کراهة التحریم لابدلها من نهی غیرمصروف عن الظاهر کماقال ش فی ثیاب المهنة والظاهر ان الکراهة تنزیهیة[3]۔	کیونکہ کراہت تحریمی کے لئے ایسی نہی کا ہونا ضروری ہے جوظاہر سے مؤول نہ ہو، جیساکہ علامہ شامی نے کام کے کپڑوں کے بارے میں کہاکہ ظاہر کراہت تنزیہی ہے۔(ت)

اور اسے سدل میں کہ مکروہ تحریمی اور اس سے نہی وارد، دخل نہیں کہ وہ بر لبس خلاف معتاد نہیں بلکہ کپڑا اوپر سے اس طرح سے ڈال لیناکہ دونوں جانبین لٹکتی رہیں مثلاً چادر سریاکندھوں پرڈال لی اور دوبالانہ مارا یاانگرکھاکندھے پرڈال لیااور آستین میں ہاتھ نہ ڈالا[4] کما فی الدروغیرہ (جیساکہ دروغیرہ میں ہے۔ت) اور اگرآستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بندنہ باندھے تویہ بھی سدل نہ رہااگرچہ خلاف معتادضرور ہے، ہاں امام ابوجعفر ہندوانی نے اس صورت کو مشابہ سدل ٹھہراکرفرمایاکہ براکیاامام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ایک قیداور بڑھائی کہ اگرنیچے کرتانہ ہو ورنہ حرج نہیں، اوراقرب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حرج ہے

قال فی ردالمحتار قال فی الخزائن بل ذکر ابو جعفر انه لوادخل یدیه فی کمیه ولم یشد وسطه اولم یزرازراہ فهو مسیئ لانه یشبه السدل اھ قلت لکن قال فی الحلیه فیه نظر ظاهر بعد ان یکون تحته قمیص اونحوہ	ردالمحتار میں ہے کہ خزائن میں ہے بلکہ ابوجعفر نے ذکر کیا کہ اگرنمازی نے اپنے بازوؤں کوآستینوں میں داخل کردیا اور درمیان کو نہیں باندھا یااس نے اس کے بٹن بند نہ کئے توخطاکار ہے کیونکہ سدل کی طرح ہے اھ میں کہتاہوں حلیہ میں ہے کہ اس میں واضح اعتراض ہے جبکہ اس کے نیچے قمیص یا ایسا کپڑا

[1] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۹۱/۱
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۴۱/۱
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۴۱/۱
[4] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مجتبائی دہلی بھارت ۹۱/۱

مما یستر البدن[1] اھ **اقول:** وفیہ نظر ظاہر فان انکشاف شیئ من صدر الرجل و بطنہ لا اساءۃ فیہ اذا کان عاتقاہ مستورین وانما نہی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عما اذا صلی فی ثوب واحد ولیس علی عاتقہ منہ شیئ[2] ولاشك ان ارسال اطراف مثل الشایہ من دون ان یزر ازارھا انما یشبہ السدل بنفس ہیأۃ ولامدخل فیہ لوجود القمیص تحتہ وعدمہ لما ان السدل سدل وان کان فوق القمیص ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ اقول النظر ان کان ففی کراھۃ التحریم اماالتنزیہی فلاشك فی ثبوتہ[3]۔	ہو جو بدن ڈھانپ دے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں نظر ہے کیونکہ انسان کے سینے اور بطن کے کسی حصے کا ظاہر ہونا اس میں کوئی برائی نہیں جبکہ اس کے کاندھے مستور ہوں اور رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت میں ایک کپڑے میں نماز سے منع فرمایا ہے جبکہ اس کے کاندھے پر کوئی شیئ نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اطراف کا کھلا ہونا بٹن باندھنے کے بغیر سدل کے مشابہ ہے اس میں نیچے قمیص اور عدم قمیص کا کوئی دخل نہیں کیونکہ سدل، سدل ہی ہوتا ہے اگرچہ قمیص پر ہو اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے اقول نظر تب ہے کہ اگر کراہت تحریمی ہو اور اگر تنزیہی ہو تو اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔ (ت)

ہاں اگر قصداً ایسا کیا یوں کہ نماز کو محل بے پرواہی جانا اور اس کا ادب واجلال ہلکا مانا تو کراہت و حرمت درکنار معاذاللہ اسلام ہی نہ رہے گا۔ کما قالوا فی الصلٰوۃ حاسر الرأس اذا کان للاستھانۃ (جیسا کہ علماء نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سستی وکاہلی کی وجہ سے ننگے سر نماز ادا کرتا ہے۔ت) والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی نے گلوبند سر میں لپیٹ کر نماز پڑھائی بغیر ٹوپی کے، تو یہ نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

مخالف سنت ہوا، حدیث میں ہے:

الفرق بیننا وبین المشرکین العمائم	ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴۰
[2] صحیح بخاری باب اذا صلی فی ثوب واحد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۲
[3] جد الممتار علی ردالمحتار مکروہات الصلٰوۃ المجمع الاسلامی مبارک پور انڈیا ۱/۳۰۴

علی القلانس[1]۔و قررالشیخ قدس سرہ فی اللمعات ان تعمیم مشرکی العرب ثابت معلوم فالمعنی اناناجعل العمائم علی القلانس وھم یتعممون بدونھا۔	عمامہ باندھنا ہے۔(ت)اور شیخ قدس سرہ، نے لمعات میں ثابت کیا ہے کہ مشرکین عرب کا عمامہ باندھنا ثابت ہے،اب معنی یہ ہوگا کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین ٹوپیوں کے بغیر۔(ت)

پھر اگر گلوبند چھوٹا ہو کہ ایک دو پیچ سے زائد نہ کرسکے تو یہ سنت عمامہ کا بھی ترک ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰۷ : ازرام پور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ۴ محرالحرام ۱۳۲۳ھ

(مع رسالہ نعم الجواب فی مسئلہ المحراب)

خلاصہ سوال

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امام مسجد کہتاہے کہ محراب ہی کے پاس نمازپڑھنا مسنون ہے باہر مسجد کے مکروہ ہے باوجودیکہ اندر مسجد کے عشاکے وقت سخت گرمی اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے زید اندر ہی محراب کے پاس پڑھتاہے اکثر ضعفا کو اس تکلیف وگرمی سے قے بھی ہوجاتی ہے اور بیہوشی ہوتی خوف ہلاکت ہوتاہے لیکن زید نہیں مانتا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تحریر فقیر برجواب مولوی معزاللہ خاں صاحب وتائید مولٰناشاہ سلامت اللہ صاحب

جزی اللہ المجیب خیرا ویثیب وایدی الفاضل المؤید بنصرہ القریب (جواب دینے والے کو اللہ جزائے خیر دے اور اس فاضل کو مدد قریب سے نوازے۔ت) فی الواقع زید کا قول محض باطل وجہالت اور اس پر ایسا اصرار اور اس کے سبب نمازیوں بلکہ خود نماز وجماعت نماز کو اس درجہ اضرار صریح ضلالت ہے، فقیر نے اپنے فتاوٰی میں اس مسئلہ کی تنقیح تام اور محراب کی حقیقی وصوری اقسام اور حدیثًا وفقہًا اُن کے احکام اور تحقیق مرام وازالہ اوہام بفضلہٖ تعالٰی بروجہ کافی وشافی ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ ہندیہ وبزازیہ وخلاصہ و ظہیریہ وخزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام	کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ خارج مسجد ہیں مؤذن نے تکبیر کہی اہل خارج میں سے امام نے جماعت کروائی

[1] سنن ابوداؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۰۸/۲، مشکوۃ المصابیح کتاب اللباس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۷۴

امام من اھل الخارج فامھم وقام امام من اھل الداخل فامھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم[1]۔	اور اسی طرح اہل داخل میں سے ایک نے جماعت کروائی تو جس نے سبقت لی وہ امام ہے اور لوگ اس کے مقتدی، ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

امام ابن امیر الحاج حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں: المسجد الخارج صحن المسجد[2] (مسجد خارج سے صحن مسجد مراد ہے۔ت) دیکھو کیسی تصریح ہے کہ صحن مسجد میں نماز پڑھنی، جماعت کرنی، امامت کرنی اصلاً کسی طرح مکروہ نہیں۔

لان السابق بالشروع فی الصورۃ المذکورۃ ان کان امام الخارج وھوالذی ھو و مقتدہ کلھم فی الصحن کان ھو المحکوم لہ بقول الائمۃ ھو و المقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم ولا، ھذہ لنفی الجنس فتفید نفی کل کراھۃ عنھم وھو المقصود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ صورت مذکورہ میں شروع میں سبقت کرنے والا اگر امام خارج ہے تو وہ امام اور اس کے مقتدی تمام صحن میں ہوں گے اور ائمہ کا یہ بیان کردہ حکم کہ وہ امام اور لوگ اس کے مقتدی ہوں گے اور ان پر کوئی کراہت نہیں اسی پر لاگو ہوگا اور یہ "لا" نفی جنس کے لئے ہے جس سے کراہت کی نفی ہو جاتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۰۸: ازمارہرہ مطہرہ کمبوہ محلّہ مرسلہ چودھری محمد طیب صاحب ۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

جوتیوں سمیت نماز پڑھنا ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے کہا ہم کو ابومسلمہ سعید بن یزید ازدی نے خبر دی کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوتیاں پہنے پہنے نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا

حدثنا اٰدم ابن ابی ایاس قال انا ابومسلمۃ سعید بن یزید الازدی قال سألت انس بن مالك کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ قال نعم۔	آدم ابن ابی ایاس بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابومسلمہ سعید بن یزید الازدی نے بتایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نعلین میں نماز ادا کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی بیان من ھواحق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۴/۱، خلاصہ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۴۵/۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ابن بطال نے کہا جب جوتے پاک ہوں تو اُن میں نماز پڑھنا جائز ہے، میں کہتا ہوں مستحب ہے کیونکہ ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں ہے کہ یہودیوں کا خلاف کرو، وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز میں جوتے اتارنا مکروہ جانتے تھے اور ابو عمرو شیبانی کوئی نماز میں جوتا اتارے تو اس کو مارتے تھے اور ابراہیم سے جو امام ابو حنیفہ کے استاذ ہیں ایسا ہی منقول ہے۔ شوکانی نے کہا صحیح اور قوی مذہب یہی ہے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور جوتوں میں اگر نجاست ہو تو وہ زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی نجاست ہو، تر یا خشک، جرم والا یا بے جرم۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اقول وباللہ التوفیق وبہ الحصول الی ذری التحقیق (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت دے **اقول:** اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور وہ ہے جو تحقیق کی منزل پر پہنچانے والا ہے۔ت) سخت اور تنگ پنجے کا جوتا جو سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے اور اس پر اعتماد کرنے زور دینے سے مانع ہو ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنی صرف کراہت و اساءت درکنار مذہب مشہورہ و مفتی بہ کی رُو سے راسًا مفسد نماز ہے کہ جب پاؤں کی انگلی پر اعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی، امام ابوبکر جصاص و امام کرخی و امام قدوری و امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ وغیرہم اجلہ ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی، محیط و خلاصہ و بزازیہ وکافی و فتح القدیر و سراج و کفایہ و مجتبٰی و شرح المجمع للمصنف و منیہ و غنیہ شرح منیہ و فیض المولی الکریم و جوہرۂ نیرہ و نورالایضاح و مراقی الفلاح و درمنتقی و درمختار و علمگیریہ و فتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری و حواشی علامہ نوح آفندی وغیرہا کتب معتمدہ میں اسی پر جزم فرمایا زاہدی نے کہا یہی ظاہر الروایۃ ہے علامہ ابراہیم کرکی نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے، جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا یہی صحیح ہے، ردالمحتار میں لکھا کتب مذہب میں یہی مشہور ہے، درمختار میں ہے:

فیہ (ای فی شرح الملتقی) یفترض وضع اصابع القدم ولوواحدۃ نحوالقبلۃ والا لم تجز والناس عنہ غافلون وشرط طھارۃ المکان وان یجد حجم الارض والناس عنہ غافلون[1] اھ ملخصًا	اس (شراح الملتقی) میں ہے قدم کی انگلیوں کا زمین پر جانب قبلہ رکھنا فرض ہے خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ورنہ جائز نہیں اور لوگ اس سے غافل ہیں اور مکان کا پاک ہونا بھی شرط ہے اور حجم زمین کو پانا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں اھ تلخیصًا (ت)

[1] درمختار فصل واذااراد الشروع فی الصلٰوۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۲

اسی میں ہے:

منها(ای من الفرائض) السجود بجبهته وقدمیه ووضع اصبع واحدة منهما شرط[1]۔	ان میں سے (یعنی فرائض میں سے) پیشانی اور قدمین پر سجدہ کرنا ہے اور ان دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔(ت)

منیہ میں ہے:

لوسجد ولم یضع قدمیه علی الارض لایجوز ولو وضع احدهما جاز[2]۔	اگر سجدہ کیا لیکن قدم زمین پر نہ لگے تو وہ جائز نہ ہوگا اور اگر ان سے ایک قدم لگ گیا تو جائز ہوگا(ت)

غنیہ میں ہے:

المراد من وضع القدم وضع اصابعها قال الزاهدی ووضع رؤس القدمین حالة السجود فرض، وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیه عن الارض لاتجوز، وکذا فی الخلاصة والبزازی وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة اووضع ظهر القدم بلااصابع ان وجع مع ذٰلك احدی قدمیه صح والافلا، فهم من هذا ان المراد بوضع الاصابع توجیهها نحو القبلة لیکون الاعتماد علیها والافهووضع ظهر القدم وقدجعله غیرمعتبر وهذا ممایجب التنبیه له فان اکثر الناس عنه غافلون[3]۔	قدم رکھنے سے مراد اس کی انگلیوں کو رکھنا ہے، زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں دونوں قدموں کی انگلیوں کے سروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔ مختصر کرخی میں ہے اگر کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھی رہیں تو سجدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ بزازیہ میں قدم رکھنے سے مراد انگلیوں کا رکھنا ہے اور اگر قدم کی پشت انگلیوں کے بغیر لگائی تو اگر اس کے ساتھ کسی ایک قدم کو بھی لگایا تو صحیح ورنہ نہیں، اس سے یہ بھی سمجھ آرہا ہے کہ انگلیوں کے رکھنے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف کرنا ہے تاکہ ان پر ٹیک ہو ورنہ قدم کی پشت پر ہوگا اور اسے تو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اور اس پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔(ت)

---

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۰

[2] منیۃ المصلی باب فرائض صلوٰۃ مبحث السجود مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۶۱

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض صلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۵

بحرالرائق وشرنبلالیہ میں ہے:

السجود فی الشریعة وضع بعض الوجه ممالاسخریة فیه وخرج بقولنا لاسخریة فیه ما اذا رفع قدمیه فی السجود فانه لایصح لان السجود مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم والاجلال ویکفیه وضع اصبع واحدة فلو لم یضع الاصابع اصلا ووضع ظاهر القدم فانه لایجوز لان وضع القدم بوضع الاصبع اھ ملتقطا[1]۔	شریعت میں سجدہ یہ ہے چہرہ کازمین پر رکھنا اور اس میں سخریت نہ ہو "لاسخریۃ فیہ" سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے جس میں دونوں قدم حالت سجدہ میں زمین پر نہ ہوں کیونکہ حالت سجدہ میں ان کازمین سے اٹھاہواہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق پر دلالت کرتاہے اور اس میں ایک انگلی کازمین پر لگ جانا کافی ہوتاہے۔ پس اگرکسی نے انگلیاں بالکل نہیں لگائیں مگر پشت قدم کولگایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قدم کے رکھنے سے مراد انگلی کالگانا ہےاھ تلخیصًا(ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

من شرط جواز السجود ان لایرفع قدمیه فان رفعهما فی حال سجوده لاتجزیه السجدة وان رفع احدٰهما قال فی المرتبة یجزیه مع الکراهة ولو صلی عن الدکان وادلی رجلیه عن الدکان عند السجود لایجوزوکذا علی السریر اذا ادلی رجلیه عنها لایجوز[2]۔	جواز سجدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں قدم زمین سے اُٹھے ہوئے نہ ہوں اگرحالت سجدہ میں اٹھے ہوئے رہے تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور اگران میں ایک رکھاہوا تھا تومرتبہ میں ہے کہ سجدہ جائز مگرمکروہ ہوگا، اگرکسی نے اونچی جگہ نمازپڑھی اور سجدہ کے وقت پاؤں نیچے لڑھکادیئے تو جائز نہیں، اسی طرح چارپائی سے اگرپاؤں نیچے لڑھکادیئے توسجدہ نہ ہوگا۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

اما افتراض وضع القدم فلان السجود	قدم کازمین پر لگنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کا

[1] بحرالرائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹۳

[2] جوہرنیرہ شرح قدوری باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امدایہ، ملتان ۱/۶۳

مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظيم ولااجلال ويكفيه وضع اصبع واحدة وفی الوجيز وضع القدمين فرض فان رفع احدٰهما دون الاخری جازويكره[1]۔	اٹھا ہوا ہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے البتہ ایک انگلی کالگ جانا بھی کافی ہوتا ہے وجیز میں ہے کہ دونوں قدموں کالگانا فرض ہے اگر ایک لگا رہا اور دوسرا اُٹھ گیاتوجائز مگر مکروہ ہے(ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

الصحيح ان رفع القدمين مفسد كما فی القنية[2]۔	صحیح یہی ہے کہ قدمین کازمین سے اٹھ جانا نماز کو فاسد کردیتا ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

وضع اصبع واحدة من القدمين شرط[3]۔	قدمین کی ایک انگلی کالگنا شرط ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

يفترض وضع واحدة من اصابع القدم[4]۔	قدم کی انگلیوں میں سے ایک کالگنا فرض ہے۔(ت)

اُسی میں زیر قول کنز وجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃ(پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرکے زمین پر لگایا جائے۔ت)فرمایا:

خص اصابع الرجلين بالذكر مع ان اصابع اليدين كذلك حتی يكره تحويلها عن القبلة انما خصها وضعها موجهة كما ذكره نوح اٰفندی ونصه	یہاں پاؤں کی انگلیوں کاذکر ہوا ہے حالانکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کالگنا بھی اسی طرح ہے حتی کہ ان کا قبلہ سے پھر جانا بھی مکروہ ہے مگر مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا فرض ہے جیسا کہ نوح آفندی نے ذکر کیا اور اس کے الفاظ

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۶۵
[2] جامع الرموز فصل فی فرائض الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۴۰
[3] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۹
[4] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۱

قال الزاھدی ووضع رؤس القدمین حالۃ السجود فرض وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیہ عن الارض لایجوز قال وفھم من ھذا ان المراد بوضع الاصابع توجیھھا نحو القبلۃ لیکون الاعتماد علیھا والافھو وضع لظھر القدم وھو غیرمعتبر الخ وکذا الحلبی عن المنیۃ[1] الخ۔	یہ ہیں زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں قدمین کی انگلیوں کے سروں کالگنافرض ہے، مختصر کرخی میں ہے کسی نے سجدہ کیا مگرپاؤں کی انگلیاں زمین پرنہ لگیں تو یہ جائز نہیں، اور فرمایا اس سے یہ بھی سمجھ آرہاہے کہ انگلیوں کے لگانے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرناہے تاکہ اعتماد ان پرہو ورنہ توپشت قدم پرہوگا جومعتبر نہیں الخ حلبی میں منیہ سے یہی ہے۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

من شرط صحۃ السجود وضع شئی من اصابع الرجلین موجھا بباطنہ نحو القبلۃ ولایکفی لصحۃ السجود وضع ظاھر القدم[2]۔	صحت سجدہ کے لئے پاؤں کی انگلیوں کاقبلہ کی طرف متوجہ ہوکرزمین پرلگنا شرط ہے فقط ظاھر قدم کازمین پرلگنا کافی نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا قال فی الھدایۃ واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انہ فرض فی السجود اھ فاذا سجد ورفع اصابع رجلیہ لایجوز کذا ذکرہ الکرخی والجصاص ولووضع احداھما جاز قال القاضی خاں و یکرہ قال فی المجتبی قلت ظاھر مافی مختصر الکرخی والمحیط والقدوری انہ اذ رفع احدٰھما دون الاخری لایجوز وقدرأیت فی	ہدایہ میں اسی طرح ہے، رہاقدمین کالگنا تو قدوری نے کہاکہ یہ سجدہ میں فرض ہے پس جب سجدہ کیامگرپاؤں کی انگلیاں نہ لگیں توسجدہ صحیح نہ ہوگا،اسی طرح کرخی اور جصاص نے کہااور اگرایک انگلی لگ گئی توجائز ہے، قاضی نے کہا مگرکراہت ہے۔ مجتبٰی میں ہے مختصر، کرخی، محیط اور قدوری کاظاہر بتارہا ہے کہ جب ایک پاؤں اٹھاہواہو تو یہ جائز نہیں اور میں نے اس کے بعض نسخوں

[1] فتح اللہ المعین باب صفۃالصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃالطحطاوی باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲۷

بعض النسخ فیہ روایتان اھ ومشی علی روایۃ الجواز برفع احدٰھما فی التفصیل والخلاصۃ وغیرھما، وذھب شیخ الاسلام الی ان وضعھما سنۃ واختار فی العنایۃ ھذہ الروایۃ وقال انھا الحق واقرہ فی الدرر و وجھہ ان السجود لایتوقف تحققہ علی وضع القدمین فیکون افتراض وضعھما زیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد لکن ردہ فی شرح المنیۃ وقال ان قولہ ھو الحق بعید عن الحق وبضدہ احق اذلاروایۃ تساعدہ والدرایۃ تنفیہ لان مالایتوصل الی الفرض الابہ فھو فرض و حیث تظافرت الروایات عن ائمتنا بان وضع الیدین والرکبتین سنۃ ولم ترد روایۃ بانہ فرض، تعین وضع القدمین او احدٰھما للفرضیۃ ضرورۃ التوصل الی وضع الجبھۃ وھذا لولم ترد بہ عنھم روایۃ کیف والروایات فیہ متوافرۃ اھ ، ویؤیدہ مافی شرح المجمع لمصنّفہ حیث استدل علی ان وضع الیدین والرکبتین سنۃ بان ماھیۃ السجدۃ حاصلۃ بوضع الوجہ والقدمین علی الارض الخ وکذا مافی الکفایۃ عن الزاھدی من ان ظاھر الروایۃ ماذکر فی مختصرا لکرخی وبہ جزم فی السراج و فی الفیض وبہ یفتی ھذا وقال فی الحلیۃ والاوجہ علی منوال ماسبق ھوالوجوب

میں دوروایتیں دیکھی ہیں اھ فیض اور خلاصہ وغیرہ میں روایتِ جواز پر عمل کیا ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں کا رکھنا سنّت ہے۔ عنایہ میں اسی روایت کو مختار کہا ہے اور کہا یہی حق ہے اور درر میں اسے ہی ثابت رکھا، وجہ یہ ہے کہ سجدہ قدمین کے لگنے پر موقوف نہیں لہٰذا ان کے لگنے کو فرض قرار دینے سے خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی لیکن شرح منیہ میں اس کی تردید ہے کہ اسے حق کہنا حق سے بعید ہے بلکہ اس کا خلاف احق ہے کیونکہ کوئی روایت تائید نہیں کرتی اور درایت اس کی نفی کرتی کیونکہ جو فرض تک پہنچائے وہ بھی فرض ہوتا ہے، اور اس مقام پر اپنے ائمہ سے کثرت کے ساتھ روایات ہیں کہ قدمین اور ہاتھوں کا زمین پر لگانا سنت ہے اور فرض کی روایت نہیں تاہم پیشانی لگانے کے لئے دو یا ایک قدم کا لگانا فرض متعین ہے اگر کوئی روایت نہیں ہوتی تب بھی یہ حکم تھا حالانکہ اس بارے میں روایات کثیر ہیں اھ ،اس کی تائید خود ماتن کی شرح مجمع کے اس استدلال سے بھی ہوتی ہے ہاتھوں اور قدموں کا زمین پر لگانا سنت ہے کیونکہ سجدہ کی ماہیت چہرہ اور قدمین زمین پر رکھنے سے حاصل ہوجاتی ہے الخ اسی طرح کفایہ میں زاہدی کے حوالے سے ہے کہ ظاہر الروایۃ وہی ہے جس کا ذکر مختصر الکرخی میں ہے اور اسی پر سراج میں جزم فرمایا اور فیض میں ہے اسی پر فتوی ہے، حلیہ میں ہے گزشتہ طریقہ کے مطابق سابقہ حدیث کے پیش نظر وجوب ہی مختار ہے اھ یعنی اس طریقہ پر جو ان کے شیخ نے ہاتھوں اور

لما سبق من الحدیث اھ [1] ای علی منوال ماحققه شیخه من الاستدلال علی وجوب وضع الیدین والرکبتین وتقدم انه اعدل الاقوال فلذا هنا واختاره فی البحر والشرنبلالیة قلت ویمکن حمل کل من الروایتین السابقتین علیه بحمل عدم الجواز علی عدم الحل لاعدم الصحة ونفی شیخ الاسلام فرضیة وضعهما لاینافی الوجوب وتصریح القدوری بالفرضیة یمکن تاویله فان الفرض قدیطلق علی الواجب تامل. ومامر عن شرح المنیة للبحث فیه مجال لان وضع الجبهة لایتوقف علی وضع القدمین بل توقفه علی الرکبتین والیدین ابلغ فدعوی فرضیة وضع القدمین دون غیرهما ترجیح بلامرجح والروایات المتظافرة انماهی فی عدم الجواز کمایظهر من کلامهم لافی الفرضیة وعدم الجواز صادق بالوجوب کما ذکرنا والحاصل ان المشهور فی کتب المذهب اعتماد الفرضیة والارجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیة (ملخصًا) والله تعالٰی اعلم۔**قوله** ولو واحدة صرح به فی	قدموں کے رکھنے پر یہ استدلال کیاتھا اور یہ گزرچکا کہ یہ معتدل قول ہے پس یہاں بھی یہی معاملہ ہے اور اسے بحر اور شرنبلالیہ میں مختار کہا میں کہتاہوں کہ یہ ممکن ہے کہ سابقہ دونوں روایات میں عدم جواز کو عدمِ حلت پر محمول کریں نہ کہ عدم صحت پر، شیخ الاسلام کی ان کے زمین پر لگنے کی فرضیت کی نفی کرنا وجوب کے منافی نہیں، قدوری کی تصریح کہ یہ فرض ہے اس کی تاویل ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات فرض کااطلاق وجوب پر ہوتا ہے، تامل۔ شرح المنیہ کے حوالے سے جوکچھ گزراہے وہ قابل بحث ہے کیونکہ پیشانی کارکھنا قدمین کے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ ہاتھوں اور گھٹنوں پر موقوف ہونا زیادہ واضح ہے لہٰذا قدمین کوزمین پررکھنے کوفرض قراردینا اور دوسروں کونہ قراردینا ترجیح بلامرجح ہے اور روایات کثیرہ اس کے عدم جواز میں ہیں جیساکہ علماء کے کلام سے واضح ہے نہ کہ عدم فرضیت میں، اور عدم جواز، وجوب کی صورت میں بھی صادق آتاہے جیساکہ ہم نے ذکر کیاہے، حاصل یہ کہ مشہور کتب مذہب میں فرضیت ہے اور قواعد کے مطابق راجح وجوب ہے (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم **قوله** اگرچہ ایک انگلی ہو، فیض میں

[1] ردالمحتار فصل ای فی بیان تالیف الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۹

الفیض قولہ نحو القبلۃ اقول وفیہ نظر فقد قال فی الفیض ولو وضع ظھر القدم دون الاصابع بان کان المکان ضیقا اووضع احدٰھما دون الاخری لضیقہ جاز کما لوقام علٰی قدم واحد و ان لم یکن المکان ضیقا یکرہ اھ فھذا صریح فی اعتبار وضع ظاھر القدم وانما الکلام فی الکراھۃ بلاعذر لکن رأیت فی الخلاصۃ ان وضع احدٰھما بان الشرطیۃ بدل او العاطفۃ اھ لکن ھذا لیس صریحا فی اشتراط توجیہ الاصابع بل المصرح بہ ان توجیھھا نحو القبلۃ سنۃ یکرہ ترکھا کما فی البرجندی والقھستانی[1]۔(ملخصًا)	اسی کی تصریح ہے قولہ قبلہ کی طرف اقول اس میں نظر ہے فیض میں ہے اگر قدم کی پشت لگی اور انگلیاں نہ لگیں مثلاً جگہ تنگ ہے یا تنگی کی وجہ سے ایک قدم لگا دوسرا نہ لگ سکا تو جائز ہے جیسا کہ کوئی ایک قدم پر کھڑا ہوتا ہے اگر مکان تنگ نہ ہو تو کراہت ہے اھ یہ عبارت اس بات پر تصریح کہ پشتِ قدم کا اعتبار ہے کلام اس میں ہے کہ بلاعذر مکروہ ہے لیکن میں نے خلاصہ میں دیکھا ہے کہ وہاں او وضع کی بجائے ان وضع احدٰھما ہے (یعنی ان شرطیہ کے ساتھ) لیکن یہ بات انگلیوں کے متوجہ کرنے کو شرط قرار دینے میں صریح نہیں بلکہ تصریح یہ ہے کہ قبلہ کی طرف انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے اور اس کا ترک مکروہ، جیسا کہ برجندی اور قہستانی میں ہے۔(ملخصًا)

یہ علامہ شامی کا کلام ہے کہ قدرے اختصار کے ساتھ منقول ہوا۔

انا اقول وباللہ العون حمل عدم الجواز علی عدم الحل فی الصلاۃ بعید ولھذا اعترفتم ان المشھور فی کتب المذھب اعتماد الفرضیۃ مع قولکم ان تظافر الروایات انما ھو فی عدم الجواز فلولا ان مرادہ الشائع الذائع ھو الافتراض فمن این یکون اعتماد الفرضیۃ	میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں نماز میں عدم جواز کو عدم حلت پر محمول کرنا بعید ہے اسی لئے تم نے اعتراف کیا کہ مشہور کتب مذہب میں فرضیت ہے باوجود اس کے کہ تمہارا قول ہے کہ اکثر روایات عدم جواز پر ہیں اگر ان کی مراد مشہور ومعروف فرض قرار دینا نہیں تو فرضیت پر اعتماد کتب مشہورہ میں کیسے ہوگیا؟ پھر حمل میں گنجائش ہے کہ "لم یجز" کہا گیا اور ضمیر مثلاً رفع قدمین کی طرف لوٹ رہی ہو جب

[1] ردالمحتار فصل فی بیان تالیف الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۹

مشھورا فی کتب المذھب ثم للحمل مساغ حیث یقال لم یجز و الضمیر لرفع القدمین مثلا اما اذا قیل لم تجز والضمیر للصلاۃ تعین مفید العدم الصحۃ وثبوت الفرضیۃ بالمعنی المقابل للوجوب وھو کذلك فی غیرما کتاب منھا مختصرا الکرخی کماتقدم ھذا وجه والثانی مثله اضافۃ عدم الجواز للسجود کما مضی عن الجوھرۃ والثالث اظھر منه التعبیر بعدم الاجزاء کماسلف عنھا ایضا فھو مفسر لایقبل التاویل والرابع کذا الحکم بالفساد کما سمعت عن جامع الرموز عن القنیۃ والخامس مقابلتھم عدم الجواز ھذا بحکم الجواز علی ما اذا رفع احدی القدمین کما فی الفتح والوجیز والجوھرۃ وغیرھا نص ایضا فی ارادۃ الجواز بمعنی الصحۃ الا تری انھم حکم علیه بالکراھۃ والمراد کراھۃ التحریم کما ھو المحمل عند الاطلاق وکما ھو قضیۃ الدلیل ھنا فالجواز بمعنی الحل منتف فیه ایضا و السادس قد عبر فی عدۃ کتب کالخلاصۃ و البزازیۃ والغنیۃ والبحر الرائق ونورالایضاح ومراقی الفلاح وغیرھا کما سبق بعدم الصحۃ وھو صریح فی المراد والسابع مثله الحکم بالشرطیۃ کما فی الدر والجوھرۃ وابی السعود و نورالایضاح ومراقی الفلاح وغیرھا۔والثامن	"لم تجز" کہاجائے توضمیر نماز کی طرف لوٹے جس سے عدم صحت کاتعین ہوجاتااور اس فرضیت کا بھی جو معنی وجوب کے مقابل ہے، اور متعدد کتب میں اسی طرح ہے ان میں سے مختصر الکرخی بھی ہے جیسا کہ پہلے گزرا، یہ ایک صورت ہے، دوسری اس کے مثل کی عدم جواز کی سجدہ کی طرف اضافت، جیسا کہ جوہرہ کے حوالے سے گزراہے، تیسری جوکہ واضح ہے کہ عدم اجزاء سے تعبیر کرنا جیسا کہ پیچھے آیا یہ بھی مفسر ہےاور یہ تاویل کو قبول نہیں کرتا، چوتھی اسی طرح حکم بالفساد جیسا کہ آپ نے جامع الرموز سے قنیہ کے حوالے سے پڑھاہے۔ پانچویں یہ کہ انہوں نے مقابلہ عدم جواز کاجواز کے ساتھ کیاہےاور جواز کاحکم اس صورت میں ہوگاجب ایک قدم اٹھاہوا ہو جیسا کہ فتح، وجیز، جوہرہ وغیرہ میں ہے اس پر بھی تصریح ہے کہ جواز بمعنی صحت مراد ہے کیاآپ دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اسے مکروہ کہاہے اور کراہت سے مراد تحریمی ہے جیسا کہ اطلاق کے وقت ہوا کرتا ہےاور یہاں دلیل کاتقاضا بھی یہی ہے توجواز بمعنی حلت یہاں بھی نہ ہوا، چھٹی کہ بہت سی کتب مثلاً خلاصہ، بزازیہ، غنیہ، بحرالرائق، نورالایضاح، مراقی الفلاح وغیرہ میں اسے عدم صحت کے ساتھ تعبیر کیاہےاور یہ مراد پر واضح تصریح ہے۔ ساتویں اسی کی مثل حکم بالشرطیۃ ہے جیسا کہ در، جوہرہ، ابوسعود، نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے۔آٹھویں شرح مجمع، کافی، فتح، بحر وغیرہ میں ہے

صرح فی شرح المجمع والکافی والفتح و البحر وغیرہ کما مر بدخول ذلك فی حقیقة السجود شرعا وکل قاض بالافتراض بالمعنی الخاص غیر قابل للتاویل الذی ابد یتموہ فکیف یمکن ارجاع جمیع تلك الصرائح الی ماتاباہ بالاباء الواضح فانی یتأتی التوفیق و من این یسوغ ترك النصوص المذھب الی بحث ابداہ العلامة ابن امیر الحاج وان تبعه البحر والشرنبلالی علی مناقضة منھما لانفسھما رحمھم الله تعالٰی والبحر صرح ھھنا وقبله بان السجود مع رفع القدمین تلاعب والشرنبلالی قدجزم فی متنه وشرحه بافتراض وضع بعض الاصابع والمحقق علی الاطلاق اعلم وافقه من تلمیذہ ابن امیرالحاج وقدجزم بماجزم وقد سمعت کل ذلك۔ ثمّ النظر فی دلیل العلامة ابراھیم الحلبی مدفوع بما قدمنا عن الفتح والبحر والشرنبلالی ان السجود مع رفع القدمین بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم ولانسلم ان کذلك الیدان والرکبتان وکون توقف وضع الوجه علی وضع ھاتین ابلغ من توقفه علی وضع القدمین مع ظھور ضعفه فی الیدین فلاحاجة فی وضعه الی وضعھما اصلا وکذا فی الرکبتین فان الواقع ھھنا التساوی لا الا بلغیة نحن لانبنی الکلام علی توقف	جیسا کہ گزرا کہ یہ ماہیت سجدہ میں شرعًا داخل ہے اور یہ تمام امور یہاں فرض بمعنی خاص کیلئے فیصلہ کن ہیں جو قابل تاویل نہیں ہیں تو یہ تصریحات جس سے واضح انکاری ہیں اس پر ان کو کیسے محمول کیاجاسکتاہے یہ توفیق کہاں ہوئی اور مذہب کی نصوص کو چھوڑ کر علامہ ابن امیر الحاج کی بحث کی گنجائش کہاں سے نکلی اگرچہ بحر اور شرنبلالی میں اس کی اتباع کی گئی ہے علاوہ ازیں ان کا خود اپنا تضاد ہے بحر نے یہاں اور اس سے پہلے تصریح کی ہے کہ قدموں کے اٹھائے ہوئے سجدہ مذاق ہے۔ شرنبلالی نے متن اور شرح میں کچھ انگلیوں کے لگانے پر جزم کیاہے، اور محقق علی الاطلاق اپنے شاگرد ابن امیر الحاج سے زیادہ صاحب علم وفقہ ہیں اور انہوں نے اسی پر جزم کیا جس پر کرنا تھااور وہ تمام آپ نے پڑھ لیاہے۔ پھر علامہ ابراہیم حلبی کی دلیل پر اعتراض اس سے ختم ہو جاتاہے جو ہم نے پہلے فتح، بحر، شرنبلالی کے حوالے سے بیان کیا کہ قدم اٹھائے ہوئے سجدہ کرنا تعظیم کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کا یہی معاملہ ہے اور چہرے کا لگنا قدمین کے لگنے سے ان پر زیادہ موقوف ہے باوجود اس کے اس کا ضعف ہاتھوں میں ظاہر ہے کیونکہ چہرے کے رکھنے میں ان دونوں کی ضرورت اصلًا نہیں، اسی طرح گھٹنوں کا معاملہ ہے کیونکہ یہاں مساوات ہے زیادتی نہیں اور ہم کلام کی

وضع الوجه بل علی توقف السجود المطلوب الشرعی علیه وهوالذی یکون علی جهة التعظیم و الاجلال ولاتعظیم اذا وضع الوجه ورفع القدمین کما افاد المحقق علی الاطلاق فعن هذا کان وجع القدم ممالایتوصل الی الفرض الابه فکان فرضا لاجرم لم یتفرد العلامة الحلبی بهذا التعلیل بل سبقه الیه امام جلیل وهوالامام ابوالبرکات النسفی قال فی شرح وافیة الکافی وضع القدمین فرض فی السجود لانه لایمکن تحقیق السجود الابوضع القدمین[1] اھ فلم یقل لایمکن وضع الوجه بل تحقیق السجود اما قول الغنیة نحو القبلة وقد تبعه علیه العلامة الشرنبلالی فی مراقی الفلاح والمدقق العلائی والعلامة نوح اٰفندی والعلامة ابوالسعود الازهری وقد تلونا علیك نصوصهم جمیعا۔**فاقول**: حمله علی مافهمتم بعید من مرامهم کل البعد وکیف یرومونه وهم مصرحون بانفسهم ان توجیه الاصابع سنة یکره ترکه فلم یحتج علیهم بالبرجندی و القهستانی لم لایحتج علیهم بهم	بنیاد چہرے کے رکھنے کے موقوف پر نہیں رکھتے بلکہ سجدہ کے موقوف ہونے پر رکھتے ہیں جو مطلوب شرعی ہو اور اس میں تعظیم وتوقیر ہو نہ کہ اس صورت میں جب چہرہ رکھا ہو اور قدم اُٹھے ہوئے ہوں جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فرمایا تو اب قدموں کا رکھنا فرض کی تکمیل کے لئے ضروری ہوا تو وہ لامحالہ فرض ہوگا اور علامہ حلبی اس تعلیل کے بیان کرنے میں تنہا نہیں بلکہ اس سے پہلے ایک امام جلیل جن کا اسم گرامی ابوالبرکات نسفی ہے نے بیان کی ہے، شرح وافیہ الکافی میں فرمایا سجدے میں قدموں کا لگانا فرض ہے کیونکہ سجدہ کا وجود ممکن نہیں۔ رہا غنیہ کا قول " قبلہ کی طرف " تو اس کی علامہ نوح آفندی، علامہ ابوالسعود ازہری نے اتباع کی ہے، اور ہم نے ان کی عبارات کا تذکرہ کر دیا ہے۔ **فاقول**: ان کی عبارات کو جو تم نے سمجھا ہے وہ ان کے مقصود سے کہیں دور ہے اور یہ مراد لے بھی کیسے سکتے ہیں حالانکہ خود انہوں نے تصریح کی ہے کہ انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت اور اس کا ترک مکروہ ہے۔ پس برجندی اور قہستانی کے حوالے سے ان کے خلاف احتجاج کیوں کیا ہے، کیوں نہ ان کے

[1] کافی شرح وافی

قال الحلبی قبیل فصل النوافل یعنی کل شیئ لم یذکر انه فرض اوواجب قدذکرنا فی صفة الصلٰوة مما سوی ماعینا ههنا انه سنة فهو آدب لکن هذا التعمیم فیه نظر و فان من جملة ذلك وضع الیدین والرکبتین فی السجود وهوسنة وکذا ابداء الضبعین ومجافاة البطن عن الفخذین وتوجیه الاصابع نحوالقبلة فیه فان کل ذلك سنة لما تقدم من ادلته هناک[1]، وقال الشرنبلالی متناوشرحا یکره تحویل اصابع یدیه اورجلیه عن القبلة فی السجود وغیره لما فیه من ازالتها عن الموضع المسنون[2] وقال العلائی یستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة ویکره ان لم یفعل ذٰلک[3] بل انما ارادوا رحمهم الله تعالٰی علی ماالهمنی الملك المنعام عزجلاله ان یقولوا یفترض وضع بطن الاصبع ولایکفی وضع ظهرها ولارأسها الکائن عند ظفرها لان علی الاول یکون وضع ظهر القدم وقداسقطوه عن الاعتبار وعلی الثانی	خلاف خود ان کی عبارات سے احتجاج کیا۔ حلبی نے فصل النوافل سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ نوافل سے مراد ہر وہ شئی ہے جس کا فرض یا واجب ہونا مذکور نہ ہو اور جن اشیاء کو ہم نے صفۃ الصلٰوۃ میں سنت ہونا معین کیا ہے ان کے سوا تمام آداب ہیں لیکن یہ تعمیم محل نظر ہے کیونکہ ان میں حالت سجود میں ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا بھی ہے حالانکہ وہ سنت ہے اسی طرح پہلوؤں کا رانوں کا پیٹ سے دور رکھنا، حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بھی ہے کیونکہ یہ سابقہ دلائل کی بنا پر سنت ہیں، شرنبلالی نے متن اور شرح میں کہا حالت سجود وغیرہ میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے پھیرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں طریقہ سنت کی خلاف ورزی ہے۔ علائی نے کہا پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیاجائے اور اگر نہ کیاتو کراہت ہوگی، اللہ تعالٰی نے مجھے جو آگاہ فرمایا ہے اس کے مطابق یہ سمجھا ہوں کہ وہ تمام بزرگ رحمہم اللہ تعالٰی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک انگلی کا باطن لگانا فرض ہے اس کا ظاہر اور اس کا سر جو ناخن والا حصہ ہے لگالینا کافی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں قدم کی پشت پر سجدہ ہوگا جس کا وہ اعتبار ہی نہیں کرتے، دوسری صورت میں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۴

[3] درمختار فصل واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۶

یکون وضعا مجردا عن الاعتماد والمقصود الاعتماد وقد بین ھذا بقولہ لیکون الاعتماد علیھا والافھو وضع ظھر القدم وقد جعلہ غیرمعتبر انما عبر عنہ بالتوجیہ نحوالقبلۃ لان المصلی ان اراد فی سجودہ الاعتماد علی بطن اصبع قدمہ لم یمکنہ ذلك الابتوجیھھا نحو القبلۃ اعنی بالمعنی المقترض فی الاستقبال ممتدا بین الجنوب والشمال، لابالمعنی المسنون النافی للانحراف، وکذلك ان اراد توجیھھا للقبلۃ بالمعنی العام لم یتأت لہ الاباصابۃ بطنھا الارض، وھذا ظاھر جدا فبینھما تلازم فی الصلٰوۃ، وان کان یمکن خارجھا لمن سجد غلطا او عمد الغیر القبلۃ ان یعتمد علٰی بطنھا وھی علی خلاف جھۃ القلبۃ، فکان ھذا من باب اطلاق اللازم وارادۃ الملزوم ،اما السنۃ فجعلھا علی مسامتۃ القبلۃ من دون انحراف، وھذا الذی لیس فی ترکہ الا الکراھۃ والاساءۃ، ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام والحمدللہ الملك المنعام وذلك مانقل الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ عن التحقیق مقرا علیہ والمعتبر فی القدمین بطون الصابع الخ اما مانقلتم عن الفیض العبارۃ و الخلاصۃ والوجیزوالحلیۃ والغنیۃ و	اعتماد نہیں ہوگا حالانکہ مقصود اعتماد جسے ان الفاظ سے بیان کیاگیا ہے تاکہ ان پر اعتماد ہو ورنہ سجدہ قدم کی پشت پر ہوگا حالانکہ اسے معتبر تسلیم نہیں کیاگیا، یہاں فقہاء نے قبلہ کی طرف متوجہ کرنا کہا ہے کیونکہ نمازی اگر حالت سجدہ میں قدم کی ایک انگلی کے باطن پر اعتماد چاہے تو یہ ممکن نہیں مگر اس وقت جب اسے قبلہ کی طرف متوجہ کرے میری مراد جنوبًا وشمالًا استقبال قبلہ کے لئے اسے بچھانا ہے نہ کہ وہ معنی مسنون جوانحراف کے منافی ہے اور اسی طرح اگر متوجہ ہونے کا عام معنی لیاجائے تو بھی انگلیوں کے باطن کا زمین پر لگنا ضروری ہوگا اور یہ بالکل واضح ہے پس ان دونوں کے درمیان نماز میں تلازم ہے اگرچہ نماز سے باہر یہ ممکن ہے اس شخص کے لئے جس نے غیر قبلہ کی طرف غلطی سے یا عمدًا سجدہ کیا کہ وہ انگلیوں کو قبلہ روکئے بغیر ان پر ٹیک لگائے تو یہاں اطلاق لازم اور مراد ملزوم ہے، رہامعاملہ سنّت ہونے کا تو وہ قبلہ کی جانب ہے بغیر کسی انحراف کے، اور وہ یہ ہے کہ جس کے ترک میں کراہت واسائت کے علاوہ کچھ نہیں اس مقام کو اس طریقہ سے سمجھنا چاہئے تمام حمداللہ تعالٰی کے لئے جو حامد ومنعم ہے اور یہی وہ ہے جو امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ثابت رکھتے ہوئے تحقیق سے نقل کیاکہ معتبر قدمین میں انگلیوں کا باطن ہے الخ اور جو تم نے فیض سے نقل کیاہے کہ خلاصہ، وجیز، حلیہ، غنیہ، ہندیہ

وغیرھا بلاخلاف بان الشرطیة دون او العاطفة فَاَوْ فی نسخة الفیض تصحیف و قد اغتربه العلامة البرجندی فی شرح النقایة فلیتنبه وبالجملة فتحرر مما تقرر ان الاعتماد فی السجود علی بطن احدی اصابع القدم العشر فریضة فی المذھب المعتمد المفتی به والاعتماد علی بطون کلها او اکثرھا من کلتا القدمین لایبعد ان یجب لما حررہ فی الحلیة وتوجیهها نحو القبلة من دون انحراف سنة اغتنم ھذا التحریر المفرد المنیر فلعلك لاتجدہ من غیر الفقیر وﷲ الحمد والمنة۔	وغیرہ میں بالاتفاق ہے "اِن" شرطیہ ہے "او" عاطفہ نہیں ہے پس "او" نسخہ فیض میں تحریف ہے اور اس سے علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں دھوکا کھایا ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے۔ اس تمام گفتگو سے آشکار ہوگیا کہ حالت سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اعتماد مذہب معتمد اور مفتی بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی انحراف کے سنت ہے اس یکتا، منفرد اور روشن گفتگو کو غنیمت جانو شاید اس فقیر کے علاوہ کسی اور کے ہاں تم کو نہ ملے، اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد واحسان ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ان بلاد میں اکثر جوتے سلیم شاہی پنجابی خوردنوکے منڈے گرگابی وغیرہا خصوصًا جبکہ نئے ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر باعتماد تمام بچھنے نہ دیں گے گو ان جوتوں کو پہن کر مذہب مفتی بہ پر نماز ہوگی ہی نہیں اور گناہ وناجوازی توضرور نقد وقت ہے عرب شریف کے جوتوں میں صرف پاؤں کے نیچے چمڑا ہوتا تھا اور اوپر بندش کے لئے تسمہ جسے شراکت کہتے تھے پھر عرب میں نعل کی تعریف یہ تھی کہ نرم ورقیق ہو یہاں تک کہ صرف اکہرے پَرت کی زیادہ پسند رکھتے،
مجمع بحارالانوار میں زیر حدیث:

ان رجلا شکا الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجلا من الانصار فقال یاخیر من یمشی بنعل فرد. والفرد ھی التی تخصف ولم تطارق وانما ھی طارق واحد والعرب یمدح برقة النعال ویجعلها من لباس الملوک[1]۔	ایک آدمی نے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری کی شکایت کرتے ہوئے کہا: اے ایک پرت والے جوتے پہننے والوں میں افضل ترین ذات۔ فرد اس نعل کو کہتے ہیں جس کا ایک پرت ہو، اور عرب جوتے کی نرمی کو پسند کرتے ہیں اور یہ ملوک کالباس ہے (ت)

[1] مجمع بحارالانوار لفظ فعل کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۷۳ ۳

تو وہ کیسے ہی نئے ہوتے سجدہ میں فرض وواجب کیا کسی طریقہ مسنونہ کو بھی مانع نہ ہوتے اُن نعال پر یہاں کی جوتیوں کا قیاس صحیح نہیں، پھر اگر اسی طرح کے جوتے ہوں کہ سنت سجدہ میں بھی خلل نہ ڈالیں تو اگر وہ نئے بالکل غیر استعمالی ہیں تو انہیں پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے اگرچہ مسجد میں ہو۔ درمختار میں ہے: **صلاته فیهما افضل**[1] (ان میں نماز افضل ہے۔ت) مگر عندالتحقیق استعمالی جوتے پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے اور اگر معاذاللہ نماز کو کہ حاضری بارگاہ شہنشاہ حقیقی ملک الملوک رب العرش عزجلالہ ہے ہلکا جان کر استعمالی جوتا پہنے ہوئے نماز کو کھڑا ہوگیا تو صریح کفر ہے پھر بے نیت استخفاف نری کراہت بھی اس حالت میں ہے کہ غیر مسجد میں ایسا کرے اور مسجد میں تو استعمالی جوتے پہنے جانا ہی ممنوع وناجائز ہے نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے، شرکت جماعت نماز ودخول مسجد کے یہ احکام بحمداللہ تعالٰی دلائل کثیرہ سے روشن ہیں تفصیل موجب تطویل ہوگی لہٰذا چند کلمات نافع وسودمند باذن اللہ تعالٰی سے القا کرے کہ بعونہ تعالٰی احکام کا ایضاح اور اوہام کا ازالہ کریں۔ت)

فاقول: و باللہ استعین (پس میں اللہ تعالٰی سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں)

افادہ اول: متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب مذہب میں بلاخلاف تصریف صاف ہے کہ ثیاب بذلت ومَہنت یعنی وہ کپڑے جن کو آدمی اپنے گھر میں کام کاج کے وقت پہنے رہتا ہے جنہیں میل کچیل سے بچایا نہیں جاتا انہیں پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے، تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

کرہ صلوته فی ثیاب بذلة (یلبسها فی بیته) (ومهنة) ای خدمة ان له غیرها[2]۔	کام کے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے (وہ کپڑے جو گھر میں پہنتا ہے) (اور صنعت کے کپڑوں میں) یعنی خدمت والے اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے ہوں (ت)

درروغرروشرح وقایہ ومجمع الانہر وبحرالرائق وردالمحتار میں ان کی تفسیر کی:

مایلبسه فی بیته ولایذهب به الی الاکابر[3]۔	جو کپڑے صرف گھر میں پہنتا ہو وہ پہن کر اکابر کے ہاں نہ جاتا ہو۔(ت)

غنیہ میں اُن کی تفسیر کی: **مالایصان ولایحفظ من الدنس ونحوہ**[4] (جن کپڑوں کو وہ میل کچیل سے محفوظ

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۱/۱
[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۱/۱
[3] ردالمحتار مطلب مکروہات الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۴/۱
[4] غنیہ المستملی فصل کراہیۃ الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

نہ رکھتا ہو۔ت) اُسی میں ہے:

یکرہ تکمیلا لرعایۃ الادب فی الوقوف بین یدیہ تعالٰی بما امکن من تجمیل الظاھر والباطن وفی قولہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد اشارۃ الٰی ذلك وان کان المراد بھا سترالعورۃ علی ماذکرہ اھل التفسیر کما تقدم[1]۔	اللہ تعالٰی کی بارگاہ اقدس میں ظاہری و باطنی جمال کا حصول اس بارگاہ کے آداب میں سے ہے اور اللہ تعالٰی کے ارشادِ گرامی "تم ہر مسجد میں جانے کے وقت زینت اختیار کرو" میں اسی طرف اشارہ ہے اگرچہ اس سے مراد سترِ عورت ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا(ت)

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا: بھلا بتاؤ تو اگر میں کسی آدمی کے پاس تجھے بھیجوں تو انہیں کپڑوں سے چلا جائے گا؟ کہا نہ۔ فرمایا: تو اللہ تعالٰی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے دربار میں زینت وادب کے ساتھ حاضر ہو۔ حلیہ پھر بحر الرائق میں ہے:

احتج لہ فی الذخیرۃ بانہ روی ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ رأی رجلا فعل ذلك فقال رأیت لوارسلتك الی بعض الناس اکنت تمر فی ثیابك ھذہ فقال لافقال عمر فاللہ احق ان یتزین لہ[2]۔	ذخیرہ میں اس پر یوں استدلال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا خیال ہے اگر تجھے میں کسی آدمی کے پاس بھیجوں تو تو انہیں کپڑوں میں چلا جائے گا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالٰی سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ہاں حاضری کے لئے زینت اختیار کی جائے۔(ت)

سبحان اللہ کام خدمت کے کپڑے کہ گھر میں پہنے جاتے ہیں انہیں پہن کر نماز مکروہ ہو اور استعمالی جوتے کہ پاخانے میں پہنے جاتے ہیں انہیں پہن کر نماز مکروہ نہ ہو، معمولی کپڑے کہ میل سے محفوظ نہیں رکھے جاتے اُن سے نماز میں کراہت ہو اور مستعمل جوتے کہ نجاست سے بچائے نہیں جاتے اُن سے نماز میں کراہت نہ ہو یہ بداہت عقل کے خلاف اور صریح خون انصاف ہے ولیس ھذا من باب القیاس بل کما تری استدلال بفحوی الخطاب لایحوم حولہ شك ولاارتیاب (یہ مسئلہ قیاسی نہیں بلکہ انداز وخطاب سے آپ

[1] غنیۃ المستملی فصل کراہیۃ الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

[2] بحر الرائق آخر مکروہات الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳

استدلال دیکھ رہے ہیں اس میں نہ کوئی شک ہے نہ ریب۔ت)

افادہ دوم: متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب مذہب میں بلاخلاف تصریح صاف ہے کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ اسے نجاست کامل احتیاط دشوار ہے۔ہدایہ میں ہے:

یکرہ تقدیم الاعمی لانہ لایتوقی النجاسة[1]۔	نابینا کاامام بنانامکروہ ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔(ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

الاعمی لایصون ثیابہ عن النجاسات فالبصیر اولی بالامامة[2]۔	نابینا اپنے کپڑوں کو نجاست سے محفوظ نہیں رکھ سکتا لہذا امامت کے لئے بیناہونا بہتر ہے(ت)

درمختار میں ہے: ونحوہ الاعشی، نہر[3] (اس کی مثل اعشی ہے، نہر۔ت) ردالمتار میں ہے:

الاعشی ھوسیئ البصر لیلاونھارا قاموس و ھذا ذکرہ فی النھر بحثا اخذا من تعلیل الاعمی بانہ لایتوقی النجاسة[4]۔	اعشی سے مراد وہ شخص ہے جس کی دن یا رات کو نظر کم ہوجائے، قاموس، نہر میں نابینا کی علت یہی بیان ہوئی ہے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔(ت)

ابوالسعود علی الکنز میں ہے:

والاعمی لانہ لایتوقی النجاسة وھذا یقتضی کراھة امامة الاعشی[5]۔	نابینا کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتااور یہ تقاضا کرتاہے کہ اعشی کی امامت بھی مکروہ ہو۔(ت)

---

[1] الہدایہ ، باب الامامۃ، مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی، ۱/۱۰۱

[2] کافی شرح وافی

[3] الدرالمختار باب الاحق بالامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[4] ردالمحتار ، باب الامامۃ ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[5] فتح المعین حاشیہ علی شرح الکنز باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۸

طحطاوی علی المراقی میں اس کے بعد ہے: **وھو الذی لایبصر لیلا**[1] (وہ شخص جسے رات کو دکھائی نہ دے۔ت)
محل انصاف ہے کہ نمازی پرہیزگار نابینا بلکہ ضعیف البصر کے کپڑوں یابدن پر اندیشہ ومظنہ نجاست زیادہ ہے یاان استعمالی جوتوں پر جنہیں پہن کر پاخانے تک میں جانا ہوتا ہے پھر وہاں کراہت ہونا یہاں نہ ہونا صریح عکس مدعا ہے بلکہ وہاں ایک حصہ کراہت ہوتو یہاں کئی حصے ہونا ہے۔**افادہ سوم:** علمائے حدیث مذکورسوال کی شرح میں تصریح فرمائی کہ عام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس صحیح نہیں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کون احتیاط کرسکتا ہے!
اقول: اور اگر نادرًا کوئی شیئ واقع ہو تو جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم حاضر ہو کر عرض کر دیتے ہیں جیسا کہ حدیث خلع نعال فی الصلٰوۃ سے ثابت ہے۔مجمع بحارالانوار میں برمز"ن"فرمایا: **یصلی فی النعلین لایوخذ منہ لغیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان حفظ غیرہ لایلحق بہ**[2]۔ حضور علیہ السلام نے نعلین میں نماز ادا کی اس سے کوئی دوسرا استدلال نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی دوسرا آپ کی طرح حفاظت نہیں کرسکتا۔(ت)
افادہ چہارم: بے جرم نجاست مثل بول وغیرہ کامطلقًا صرف زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہوجانا جیسا کہ سوال میں بیان کیا حسب تصریح صریح کتب معتمدہ تمام ائمہ مذہب کے خلاف ہے، امام محمد کے نزدیک تو نعل وخف بھی مطلقًا بے دھوئے پاک نہیں ہوسکتے جیسے کپڑے کا حکم ہے اور امام اعظم کے نزدیک نجاست جومردار اور خشک ہوگئی ہو اس کے بعد اس قدر رگڑیں کہ اس کااثر زائل ہوجائے اس وقت طہارت ہوگی اور تر نجاست یا بے جرم جیسے پیشاب وغیرہ بے دھوئے پاک نہ ہوں گے، اور امام ابی یوسف کی روایت میں اگرچہ خشک ہوجانا شرط نہیں تر بھی ملنے ولنے اثر زائل کردینے سے پاک ہوسکتی ہے مگر جرم دار نجاست کی ضرور قید ہے، اکثر مشائخ نے قول امام ابی یوسف ہی اختیار کیااور یہی مختار للفتوی ہے تو بے جرم نجاست کی بے دھوئے تطہیر ائمہ ثلثہ مذہب کے بھی خلاف اور جمہور مشائخ مذہب کے بھی خلاف اور قول مختار للفتوی کے بھی خلاف ہے **وقد صرحوا ان لاعبرۃ بالبحث علی خلاف المنقول** (اس کی تصریح کی ہے کہ خلاف منقول بحث کااعتبار نہیں۔ت) ہدایہ میں ہے:

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی ایبان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵
[2] مجمع بحارالانوار، تحت لفظ نعل، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۳۷۳

اذا اصاب الخف نجاسة لھا جرم کالروث والعذرة والدم فجفت فدلکه بالارض جاز وھذا استحسان وقال محمد رحمه الله تعالٰی لایجوز وھوالقیاس وفی الرطب لایجوز حتی یغسله وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه اذا مسحه بالارض حتی لم یبق اثرالنجاسة یطھر لعموم البلوی واطلاق مایروی و علیه مشائخنا رحمھم الله تعالٰی فان اصابه بول فیبس لم یجز حتی یغسله وکذاکل مالاجرم له کالخمر[1]۔ (مختصرًا)	جب موزے پر ایسی نجاست لگ جائے جس کا جسم ہو مثلاً لید، پاخانہ، خون اور خشک ہوجائے توزمین پر رگڑ لیاجائے توجائز ہے اور یہ استحساناً ہے۔امام محمد نے فرمایا یہ جائز نہیں قیاس کا تقاضا یہی ہے اور اگرنجاست ترہو تو دھونے سے پہلے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے کہاجب زمین پر رگڑا حتی کہ نجاست کااثر باقی نہ رہاتو عمومی ضرورت کے پیش نظریہ پاک ہوجائے گااور مروی کااطلاق یہی ہے اور ہمارے مشائخ رحمھم اللہ تعالٰی اسی پر ہیں اور اگرپیشاب موزے پر لگ گیااور خشک ہوگیاتو دھوئے بغیر جائز نہیں اور یہی حکم ہراس نجاست کا ہے جس کا جسم نہیں مثلاً شراب۔(مختصرًا)(ت)

فتح القدیر میں ہے:

وعلی قول ابی یوسف اکثر المشائخ وھو المختار[2]۔	اکثر مشائخ قول ابویوسف پر ہیں اور یہی مختار ہے(ت)

عنایہ میں ہے:

علیه اکثر مشائخنا قال شمس الائمة السرخسی وھو صحیح وعلیه الفتوی[3]۔	ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا یہی صحیح ہے اوراسی پر فتوی ہے(ت)

حلیہ میں ہے:

فی الخلاصة وعلیه عامة المشائخ و ھوالصحیح ونص فی الفتاوی الخانیة والکافی والحاوی	خلاصہ میں ہے اسی پر عام مشائخ ہیں اور یہی صحیح ہے اور خانیہ، کافی اور حاوی میں تصریح ہے کہ

[1] الہدایہ باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۵۶
[2] فتح القدیر باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲
[3] عنایۃ شرح علی حاشیۃ فتح القدیر باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲

على ان الفتوى عليه[1]۔	فتوی اسی پر ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

على قوله اكثر المشائخ وفى النهاية والعناية والخانية والخلاصة وعليه الفتوى و فى فتح القدير وهوالمختار[2]۔	اکثر مشائخ اسی قول پر ہیں نہایہ، عنایہ، خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے، فتح القدیر میں ہے یہی مختار ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

يطهر خف ونحوه تنجس بذى جرم بدلك ولافيغسل[3]۔	اگر موزہ یا اس کی مانند کوئی شئی صاحب جسم نجاست سے ناپاک ہو جائے تو وہ رگڑنے سے پاک ہو جائے گی ورنہ دھونا ضروری ہوگا۔(ت)

طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

واحترزبه عن غير ذى الجرم فانه يغسل اتفاقا ذكره العينى[4]۔	اس سے اس نجاست سے احتراز ہے جو جسم والی نہ ہو کیونکہ اس صورت میں اسے بالاتفاق دھوناضروری ہے۔اسے عینی نے ذکرکیا۔(ت)

بحر میں ہے:

ان لم يكن لها جرم فلابد من غسله واشتراط الجرم قول الكل لانه لو اصابه بول فيبس لم يجزه حتى يغسله لان الاجزاء تتشرب فيه فاتفق الكل على ان المطلق	اگر جسم والی نجاست نہ ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے اور جسم کا شرط ہونا تمام کا قول ہے اس لئے کہ اگر پیشاب لگ گیا اور خشک ہوگیا تو دھونے کے سوا جواز نہ ہوگا کیونکہ اس کے اجزاء اس شئے میں داخل ہوچکے ہیں توسب کااتفاق ہے اس بات پر

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] بحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[3] درمختار باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۳

[4] طحطاوی علی المرقی الفلاح باب الانجاس مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۷

مقید الخ[1] مختصرا۔	کہ مطلق مقید ہے الخ تلخیصًا(ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

الحاصل انھم اتفقوا علی التقیید بالجرم[2]۔	خلاصہ یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس قید پر اتفاق ہے کہ وہ نجاست جسم والی ہو۔(ت)

غنیہ میں ہے:

ان لم یکن لھا ای للنجاسۃ التی اصابت الخف جرم کالبول والخمر ونحوھما فلابد من الغسل بالاتفاق رطبا کان او یابسا[3]۔	اگر نجاست کے لئے جسم نہیں جو موزے کو لگی مثلًا بول وشراب وغیرہ تووہ خشک ہوگی یا ابھی تر ہے اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے۔(ت)

ردالمحتار میں علامہ مقدسی سے ہے: البحث لایقضی علی المذھب[4] (اختلاف، مذہب پر فائق نہیں۔ت) اُسی میں ہے:

الفرض فی اشواط الطواف اکثر السبع لاکلھا وان قال المحقق ابن الھمام ان الذی ندین اللہ تعالٰی بہ ان لایجزئ اقل من السبع ولایجبر بعضہ بشیئ فانہ من ابحاثہ المخالفۃ لاھل المذھب قاطبۃ کما فی البحر وقد قال تلمیذہ العلامۃ قاسم ان ابحاثہ المخالفۃ المذھب لاتعتبر[5]۔	طواف میں فرض سات چکروں کا اکثر ہے نہ کہ تمام، اگرچہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی ہمیں تب جزادے گا جب سات سے کم نہ کریں اس کمی کا ازالہ کسی اور شئی سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ابحاث اہل مذھب کے مخالف ہیں جیسا کہ بحر میں ہے ان کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ مذہب کے مخالف ابحاث کا کوئی اعتبار نہیں۔(ت)

اور شک نہیں کہ اکثر نجاست کہ عام لوگوں کے جوتوں کو لگتی ہے یہی نجاست رقیقہ استنجے کے پانی اور پیشاب کی ہوتی ہے۔واللہ اعلم

---

[1] بحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۲۳

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۲۳

[3] غنیۃ المستملی فصل فی آسار مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[4] ردالمحتار باب نکاح الرقیق مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۰

[5] ردالمحتار باب الجنایات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۲۴

مسئلہ ۱۰۰۹: ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقہ تمبا کو کو پینے والے کے منہ کی بو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے:

ان الملئکۃ تتأذی ممایتاذی منہ بنوآدم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ملائکہ کو ہر اس شے سے اذیت ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو اذیّت پہنچتی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱۰: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سر شتہ دار ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالت نماز میں کسی مقام پر کھجالی چلے تو کھجاوے یا نہیں، اور اگر کھجاوے تو کتنی مرتبہ؟

الجواب:

ضبط کرے، اور نہ ہوسکے یا اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین بار نہ کھجاوے دو بار تک اجازت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱۱تا۱۰۱۶: مرسلہ احمد شاہ از موضع نگریہ سادات یکم ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) اگر تہبند کے نیچے لنگوٹ بندھا ہو تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تہبند کا پیچ کھول کر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

(۳) داڑھی میں ڈاٹا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کمر میں پٹکا باندھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی چیز کی مورت (تصویر) اگر جیب میں رکھی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۶) روپیہ پیسہ جیب میں رکھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

---

[1] صحیح مسلم، باب نہی من اکل ثوماً اوبصلاً او کراثا الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۰۹

الجواب:

(۱) درست ہے **واللّٰه تعالٰی علمہ۔**

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا سمیٹنے گُھرسنے سے منع فرمایا ہے[1] **واللّٰه تعالٰی اعلم**

(۳) منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں بالوں کے روکنے سے منع فرمایا ہے[2] **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**

(۴) درست ہے مگر دامن اس کے پیچھے نہ دَب جائے **واللّٰه تعالٰی اعلم**

(۵) نماز درست ہوگی مگر یہ فعل مکروہ وناپسند ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ ہو روپے اشرفی میں ضرورت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(٦) درست ہے **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱۷: از شہر کہنہ ۲۸ شوال ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگرکھے کے بند یا گھنڈی بلا باندھے یالگائے یا کُرتے کے بٹن جو سامنے سینہ پر گوٹ میں لگے ہوتے ہیں بلالگائے ہوئے یا کرتہ کی وہ گھنڈی جس کے کہ گوٹ آگے سینہ پر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کندھوں پر ایک ایک گھنڈی لگی ہوتی ہے ایک گھنڈی لگا کر نماز پڑھے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اگر کسی شخص کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ وہ گھنڈی کرتے کے گلے میں جو ہیں ایک کھلی رکھے جس سے کہ کچھ گلا کھلا ہوا رہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ جیسے انگرکھا یا کرتا کندھوں پر سے ڈال لینا بغیر آستینوں میں ہاتھ ڈالے یا بعض بارانیاں وغیرہ ایسی بنتی ہیں کہ اُن کی آستینوں میں مونڈھوں کے پاس ہاتھ نکال لینے کے چاک بنے ہوتے ہیں ان میں سے ہاتھ نکال کر آستینوں کو بے پہنے چھوڑ دینا یا رضائی یا چادر کندھے یا سر پر ڈال کر دونوں آنچل چھوڑ دینا یا شال یا رومال ایک شانہ پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے دونوں پلّو آگے پیچھے چھوٹے رہیں اور اگر رضائی یا چادر کا مثلاً سیدھا آنچل بائیں شانے پر ڈال لیا اور بایاں آنچل چھوڑ دیا تو حرج نہیں اور کسی کپڑے کو ایسا خلافِ عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کرسکے اور کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا

[1] صحیح بخاری باب لایکف شعراً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] صحیح بخاری باب لایکف شعراً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

یاایسا کرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننااور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یاشانہ کھلا رہے جبکہ اوپر سے انگر کھانہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے اور اگراوپر سے انگر کھا پہنا ہے یااتنے بوتام لگالئے کہ سینہ یاشانہ ڈھک گئے اگرچہ اوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کاخفیف حصہ کھلارہا یاشانوں پرکے چاک بہت چھوٹے چھوٹے ہیں کہ بوتام نہ لگائیں جب بھی کرتا نیچے ڈھلکے گاشانے ڈھکے رہیں گے توحرج نہیں، اسی طرح انگرکھے پرجو صدری یاچغہ پہنتے ہیں اور عرف عام میں اُن کا کوئی بوتام بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تواس میں بھی حرج نہیں ہوناچاہئے کہ یہ خلافِ معتاد نہیں **ھذا ماظھر لی من کلماتھم والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جوعبارات فقہاء سے بھرپور واضح ہوا باقی حق کاعلم میرے رب کے پاس ہے۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ تحریما سدل ثوبہ ای ارسالہ بلالبس معتاد وکذا القباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی کشد ومندیل یرسلہ کتفیہ فلومن احدھما لم یکرہ کحالۃ عذروخارج صلٰوۃ فی الاصح[1]۔	کپڑے کولٹکانا مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسالٹکانا جو معتاد پہننے کے خلاف ہو اسی طرح آستین والی قبا کا پیچھے کی طرف ڈالنا اسے حلبی نے ذکر کیا مثلاً پٹکا یارومال دونوں کاندھوں سے لٹکانا، اگرایک طرف سے ہو تومکروہ نہیں جیسا کہ اصح قول کے مطابق حالت عذر اور نماز سے باہر کامعاملہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم انہ لافرق بین ان یکون الثوب محفوظا من الوقوع، اولافعلی ھذا لاتکرہ فی الطیلسان الذی یجعل علی الراس وقدصرح بہ فی شرح الوقایۃاھ ای اذا لم یدرہ علی عنقہ والافلا سدل، والاقبیتۃ الرومیۃ التی تجعل لاکمامھا خروق عند العضد اذا اخرج المصلی یدہ من الخرق وارسل الکم یکرہ لصدق السدل لانہ	ان کے کلام کے ظاہر سے پتا چلتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ کپڑا گرنے سے محفوظ ہو یانہ ہو لہٰذا اس صورت میں ٹوپی والے کوٹ میں کراہت نہیں ہوگی جو سرپر ہو، اس کی تصریح شرح وقایہ میں ہے اھ یعنی جب اس نے گردن کو نہ باندھا ہو ورنہ کوئی سدل نہ ہوگا وہ رومی قبائیں جن کی آستینوں میں کندھوں کے پاس سوراخ ہوتے ہیں، اگرنمازی اس پھٹی ہوئی جگہ سے ہاتھ نکالے اورآستین کو ویسے ہی ڈال لے تویہ مکروہ ہے اس پرسدل کاصدق ہے کیونکہ یہ

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

ارخاء من غیرلابس لان لبس الکم بادخال الیدوتمامه فی شرح المنیة، والشد شیئ یعتاد وضعه علی الکتفین کما فی البحر و ذلك نحو الشال فاذا ارسل طرفا منه علی صدرہ وطرفا علی ظھرہ یکرہ، وفی الخزائن بل ذکر ابوجعفر انه لوادخل یدیه فی کیسه ولم یزر ازرارہ فھو مسیئ لانه یشبه السدل اھ لکن فی الحلیه فیه نظر ظاھر بعد ان یکون تحت قمیص اونحوہ مما یستر البدن [1]اھ مختصرا ولنا فی ماقال فی الحلیة نظر قدمناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	بغیر پہننے کے چھوڑنا ہے اور آستین کا پہننا ہاتھ داخل کرکے ہوتا ہے اس کی تفصیل شرح منیہ میں ہے بحر میں ہے شد (صافا یاپٹر نا) عادی شئی ہے اسے کاندھے پر رکھا جاتا ہے اس کی مثل شال ہے جب اس کی ایک طرف اپنے سینے پر اور ایک طرف اپنی پشت پر رکھی تو یہ مکروہ ہے، خزائن میں ابوجعفر نے ذکر کیا اگر کسی نے دونوں ہاتھ آستینوں میں ڈالے اور ان کے بٹن بند نہ کئے تو یہ گنہ گار ہوگا کیونکہ یہ سدل کے مشابہ ہے لیکن حلیہ میں کہا کہ جب وہ قمیص یا ایسے کپڑے کے تحت ہو جو بدن کو ڈھانپ رہا ہو تو اس میں نظر ہے اھ اختصارًا جبکہ خود حلیہ کی گفتگو میں نظر ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کردیا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱۸: از کالج علی گڑھ کمرہ نمبر ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خاں یوسف زئی سر سید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کمرہ میں یامکان میں تصاویر مردم آویزاں ہوں اُس میں نماز پڑھنا جائز یاناجائز حرام ہے یامکروہ؟ اگر ناجائز یامکروہ ہے توشارع نے جو مصلحت اس میں رکھی ہے وہ برائے خوبی اور باریکی ظاہر ہونے کے بیان فرمائے جائیں، دوسرے یہ کہ نماز ساتھ خیال غیر اللہ اور ہمہ تن مصروف ہوکر ہونا چاہئے لہٰذا کیا مضائقہ ہوسکتا ہے اگر تصاویر اس جگہ ہوں یا احتیاطًا کیسا اس قدر کافی نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف سامنے یا اس حد تک کے جہاں تک نظر پڑسکے تصاویر ہٹادی جائیں اور پس پشت اگر تصاویر ہوں وہ رہیں اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہوجائے گی یا کیا نقص پیدا ہوجائے گا؟ فقط۔

الجواب:

جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اسے زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اعضاء بالتفصیل نظر آئیں بشرطیکہ نہ سر بریدہ ہو، نہ چہرہ محور کردہ، نہ پاؤں کے نیچے، نہ فرش پاانداز میں، نہ مخفی پوشیدہ جس کمرہ میں ہو، اس میں نماز مطلقًا

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۳۔۴۷۲

مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا دہنے یا بائیں یا اُوپر یا سجدہ کی جگہ اور ان سب میں بدتر جائے سجود یا جانب قبلہ ہونا ہے پھر اوپر، پھر دہنے بائیں، پھر پیچھے اور اس میں کراہت کے متعدد وجوہ ہیں اس مکان کامعبدِ کفار سے مشابہ ہونا، تصویر کابطوراعزاز ظاہر طورپر رکھا یالگاہونا، آگے یاجائے سجودپر ہوتواس کی عبادت سے مشابہ ہو،ملائکہ رحمت کااس مکان میں نہ آنا متواترحدیثوں میں ہے کہ حضورسیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الملئکۃ لاتدخل بیتافیہ کلب ولاصورۃ[1]۔	بیشک فرشتے اس گھرمیں نہیں جاتے جس میں کتا یاتصویر ہو۔

یہ وجہ اُن تمام صورمذکورہ کوشامل اور وہم مذکور فی السوال کاعلاج کامل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱۹: از بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو امام ازار ٹخنوں کے نیچے تک پہن کر نمازپڑھائے وہ نمازمکروہ تحریمی ہے یاتنزیہی؟ قبلہ رخ ایک قدم کونہ رکھنا یاایک قدم پر کھڑارہنا نماز میں جائز ہے یاخلاف سنت اور مکروہ تنزیہی؟ قبلہ رخ ایک قدم کونہ رکھنا یاایک قدم پر کھڑارہنا نماز میں جائز ہے یاخلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے؟ براہ ہمدردی استفتا بحوالہ عبارت کتب متداولہ معتبرہ فقیہ ارقام فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ازارکاگٹّوں سے نیچے رکھنا اگربرائے تکبر ہوحرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی، اور نماز میں بھی اس کی غایت اولٰی۔ صحیح بخاری شریفمیں ہے: صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میراتہبند لٹک جاتاہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں فرمایا: **لست من یصنعہ خیلاء**[2] (تم ان میں نہیں ہو جوبراہ تکبر ایسا کریں، فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی آدمی کاٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکا کرچلنا اگر تکبر کی بناپر نہ ہو تومکروہ تنزیہی ہے۔ غرائب میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن ابی طلحۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۰

[2] صحیح بخاری باب فی جرازارہ من غیر خیلاءِ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع فی اللبس مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

دونوں باتیں خلاف سنت ومکروہ ہیں، ہاں تراوحی بین القدمین یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر زور رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پر سنت ہے کما حققه فی الحلیة وبیناه فی فتاوٰنا (حلیہ میں اس کی تفصیل ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بھی اسے بیان کیا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۲۰: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سیّد ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

آج کل دیار بنگال کے بعض بعض شہروں میں بعض لوگوں نے فرض جماعت میں سر ننگا کرکے نماز پڑھنا اختیار کیا ہے اگر کسی نے کہا کہ جماعت کی اہانت ہوتی ہے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ عاجزی وانکساری کی وجہ سے پڑھتا ہوں اسی طرح عاجزی وانکساری کے بہانے سے بعض لوگوں نے علاوہ نماز کے بھی سر پر ٹوپی رکھنا چھوڑ دیا ہے تو کیا ننگا سر فرض جماعت میں نماز پڑھنے سے نماز جائز ہوگی یا مکروہ ہوگی اگر جائز ہوگی تو کیا حضور سرور کائنات یا حضرت مولائے کائنات یا حضرات امامین متطہرین یا حضرات نے کبھی کبھی سر کو ننگا رکھا ہے یا نہیں؟ اور صوفیائے عظام کی کتابوں میں ننگا سر رہنا تہذیب اور آداب آیا ہے یا نہیں اور احادیث شریفہ وفقہ سے اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے اگر بہ نیت تواضع وعاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ، اور معاذاللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ وبازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعًا محمود بلکہ وہ منجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اُٹھیں شرعًا مکروہ، مجمع البحار وغیرہ میں ہے:

الخروج عن عادة البلد شهرة ومكروه[1]۔	اہل شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے (ت)

صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع البحار

مسئلہ ۱۰۲۱: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مسئولہ حافظ رحیم اللہ صاحب ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

بعد الحمد کے محمد رسول اللہ والذین معہ رکوع پڑھا ایک مقتدی کے منہ سے سہواً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نکلا اور دوسرے مقتدی نے عمداً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہا حضور ان دونوں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص یہ کہے کہ نماز کے اندر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ سہواً کہنا چاہئے نہ عمداً، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر حکم ہے کہ عزّوجل یا جل جلالہ، یا اس کی مثل کلمات تعظیمی کہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر واجب ہے کہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام یا اس کے مثل کلمات درود کہے مگر یہ دونوں وجوب بیرون نماز ہیں نماز میں سوا ان کلمات کے جو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مقرر فرمادیئے ہیں اور کی اجازت نہیں، خصوصاً جہریہ نماز میں وقت قراءت امام مقتدی کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے یونہی امام کے خطبہ پڑھتے میں جب اللہ عزوجل اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ آئیں سامعین دل میں کلمات تقدیس و درود کہیں، زبان سے کہنے کی وہاں بھی اجازت نہیں، نماز میں نام الٰہی سن کر جل وعلا یا نام مبارک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا اگر بقصد جواب ہے نماز جاتی رہے گی سہواً ہو یا قصداً، اور اگر بلا قصد جواب تو قصداً ممنوع اور سہواً پر مواخذہ نہیں، درمختار میں ہے:

سمع اسم اللہ تعالٰی فقال جل جلالہ او النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی علیہ اوقراءۃ الامام فقال صدق اللہ ورسولہ لفسد ان قصد جوابہ[1] اھـ قال العلامۃ الشامی ذکر فی البحر انہ لوقال مثل ماقال المؤذن ان اراد جوابہ تفسد وکذا لولم تکن نیۃ لان الظاھر انہ اراد الاجابۃ وکذلك اذا سمع اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی	اگر اللہ تعالٰی کا نام سن کر جل جلالہ، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا نام سن کر درود شریف، امام کی قراءت سن کر صدق اللہ و رسولہ، کہا تو مقصود جواب تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اھ۔ علامہ شامی نے فرمایا بحر میں ہے کہ اگر نمازی نے اذان کا جواب دیتے ہوئے اذان کے کلمات کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اسی طرح اس صورت کا حکم ہے جب کوئی نیت نہ تھی کیونکہ ظاہر جواب دینا ہی ہے اسی طرح جب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

علیه فهذا اجابة اه ویشکل علی هذا کلمة مأمر من التفصیل فیمن سمع العاطس فقال الحمد لله تأمل، استفید انه لولم یقصد الجواب بل قصدا الثناء والتعظیم لاتفسد لان نفس تعظیم الله تعالٰی و والصلٰوۃ علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاینافی الصلٰوۃ کما شرح المنیة[1] اه کلام العلامة ش۔ **اقول:** والذی من التفصیل ان سامع عطسة غیره، لوقال الحمد لله فان عنی الجوب اختلف المشائخ اوالتعلیم فسدت اولم یرد واحدا منهما لاتفسد نهر وصحح فی شرح المنیة عدم الفساد مطلقا لانه لم یتعارف جوابا قال بخلاف جواب السارّ بالحمدلة التعارف[2] اه اه ۔ش ورأیتنی کتبت علی قوله عدم الفساد مطلقا مانصه۔**اقول:** لابد من استثناء ارادة التعلیم کمالایخفی	کااسم گرامی سنااور درود شریف پڑھاتو یہ بھی جواب ہی ہے اھ اور اس پر گزشتہ گفتگو کے ساتھ اعتراض ہوگا جس میں فرق کیاگیاتھا مثلاً کسی نے چھینک سن کر الحمدللہ کہا غور کرو، جو واضح کررہاہے کہ اگر مقصود جواب نہ ہو بلکہ اللہ کی ثناو تعظیم ہوتو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالٰی کی تعظیم اور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام، نماز کے منافی نہیں شرح المنیہ اھ علامہ شامی کا کلام ختم ہوا۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) جوتفصیل پیچھے گزری کہ اگر غیر کی چھینک سننے والے نے الحمدللہ کہاتو اگر مقصود جواب تھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے یامقصود تعلیم تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی یادونوں میں سے کوئی بھی مقصودنہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی نہر، اور شرح منیہ میں اس بات کو صحیح قرار دیاہے کہ کسی صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ جواب متعارف نہیں بخلاف اس صورت کے جب خوش کن بات پر الحمد للہ کہے تو یہ جواب متارف ہے اھ ش۔ مجھے یاد آتاہے کہ اس کے قول "عدم الفساد مطلقا" پر یہ لکھاتھا۔**اقول:** یہاں ارادہ تعلیم کو مستثنٰی کرنا ضروری ہے جیسا کہ واضح ہے اور تعلیل اس سے متعلق نہیں

[1] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۸

والتعلیل لایمسه فان العلة فیه شیئ اخر غیرکونه جوابا وھوکونه خطاء فھذا مامر من التفصیل وانت تعلم انه لامساس له بانھا من الفروع بان الحمدلله لیس جوابا بالعطاس و انما ھو سنة العاطس فاذالم یرد به التعلیم لم یکن الاانشاء حمد بخلاف ماھنا فکله جواب وقد عرف جوابا فقد عرف الجواب عن الاشکال[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہو سکتی کیونکہ اس میں علت اور شیئ ہے اور وہ جواب ہونا نہیں بلکہ وہ اس کا خطاء ہونا ہے یہی گزشتہ تفصیل تھی اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا کوئی تعلق نہیں کہ یہ اس کی فروعات میں سے ہے کیونکہ الحمدللہ چھینک کاجواب نہیں بلکہ وہ چھینکوالے کے لئے سنت ہے توجب اس سے مقصود تعلیم نہیں تواب حمد کرنا ہی ہوگا بخلاف مذکورہ صورتوں کے کہ یہ بہرصورت جواب ہیں کیونکہ ان کاجواب ہونا معروف ہے تو اس سے اشکال کا جواب معلوم ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۲۲: از داتاگنج ضلع بدایوں مرسلہ عاشق حسین صاحب ۱۹جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

جوتاپہن کر یعنی فل بوٹ جو ٹخنوں تک بندھاہوتاہے خشک ہوغلاظت نہ لگی ہو خواہ نیاہو یاپرانا، نماز جائز ہے یانہیں؟ یہ اور بات ہے کہ مسجد میں چونکہ سب لوگ رواجًا آج کل جوتا اتار کر جاتے ہیں ان میں ایک شخص انگشت نمائی کے خوف سے جوتاپہن کرنہ جائے مگر مسئلہ کیاہے آیاکوئی شخص اپنے مکان میں یاجنگل میں یاسفر میں بوٹ پہن کر نماز پڑھ سکتاہے؟ ایک مولوی نے فرمایاتھاکہ بوٹ نیاہو یاپرانا، خشک ہو، غلاظت نہ لگی ہو پہن کر نماز جائز اور صحیح بخاری میں لکھاہوا بتایاتھا۔

الجواب:

مسجد میں جوتاپہن کر جاناخلاف ادب ہے۔ ردالمحتار میں ہے دخول المسجد متنعلا سوء الادب[2] (مسجد میں جوتاپہن کرداخل ہونا بے ادبی ہے۔ت) اب کی بناعرف ورواج ہی پر ہے اور وہ اختلاف زمانہ وملک وقوم سے بدلتاہے، عرب میں باپ سے اَنْتَ کہہ کرخطاب کرتے ہیں یعنی تو۔ زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی یونہی خطاب ہوتاتھا، سیّدنا اسمٰعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیّدنا ابراہیم شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عرض کی اے میرے باپ! تو کرجس بات کا تجھے

---

[1] جدالممتار علٰی ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۱/ ۲۸۵

[2] ردالمحتار باب یفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۶

حکم دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بنا کر اپنے باپ کو تُو تُو کہا کرے ضرور گستاخ مستحق سزا ہے نماز حاضری بارگاہ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جائے، یہ تو ادب کا حکم ہے اور آج کل لوگوں کے جوتے صحابہ کرام کے جوتوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ردالمحتار میں ہے: **نعالهم المتنجسة**[1] (لوگوں کے جوتے ناپاک ہوتے ہیں۔ت) پھر بوٹ غالبًا ایسا پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے نہ دے گا تو آداب درکنار سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۳: از ککرالہ ضلع بدایوں مرسلہ یسین خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا پڑھی اور دوسری میں سورۂ دہر، اس سے کہا کہ ایک تو تم نے قرآن شریف اُلٹا پڑھا دوسرا پہلی سورہ چھوٹی پڑھی اور بعد کی بڑی، نماز میں کراہت تو نہیں آئی، کہا کچھ حرج نہیں حدیث سے ثابت ہے۔ فقط

الجواب: اس میں دو کراہتیں ہوئیں: ایک دوسری رکعت کی پہلی سے اس قدر تطویل، اور دوسری سخت اشد کراہت ہے۔ قرآن مجید کو معکوس پڑھا یہ گناہ وسخت ناجائز ہے حدیث میں ہے ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ تعالٰی اس کا دل اُلٹ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۴: ازدھام پور ضلع بجنور مرسلہ حافظ سیّد بنیاد علی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں کوئی شخص علیحدہ نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مسجد کے حجرہ میں فرضوں کے سوا اور نمازیں پڑھنا بہتر ہے یہاں تک کہ فرائض کے قبل وبعد کے سنن مؤکدہ میں بھی۔ بربنائے اصل حکم افضل یہی ہے کہ غیر مسجد میں ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ[2]۔	فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نماز گھر میں افضل ہے(ت)

مگر فرائض بے عذر قوی مقبول اگر حجرہ میں پڑھے اور مسجد میں نہ آئے گنہگار ہے، چند بار ایسا ہو تو فاسق

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۵۴

[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ النافلۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۶۶

مردودالشہادۃ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ لجار المسجد الافی المسجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری کا کپڑا پہن کر نماز کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا لان الفساد مجاور (کیونکہ فساد نماز سے باہر ہے۔ت) مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی **للاشتمال علی المحرم** (حرام چیز اٹھائے ہوئے ہونے کی وجہ سے) کہ جائز کپڑے پہن کر اس کااعادہ واجب **کالصلٰوۃ فی الارض المغصوبۃ سواء بسواء** (جس طرح مغصوبہ زمین پر نماز کاحکم اور یہ برابر ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے سرپر دستار نہ ہو اور مقتدی کے دستار ہو تو کسی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یانہیں؟ اور اگر کچھ خلل آتا ہے توامام کے یامقتدی کے؟ اور اگر خلل ہے تو کس قسم کا خلل ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں، عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل درکنار کراہت بھی نہیں آتی،

وذلك لان التعمم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمہا حکم المستحب۔	اس لئے کہ عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کاحکم مستحب والا ہوتا ہے(ت)

درمختار میں ہے:

لہا اٰداب ترکہ لایوجب اساءۃ والاعتابا کترك سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل[2]۔	نماز کے آداب ہیں جن کاترک اساءت وعتاب لازم نہیں کرتا مثلاً سنن زوائد کاترک، لیکن بجالانا افضل ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

السنۃ نوعان سنۃ الھدی وترکہا	سنت کی دواقسام ہیں، سنت ہدٰی، اس کے

[1] سنن الدار قطنی باب البحث لجار المسجد علی الصلٰوۃ فیہ الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۴۲۰

[2] درمختار آخر باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۳

Arabic	Urdu
یوجب اساءۃ وکراھۃ کالجماعۃ والاذان والاقامۃ ونحوھا وسنۃ الزوائد وترکھا لایوجب ذلك کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی لباسه والنفل و منه المندوب یثاب فاعله ولایسیئ تارکه کذا حققه العلامۃ ابن کمال فی تغییر التنقیح وشرحه فلافرق بین النفل و سنن الزوائد من حیث الحکم لانه لایکرہ ترك کل منھما وقدمثلوا السنۃ الزوائد بتطویله علیه الصلٰوۃ والسلام القرائۃ و الرکوع والسجود ولمالم تکن مکملات الدین وشعائرہ سمیت سنۃ الزوائد بخلاف سنۃ الھدی وھی السنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکھا اھ ملخصا[1] واللہ تعالٰی اعلم	ترک سے اسائت وکراہت لازم آتی ہے مثلًا جماعت اذان اور تکبیر وغیرہ، سنت زوائد اس کے ترک سے اسائت وکراہت لازم نہیں آتی مثلًا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالباس پہننا، نفل ومندوب کامعاملہ بھی یہی ہے اس کے کرنے والے کوثواب ہوگامگر تارک گنہگار نہیں، علامہ ابن کمال نے تغییر التنقیح اور اس کی شرح میں اسی طرح تحقیق کی ہے پس نفل اور سنن زوائد میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیونکہ کسی کا بھی ترک مکروہ نہیں، فقہا نے بعض اوقات سنت زوائد کی مثال نماز میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاقراءت، رکوع اور سجود کولمبا کرنا بھی دی ہے جب وہ دین اور شعائر دین کاحصہ نہیں توانہیں سنت زوائد کہاجاتاہے بخلاف سنت ہدٰی کے، وہ سنن مؤکدہ ہوتی ہیں جو واجب کے قریب ہیں ان کا تارک گمراہ ہے اھ تلخیصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۲۷: مرسلہ محمد ابراہیم محلّہ خواجہ قطب بریلی ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی نمازپڑھانے کے واسطے جو جائے نماز ملتی ہے اس سے کُرتا یا کچھ اور کپڑا بنوانا جائز ہے یانہیں؟ اور اگر جائز نہیں تواس سے جو نماز مفروضہ پڑھی گئی وہ لوٹائی جائے گی یانہیں؟ اور اُس کفن سے یہ جائے نماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یانہیں؟ بادلیل وحوالہ کتب تحریر کریں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اس جائے نماز سے دو۲ غرضیں لوگوں کی ہیں، ایک یہ اکثر نماز جنازہ راستے وغیرہ بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے مسجد کہ صاف وپاکیزہ رکھی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ منع ہے توبغرض احتیاط امام کے نیچے جائے نماز

[1] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفھا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳

بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اس کامہیا کرنا دشوار ہوتا ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ سب کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جائے نماز کے سبب امام کی نماز ہو جائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض وابرائے ذمہ کے لئے کافی ہے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسری نفع فقیر کہ وہ جانماز بعد از نماز کسی طالب علم اور فقیر پر تصدق کردی جاتی ہے اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں اور جس فقیر پر وہ تصدیق کی گئی اس کی ملک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنالے اس میں نماز مکروہ بھی نہیں نہ اصلاً حاجت اعادہ **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

باب الوتروالنوافل
(وتر اور نوافل کابیان)

مسئلہ ۱۰۲۸ : ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نماز ظہر وعشاء باجماعت پڑھ چکاخواہ امام تھا یا مقتدی اب دوسری جماعت قائم ہوئی وہ شریک جماعت ہواتو وہ نیت نماز کی کیا کرے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نفل کی نیت چاہئے،

فان الفریضة فی الوقت لاتکرر، وفی الحدیث لایصلی بعد صلٰوۃ مثلھا[1]۔	کیونکہ وقتی فریضہ میں تکرار نہیں، حدیث میں ہے نماز کی مثل نماز کے بعد ادانہ کی جائے۔(ت)

اور اگر فرض کی نیت کرے گاجب بھی نفل ہی ہوں گے **فان الفریضة فی الوقت لاتکرر** (کیونکہ فریضہ ایک وقت میں متکرر نہیں ہوا کرتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

نیا کپڑا اور جُوتا پہن کر نفل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

نیا کپڑا پہن کر نفل پڑھنا بہتر ہے،یُوہیں نیاجُوتا بھی اگراس پنجہ اتنا کڑانہ ہو کہ پاؤں کی کسی انگی کا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلٰوۃ مثلھا مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۶

پیٹ زمین سے نہ لگنے دے ایسا ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۰: از بریلی مرسلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۱۳رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

آج کل وتر باجماعت پڑھنا بوجہ فضل جماعت افضل یا بوقت تہجد بھی بہتر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

وتر رمضان المبارک میں ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کو اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا مثل نماز گھر میں تنہا، دونوں قول باقوت ہیں اور دونوں طرف تصحیح و ترجیح، اول کو یہ مزیت کہ اب عامہ مسلمین کا اس پر عمل ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے، ثانی کو یہ فضیلت کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے، ردالمحتار میں زیرِ قولِ درمختار الجماعۃ فی وتر رمضان مستحبۃ علی قول (ایک قول کے مطابق رمضان میں وتر کی جماعت مستحب ہے۔ت) فرمایا:

وغیر مستحبۃ علی قول اٰخر بل یصلیھا وحدہ فی بیتہ وھما قولان مصححان وسیاتی قبیل ادراك الفریضۃ ترجیح الثانی بانہ المذھب[1]۔	ایک اور قول کے مطابق مستحب نہیں ہے بلکہ انہیں گھر میں تنہا ادا کرے، اور یہ دونوں اقوال صحیح قرار دیئے گئے ہیں عنقریب ادراک فریضہ سے تھوڑا سا پہلے آئے گا کہ دوسرے قول کو ترجیح ہے کہ یہی مذہب ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ مایقتضی ان المذھب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ[2]۔	کیا وتر میں جماعت افضل یا گھر میں ادا کرنا دونوں کی تصحیح ہے لیکن شارح وہبانیہ نے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ دوسرا قول مذہب ہے اور اسے مصنف وغیرہ نے بھی ثابت رکھا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

رجح الکمال الجماعۃ بانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اوتربھم	کمال نے اس بناپر جماعت کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو وتر پڑھائے،

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۸/۲

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

ثم بین العذر فی تأخرہ مثل ماصنع فی التراویح فکما ان الجماعۃ فیھا سنۃ فکذلك الوتر بحر وفی شرح المنیۃ الصحیح ان الجماعۃ فیھا افضل الاان سنیتھا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح اھ قال الخیر الرملی وھذاالذی علیہ عامۃ الناس الیوم اھ وقواہ المحشی ایضا بانہ مقتضی مامرمن ان کل ماشرع بجماعۃ فالمسجد افضل فیہ[1]اھ مافی ردالمحتار **اقول:** فی ھذہ التقویۃ عندی نظر ظاھرفانہ لوکان المراد ان ماجاز بجماعۃ فالمسجد افضل فیہ فممنوع فان کل نفل یجوز بجماعۃ مالم یکن علی سبیل التداعی مع ان الافضل فیہ البیت وفاقا وان کان المراد ماندب فیہ الشرع الی الجماعۃ فمسلم لکن ھذا اول المسئلۃ فالاستناد بہ صریح المصادرۃ فلیتأمل۔	پھر جماعت چھوڑنے پر وہی حکمت بیان کی جو نمازتراویح میں تھی تو وتر کاحکم تراویح والاہے جس طرح ان میں جماعت سنت ہےاسی طرح وتروں میں بھی، بحر، شرح المنیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت وتروں میں افضل مگر اس سنیت تراویح کی جماعت کی طرح نہیں اھ خیر رملی نے فرمایااسی پر آج لوگوں کا عمل ہے اھ محشّی نے بھی یہ کہتے ہوئے اس کی تائید کی گزشتہ اصول کاتقاضا بھی یہی ہے کہ ہروہ نماز جوجماعت کے ساتھ مشروع ہے وہ مسجد میں افضل ہے اھ ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی **اقول:** اس کی تائید میں میرے نزدیک نظرظاہر ہے اگر یہ مراد ہو کہ ہر وہ نماز جو جماعت کے ساتھ جائز ہے اس میں مسجد افضل ہے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ جن نوافل کی علٰی سبیل التداعی جماعت نہ ہو ان کی جماعت جائز ہے حالانکہ ان کی ادائیگی بالاتفاق گھر میں افضل ہے، اور اگر مراد یہ ہو کہ جس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعت نے مستحب قرار دیا ہو تو یہ مسلم ہے لیکن یہ بعینہٖ سوال ہے اسی کے ساتھ استناد کرنا صراحۃً مصادرہ علی المطلوب ہے۔ پس غور کیجئے۔(ت)

بالجملہ اس مسئلہ میں اپنے وقت وحالت اور اپنی قوم وجماعت کی موافقت سے جسے انسب جانے اس پر عمل کا اختیار رکھتاہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۲

مسئلہ ۱۰۳۱: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان شریف ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں عشاء کی نماز فرض جس میں مصلی تہجد گزار یا غیر تہجد گزار نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہو اس کو نماز وتر جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

کسی کو بھی ضرور نہیں بلکہ افضلیت میں اختلاف ہے، ہمارے اصل مذہب میں افضل یہی ہے کہ تنہا گھر میں پڑھے اور ایک قول پر مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے، اب اکثر مسلمین کا عمل اسی پر ہے **کما فی الدر و حواشیہ و بیناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ در اور اس کے حواشی میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) بہر حال ضروری کسی کے نزدیک نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳۲: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زاداں مرسلہ مرزا عابد حسین صاحب ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز تہجد واجب ہے یا سنت؟ اگر سنت ہے تو موکدہ یا غیر مؤکدہ؟ اس کا تارک گنہگار ہے یا نہیں یعنی قصداً ترک کرنے والا؟ مفصل مع احادیث ارقام فرمایئے گا۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

تہجد سنت مستحبہ ہے تمام مستحب نمازوں سے اعظم واہم، قرآن واحادیث حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی ترغیب سے مالامال، عامہ کتب مذہب میں اسے مندوبات ومستحبات سے گنا اور سنت مؤکدہ سے جدا ذکر کیا، تو اس کا تارک اگرچہ فضل کبیر وخیر کثیر سے محروم ہے گنہگار نہیں، بحر الرائق وعلمگیری ودر مختار وفتح اللہ المعین السید ابوالسعود الازہری میں ہے: **المندوبات صلٰوۃ اللیل**[1] (رات کی نماز مندوبات میں سے ہے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے: **سن تحیۃ المسجد و ندب صلٰوۃ اللیل**[2] (تحیۃ المسجد سنت اور رات کی نماز مستحب ہے۔ت) غنیہ شرح منیہ میں ہے: **من النوافل المستحبۃ قیام اللیل**[3] (نوافل مستحبہ میں سے رات کی نماز ہے۔ت)

---

[1] فتح المعین حاشیہ علی الکنز باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان النوافل مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۔۲۱۵

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل بحث قیام اللیل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳۲

حلیہ میں ہے:

مشی صاحب الحاوی القدسی علی انہا مندوبة[1]۔	صاحب الحاوی القدسی کی رائے یہی ہے کہ رات کی نماز مستحب ہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاحسن اتمام السنن المؤقتة بذکر صلٰوة الضحی و المستحبات بذکر التہجد[2] اھ ملخصًا۔	وقتی سنن میں چاشت کی نماز اور مستحبات میں تہجد کا ذکر ان کا اچھا اتمام ہے اھ ملخصًا (ت)

غرض ہمارے کتب مذہب کے احکام منصوصہ مذکورہ علی جہۃ النفل میں اس کا استحباب ہی مصرح ہے، ہاں بعض علمائے مالکیہ وشافعیہ مثل امام ابن عبدالبر وامام ابوزکریانووی جانب سنیّت گئے، اور بعض ائمہ تابعین حسن بصری و عبیدہ سلمانی و محمد بن سیرین قائل وجوب ہوئے کمایظھر بمطالعة عمدة القاری وشرح المؤطا الزرقانی وغیرھما (جیسا کہ عمدۃ القاری، شرح المؤطا للزرقانی وغیرہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے۔ت) قول وجوب کو تو جمہور علمائے مذاہب اربعہ ردفرماتے اور مخالف جماعت بتاتے ہیں کمافیھما وفی شرح مسلم للنووی و البخاری للقسطلانی والمواھب للزرقانی وغیرھما (جیسا کہ ان دونوں میں ہے اور شرح مسلم للنووی، شرح بخاری للقسطلانی اور مواہب للزرقانی وغیرہ میں ہے۔ت)

اور ہمارے علماء وجوب وسنیت کی یکساں تضعیف فرماتے ہیں۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

ثمان رکعات بتسلمیة اوتسلیمتین للتہجد وقیل له رکعتان سنة وقیل فرض کمافی المحیط[3]۔	تہجد کی ایک یا دو سلاموں کے ساتھ آٹھ رکعات ہیں بعض کے نزدیک دو رکعات سنت ہیں بعض کے نزدیک یہ فرض ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

البتہ ہمارے علماء متاخرین سے امام ابن الہمام نے سنیت واستحباب میں تردد اور بالآخر جانب اول میل اور انہیں کے اتباع سے اُن کے تلمیذ علامہ حلبی نے حلیہ میں اسے اشبہ فرمایا، یہ ان

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] جامع الرموز فصل الوتر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۷

[3] جامع الرموز فصل الوتر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۷

امام کی اپنی بحث ہے۔ نہ مذہب منصوص باآنکہ خود اعتراف فرماتے ہیں کہ احادیث قولیہ حضورپرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف استحباب ہی کاافادہ فرماتے ہیں۔ مستند اُن کا مواظبت فعلیہ حضوروالا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے مگر خود فرماتے ہیں کہ مواظبت وہی مفید سنیت جو فعل نفل پر ہو، تو اس مسئلہ کی بناء حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تہجد فرض ہونے نہ ہونے پر رہی۔ اگر حضور پر فرض نہ تھا تو بوجہ مواظبت اُمت کے لئے سنت ہوگا ورنہ مستحب۔

قال قدس سرہ بقی ان صفة صلٰوۃ اللیل فی حقنا السنیة اوالاستحباب یتوقف علی صفتھا فی حقه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فان کانت فرضا فی حقه فھی مندوبة فی حقنا لان الادلة القولیة فیھا انما تفید الندب والمواظبت الفعلیة لیست علی تطوع لتکون سنة فی حقنا وان کانت تطوعا فسنة بلنا[1]۔	امام ابن ہمام قدس سرہ، نے فرمایا کہ باقی رہا معاملہ رات کی نماز کا کہ آیا ہمارے حق میں سنت ہے یا مستحب، تو یہ بات اس پر موقوف ہے کہ وہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں کیا تھی، اگر وہ آپ پر فرض تھی تو ہمارے حق میں مستحب ہے کیونکہ ادلہ قولیہ اس کے بارے میں مستحب ہونے کافائدہ دیتی ہیں اور مواظبت فعلیہ نفل پر نہیں کہ وہ ہمارے حق میں سنت بن جائے اور اگر آپ کے لئے یہ نفل تھی تو ہمارے لئے یہ سنت ہوگی۔ (ت)

اب اسی مبنٰی کو دیکھئے تو اس میں بھی قول جمہور مذہب مختار ومنصور حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت ہے اسی پر ظاہر قرآن عظیم شاہد اور اسی طرف حدیث مرفوع وارد۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ[2]	اللہ تعالٰی کافرمان ہے اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کیا کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِهٖ[3]	رات کو تہجد ادا کیا کرو۔

ان آیتوں میں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امر الٰہی ہے اور امر الٰہی مفید وجوب،

ولاینافیه قوله تعالٰی نافلة فالنافلة	اللہ تعالٰی کا نافلۃ فرمانا اس وجوب کے منافی نہیں

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۹۱
[2] القرآن ۷۳/۱۔۲
[3] القرآن ۱۷/۷۹

الزیادۃ ای زائدۃ فی فرائضك اوفی درجاتك بتخصیص ایجابه بك فان الفرائض اعظم درجات واکبر تفصیلا بل مؤیدہ قوله تعالٰی لك قال الامام ابن الھمام ربما یعطی التقیید بالمجرور ذلك فانه اذا کان النفل المتعارف یکون کذلك له ولغیرہ[1] اھ	کیونکہ نافلہ کا معنی زائدہ ہے اب معنی ہوگا کہ آپ کے فرائض یادرجات میں یہ اضافہ ہے کہ آپ پر یہ لازم واجب ہے کیونکہ فرائض سب سے بڑے درجے وفضیلت پر فائز کرنے کاسبب بنتے ہیں بلکہ اس کی تائید اللہ تعالٰی کے اس ارشاد "لک" سے ہورہی ہے۔امام ابن ہمام کہتے ہیں کہ بعض اوقات مجرور "ک" کے ساتھ مقید کرنا اسی بات کافائدہ دیتاہے (یعنی یہ فرائض میں آپ کے لئے اضافہ ہے) کیونکہ متعارف نوافل صرف آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ اس میں آپ اور دیگر لوگ مشترک ہیں (ت)

طبرانی معجم ف اوسط بیہقی سنن میں اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلث ھن علیّ فرائض وھن لکم سنة الوتر والسواك وقیام اللیل[2]۔ **اقول:** والحدیث ان لم یصلح حجة فقد استظھر بظاھر الکتاب العزیز، وقدنص المحقق نفسه فی الفتح القدیر مسئلة امرأۃ المفقود ان الحدیث الضعیف یصلح مرجحا لامثبتا بالاصالة قال و مؤافقة ابن مسعود مرجح اٰخر[3]۔	تین چیزیں مجھ پر فرض اور تمہارے لئے سنت ہیں: وتر ومسواک وقیامِ شب **اقول:** (میں کہتاہوں) اگرچہ یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی مگر قرآن عزیز کے ظاہر سے اس کی تائید ہورہی ہے اور خود محقق نے فتح القدیر میں مسئلہ مفقود کی بیوی کے تحت لکھاہے کہ حدیث ضعیف کسی شیئ کی اصل کو ثابت نہیں کرسکتی البتہ مرجح

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۹۱/۱

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ معجم اوسط وسنن بیہقی زیرآیہ ومن الیل فتہجدبہ نافلۃ لک مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظیمی قم ایران ۱۹۶/۴، تفسیر خازن سورہ بنی اسرائیل میں مذکورہے مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۷۴/۴، کنزالعمال بحوالہ بیہقی الاکمال من وقت الوتر ۱۹۵۴۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴۰۷/۷، مجمع الزوائد بحوالہ معجم الاوسط باب ماجاء فی الخصائص مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۴۰۷/۷، المعجم الاوسط حدیث ۳۲۹۰ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۶۵/۴

[3] فتح القدیر کتاب المفقود مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۷۲/۵

بن سکتی ہے اور کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی موافقت دوسرا مرجح ہے(ت) **اقول: وھھنا موافقۃ سلطان المفسرین مرجح اُخر** (اور یہاں سلطان المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی موافقت ایک دوسرا مرجح ہے۔ت) ابو جعفر طبری حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

اُمِر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیام اللیل وکتب علیہ دون امتہ[1]	حضور سیّدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قیام شب کاحکم تھا حضور پرفرض تھا اُمت پر نہیں۔

امام محی السنۃ بغوی معالم میں فرماتے ہیں:

کانت صلٰوۃ اللیل فریضۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الابتداء و علی الامۃ، ثم صار الوجوب منسوخاً فی حق الامۃ، وبقی فی حق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ ملخصاً	ابتداء قیامِ شب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی امت دونوں پرفرض تھا پھر امت کے حق میں وجوب منسوخ ہوگیا لیکن رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں وجوب باقی رہااھ تلخیصًا(ت)

فتح القدیر میں ہے: **علیہ کلام الاصولیین من مشائخنا**[3] (ہمارے مشائخ اصولیین کی رائے یہی ہے۔ت) شرح مواہب زرقانی میں ہے: **ھو قول الاکثر ومالک**[4] (اکثر علماء اور امام مالک کایہی قول ہے۔ت) مواہب میں ہے: **ھذا ماصححہ الرافعی ونقلہ النووی عن الجمھور**[5] (رافعی نے اسی کی تصحیح کی اور نووی نے اسے جمہور سے نقل کیاہے۔ت) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

مختار آن ست کہ از امت منسوخ شد برآنحضرت	مختار یہی ہے کہ امت سے یہ منسوخ ہے اور

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری المسمی جامع البیان مطبوعہ مطبعۃ میمنیۃ مصر ۱۵/۹۰، المواہب اللدنیۃ بحوالہ طبری الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۱۷۸

[2] المعالم التنزیل علٰی حاشیۃ الخازن زیر آیۃ ومن الیل فتہجد بہ الخ ۴/۱۷۴

[3] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۹۱

[4] شرح الزرقانی المواہب الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۴۵۵

[5] مواہب اللدنیہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باقی ماندتا آخر عمر وقد حقق ذلك فی موضعه[1]	سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں یہ وجوب تمام عمر باقی رہا اور اس کی تحقیق اس کے مقام پر ہوئی ہے۔(ت)

تو یوں بھی سنیت تہجد ثابت نہ ہوئی اور وہی مذہب واستحباب مؤید بقول جمہور ومشرب ومختار ومنصور رہا۔

اقول: شک نہیں کہ تہجد ابتدائے امر میں حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اور حضور کی امت سب پر فرض تھا کما شھدت بہ سورۃ المزمل"صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" (جیسا کہ اس پر سورہ مزمل (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) گواہ ہے۔ت) تو اب ان کی فرضیت ثبوت ناسخ پر موقوف، امت کے حق میں ناسخ بدلیل اجماع امت ثابت وان لم نعلم سندالاجماع (اگرچہ ہم اس اجماع کی سند سے آگاہ نہیں۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں دعوی نسخ کو بھی کوئی ایسی ہی روشن دلیل چاہئے جو اپنے افادہ میں احتمالات سے منزہ ہوں فان الاحتمال یقطع الاستدلال ولایقوم بامر محتمل حجۃ (کیونکہ احتمال استدلال کو ختم کردیتا ہے اور امر محتمل حجت نہیں ہوسکتا۔ت) حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

ان اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی اول ھذہ السورۃ فقام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ حولا وامسك اللہ خاتمتھا اثنی عشر شھرا فی السماء حتی انزل اللہ فی اٰخر ھذہ السورۃ التخفیف فصارقیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ[2] رواہ مسلم وابوداؤدوالنسائی۔	اللہ عزوجل نے اس سورہ کی ابتداء میں قیام شب فرض فرمایا تو سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے ایک سال تک قیام کیا اور اس سورۃ کے آخری حصہ کو اللہ تعالٰی نے بارہ مال تک آسمان پر روکے رکھا حتی کہ اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل ہوئی تو فرض ہونے کے بعد اب قیام شب نفل بن گیا کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نسخ میں نص نہیں ولہذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا: دلالتہ لیست بقویۃ لاحتمالہ[3] (اس کی دلالت احتمال کی وجہ سے (حضور اکرم کے حق

[1] اشعۃ اللمعات باب صلوٰۃ اللیل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۰۶

[2] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۶، سنن نسائی باب قیام اللیل مطبوعہ نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی ۱/۷-۲۳

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۴۵۷

میں نسخ پر) قوی نہیں۔ت) رسائل الارکان مولٰنا بحرالعلوم میں ہے:

ھذا لایقنع بہ القائل بالفریضۃ لانہ یقول لعل ام المؤمنین ارادت ان صلٰوۃ اللیل کانت فریضۃ علی الامۃ ثم نسخھا اللہ تعالٰی عن الامۃ وصارت نفلا واما علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فبقیت الفریضۃ کما کانت یظھر من خاتمۃ سورۃ المزمل[1] اھ۔ **اقول:** کانہ یرید قولہ تعالٰی علم ان لم تحصوہ فتاب علیکم وقولہ تعالٰی عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ[2] فان الظاھر ان الخطاب فیہ للامۃ۔	جو حضور پر فرضیت تہجد کا قائل ہے وہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس فرمان سے قانع نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کہہ سکتاہے آپ کامقصد یہ بیان کرنا ہے کہ پہلے قیام شب اُمت پرفرض تھا پھرفرض منسوخ ہوکر نفل ہوگیا، رہامعاملہ سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاتووہاں یہ فرض ہی باقی رہا جیساکہ خاتمہ سورۃ سے ظاہر ہورہاہے اھ۔ **اقول:** شاید اس سے ان کی مراد خاتمہ سورۃ کے یہ الفاظ ہوں کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ جانتاہے اے مسلمانو! تم سے رات کاشمارنہ ہوسکے گا تو اس نے اپنے کرم سے تم پررجوع فرمایا" اور اللہ تعالٰی کایہ فرمان: "وہ جانتاہے کہ عنقریب تم میں کچھ بیمارہوں گے اور کچھ زمین پرسفر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش کریں گے" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں خطاب اُمت کے لئے ہے(ت)

ثم اقول: ہمیں احتمال کافی خصوصًا جبکہ بوجہ عدیدہ اس کاپتا چلتاہو اوّلًا اسی حدیث میں لفظ ابوداؤد یوں ہیں:

قال (ای سعد بن ھشام، قلت حدثنی عن قیام اللیل قالت الست تقرأ یایھا المزمل قال قلت بلٰی قالت فان اوّل ھذہ السورۃ نزلت فقام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	اس (یعنی سعد بن ہشام) نے کہاکہ میں نے عرض کیاکہ مجھے قیام شب کے بارے میں بیان کیجئے توامّ المومنین نے فرمایاکیا تونے یایھا المزمل نہیں پڑھی؟ عرض کیا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا اس سورۃ کاابتدائی حصہ جب نازل ہوا تو حضور کے اصحاب

[1] رسائل الارکان فصل فی صلوۃ اللیل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۳۵

[2] القرآن ۷۳/ ۲۰

تعالٰی علیه وسلم حتی انتفخت اقدامهم وحبس خاتمتها فی السماء اثنی عشر شهرا ثم نزل اٰخرها فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضة[1]۔	نے یہاں تک قیام کیا کہ ان کے پاؤں سوج گئے، لیکن اس کا آخری حصہ بارہ ۱۲ماہ آسمان پر روک لیا، پھر جب آخری حصہ نازل فرمایا تو قیام شب فرض ہونے کے بعد نفل بن گیا(ت)

ثانیًا خود ام المومنین سے حدیث گزری کہ قیامِ لیل حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فرض، اُمت کے لئے سنت تھا۔
ثالثًا اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نسخ ذکر فرمایا[2] کما رواہ ابوداؤد (جیسا کہ ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے۔ت) حالانکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت مانتے ہیں کما تقدم (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت)
رابعًا جب ام المومنین کاارشاد ان تک پہنچافرمادیا: صدقت، کما بیّنہ مسلم والنسائی (انہوں نے سچ فرمایا، جیسا کہ اسے مسلم اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ت) اور فرمایا هذا واللّٰه هو الحدیث[3] کما عند ابی داؤد (اللہ کی قسم یہ وہی حدیث ہے جیسا کہ ابوداؤد کے ہاں ہے۔ت) اگراس کے معنی وہ اپنے خلاف سمجھتے، بیان فرماتے۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آخر سورۃ نے مطلق قیام لیل نسخ نہ فرمایا بلکہ اول سورۃ میں جو نصف شب یاقریب بہ نصف کے تقدیر تھی اسے منسوخ فرماکر مطلق قیام کی فرضیت باقی رکھی لقوله تعالٰی فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ[4] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اللہ تعالٰی نے تم پر اپنے کرم سے رجوع فرمایا ہے کہ اب تم اتنا قرآن پڑھو جو تم پر آسان ہو۔ت) اس کے بعد پھر دوبارہ نسخ مطلق ہو کر استحباب رہا ہے، جلالین شریف میں ہے:

خفف عنهم بقیام ماتیسر منه ثم نسخ ذلك بالصلوات الخمس[5]۔	اللہ تعالٰی نے تخفیف فرماتے ہوئے آسانی کے ساتھ بندوں پر قیام رکھا پھر یہ قیام پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگیا(ت)

---

[1] سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹۰
[2] سنن ابوداؤد باب نسخ قیام اللیل الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۵
[3] سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹۰
[4] القرآن ۷۳/۲۰
[5] تفسیر جلالین سورۃ مزمل، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۷۷

کشاف وارشاد العقل وغیرہما میں ہے:

عبر عن الصلٰوۃ بالقرائۃ لانہا بعض ارکانہا کما عبر عنہا بالقیام والرکوع والسجود یرید فصلوا ماتیسر علیکم ولم یعذر من صلٰوۃ اللیل وھذا ناسخ للاول ثم نسخا جمیعا بالصلوات الخمس[1]۔	یہاں نماز کو قراءت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ قراءت نماز کا رکن ہے جیسا کہ نماز کو قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ تعبیر کیا ہے مقصد یہ بتاکہ تم اتنی نماز پڑھتے رہو جو تم پر آسان ہو لیکن قیام شب نہیں چھوڑ سکتے، اور یہ حکم ابتدائے سورۃ کے لئے ناسخ پھر پانچ نمازوں کا حکم ان سب کے لئے ناسخ قرار پایا۔(ت)

تفسیر کرخی وفتوحات الٰہیہ میں ہے: ھذا ھو الاصح[2] (یہی اصح ہے۔ت) ام المومنین یقینا ناسخ اول کا ذکر فرمارہی ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل، پھر اس سے انتفائے فرضیت کہاں حاصل، ناسخ ثانی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دخول کب ثابت ہوا، نہ ہرگز اس میں کوئی نص نازل، تو حدیث مذکور سے انتفائے وجوب پر تمسک سرے سے زائل،

وھھنا تحقیقات اخراجل واعز اتینابہا بتوفیق اللہ العلی الاکبر فی رسالۃ لنا صنفناہا بعد ورود ھذا السؤال فی تحقیق ھذا المقال سمیناہا"رعایۃ المنۃ فی ان التہجد نفل ام سنۃ"ھ فلینظر ثمہ والحمدللہ علی کشف الغمۃ۔	یہاں دیگر نہایت اہم تحقیقات ہیں اللہ کی توفیق سے ان کا ذکر ہم نے اس سوال کے ورود کے بعد اپنے ایک رسالے (جس کو ہم نے اسی مقال کی تحقیق میں تصنیف کیا ہے) میں کیا ہے اس کا نام "رعایۃ المنۃ فی ان التہجد فضل ام سنۃ" ۱۳۱۲ھ اس کا مطالعہ کیجئے، اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس نے عقدے کھول دیئے۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق فقیر کے نزدیک اسی مبحث میں حق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں صلٰوۃ لیل و نماز تہجد، صلٰوۃ لیل ہر وہ نماز نفل کہ بعد فرض عشاء رات میں پڑھی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر الکشاف سورۃ مزمل مطبوعہ انتشارات آفتاب تہران، ایران ۴/۱۷۹

[2] تفسیر الفتوحات الالٰہیہ الشہیر بالجمل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/۴۳۳

ماکان بعد صلٰوۃ العشاء فھو من اللیل[1] رواہ الطبرانی عن ایاس بن معٰویۃ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جو نماز بعد عشاء پڑھی جائے وہ سب نماز شب ہے اسے طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ایاس بن معاویہ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ بیشک سنت مؤکدہ ہے کہ اس میں عشاء کی سنت بعدیہ بلکہ سنت فجر بھی داخل، صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کانت صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر رمضان وغیرہ ثلث عشرۃ رکعۃ باللیل ومنھا رکعتا الفجر[2]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز شب رمضان وغیرہ میں تیرہ ۱۳ رکعتیں تھیں، ان میں دو رکعات فجر کی بھی ہیں (ت)

اس معنی پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلٰوۃ لیل کو بعد فرائض ہر نماز سے افضل بتایا،

کما المسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ افضل الصلٰوۃ بعد الفریضۃ صلٰوۃ اللیل[3]۔	جیسا کہ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرائض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (ت)

ورنہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سنن راتبہ سے مسنون نمازوں سے افضل ہیں اور ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ سنت فجر سنن راتبہ سے بھی اعلٰی واجل، اور نماز تہجد وہ نفل کہ بعد فرض عشا قدرے سو کر طلوع فجر سے پہلے پڑھے جائیں، طبرانی حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔

انما تھجّد المرء یصلی الصلٰوۃ بعد رقدۃ[4]	قدرے سو کر آدمی جو نماز ادا کرے اسے تہجد کہا جاتا ہے (ت)

معالم میں ہے: التھجد لایکون الابعد النوم[5]۔ (تہجد سونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ت)

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۵۵ حدیث ۷۸۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/ ۲۷۱

[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۵۵

[3] صحیح مسلم باب فضل صوم المحرم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۶۸

[4] المعجم الکبیر ترجمہ ۲۵۸ حدیث ۳۲۱۶، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۲۲۵

[5] معالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن تحت قولہ تعالٰی ومن الیل فتھجد بہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۷۴

حلیہ میں قاضی حسین سے ہے:

انه فی الاصطلاح صلٰوۃ التطوع فی اللیل بعد النوم[1]۔	اصطلاح میں رات کو سونے کے بعد نوافل کی ادائیگی کو تہجد کہاجاتاہے۔(ت)

ولہذا ردالمحتار میں فرمایا:

صلٰوۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التھجد[2]۔	رات کی نماز اور قیام لیل تہجد سے عام ہے۔(ت)

یہ مستحب سے زائد نہیں ورنہ سونا بھی سنت موکدہ ہوجائے اور شب بیداری گناہ ٹھہرے کہ تہجد سنت موکدہ ہوئی اور وہ بے نوم حاصل نہیں ہوسکتی اور سنت مؤکدہ کا حصول جس پر موقوف ہے وہ سنت مؤکدہ ہے لان حکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ (کیونکہ مقدمہ کا حکم وہی ہوتاہے جواس پر موقوف ہونے والے کا ہے۔ت) اور سنت مؤکدہ کاترک مطلقًا یابعد عادت گناہ اور بعد اصرار کبیرہ شب بیداری کی غایت یہ تھی کہ مستحب ہوتی مگرجب وہ ترک سنت مؤکدہ کی موجب تو مستحب کیسی، مکروہ وممنوع ہونی لازم، کوئی مستحب کیسی ہی فضیلت والا ہو جب کسی سنت مؤکدہ کے فوت کا موجب ہو مستحب نہیں ہوسکتا مذموم ہوگا، ہمارے امام مذہب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پینتالیس ۴۵ برس عشاکے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، کیا معاذاللہ پینتالیس ۴۵ سال کامل ترک سنت مؤکدہ پراصرارفرمایا، فقد ظھر الحق واسفر الفلق وبقیہ الکلام فی تلك الرسالۃ والحمدللہ رب الجلالۃ (حق واضح ہوگیا صبح طلوع ہوگئی اور بقیہ کلام ہمارے اس مذکورہ رسالہ میں ہے، حمد ہے صاحب جلال رب کی۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے یامسجد میں؟ اور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کس طرح تھی یا کوئی عادت نہ تھی؟ بلکہ کبھی گھر میں پڑھتے کبھی مسجد میں؟ اور روافض کی مشابہت اور رفض کی تہمت سے بچنے کو مسجد میں پڑھنا ضرورلازم ہے یانہیں؟ اور حدیثوں میں جو گھر میں پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی وہاں صرف نوافل ہیں یا سنتیں بھی؟

الجواب:

ومن اللہ سبحٰنہ، توفیق الصدق والصواب تراویح وتحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار مطلب فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴

سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر موکدہ گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثواب اکمل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بالصلٰوۃ فی بیوتکم فان خیرصلٰوۃ المرء فی بیتہ الاالمکتوبۃ[1]۔ رواہ البخاری ومسلم۔	تم پرلازم ہے گھروں میں نماز پڑھنا کہ بہتر نماز مرد کیلئے اس کے گھر میں ہے سوافرض کے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں:

صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھذاالا المکتوبۃ[2]۔ رواہ ابوداؤد۔	نماز مرد کی اپنے گھر میں میری اس مسجد میں اس کی نماز سے بہتر ہے مگر فرائض۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

اور خود عادت کریمہ سید المرسلین کی اسی طرح تھی۔ احادیث صحیحہ سے حضور والا کا تمام سنن کاشانہ فلک آستانہ میں پڑھنا ثابت۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گھر میں چار رکعت ظہر سے پہلے پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں رونق افروز ہو کر دو۲ رکعتیں پڑھتے، اور مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں جلوہ فرماہوتے اور دو رکعتیں پڑھتے، اور عشا کی امامت کرکے گھر میں آتے اور دو رکعتیں پڑھتے، جب صبح چمکتی دو رکعتیں پڑھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نماز فجر پڑھاتے۔

اخرج مسلم فی صحیحہ وابوداؤد فی السنن واللفظ لمسلم عن عبداللہ بن شقیق قال سألت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا عن صلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن تطوعہ فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظھر اربعا، ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل	مسلم نے صحیح میں اور ابوداؤد نے سنن میں روایت کیاہے مسلم کے الفاظ ہیں کہ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نفلی نماز کے بارے میں پوچھا توانہوں نے فرمایا میرے حجرے میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات ادافرماتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلوۃ النافلۃ فی بیتہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۶۶
[2] سنن ابوداود باب صلوۃ الرجل التطوع فی بیتہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۴۹

فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین، ثم ذکرت صلٰوۃ اللیل والوتر الٰی ان قالت وکان اذا طلع الفجر صلی رکعتین[1] زاد ابوداؤد ثم یخرج فیصلی بالناس صلٰوۃ الفجر[2]۔	لوگوں کو جماعت کرواتے پھر حجرے میں جلوہ افروز ہوتے تو دو رکعت پڑھتے، جب مغرب کی نماز کی جماعت کرواتے پھر حجرہ میں تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے، لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعات ادا کرتے۔ پھر انہوں نے رات کی نماز اور وتر کا ذکر کرتے ہوئے کہا جب طلوع فجر ہو جاتی تو آپ دو رکعات ادا کرتے۔ سنن ابوداؤد میں یہ اضافہ ہے پھر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے۔ (ت)

اسی طرح سنن جمعہ کامکانِ جنت نشان ہی پڑھنا، صحیحین میں مروی زمانہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لوگ مغرب کے فرض پڑھ کر گھروں کو لَوٹ جاتے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی شخص نہ رہتا گویا وہ بعد مغرب کچھ پڑھتے ہی نہیں،

فی الفتح عن السائب بن یزید قال لقد رأیت الناس فی زمن عمر بن الخطاب اذا انصرفوا من المغرب انصرفوا جمیعا حتی لایبقی فی المسجد احد کانھم لایصلون بعد المغرب حتی یصیرون الٰی اھلیھم[3]۔	فتح میں سائب بن یزید سے ہے کہ میں نے دورِ فاروقی میں لوگوں کو مغرب کے بعد اکٹھے لَوٹتے ہوئے دیکھا حتی کہ کوئی مسجد میں باقی نہ رہتا، گویا وہ مغرب کے بعد کوئی نماز ادا نہ کرے یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں میں چلے جاتے۔

سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ مغرب کے فرض پڑھ کر مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے ارشاد فرمایا: یہ نماز گھر میں پڑھا کرو۔

اخرج ابوداؤد والترمذی والنسائی	ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلٰوۃ النافلۃ فی بیتہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۶۶

[2] سنن ابوداؤد باب صلٰوۃ الرجل التطوع فی بیتہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۴۹

[3] فتح القدیر باب ادراک الفریضہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

بن عجرہ سے، اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالاشہل مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے مغرب کی نماز ادا کی جب لوگ فرائض پڑھ چکے تو آپ نے انہیں نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ گھروں کی نماز ہے، ترمذی اور نسائی کے الفاظ ہیں کہ تم یہ نماز اپنے گھروں میں ادا کرو۔ ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: یہ دو رکعات تم اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ (ت)	عن کعب بن عجرۃ وابن ماجۃ عن حدیث رافع بن خدیج والسیاق لابی داؤد قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتی مسجد بنی عبدالاشهل فصلی فیه المغرب فلما قضوا صلٰوتهم راھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلٰوۃ البیوت[1] ولفظ الترمذی والنسائی علیکم بھذہ الصلٰوۃ فی البیوت[2]، وابن ماجۃ ارکعوا ھاتین الرکعتین فی بیوتکم[3]۔

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

جب لوگوں نے فرض نماز ادا کرلی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انہیں فرائض کے بعد نوافل یعنی سنن مغرب کو مسجد میں ادا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ سنن مغرب یامطلقًا نماز نفل گھروں کی نماز ہے انہیں گھروں مین ادا کرنا چاہئے نہ کہ مسجد میں۔ واضح رہے کہ فرض کے علاوہ نوافل گھر میں ادا کرنے چاہئیں۔ سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہی عمل تھا البتہ کسی سبب یاعذر کی صورت مستثنٰی ہے خصوصًا نماز مغرب کی سنن مسجد میں ادا نہ کی جائیں، بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کسی نے سنن مغرب مسجد میں ادا کیں تو سنت واقع نہ ہوں گی اور بعض کے نزدیک ایسا آدمی	ہرگاہ تمام کردند مردم نماز فرض را دید آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایشاں راکہ نماز نفل می گزارند کہ مراد بوے سنت مغرب است بعد از فرض یعنی درمسجد پس گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایں یعنی سنت مغرب یامطلق نماز نفل نماز خانہا است کہ درخانہا باید گزارد نہ درمسجد بدانکہ افضل آنست کہ نماز نفل غیرفرض درخانہ بگزارند ہمچنیں بود عملے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مگربسببے یاعذرے خصوصًا سنت مغرب کہ ہرگز درمسجد نگزارد و بعضے از علما گفتہ اند کہ اگرسنت مغرب را درمسجد بگزارد از سنت واقع نمی شود و بعض

[1] سنن ابوداؤد باب رکعتی المغرب این تصلیان مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۴

[2] کنزالعمال حدیث ۱۹۴۲۳، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۳۸۶

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی رکعتین بعد المغرب، سعید کمپنی کراچی ص ۸۳

گفتہ اند کہ عاصی می گرد واز جہت مخالفت امر کہ ظاہر ش در وجوب است و جمہور برآنند کہ امر برائے استحباب است[1]۔ الخ	گنہگار بھی ہوگا کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (جس سے ظاہر وجوب ہے) کی مخالفت کی ہے اور جمہور کے نزدیک یہاں امر استحباب کے لئے ہے الخ (ت)

گا ہے اگر بعض سنن مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو علماء فرماتے ہیں وہ کسی عذر وسبب سے تھا کما مر عن الشیخ وبمثلہ قال العلامۃ ابن امیر الحاج فی شرح المنیۃ (جیسا کہ شیخ کے حوالے سے گزرا اسی کی مثل علامہ ابن امیر الحاج نے شرح منیہ میں فرمایا۔ت) معہذا ترک احیانًا منافی سنیت واستحباب نہیں بلکہ اس کا مقرر ومؤکد ہے کہ مواظبت محققین کے نزدیک امارت وجوب کمافی البحر وغیرہ (جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ت) علاوہ بریں اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دائمًا سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھی ہوتیں، تاہم بعد اس کے کہ حضور ہم سے ارشاد فرما چکے "فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنی چاہئیں" اور فرمایا "ماورائے فرائض اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" بلکہ مسجد میں پڑھتے دیکھ کر وہ ارشاد فرمایا کہ "نماز گھروں میں پڑھا کرو" کما مر کل ذلك (جیسا کہ یہ سب کچھ پیچھے گزرا ہے۔ت) تو ہمارے لئے بہتر گھر ہی میں پڑھنے میں رہے کہ قول فعل پر مرجح ہے اور ان احادیث میں نماز سے صرف نوافل مطلقہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ماورائے فرائض میں سنن بھی داخل، اور قضیہ مسجد بنی عبد الاشہل کا خاص سنن مغرب میں تھا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) اسی طرح فقہاء بھی عام حکم دیتے اور نوافل کی تخصیص نہیں کرتے، ہدایہ میں ہے:

والافضل فی عامۃ السنن والنوافل المنزل وھو المروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	تمام سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے اور یہ بات رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

عامتھم علی اطلاق الجواب کعبارۃ الکتاب وبہ افتی	عام فقہا نے عبارتِ کتاب (ہدایہ) کی طرح مطلقًا جواب دیا ہے اور فقیہ ابو جعفر نے اسی پر

[1] اشعۃ اللمعات باب من صلی صلوٰۃ مرتین، فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۰۳

[2] الہدایۃ جز اول باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۳۲

الفقیہ ابوجعفر قال الا ان یخشی ان یشتغل عنہا اذا رجع فان لم یخف فالافضل البیت[1]۔	یہ کہتے ہوئے فتوی دیا ہے مگر اس صورت میں کہ جب کسی مشغولیت کی بناپر گھرلوٹ کرنوافل کے فوت ہوجانے کاخطرہ ہو(تومسجد میں ہی پڑھ لے) ہاں اگر خوف نہ ہو توگھرمیں اداکرنا افضل ہے(ت)

شرح صغیر میں ہے:

ثم السنۃ فی سنۃ الفجر وکذا فی سائر السنن ان یاتی بہا اما فی بیتہ وھو الافضل، اوعند باب المسجد واما السنن التی بعد الفریضۃ فان تطوع بہا فی المسجد فحسن وتطوعہ بہا فی البیت افضل، وھذا غیرمختص بما بعد الفریضۃ بل جمیع النوافل ماعدا التراویح و تحیۃ المسجد الافضل فیہا المنزل لماروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یصلی جمیع السنن والوتر فی البیت[2] ھ ملخصا۔	پھرسنت، سنن فجر میں اسی طرح بقیہ سنن میں کہ ان کو گھر میں اداکرے اور یہ ہی افضل ہے یادروازۂ مسجد کے پاس اداکرے۔ رہیں وہ سنتیں جو فرائض کے بعد ہیں اگر مسجد میں اداکرے تو بھی ٹھیک اور اگر گھرمیں اداکرے توزیادہ بہتر ہے، اور یہ صرف ان سنن کامعاملہ نہیں جوفرائض کے بعد ہیں بلکہ تراویح وتحیۃ المسجد کے علاوہ باقی تمام نوافل کو گھرمیں اداکرنا افضل ہے کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنن ووتر کو گھرمیں ہی ادافرماتے تھے اھ تلخیصًا(ت)

اور جب ثابت ہوچکا کہ سنن ونوافل کا گھرمیں پڑھنا افضل، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت طیبہ، اور حضور نے یونہی ہمیں حکم فرمایا توبخیال مشابہت روافض اُسے ترک کرناکچھ وجہ نہ رکھتاہے۔ اہل بدعت کاخلاف ان کی بدعت یاشعارخاص میں کیاجائے نہ یہ کہ اپنے مذہب کے امورِخیر سے جوبات وہ اختیار کریں ہم اسے چھوڑتے جائیں آخر رافضی کلمہ بھی توپڑھتے ہیں، بالجملہ اصل حکم استحبابی یہی ہے کہ سنن قبلیہ مثل رکعتین فجر ورباعی ظہروعصروعشا مطلقًا گھرمیں پڑھ کر مسجد کوجائیں کہ ثواب زیادہ پائیں، اور سنن بعدیہ مثل رکعتین ظہرومغرب وعشاء میں جسے اپنے نفس پراطمینان کامل حاصل ہو

---

[1] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۲۰۴،۵

کہ گھر جاکر کسی ایسے کام میں جو اسے ادائے سنن سے باز رکھے مشغول نہ ہوگا وہ مسجد سے فرض پڑھ کر پلٹ آئے اور سنتیں گھر ہی میں پڑھے تو بہتر، اور اس سے ایک زیادتِ ثواب یہ حاصل ہوگی کہ جتنے قدم بارادۂ بادائے سنن گھر تک آئے گا وہ سب حسنات میں لکھے جائیں گے۔

قال تبارك وتعالٰی وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۠﴿۱۲﴾ [1]۔	اللہ تبارک وتعالٰی کافرمان ہے: ہم لکھ رہے ہیں جوانہوں نے آگے بھیجا اور جونشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر شیئ کو ہم نے کتاب مبین میں شمار کررکھاہے۔(ت)

اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظ افضیلت میں اصل نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی افضیلت صلٰوۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نماز وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے کمافی کتب الفقہ (جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔ت) مگر اب عام عمل اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادت قوم کی مخالفت موجب طعن وانگشت نمائی وانتشار ظنون وفتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں: **الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ** (معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳۴: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نفل کاسوائے تراویح ونماز کسوف وخسوف بجماعت منسوخ ہونا تو معلوم ہے لیکن بعض مشائخ کے یہاں جو باعتبار کسی کسی کتاب کے بعد نمازیں نفل کی مثلاً صلٰوۃ قضائے عمر (۴ نفل قبل آخری جمعہ کے) اور نفل شب برات بجماعت ہوتے ہیں ان کی اصل ہے، جواز کس بناپر ہے اور ممانعت کیوں ہے، جن فتاوٰی کی روسے جواز نکالا ہے وہ کہاں تک معتبر ہے؟ (۲) نفل یوم عاشورہ ہم کو پڑھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی مکروہ ہے۔اسی حکم میں

---

[1] القرآن ۳۶/ ۱۲

نماز خسوف بھی داخل کہ وہ بھی تنہا پڑھی جائے اگرچہ امام جمعہ حاضر ہو[1] کما فی الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی (جیسے کہ شامی نے اسمٰعیل سے اور انہوں نے برجندی سے نقل کیا ہے۔ت) حلیہ میں ہے:

اما الجماعة فی صلٰوۃ الخسوف فظاھر کلام الجم الغفیر من اھل المذھب کراھتھا[2] الخ	رہا صلٰوۃ خسوف کی جماعت کے بارے میں حکم تو اہل مذہب کے جم غفیر کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ یہ مکروہ ہے الخ (ت)

صرف تراویح وصلٰوۃ الکسوف وصلٰوۃ الاستسقاء مستثنٰی ہیں

وذلك بوفاق ائمتنا علی الاصح فالخلف فی الاخیر فی الاستنان دون الجواز[3] کما صرح به فی الدر المختار۔	اصح مذہب کے مطابق ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے، اختلاف آخری (صلٰوۃ الاستسقاء) کے مسنون ہونے میں ہے نہ کہ جواز میں، جیسے کہ در مختار میں تصریح ہے(ت)

تداعی مذہب اصح میں اس وقت متحقق ہوگی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں دو تین تک کراہت نہیں،

فی الدر یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر[4] اھ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فی اقتداء ثلثة الاصح عدم الکراھة[5]۔	در مختار میں ہے یہ مکروہ ہے اگر علٰی سبیل التداعی ہو مثلاً چار آدمی ایک کی اقتداء کریں جیسا کہ درر میں ہے اھ، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اگر تین نے ایک کی اقتداء کی تو اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔(ت)

نماز قضائے عمری کہ آخر جمعہ ماہ مبارک رمضان میں اس کا پڑھنا اختراع کیا گیا اور اس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نماز سے عمر بھر کی اپنی اور ماں باپ کی بھی قضائیں اُتر جاتی ہیں محض باطل و

---

[1] ردالمحتار، باب الکسوف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] در مختار باب الاستسقاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۸

[4] در مختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح مطبوعہ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ص ۲۱۱

بدعت سیئہ شنیعہ ہے کسی کتاب معتبر میں اصلًا اس کانشان نہیں، نمازشب برات اگرچہ مشائخ کرام قدست اسرارہم نے بجماعت بھی پڑھی، قوت القلوب شریف میں ہے:

یستحب احیاء خمس عشرۃ لیلۃ (الی قولہ) لیلۃ النصف من شعبان وقد کانوا یصلون فی ھذہ اللیلۃ مائۃ رکعۃ بالف مرۃ قل ھواللہ احد، عشرا فی کل رکعۃ ویسمون ھذہ الصلٰوۃ صلٰوۃ الخیر ویتعرفون برکتھا ویجتمعون فیھا وربما صلوھا جماعۃ[1]۔	پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کرفرمایا) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرہویں رات ہے کہ اس میں شب بیداررہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سَو رکعت ہزارمرتبہ قل ھواللہ احد کے ساتھ اداکرتے ہر رکعت میں دس دفعہ قل ھواللہ احد پڑھتے، اس نماز کانام انہوں نے صلٰوۃ الخیر رکھاتھا، اس کی برکت مسلمہ تھی، اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیانًا نماز کو باجماعت اداکرتے تھے (ت)

اوریہی علمائے تابعین سے لقمان بن عامر وخالد بن معدان اور ائمہ مجتہدین سے اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کاہے مگرہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کامذہب وہی ہے کہ جماعت بتداعی ہوتومکروہ ہے

کما نص علیہ فی البزازیۃ والتتارخانیۃ والحاوی القدسی والحلیۃ والغنیۃ ونورالایضاح ومراقی الفلاح والاشباہ وشروحھا والدرالمختار وحواشیہ وغیرذلك من الکتب المعتمدۃ۔	جیسا کہ اس پر بزازیہ، تتارخانیہ، الحاوی القدسی، حلیہ، غنیہ، نورالایضاح، مراقی الفلاح، الاشباہ اوراس کی شروح، درمختار اور اس کے حواشی، اور اس کے علاوہ دیگر معتمد کتب میں تصریح ہے (ت)

(۲) عاشوراایام فاضلہ سے ہے اور نماز بہترین عبادات اور اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کی تکثیر قطعًا مطلوب ومندوب مگراس دن نوافل معینہ بطریق مخصوصہ میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے علماء اسے موضوع وباطل بتاتے ہیں کما صرح بہ ابن الجوزی فی موضوعاتہ واقرہ علیہ فی اللآلی (اس کی تصریح ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں کی اور امام سیوطی نے اللآلی میں

[1] قوت القلوب فصل العشرون فی ذکراحیاء اللیالی مطبوعہ دارصادر بیروت ۱/۶۲

اسے ثابت رکھا ہے۔ت) موضوعات کبیر ملا علی قاری میں ہے: صلٰوۃ عاشوراء موضوع بالاتفاق[1] (عاشورا کی نماز بالاتفاق موضوع ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۶: از علاقہ جاگل تھانہ ہری پور کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ شیر محمد شیخ ۱۷/ رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں نیت وتر کی کرے یا واجب کی یا سنت کی یا کیا؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

وتر کی نیت تو ضرور ہی ہے پھر چاہے اسی قدر پر قناعت کرے اور بہتر یہ ہے کہ وتر واجب کی نیت کرے کہ ہمارے مذہب میں وتر واجب ہی ہیں اور اگر سنت بمعنی مقابل واجب کے نیت کی تو ہمارے امام کے نزدیک وترادا نہ ہوں گے۔

فی الدر المختار لابد من التعیین عند النیۃ لفرض انہ ظہر اوعصر وواجب انہ وتر اونذر[2] اھ مختصرا وفی ردالمحتار ای لایلزمہ تعیین الوجوب وان کان حنفیا ینبغی ان ینویہ لیطابق اعتقادہ[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے نیت کے وقت اس بات کا تعین کہ یہ فرض ہے مثلاً یہ ظہر وعصر کی نماز ہے یا واجب مثلاً وتر یا نذر کی نماز ہے ضروری ہے اھ اختصاراً، اور ردالمحتار میں ہے کہ تعین وجوب لازم نہیں، ہاں اگر وہ حنفی ہو تو مناسب یہی ہے کہ اس کی نیت کرے تاکہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق ہو جائے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳: از ملک بنگالہ ضلع چاٹگام ڈاکخانہ جلدی مرسلہ محمد حبیب اللہ صاحب ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب در مالابدمنہ آوردہ اند کہ	اس مسئلہ میں علماء کی کیا رائے ہے کہ مالابدمنہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ذکر کیا ہے کہ

[1] الاسرار المرفوعۃ لملا علی قاری حدیث ۱۱۳۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۸۹
[2] درمختار باب شروط الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۶۷
[3] ردالمحتار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱۹

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز تہجد میں قیام طویل فرماتے حتی کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہوجاتے اور پھٹ جاتے، یہ قول قابل اعتبار ہے یانہیں، متورم ہونا اور پھٹنا دونوں صحاح ستہ سے ثابت ہیں یاصحاح کے علاوہ سے، بعض علماء کایہ کہنا ہے کہ مبارک قدموں کامتورم ہونا توصحاح سے ثابت ہے مگر پھٹ جانا ثابت نہیں، کس کاقول معتبرہے؟ مسئلہ کتاب کے ساتھ بیان کریں اور عطاکرنے والے اللہ تعالٰی سے اجرپائیں۔	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درصلوٰۃ تہجد قیام بسیاری فرمودند حتی کہ درپائے مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورم ومنشق شدہ است، قول مذکور قابل اعتبار است یانہ وورم ومنشق درصحاح ستہ ثابت است یاخارج ازصحاح بعض عالم می گویند کہ ورم قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درصحاح ستہ ثابت است ومنشق ثابت نیست قول کدام کس معتبراست بیّنوا بسند الکتاب وتوجروا من اللہ الوھاب۔

الجواب:

قاضی صاحب کاکلام درست وصحیح ہے اس کاانکار ناواقفیت ہے، پاؤں کامتورم ہونا اور پھٹ جانا دونوں ہی صحاح ستّہ سے ثابت ہیں، یہ خبر سنن ابی داؤد اور جامع صحیح امام بخاری میں مروی ہے کہ ہمیں صدقہ بن فضل انہیں ابن عیینہ انہیں زیاد نے بتایاکہ میں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سناکہ رسالت مآب صلی اللہ حسن بن عبدالعزیزانہیں عبداللہ بن یحیٰی انہیں حیوۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سناکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک متورم ہوگئے،آپ سے عرض کیا گیایارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ! اللہ تعالٰی نےآپ کوان الفاظ کے ذریعے مغفرت وبخشش کی خوشخبری دی ہے لِّیَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ تو	ایں جاسخن قاضی درست وسوی ست انکارش ازنادیدہ روی ست، تورم وانشقاق ہردودرصحاح ستہ خبرایں سنن ابی داؤد مروی ست ودرجامع صحیح امام بخاری ست حدثنا صدقۃ بن فضل اخبرنا ابن عیینہ ثنازیاد انہ سمع المغیرۃ یقول قام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ قد غفراللہ لك ماتقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا[1] حدثنا الحسن بن عبدالعزیز حدثنا عبداللہ بن یحیی اخبرنا حیوۃ عن ابی الاسود

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفرلك اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱۶

انه سمع عروة عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها ان نبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماه فقالت عائشة لم تصنع هذا یارسول الله وقد غفر الله لك ماتقدم من ذنبك وما تأخر قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا[1] الحدیث قال البخاری فی کتاب الصلٰوة تفطر قدماه الفطور الشقوق انفطرت انشقت[2] اھ والله تعالٰی اعلم۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیامیں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ حسن بن عبدالعزیز انہیں عبداللہ بن یحیٰی حیوۃ انہیں ابو الاسود نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عروۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک قدم پھٹ جاتے میں نے عرض کیا یارسول اللہ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو حالانکہ اللہ تعالٰی آپ کے اگلے اور پچھلے معاملات پر مغفرت وبخشش کی ضمانت فراہم کردی ہے۔ توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلٰوۃ میں ذکر کرکے فرمایا: تفطر قدماه الفطور کا معنٰی پھٹ جانا ہے کیونکہ انفطرت اور انشقت دونوں کا معنٰی "پھٹ جانا" ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۸: از بریلی محلّہ صندل خاں کی بزریہ ۲۹ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشاء میں آخری نفل بیٹھ کرپڑھنا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس طور پر ہمیشہ ان لفظوں کو ادافرمایا اور کس طرح پڑھنا باعث زیادتی ثواب ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نفل بیٹھ کرپڑھے مگر ساتھ ہی فرمادیا کہ میں تمہارے مثل

---

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفر لك الله الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۱۶/۲

[2] صحیح البخاری باب قیام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۵۲/۱

نہیں، میرا ثواب قیام وقعود دونوں میں یکساں ہے تو اُمت کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل اور دونا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نمازِ تہجد ادا کرتا ہے لہذا اس کو وتر بعد فراغتِ تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی کی تراویح اتفاق سے کچھ باقی رہ گئی ہیں تو وہ امام کے بعد تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تہجّد پڑھنے والا بعد تراویح وتر پڑھ سکتا ہے بلکہ جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے، جس نے امام کے ساتھ بعض تراویح نہ پائیں تو بعد امام اُن کو پڑھے خواہ وتروں سے پہلے یا بعد، اور اول بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴۰: از ریاست الور راجپوتانہ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی ۲۲ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی چار سنتیں اگر قضا ہو جائیں تو بعد فرض جماعت کے اسے سنت وقت کے اندر قضا کرلے یا نہیں؟ اس میں بھی صاحب ردالمحتار تحریر فرماتے ہیں کہ جمعہ کی سنت مثل سنت ظہر کے نہیں ہیں لہذا گزارش ہے کہ اس کی تحقیق سے بواپسی ڈاک اطلاع بخشی جائے، دوچار علماء سے جو گفتگو ہوئی توانھوں نے جناب کی تحقیق کی طرف توجہ دلائی۔

الجواب:

ہاں وقت میں انہیں ادا کرلے وہ ادا ہوگی نہ کہ قضا، درمختار میں ہے:

بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فانه ان خاف فوت ركعة يتركها ويقتدى ثم ياتى بها على انه سنة فى وقته اى الظهر[1]۔	بخلاف ظہر کی سنت کے، اسی طرح جمعہ کا معاملہ ہے، پس اگر نماز کی ایک رکعت نکل جانے کا خطرہ ہو تو سنن ترک کرکے جماعت میں شامل ہوجانا چاہئے پھر ان سنتوں کو اپنے وقت یعنی ظہر میں ادا کرے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وحكم الاربع قبل الجمعة كالاربع	جمعہ کی پہلی چار سنتوں کا حکم وہی ہے جو ظہر سے

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۰

قبل الظھر کمالایخفی[1]۔	پہلی چار سنتوں کا ہے جیسا کہ واضح ہے (ت)

حاشیہ علامہ خیر الدین الرملی علی البحر الرائق میں فتاوٰی علامہ سراج الدین حانوتی سے ہے:

فعلی ماقالوہ فی المتون وغیرھا من ان سنۃ الظھر تقضی، یقتضی ان تقضی سنۃ الجمعۃ اذلافرق[2] اھ ثم نقل عن روضۃ العلماء ماردہ فی منحۃ الخالق وردالمحتار۔	اس بنا پر کہ جو فقہا نے کہا ہے کہ متون وغیرہ میں ہے کہ ظہر کی سنتیں ادا کی جائیں اس کا تقاضا ہے کہ جمعہ کی سنتیں بھی ادا کی جائیں کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں اھ پھر انہوں نے روضۃ العلماء سے وہ نقل کیا جسے منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں رد کیا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے:

یترك سنۃ الظھر ولوحکما فیدخل فیہ سنۃ الجمعۃ فتقضی علی الخلاف سنۃ الظھر[3]	ظہر کی سنتیں چھوڑدی جائیں اگرچہ ظہر حکمی ہو تو جوازِ ترک میں جمعہ کی سنتیں بھی داخل ہوں گی تو انہیں برخلاف سنت ظہر ادا کیا جائے (ت)

رہا علامہ شامی کا استدلال کہ:

قدیستدل للفرق بینھما بان القیاس فی السنن، عدم القضأ وقد استدل قاضی خاں لقضاء سنۃ الظھر بما عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر قضاھن بعدہ فیکون قضاءھا ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس[4]۔	بعض اوقات ان کے درمیان فرق کے لئے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ سنن میں قضا نہیں، اور قاضی خاں نے ظہر کی سنتوں کی قضا پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اگر ظہر سے پہلے کی چار رکعات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے رہ جائیں تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کے بعد انہیں ادا فرمایا کرتے تھے پس ان کی ادا خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہوئی (ت)

---

[1] بحر الرائق باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۵
[2] حاشیۃ منحۃ الخالق علی البحر الرائق قول حکم الاربع قبل الجمعۃ کے تحت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۷۵
[3] جامع الرموز، فصل ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۲۳
[4] ردالمحتار باب فصل ادراک الفریضۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۱

اس پر فقیر غفرلہ المولیٰ التقدیر نے اپنی تعلیقات میں یہ لکھا:

اقول: فیه ان الحاق سنة الجمعة بسنة الظهر بدلیل المساواۃ فلایضرکون القضاء فیهن علی خلاف القیاس لان الالحاق دلالة لایختص بمعقول المعنی کما نص علیه الامام ابن الهمام وغیرہ من الاعلام بل لقائل ان یقول ان سنة الجمعة من افراد سنة الظهر فلاالحاق فافهم وبالجملة فالاحوط الاتیان بها خروجا عن العهدۃ بیقین[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** جمعہ کی سنتوں کوظہر کی سنتوں کے ساتھ مساوات کی بناء پر لاحق کرنے میں ان کو خلاف قیاس قضا کرنے میں کوئی ضرر نہیں کیونکہ دلالۃً الحاق کے لئے معقول المعنی ہونا ضروری نہیں جس طرح اس پر امام ابن الہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے بلکہ قائل کے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ جمعہ کی سنتیں ظہر کی سنتوں کا ہی فرد ہیں تو پھر کوئی الحاق نہ ہوگا اسے سمجھو، الغرض احتیاط یہی ہے کہ انہیں بجالایا جائے تاکہ ذمہ داری سے بالیقین عہدہ برآ ہوا جاسکے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۱: ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوت جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہر گز نہ پڑھے، ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے، ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدها فلاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراهة النفل بعد الصبح، واما بعد طلوع الشمس فکذالك عندهما وقال محمد احب الی ان یقضیها الی الزوال کما فی الدرر[2] ۔	جب اکیلی سنن رہ گئی ہوں تو بالاجماع طلوع آفتاب سے پہلے انہیں قضانہ کرے کیونکہ اس وقت نفل نماز مکروہ ہے۔ رہا طلوع آفتاب کے بعد کا تو شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے پہلے ان کا ادا کرلینا مجھے پسند ہے جیساکہ درر میں ہے (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ المجمع الاسلامی مبارکپور (انڈیا) ۱/۲۴۳

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۷

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کرانا ہے ناواقفی سے ناشی، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضا ہو گئیں، اُن کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہر گز نہ ہوں گی الاتری الی قولہ لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقدسمی صلٰوتھا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کہا، بالاجماع طلوعِ آفتاب سے پہلے قضانہ کرے، اس میں فرض کے بعد طلوع سے پہلے نماز کو قضا کہا گیا ہے۔ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور یہ جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۲: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نماز فجر کا کرکے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم وآکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدر المختار اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا ترکھا لکون الجماعۃ اکمل[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ سنتوں میں مصروفیت کی بناپر فجر کے فرائض کے فوت ہونے کا خوف ہو تو انہیں چھوڑدیا جائے کیونکہ جماعت ان سے اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

مسئلہ ۱۰۴۳: از مقام یومد قلعہ رام چھاؤنی ڈیرہ اسمٰعیل خاں رجمنٹ نمبر ۸ بنگال ملک وزیرستان مرسلہ عبداللہ خاں صاحب سوار ۱۳ صفر ۱۳۲۰ھ

اے لقائے توجواب ہر سوال

مشکل ازتوحل شود بے قیل وقال

(آپ سے ملاقات بھی ہر سوال کاجواب ہے اور بغیر قیل وقال آپ سے سوال حل ہوجاتا ہے)

بعد تمنا قدمبوسی کے مدعایہ ہے کہ یہاں ہم لوگوں میں ایک حافظ قرآن شریف بہت عمدہ تلاوت کرتے ہیں سب جوانوں کامشورہ ہواکہ حافظ صاحب ہم کو پوراقرآن سنائیں سب کی صلاح سے بعد نمازعشاء پچھلی دورکعت نفل میں دو پارے روزسنائے دس یوم بعد معلوم ہواکہ نفلوں میں جماعت درست نہیں بعد کوسب کی رائے سے عشاء کے فرضوں میں دورکعت پیشتر میں قرآن سنایا ۸ یوم سنا ہوگا کہ بعض نے کہا تمہاری نماز درست نہ ہوئی اب آپ لکھئے کہ کسی طرح قرآن شریف علاوہ رمضان مبارک سنانا درست ہے یانہیں؟ اب سب کہتے ہیں وتروں میں سناؤ اور اب یہ بھی سنا ہے کہ سنتوں میں جماعت درست نہیں ہے پھر کیابندوبست کیاجائے؟ اور جو نماز اس طور پر پڑھی ہے وہ قبول ہوئی یاپھر قضا کریں؟ یہ جگہ پہاڑ ہے ایک قلعہ ہے جس میں ہم قریب سَو جوانوں کے رہتے ہیں۔

الجواب:

استسقاء کے سواہر نماز نفل وتراویح وکسوف کے سواہر نماز سنت میں ایسی جماعت جس میں چار یازیادہ شخص مقتدی بنیں مکروہ ہے اور وتروں کی جماعت غیر رمضان میں اگراتفاقاً کبھی ہوجائے توحرج نہیں مگر التزام کے ساتھ وہی حکم ہے کہ چار یازیادہ مقتدی ہوں توکراہت ہے اور فرضوں میں قرأت طویل قدرسنت سے اس قدرزائد کہ مقتدیوں میں سے کسی شخص پر بار گزرے سخت ناجائز وگناہ ہے یہاں تک کہ اگرہزار مقتدی ہیں اور سب خوشی سے راضی ہیں کہ قرأت قدرسنت سے زیادہ پڑھی جائے مگرایک شخص کو ناگوار ہے تواسی ایک کالحاظ واجب ہوگا اور قدرسنت سے بڑھانا گناہ ہوگا، درمختار میں ہے:

یصلی بالناس من یملك اقامۃ الجمعۃ رکعتین کالنفل وصلوۃ الکسوف سنۃ واختار فی الاسرار وجوبھا واختلف فی استنان صلوۃ	وہ شخص جو جمعہ قائم کرسکتا ہے لوگوں کو مثل نفل کے دو[2] رکعات نماز پڑھاسکتا ہے اور صلوٰۃ کسوف سنت ہے، اور اسرار میں اس کے وجوب کو مختار کہا ہے، نماز استسقاء کے سنت ہونے

الاستسقاء[1] وھو بلاجماعۃ مسنونۃ بل ھی جائزۃ[2] اھ ملتقطا۔	میں اختلاف ہے اور یہ بلاجماعت مسنون بلکہ جائز ہے اھ تلخیصًا(ت)

اُسی میں ہے:

لایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلك الوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کمافی الدرر[3]۔	رمضان کے علاوہ وتر اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادانہ کیاجائے یعنی یہ عمل مکروہ ہے اگر علٰی سبیل التداعی ہو بایں طور کہ چارآدمی کسی ایک کی اقتداء کریں جیساکہ درر میں ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یکرہ ذلك اشار الی ماقالوا ان المراد من قول القدوری فی مختصرہ لایجوز، الکراھۃ لاعدم اصل الجواز لکن فی الخلاصۃ عن القدوری انہ لایکرہ وایدہ فی الحلیۃ بما اخرجہ الطحاوی عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ لیلا فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انی لم اوتر فقام وصفنا وراءہ فصلی بنا ثلث رکعات لم یسلم الا فی اٰخرھن ثم قال ویمکن ان یقال الظاھر	ان کا قول"یکرہ ذلک" علماء کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جوانہوں نے فرمایا کہ قدوری کے اپنی مختصر میں قول"لایجوز"کامعنی یہ ہے کہ کراہت ہے نہ کہ اصل جواز معدوم ہے لیکن خلاصہ میں قدوری سے ہے کہ یہ مکروہ نہیں، اور اس کی تائید حلیہ میں اس روایت سے کی ہے جو طحاوی نے حضرت مِسْوَر بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کورات کو دفن کیاتو حضرت عمررضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں نے ابھی وترنہیں پڑھے،آپ کھڑے ہوئے توہم نے ان کے پیچھے صف بنالی توانہوں نے ہمیں تین رکعات پڑھائیں اوران کے آخرمیں سلام پھیرا، پھرکہاکہ یہ کہنا

[1] درمختار باب الکسوف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۸۔۱۱۷

[2] درمختار باب الاستسقاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۸

[3] درمختار آخر باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

ان الجماعة فیه غیرمستحبة، ثم ان کان ذلك احیانا کما فعل عمر رضی الله تعالٰی عنه کان مباحا غیرمکروہ، وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث وعلیه یحمل ماذکرہ القدوری فی مختصرہ وماذکرہ فی غیرمختصرہ یحمل علی الاول[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ممکن ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ وتروں میں جماعت غیر مستحب ہے، اور اگر یہ بعض اوقات ہو تو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا تو یہ مباح غیر مکروہ ہے، اور اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت ومکروہ ہے کیونکہ منقول کے خلاف ہے اور مختصر قدوری میں جو مذکور ہے اسے بھی اسی پر محمول کیاجائے گا اور مختصر کے علاوہ میں جو مذکور ہے اسے پہلی صورت پر محمول کیاجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ تحریما تطویل الصلٰوة علی القوم زائدا علی قدرالسنة[2] الخ وتمام الکلام علیه فی ردالمحتار والحلیة وغیرهما وبالبحث والتنقیر یظهر ما ذکرنا۔	نماز کا مقتدیوں پر قدرِ سنت سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ تحریمی ہے، الخ اس پر تفصیلی کلام ردالمحتار اور حلیہ وغیرہ میں موجود ہے اور بحث وتمحیص سے وہ ظاہر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

پس اگر اس کا بندوبست منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ فرضوں کی دو رکعت پیشیں میں قرأت ہو اس شرط پر کہ جماعت کے آدمی گنے بندھے ہوں اور وہ سب دل سے اس تطویل پر راضی ہوں کسی کو گراں نہ گزرے،

ان الله لایمل حتی تملوا[3] کما فی الصحیح عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اللہ تعالٰی ملال نہیں دیتا یہاں تک کہ تم ملال میں ہو جاؤ، جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے (ت)

اگر یہ معدود لوگ راضی ہوں مگر جماعت میں یہی معین نہیں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جاتے ہیں اور اُن کا اس تطویل پر راضی ہونا معلوم نہیں تو جائز نہ ہوگا حذرا عن الوقوع فی الحرام (حرام میں واقع ہونے

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۸/۲
[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۸۳/۱
[3] سنن ابوداؤد باب مایؤمر بہ من القصد فی الصلٰوۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۹۴/۱

سے بچنے کے لئے۔ت)

(۲) سنتوں، نفلوں، وتروں میں حافظ قرأت کرے اور ہر بار مختلف لوگ مقتدی ہوں کہ کسی بار میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں مثلاً عشاء کے بعد دوسنتوں مین تین مقتدیوں کے ساتھ آدھا پارہ پڑھ لیا پھر وتروں میں دوسرے تین آدمی شریک ہوگئے آدھاان میں پڑھا پھر نفلوں میں دوسرے تین مل گئے آدھااب پڑھا یاوتروں سے پہلے جتنے نفل چاہے امام نے مختلف تین تین آدمیوں کے ساتھ پڑھے کہ سَو یازیادہ شخص سب کو حصہ رسدایک قرأت طویل میں شرکت پہنچ گئی۔

(۳) سنتوں خواہ نفلوں میں سب مقتدی ایک ساتھ شریک ہوکر ایک ہی بار میں ساری قرأت سب سنیں مگریوں کہ مقتدی سب یا تین سے جتنے زیادہ ہیں یوں منت مان لیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی کہ یہ رکعتیں اس امام کے ساتھ باجماعت ادا کروں اس صورت میں بھی کراہت نہ رہے گی اگرچہ کوئی ایسی پسندیدہ بات یہ بھی نہیں، درمختار میں ہے:

فی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب وبرائۃ وقدر الااذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام جماعۃاھ قلت وتتمۃ عبارۃ البزازیۃ من الامامۃ ولاینبغی ان یتکلف کل ھذا التکلف لامر مکروہ[1] اھ ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشباہ میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے کہ نماز رغائب اور برائۃ (شب برات کی نماز) اور قدر (شبِ قدر کی نماز) میں اقتداء مکروہ ہے مگراس صورت میں جب کوئی یوں کہے کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی ہے کہ میں اس امام کی اقتداء میں یہ رکعتیں ادا کروں گا اھ قلّت بزازیہکے باب الامامت میں اختتامی عبارت یوں ہے کہ اس امر مکروہ کے لئے یہ تمام تکلّفات مناسب نہیں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۴۴: ازاحمدآباد گجرات دکن محلّہ مرزاپورمدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب ۲۲ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نزدیک امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علمائے حنفیّہ کی نماز تہجد کی ساتھ جماعت کے پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ اور دیگر ایام مخصوصہ مثلاً یومِ عاشوراوغیرہ میں نفل جماعت سے جائز ہیں یانہیں؟ اور یہاں کے مولوی نماز تہجد کی جماعت سے پڑھنااز حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

---

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

منصوص کہتے ہیں اور وقت تہجد کے جماعت بھی کرتے ہیں، آیا جماعت تہجّد اور نفلوں کی کرنا مستحب یا سنت کیا ہے؟ اور جبکہ برعکس ہو تو کیا مکروہ ہے یا بدعت ہے یا کیا ہے؟ **اللھم اھدنا بینوا بحکم الکتاب توجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامہ کتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے اور اس کی تحدید امام نسفی وغیرہ نے کافی میں یوں فرمائی کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلاکراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بلااتفاق مکروہ، یہ تحدید امام شمس الائمہ سے منقول ہے کافی کا نص عبارت یہ ہے:

(لایصلی تطوع بجماعۃ الاقیام رمضان) وعن شمس الائمۃ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی امالو اقتدی واحد بواحد اواثنان بواحد لایکرہ واذا اقتدی ثلثۃ بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقا[1]۔	(نفل جماعت کے ساتھ ادانہ کئے جائیں مگر رمضان کا قیام) شمس الائمہ سے یوں منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اس صورت میں مکروہ ہے جب علٰی سبیل التداعی ہو، اگر ایک نے ایک کی اقتداء کی یا دو نے ایک کی تو کراہت نہیں، اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار نے ایک کی اقتداء کی تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔(ت)

اور اصح یہ ہے کہ تین مقتدیوں میں بھی کراہت نہیں، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قولہ اختلف فیہ والاصح عدم الکراھۃ[2]۔	ان کا قول "اختلف فیہ" اس میں اصح یہ ہے کہ کراہت نہیں۔(ت)

مگر انہیں امام شمس الائمہ سے خلاصہ وغیرہ میں یوں منقول کہ تین مقتدیوں تک بالاتفاق کراہت نہیں

[1] بحوالہ خلاصۃ الفتاوی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتدائ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح آخر باب الوتر مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۱

چار میں اختلاف ہے اور اصح کراہت۔ فتاوٰی خلاصہ کا نص عبارت کتاب الصلوٰۃ فصل خامس ۱۵ عشر میں یہ ہے:

اصل ھذا ان التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشھید اما اذا صلی بجماعۃ بغیر اذان واقامۃ فی ناحیۃ المسجد لایکرہ وقال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالٰی ان کان سوی الامام ثلثۃ لایکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ[1]۔	اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علٰی سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی اصلمیں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان و تکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور اصح کراہت ہے(ت)

بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلاف نقل و مشائخ، اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے، تومذہب مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں، ولہٰذا درر و غرر پھر درمختار میں فرمایا:

یکرہ ذلك لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد[2]۔	اگر نفل کی جماعت علٰی سبیل التداعی ہو بایں طور پر کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے(ت)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولٰی لمخالفۃ التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ت) نہ تحریمی کہ گناہ و ممنوع ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی الحلیۃ الظاھر ان الجماعۃ فیہ غیرمستحبۃ ثم ان کان ذلك احیانا کان مباحا غیرمکروہ وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث ھو یؤید ایضا مافی البدائع من قولہ	حلیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہ ہے اھ اس کی تائید بدائع کے اس قول سے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس عشرالخ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۴

[2] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان ھ فان نفی السنیة لایستلزم الکراھة ثم ان کان مع المواظبة کان بدعة فیکرہ وفی حاشیة البحر للخیر الرملی علل الکراھة فی الضیأ والنھایة بان الوتر نفل من وجه والنفل بالجماعة غیرمستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غیررمضان ھ وھو کالصریح فی انھا کراھة تنزیه تأمل[1] اھ اھ مختصرا۔	بھی ہوتی ہے کہ جماعت، قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفی سنیت کراہت کو مستلزم نہیں پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت ومکروہ ہوگی، خیر رملی نے حاشیہ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصارًا (ت)

صلوٰۃ الرغائب وصلوٰۃ البرائۃ وصلوٰۃ القدر کہ جماعات کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلاد اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں ولہٰذا وجیز کردری میں بعد بحث وکلام فرمایا:

فلوترك امثال ھذہ الصلوات تارك لیعلم الناس انه لیس من الشعار فحسن[2]۔	اگر نمازوں کو کوئی اس لئے ترک کرتا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ شعار اسلام نہیں تو یہ اچھا کام ہے۔ (ت)

اور بعض ناس کا غلو وافراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجب وضع نہیں نہ وضع حدیث موجبِ منع عمل ہے، عمل بالحدیث الموضوع اور عمل بمافی الحدیث الموضوع میں زمین آسمان کا بل ہے کما حققنا کل ذلك فی منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین (جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تحقیق رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں کی ہے۔ت) خصوصا ان کا فعل بجماعت اجلہ اعاظم اولیائے کبار وعلمائے ابرار حتی کہ ایک جماعت تابعین کرام وائمہ مجتہدین اعلام سے ثابت ومنقول ہے، لطائف المعارف امام حافظ زین الدین ابن رجب میں ہے:

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] فتاوٰی بزازیہ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۴

لیلة النصف من شعبان کان التابعون من اھل الشام کخالد بن معدان و مکحول ولقمان بن عامر وغیرھم یعظمونھا ویجتھدون فیھا فی العبادة وعنھم اخذالناس فضلھا وتعظیمھا، وقدقیل انه بلغھم فی ذلك اٰثار اسرائیلیة، فلما اشتھر ذلك عنھم فی البلدان اختلف الناس فی ذلک، فمنھم من قبله ووافقھم علی تعظیمھا منھم طائفة من عباد اھل البصرة وغیرھم، وانکرذلك اکثرالعلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکة وعبد الرحمٰن بن زید بن اسلم عن فقھاء المدینة، وھو قول اصحاب مالك وغیرھم وذلك کله بدعة، واختلف علماء اھل الشام فی صفة احیائھا علی قولین احدھما انه یستحب احیاؤھا جماعة فی المساجد کان خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرھما یلبسون فیھا احسن ثیابھم ویتبخرون و یکتحلون و یقومون فی المساجد لیلتھم ذلك و وافقھم اسحق بن راھویة علی ذلک[1] وقد ذکر بعده القول الاخر وھو کراھة الجماعة دون الانفراد وان علیه امام الشام الاوزاعی لکن فیه سقطاً فی نسختی	یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول و لقمان بن عامر وغیرہم شب برات کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے، کوئی کہتا ہے انہیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے، خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہوگئے ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برات کے موافق ہوئے ان میں سے ایک گروہ عابدین اہل بصرہ وغیرہم ہیں، اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا اُن میں سے ہیں امام عطاء وابن ابی ملیکہ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرہم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے، علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے، خالد بن معدان و لقمان بن عامر وغیرہما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے، بخور کا استعمال کرتے، سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ، دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ لیکن میرے پاس موجود نسخہ سے

[1] لطائف المعارف المجلس الثانی فی ذکر نصف شعبان دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۳

فلم یتیسرلی نقلہ ویتضح بما اذکرہ عن الشرنبلالی فانہ انما اخذہ عنہ۔	کچھ عبارت ساقط ہے اس کی عبارت نقل کرنا میسر نہیں اس کی وضاحت اس سے ہو جائے گی جسے میں شرنبلالی کے حوالے سے ذکر کر رہا ہوں کیونکہ انہوں نے اس سے اخذ کیا ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

انکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل مدینۃ واصحاب مالك وغیرھم وقالوا ذلك کلہ بدعہ ولم ینقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولاعن اصحابہ احیاء لیلتی العید جماعۃ واختلف علماء الشام فی صفۃ احیاء لیلۃ النصف من شعبان علی قولین احدھما انہ استحب احیاؤہ بجماعۃ فی المسجد طائفۃ من اعیان التابعین کخالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقھم اسحٰق بن راھویۃ والقول الثانی انہ یکرہ الاجتماع لھا فی المساجد للصلٰوۃ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم[1]۔	اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ان میں سے ہیں امام عطاء وابن ابی ملیکہ وفقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرہم۔ یہ علماء کہتے یہ سب نوپیدا ہے۔ نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے، اور علماء شام بیداری شب برات میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے یہ قول اہل شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ (ت)

شیخ محقق اعلم علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں حدیث صلٰوۃ الرغائب پر محدثین کا کلام ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

ھذا ماذکرہ المحدثون علی طریقھم فی تحقیق	یعنی وہ کلام ہے کہ محدثین نے اپنے طریقہ تحقیق اسناد

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح آخر باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۔۲۱۹

الاسانید ونقد الاحادیث وعجبا منھم ان یبالغوا فی ھذا الباب ھذہ المبالغۃ و یکفیھم ان یقولوا لم یصح عندنا ذلك و واعجب من الشیخ محی الدین النووی مع سلوکہ طریق الانصاف فی الابواب الفقھیۃ وعدم تعصبہ مع الحنفیۃ کماھو داب الشافعیۃ فمانحن فیہ اولی بذلك لنسبۃ الی المشائخ العظام والعلماء الکرام قدس اسرارھم[1]۔	وتنقید آثار پر ذکر کیا اور ان سے اس قدر مبالغہ کا تعجب ہے انہیں اتنا کہنا کافی نہ تھا کہ حدیث ہمارے نزدیک درجہ صحت کو نہ پہنچی، اور زیادہ تعجب امام محی الدین نووی سے ہے کہ وہ تومسائل فقہ میں راہ انصاف چلتے ہیں اور دیگر شافعیہ کی طرح حنفیّہ کے ساتھ تعصب نہیں رکھتے، تو یہ مسئلہ جس میں ہم بحث کررہے ہیں زیادہ انصاف وترک افراط کے لائق تھا اس لئے کہ یہ فعل اولیائے عظام وعلمائے کرام قدست اسرارہم کی طرف منسوب ہے۔

پھر شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے دربارہ صلٰوۃ الرغائب خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک حدیث بحوالہ جامع الاصول کتاب امام رزین سے نقل کی جس کی وضع اس لئے ہے کہ صحاح ستّہ کی حدیثیں جمع کرے اور اس کے آخر میں ابن اثیر سے نقل کیا:

ھذا الحدیث مما وجدتہ فی کتاب رزین ولم اجدہ فی واحد من الکتب الستۃ والحدیث مطعون فیہ[2]۔	یعنی یہ حدیث میں نے کتاب رزین میں پائی اور صحاح ستہ میں مجھے نہ ملی اور اس پر جرح ہے۔

پھر فرمایا:

وقد وقع فی کتاب بھجۃ الاسرار ذکر لیلۃ الرغائب فی ذکر سیدنا وشیخنا القطب الربانی وغوث الصمدانی الشیخ محی الدین عبدالقادر الحسینی الجیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اجتمع المشائخ وکانت لیلۃ الرغائب الٰی اٰخر ماذکر من الحکایۃ	یعنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکراقدس میں صلٰوۃ الرغائب کاذکر آیا ہے کہ شب رغائب میں اولیاء جمع ہوئے الٰی آخر کلماتہ، نیز امام ابوالحسن نورالدین علی قدس سرہ، نے بسند خود حضرات عالیات سیّدنا سیف الدین عبدالوہاب وسیّدنا

[1] ماثبت من السنۃ صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ۱/۲۴۶

[2] ماثبت من السنۃ صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ۱/۲۴۶

وذکر ایضا انه نقل عن الشیخین القدوتین الشیخ عبدالوھاب والشیخ عبدالرزاق قالا بکر الشیخ بقابن بطوسحر یوم الجمعة الخامس من رجب السنة ثلث واربعین وخمسمائة الی مدرسة والدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه و قال لنا الاسألتمونی عن سبب بکوری الیوم انی رأیت البارحة نوراا ضائت به الافاق وعم اقطار الوجود ورأیت اسرار ذوی الاسرار فمنها مایتصل به ومنها مایمنعه مانع من الاتصال به وما اتصل به سر الاتضاعف نوره فتطالبت ینبوع ذلك النور فاذا ھوصادر عن الشیخ عبدالقادر فاردت الکشف عن حقیقته فاذا ھو نور شھوده قابل نورقلبه وتقادح ھذان النوران وانعکس ضیاؤھما علی مرأة حاله واتصلت اشعة المتقادحات من محط جمعه الی وصف قربه فاشرق به الکون ولم یبق ملك نزل اللیلة الا اتاه وصافحه واسمه عندھم الشاھد والمشھود قالا فاتیناه رضی الله تعالٰی عنه وقلنا له اصلیت اللیلة صلوة الرغائب فانشد ۔

اذا نظرت عینی وجوه حبائبی

فتلك صلاتی فی لیالی الرغائب

تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق ابنائے حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی کہ روز جمعہ پنجم رجب ۵۴۳ کو حضرت شیخ بقابن بطو قدس سرہ العزیز صبح تڑکے مدرسہ انور حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر آئے اور ہم سے کہا مجھ سے پوچھتے نہیں کہ اس قدر اول وقت کیوں آیا میں نے آج کی رات ایک نور دیکھا جس سے تمام آفاق روشن ہوگئے اور جمیع اقطار عالم کو عام ہوا اور میں نے اہل اسرار کے اسرار دیکھے کہ کچھ تو اس نور سے متصل ہوئے ہیں اور کچھ کسی مانع کے سبب اتصال سے رک گئے ہیں جو اس سے اتصال پاتا ہے اس کا نور دوبالا ہوجاتا ہے تو میں نے غور کیا کہ اس نور کا خزانہ و منبع کیا ہے کہاں سے چمکا ہے ناگاہ کھلا کہ یہ نور حضور پرنور سیدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صادر ہوا ہے اب میں نے اس کی حقیقت پر اطلاع چاہی تو معلوم ہوا کہ یہ حضور کے مشاہدے کا نور ہے کہ حضور کے نور قلب سے مقابل ہو کر ایک کی جوت دوسرے پر پڑی اور دونوں کی روشنی حضور کے آئینہ حال پر منعکس ہوئی اور یہ آپس میں ایک دوسرے کی جوت بڑھانے والے نوروں کے بقعے حضور کے مقام جمع سے منزلت قرب تک متصل ہوئے کہ سارا جہان اس سے جگمگا اٹھا اور جتنے فرشتے اس رات اُترے تھے سب نے حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ کیا (اور بہجۃ الاسرار شریف میں فقیر نے یوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ

کیا فرشتوں کے یہاں حضور کا نام پاک شاہد مشہود ہے (شاہد کہ مشاہدہ والے ہیں اور مشہود کہ سب ملائکہ ان کے پاس آئے قال تعالٰی اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا [3] (ای تشھدہ الملئکۃ) دونوں شاہزادگان دوجہاں نے فرمایا ہم یہ سن کر حضور پرنور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور سے عرض کی کیا آج کی رات حضور نے صلٰوۃ الرغائب پڑھی (یعنی جس کے انوار یہ چمکے یہ شب شب رغائب ہی تھی کہ رجب کی نوچندی شب جمعہ تھی) حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر یہ اشعار ارشاد فرمائے: جب میری آنکھ میری پیاریوں کے چہرے دیکھے تو یہ شبہائے رغائب میں میری نماز ہے، وہ چہرے کہ جب اپنے جمال کا جلوہ دکھائیں تو ہر طرف سے سارا جہان چمک اُٹھے اور جس نے محبت کا حق پورا نہ کیا وہ کبھی کوئی واجب نہ لایا (پیاریاں عالم قدس کی تجلّیاں ہیں) (اور بہجۃ الاسرار شریف میں فقیر نے یوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ نہ کیا ہو یعنی تمام ملائکۃ اللہ زمین پر آئے اور محبوب خدا سے مصافحے کئے) واللہ تعالٰی اعلم۔	وجوہ اذا ما اسفرت عن جمالھا اضاءت لھا الاکوان من کل جانب ومن لم یوف الحب مایستحقہ فذاك الذی لم یأت قط بواجب اھ [1] ما نقلہ الشیخ قدس سرہ و الذی راٰہ العبد الضعیف غفر اللہ لہ فی البھجۃ الکریمۃ نصہ ھکذا ولم یبق ملك انزل اللیلۃ الی الارض واتاہ وصافحہ [2] الخ

مسئلہ ۱۰۴۵: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد وتر کے نفل جو پڑھے جاتے ہیں اُن کا بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے یا کھڑے ہو کر؟ کتاب مالابدمنہ ہندی میں صفحہ ۴۵ سطر ۵ میں تحریر ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔

الجواب:

کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ہے۔ اسے بخاری نے حضرت	ان صلی قائما فھو افضل ومن صلی قاعدا فلہ نصف اجرا لقائم [4]۔ رواہ البخاری عن عمران بن حصین

[1] ماثبت من السنۃ صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۸
[2] بہجۃ الاسرار مصطفی البابی مصر ص ۵۸
[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۸
[4] صحیح البخاری باب صلٰوۃ القاعد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔	عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور جمیع صحابہ سے اللہ راضی ہو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہیں:

کما عند مسلم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت بعد ماذکرت وترہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وھو قاعد[1] ولاحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلیھما بعد الوتر وھو جالس[2]۔	جیسے کہ مسلم میں ہے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز وتر ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نماز ادا کرتے۔ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نماز ادا فرماتے تھے (ت)

اور کبھی ان میں قعود وقیام کو جمع فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھتے رہے جب رکوع کا وقت آیا کھڑے ہو کر رکوع فرمایا،

فلابن ماجۃ عن ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع[3]۔	ابن ماجہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعات نماز اختصار کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرتے تھے اور جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے تو قیام فرماتے پھر رکوع کرتے (ت)

مگر بیٹھ کر پڑھنا دوگانہ تھا بلکہ اس بات کے بیان کے لئے کہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے جیساکہ خود ان نفلوں کا پڑھنا بھی اس بیان کے واسطے تھا کہ وتر کے بعد نوافل جائز ہیں اگرچہ اولٰی یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنے ہوں سب پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا اٰخر صلٰوتکم باللیل وترا[4]۔ رواہ	اپنی نماز شب میں سب سے آخر وتر رکھو۔ اسے

[1] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۶

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/۵۴

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی رکعتین بعد الوتر جالسًا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

[4] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۷

مسلم عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا	مسلم نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے۔

مسلم امام نووی منہاجپھر علامہ قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ھاتان الرکعتان فعلھما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا لبیان جواز الصلٰوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلک[1]۔	ان دو رکعات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس لئے بیٹھ کر ادا فرماتے تھے تاکہ وتر کے بعد جوازِ نماز اور بیٹھ کر جوازِ نفل کا اظہار ہوجائے، البتہ آپ نے اس پر ہمیشگی نہیں فرمائی (ت)

بلکہ اگر حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے جب بھی ہمارے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہوتا کہ یہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے لئے فعل ہوتا اور ہمارے لئے صاف وہ ارشاد قولی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور بیٹھے کا ثواب آدھا ہے، اور اصول کا قاعدہ ہے کہ قول فعل میں ترجیح قول کو ہے کہ فعل میں احتمال خصوصیت ہے نہ کہ یہاں تو صریحًا بیان خصوصیت فرمایاہے، صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے: "مجھے حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو خد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھا[2] (**اقول:** یعنی یہ خیال گزرا کہ شاید بخار وغیرہ کے سبب بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں)

وھذا بحمداللہ منزع نفیس واضح لیستغنی بہ عما اطال الطیبی ؏ وابن حجر و	الحمداللہ یہ بات عمدہ، نفیس علامہ طیبّی، ابن حجر اور اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس طویل گفتگو سے مستغنی کردیتی ہے علامہ طیبّی ابن حجر اور

؏: (فوجدتہ یصلی جالسا فوضعت یدی) لعلہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ ثم رأیت	(تو میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھ دیا) شاید یہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کا معاملہ ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقات شرح مشکوۃ باب القصد فی العمل فصل اول مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ ملتان ۳/۱۶۳

[2] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائما و قاعدًا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۳

القاری و وقعوا فیماکان لھم مندوحۃ	ملاعلی قاری نے کی اور یہ حضرات طوالت کے باعث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن حجر جزم بہ وقال بعد فراغہ اذلایظن بہ الوضع قبلہ (علی رأسہ) ای لیتوجہ الیہ وکانہ کان ھناك مانع من ان یحضر بین یدیہ ومچل ھذا لایسمی خلاف الادب عند طائفۃ العرب لعدم تکلفھم وکمال تألفھم وکذلك فی قولھم لہ انت دن انتم الذی ھو مقتضی حسن الاٰداب فی معرض الخطاب لایتوجہ علی قائلہ العتاب وتکلف الطیبی ھنافی شرح الکتاب واورد السؤال والجواب ونسب قلۃ الادب الی الاصحاب وقال علی وجہ الاطناب فان قلت الیس یجب علیہ خلاف ذلك توقیرا لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام قلت لعلہ صدر عنہ لاعن قصد اولعلہ استغرب کونہ علی خلاف ماحدث عنہ واستبعدہ فاراد تحقیق ذلك فوضع

پھر میں نے دیکھا کہ ابن حجر نے یہ کہتے ہوئے اس پر جزم کا اظہار کیا کہ یہ معاملہ فراغت کے بعد ہوا کیونکہ اس سے پہلے ہاتھ رکھنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا (آپ کے سراقدس پر) یعنی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوں اور گویا آپ کے سامنے آنے سے وہاں کوئی رکاوٹ تھی اور ایسے طریقے کو بعض عربوں کے ہاں عدم تکلف اور کمال محبت کی وجہ سے خلاف ادب تصور نہیں کیا جاتا اور اسی طرح بعض عربوں کا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے "اَنْتَ" (تُو) استعمال کرنا نہ کہ "انتم" (تم) جو کہ خطاب کے موقع پر حسن آداب کا مقتضی ہے، اس کے قائل پر عتاب کا موجب نہیں بنتا، علامہ طیّبی نے کتاب کی شرح میں اس مقام پر تکلف کرتے ہوئے سوال وجواب وارد کیا اور صحابہ کی طرف قلّت ادب کی نسبت کی اور طوالت سے کام لیتے ہوئے سوالًا کہا اگر تو کہے کیا ان پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کے پیش نظر اس کے خلاف عمل لازم نہ تھا؟ جوابًا کہا میں کہتا ہوں شاید ان سے یہ معاملہ عدم دانستگی میں ہوا ہو یا ممکن ہے کہ انہوں نے ان سے حادث شدہ واقعہ کے خلاف معاملہ کو نہایت ہی اجنبی اور بعید تصور کیا اور اس کی تحقیق کا (باقی اگلے صفحہ پر)

عنه وبالله التوفيق۔	ایسی چیز میں واقع ہوئے جس سے محفوظ رہنا اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان کے لئے مفید تھا(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر! کیا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ!

| يده على رأسه ولذلك انكر صلى الله تعالٰى عليه وسلم بقوله مالك الخ فسماه ونسبه الى ابيه وكذا قول عبدالله و انت تصلى قاعدا فانه حال مقررة لجهة الاشكال، ثم رأيت ابن حجر قال كان ذلك فى عادتهم يفعله المستغرب الشيئ المتعجب من وقوعه مع من استغرب منه ذلك فلاينافى المتعارف الا ان ذلك خلاف الادب ونظيره ان بعض العرب كان ربما لمس لحيته الشريفة عند مفاوضته معه اھ وقد شوهد فى زماننا ان بعض اجلاف العرب يمسك لحية شريف مكة ويقول انا فداك ياحسن والحال انه قديكون نعله معلقاً فى اصبعه ف منه(م) | ارادہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ سراقدس پر رکھ دیا اسی لئے سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناپسند کیا اور فرمایا تجھے کیا ہوگیا ہے؟الخ تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا نام لیا اور ان کی نسبت ان کے باپ کی طرف کی۔ اور اسی طرح حضرت عبداللہ کا قول کہ آپ بیٹھ کر نماز ادا فرمارہے ہیں کیونکہ یہ حال جہت اشکال کو پختہ کررہاہے پھر میں نے ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے یہاں یہ لکھاہے کہ عربوں کی عادات میں سے ہے کہ جب کوئی ان میں سے کسی سے ایسی چیز دیکھتاہے جو نہایت اجنبی ہو تو وہ ایساہی کرتاہے تو یہ متعارف کے منافی نہیں البتہ خلاف ادب ہے جو خلاف ادب ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ بعض عرب گفتگو وملاقات کے وقت آپ کی داڑھی مبارک کو مَس کرتے تھے اھ اور ہمارے دور میں اس کامشاہدہ یوں کیاجاسکتاہے کہ بعض بزرگ عرب شریف مکہ کی داڑھی پکڑ کر یہ کہتے ہیں اے حسن میں تجھ پر فدا۔ حالانکہ اس کا جوتا اس کی انگلیوں کے ساتھ لٹک رہاہوتاہے ۱۲منہ (ت) |

ف: حاشیہ کی عبارت مرقات مشکوٰۃ سے نقل کی گئی ہے مطالعہ کیلئے باب القصد فی العمل جلد سوم مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ص۱۵۹ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد سعیدی

م یں نے سنا تھاکہ حضور نے فرمایا بیٹھے کی نماز آدھی ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ کرپڑھ رہے ہیں۔ فرمایا: اجل ولکن لست کاحد منکم [1] ہاں بات وہی ہے کہ بیٹھے کاثواب آدھا ہے مگر میں تمہاری مثل نہیں میرے لئے ہر طرح پورا کامل اکمل ثواب ہے یہ میرے لئے خصوصیت وفضل رب الارباب ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

یعنی ھذا من خصوصیاتی ان لاینقص ثواب صلواتی علی ای وجھہ تکون من جلواتی و ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء قال تعالٰی وکان فضل اللہ علیك عظیما[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ میری نماز جس طریقہ پر بھی ہو اس کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی کہ میری نماز میرے خاص تعلق سے ہے اور یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطافرماتا ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے آپ کی ذاتِ اقدس پر اللہ تعالٰی کا فضل عظیم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۶: از بھنڈی بازار کارخانہ کرسی مرسلہ ننھے خاں ولد احمد خاں معمار ۲۹رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی کیاترکیب اور اس کا کیاوقت ہے؟

الجواب:

اس نماز کی بہت فضیلت اور بڑاثواب، اور اس میں بڑی معافی کی اُمید ہے وہ چار رکعت نفل ہے کہ غیر وقت کروہ میں ادا کی جائے یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب نکل کر بلند ہونے تک جائز نہیں اور ٹھیک دوپہر کو جائز نہیں، اور جب آفتاب ڈوبنے کے قریب آئے کہ اس پر نگاہ بے تکلف ٹھہرنے لگے اس وقت جائز نہیں، نماز عصر کے فرض پڑھنے کے بعد شام تک جائز نہیں، جس وقت امام خطبہ پڑھ رہاہو اس وقت جائز نہیں غرض جتنے وقت نفل نماز کی کراہت کے ہیں اُن اوقات سے بچ کر جس وقت چاہے پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے [3] کما فی الھندیۃ عن المضمرات عن المعلی (جیسا کہ ہندیہ میں مضمرات اور معلی کے حوالے سے ہے۔ ت) اور افضل دن جمعہ کا ہے اور اس کامناسب طریقہ کہ ہمارے ائمہ کرام کے مذہب سے موافق ہے یہ ہے کہ سبحٰنك اللھم پڑھ کرپندرہ ۱۵ بار سبحٰن اللہ والحمدللہ ولاالٰہ

---

[1] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائماً وقاعداً مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۵۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القصد فی العمل فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ باب التاسع فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۳

الااللہ واللہ اکبر پھر الحمد وسورت پڑھ کر یہی کلمہ دس بار پھر رکوع میں تسبیحات رکوع کے بعد دس بار پھر رکوع سے کھڑے ہو کر ربنا ولک الحمد کے بعد دس بار پھر سجدہ میں تسبیحوں کے بعد دس بار پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں اسی طرح دس بار، یہ ایک رکعت میں پچھتّر بار ہوا، پھر دوسری رکعت کو کھڑا ہو کر الحمد سے پہلے پندرہ بار پھر الحمد وسورت کے بعد دس بار پھر رکوع میں بدستور کہ یہ بھی پچھتّر ہوئے، اسی طرح باقی دونوں رکعتوں میں بھی کہ یہ سب مل کر تین سو بار ہو جائیں گے، سورت کا اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور بہتر یہ کہ پہلی رکعت میں الھٰکم التکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں قل یاایھاالکٰفرون چوتھی میں قل ھواللہ، یہ نماز ہر روز پڑھے ورنہ ہر جمعہ ورنہ ہر مہینے ورنہ سال میں ایک بار تو ہو جایا کرے اور نہ ہو تو عمر بھر میں ایک بار تو ہو جائے کہ اس میں بڑی دولت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۷: از اروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ جناب محمد صادق علی صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت تراویح یا اور نوافل ایک نیت سے پڑھے قعدۂ اولٰی میں درود شریف ودعا اور تیسری رکعت میں سبحٰنك اللھم پڑھے یا نہیں؟

الجواب:

پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی القعدۃ الاولٰی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلٰوۃ[1]۔	ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذرمانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔ (ت)

مگر تراویح خود ہی دو رکعت بہتر ہے لانہ ھوالمتوارث (کیونکہ طریقہ متوارثہ یہی ہے۔ت) تنویر میں ہے: عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات[2] (بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ پڑھائی جائیں۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۵/۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۸/۱

سراجیہ میں ہے:

کل ترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین[1]۔	ہر ترویحہ چار رکعتوں کادوسلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر چار یازائد ایک نیت سے پڑھے گا تو بعض ائمہ کے نزدیک دو ہی رکعت کے قائم مقام ہونگی اگرچہ صحیح یہ ہے کہ جتنی پڑھیں شمار ہوں گی جبکہ ہر دو رکعت پر قعدہ کرتا رہا ہو۔ عالمگیری میں ہے:

ان قعد فی الثانیۃ قدر التشھد اختلفوا فیہ فعلی قول العامۃ یجوز عن تسلیمتین وھو الصحیح ھکذا فی فتاوی قاضی خاں[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار نمازی بیٹھ گیا تو اس میں اختلاف ہے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دوسلاموں کے قائم مقام ہے اور یہی ہے صحیح ہے، فتاوی قاضی خاں میں اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۸: مسئولہ علی حسین صاحب از آنولہ محلّہ خیل حکیمان معرفت جناب حاجی علیم اللہ صاحب ۱۷ رمضان ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ رمضان شریف میں لڑکوں کے پیچھے دن میں دو تین بالغ حافظ وغیرہا نماز کے اندر قرآن مجید سنتے ہیں یہ امر مشروع ہے یا نہیں؟ بظاہر کتب فقہیہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ نوافل روز میں سرًّاپڑھنا واجب ہے بموجب اس کے لڑکا ہو یا بالغ اس کی نماز کراہت تحریمی سے تو خالی نہ ہوگی یہ اور بات ہے کہ لڑکے کے ذمہ اعادہ واجب نہ ہوا جیسا کہ لڑکا اگر نماز نفل کو فاسد کردے گا تو اجماعًا اس کے ذمے قضا نہ آئے گی اور یہ اقتدا لڑکے کے پیچھے مختار مذہب کے موافق تو صحیح ہی نہیں ہے اس کے متعلق جواب بالصواب بحوالہ عبارت کتب فقہیہ تحریر فرمایئے، اجر جزیل کے عنداللہ مستحق ہوجئے۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

یہ امر بالاتفاق نامشروع وممنوع ہے مذہب صحیح پر تو اس لئے کہ وہ جماعت باطل ہے لان نفل البالغ مضمون فلایصح بناء الا قوی علی الاضعف (کیونکہ بالغ کے نوافل اس کے ذمہ لازم ہوجاتے ہیں لہٰذا اقوی کی بناء اضعف پر صحیح نہیں۔ ت) اور درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التراویح مطبوعہ نولکشور لکھنؤ بھارت ص ۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لایصح[1]۔	دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل کا ارتکاب ہے جو صحیح نہیں۔(ت)

اور مذہب ضعیف پر اس لئے کہ دن کے نفل میں اخفا واجب ہے۔ حدیث میں ہے: **صلٰوۃ النھار عجما**[2] (دن کی نماز سرّی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یجھر الامام وجوبا فی الفجر واولی العشائین الی قولہ ویُسِرُّ فی غیرھا کمتنفل بالنھار[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام فجر اور عشائین کی پہلی دو رکعتوں میں جہر کرے (آگے چل کر لکھا) ان کے علاوہ میں امام سرًّا پڑھے جیسے کہ دن کے نوافل کا معاملہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۹: از قصبہ اترولی ضلع علی گڑھ محلّہ کڑہ بر مکان شیخ عبدالحق صاحب رسالدار مسئولہ شیخ عبدالحمید صاحب زاہد نعمانی قادری ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وصوفیائے محققین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فجر آفتاب طلوع ہونے پر جو نوافل اشراق (دولغایت چھ رکعت) اور ایک پہر دن چڑھے پر جو نوافل نماز چاشت (دولغایت بارہ رکعت پڑھے جاتے ہیں شرح مشکوٰۃ میں ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت ہی کو نماز ضحیٰ لکھا ہے، لیکن ایک بزرگ صوفی مشرب نماز ضحیٰ کو ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت سے علیحدہ بتاتے ہیں اور خود بھی عرصہ چالیس سال سے اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز ضحیٰ کے نوافل (دولغایت آٹھ رکعت) علیحدہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر پیر طریقت نے علیحدہ پڑھنا بتلایا ہے اور ملک سندھ میں عام آدمی نماز ضحیٰ کے نوافل نماز اشراق اور چاشت کے علاوہ علیحدہ پڑھتے ہیں اور بعض علما سے تصدیق کرلینا بھی ظاہر کرتے ہیں چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوگیا ہے اس لئے استفتاء ہے کہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور نماز ضحیٰ، اشراق اور چاشت کے نوافل کو کہتے ہیں یا علیحدہ نماز ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

نماز ضحیٰ وہی نماز چاشت ہے نوافل پڑھنے کا اختیار ہے ہے تمام اوقات غیر مکروہہ میں اگر نوافل ہی پڑھے کون منع کرتا ہے مگر شرعی معنی میں اپنی طرف سے جدت نکالنا ضرور شنیع ومعیوب ہے ہر شخص

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۴

[2] الہدایہ کتاب الصلٰوۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۹۶

[3] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ فصل یجہر الامام مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۹

جانتاہے کہ ضحیٰ کاترجمہ چاشت ہی ہے توصلوٰۃ الضحیٰ نہیں مگر نمازِ چاشت۔ اور ان دو کے سوا کسی تیسری نماز کا اصلاً کسی حدیث سے ثبوت بھی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوی کرتا ہے وہ دلیل لائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۰تا۱۵۵ : از عثمان پور ضلع بارہ بنکی مسئولہ محمد حسن یار خاں صاحب ۱۹رمضان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز تہجد میں خیر متین ترجمہ حصن حصین کے دیکھنے سے بروایت چار رکعت اور آٹھ رکعت اور تیرہ رکعت نماز تہجد میں ہے، ایک شخص تہجد گزار اجہل سے معلوم ہوا کہ بارہ رکعت تہجد کی اور ترکیب پڑھنے کی یہ ہے کہ اول رکعت میں ایک مرتبہ قل ہواللہ شریف دوسری میں دوبار بارھویں میں بارہ مرتبہ یاہر رکعت میں تین تین بار قل ھواللہ شریف پڑھاجائے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صحیح کون سا قاعدہ ہے اور تہجد میں کَے رکعت پڑھنا چاہئے اور بعد الحمد کے جیسا کہ نماز میں قاعدہ ہے کہ جو سورہ چاہے ملائے، خیر متین میں قل ھواللہ پڑھنے کا قاعدہ مسطورہ بالا نہیں لکھا ہے اور جو بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ان کو بھی تہجد کے وقت میں پڑھنا چاہئے مثل وتر کے، یا عشاء کے وقت ادا کرنا چاہئے؟ اور نماز صلوٰۃ التسبیح میں کلمہ تمجید سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العظیم ایک شخص کہتاہے کہ ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار پڑھنا چاہئے۔ چار رکعت میں دو رکعت کی نیت کی جائے یاچار کی؟ دعائے ماثور کیا ہے معلوم نہیں اور کس موقع پر پڑھی جائے، دعائے تہجد بفرض تصحیح مرسل ہے یامقلب القلوب قلب قلبی الیك مامصرف القلوب صرف قلبی علی دینك وطاعتك خیر متین میں سنت فجر میں قل یٰایھا الکٰفرون اور قل ھو اللہ پڑھنے کو لکھا ہے اس ترکیب سے پڑھنا سنت فجر یا نفل میں جائز ہے یا نہیں؟ اور جیسا کہ فرض میں بقید سورہ پڑھنا ناجائز ہے اور سنن ابن ماجہ کے ترجمہ رفع الحاجہ کی دو جلدیں میرے پاس ہیں جن میں تہجد وغیرہ کا ذکر نہیں ہے جلد اول میں ہے اور ایک کتاب وظیفہ میں قل یا اور قل ھو اللہ سنت میں پڑھنے کو لکھا ہے اور دوسری میں الم نشرح اور الم ترکیف لکھا ہے جو فرض و وتر میں بغرض فلاحیت لکھا ہے اور وتر میں اخیر رکعت میں قل ھو اللہ پڑھنا ضرور ہے یا اور سورہ کو ملا کر پڑھنے سے نماز ہوجائے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عشاء کے فرض پڑھ کر آدمی سو رہے پھر اس وقت سے صبح صادق کے قریب جس وقت آنکھ کھلے دو رکعت نفل صبح طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تہجد ہوگیا اقل درجہ تہجد کا یہ ہے اور سنت سے آٹھ رکعت مروی ہے اور مشائخ کرام سے بارہ اور حضرت سیدالطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ

دو ہی رکعت پڑھتے اور ان میں قرآن عظیم ختم کرتے، غرض اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے اتنی اختیار کرے جو ہمیشہ نبھ سکیں اگرچہ دو ہی رکعت ہو کہ حدیث صحیح میں فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل[1]۔	اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

قرأت کا بھی اختیار ہے چاہے ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ اس کا ثواب ایک ختم قرآن کے برابر ہے خواہ یوں کہ بارہ رکعتیں ہوں پہلی میں ایک بار، دوسری میں دو بار، یا پہلی میں بارہ دوسری میں گیارہ، اخیر میں ایک کہ یوں ۲۶ ختم قرآن کا ثواب ہوگا، اور پہلی صورت میں بیس کا ہوتا۔ اور بہتر یہ ہے کہ جتنا قرآن مجید یاد ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرے کہ اس کے یاد رہنے کا اس سے بہتر سبب نہیں۔ تہجد پڑھنے والا جسے اپنے اُٹھنے پر اطمینان ہو اسے افضل یہ ہے کہ وتر بعد تہجد پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جتنے نوافل پڑھنا ہوں وتر سے پہلے پڑھ لے کہ وہ سب قیام اللیل میں داخل ہوں گے اور اگر سونے کے بعد ہیں تو تہجد میں داخل ہوں گے۔

(۲) صلٰوۃ التسبیح میں سبحان اللہ والحمدللہ ولاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہر جگہ دس دس بار پڑھنا چاہئے، گیارہ بار بتانے والا غلط کہتا ہے مگر ہر قیام میں قرأت سے پہلے پندرہ بار ہے۔

(۳) صلٰوۃ التسبیح میں چار رکعت کی نیت کی جائے۔

(۴) بعد دونوں درودوں کے قبل سلام یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألك توفیق اھل الھدٰی واعمال الیقین ومناصحة اھل التوبة وعزم اھل الصبر وجداھل الخشیة وطلب اھل الرغبة وتعبد اھل الورع وعرفان اھل العلم حتی اخافک۔ اللھم انی اسألك مخافة تحجزنی عن معاصیك حتی اعمل	اے اللہ! میں تجھ سے اہل ہدٰی جیسی توفیق، اہل یقین جیسے اعمال، اہل توبہ جیسی نصیحت، اہل صبر کا عزم، اہل خشیت کی محنت، اہل رغبت کی طلب، اہل ورع کی عبادت، اہل علم کا عرفان مانگتا ہوں کہ مجھے تیرا خوف نصیب ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایسا خوف عطا فرما جو تیری نافرمانی سے روک لے

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب القصد فی العمل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۱۱۰

بطاعتك عملا استحق به رضاك وحتی اناصحك بالتوبة خوفامنك وحتی اخلص لك النصیحة حبالك وحتی اتوکل علیك فی الامور حسن ظن بك سبحٰن خالق النور[1]۔	حتی کہ میں ایسے عمل کروں جو مجھے تیری رضا کا مستحق بنادے اور حتی کہ میں تیرے خوف کی بناپر خالصۃً توبہ کروں اور تیرے ساتھ محبت کی بناپر مخلصانہ تیرے حقوق ادا کروں، حتی کہ تمام امور میں تجھ پر بھروسہ کروں، تیرے ساتھ مجھے حسن ظن نصیب ہو، اے خالق نور! تیری ذات تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔(ت)

(۵) سنت فجر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی وماثور سنت وہی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کٰفرون اور دوسری میں اخلاص اور الم نشرح اور الم ترکیف پڑھنا مشائخ سے بطور عمل مروی ہے جس کا فائدہ دفع اعداء ہے اور یہ کہ نوافل میں اختیار ہے جس طرح جو چاہے پڑھے۔

(۶) وتر میں اخیر رکعت میں قل ھواللہ احد شریف پڑھنا ماثور ہے مگر ضرور نہیں، جو چاہے پڑھے، بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سبح اسم ربک الاعلٰی یا انا انزلناہ اور دوسری میں کٰفرون تیسری میں اخلاص۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵۶: امام نے ظہر کے وقت چار رکعت نماز سنت ادا کرنے کے بعد کلام دنیا کیا بعد اس کے نماز پڑھائی تو اس فرض نماز میں کچھ نقصان آوے گا یا نہیں؟ اور نماز سنت کا ثواب کم ہوجائے گا یا باطل ہوجائے گی؟

الجواب:

فرض میں نقصان کی کوئی وجہ نہیں کہ سنتیں باطل نہ ہوں گی، ہاں اس کا ثواب کم ہوجاتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولو تکلم بین السنة والفرض لایسقطها ولکن ینقص ثوابها[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی سنن وفرائض کے درمیان کلام کرتا ہے تو اس سے سنن ساقط نہیں ہوجاتی مگر ان کے ثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵۷: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سر شتہ دار ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں پڑھنے کے بعد اگر گفتگو کی جائے تو پھر اعادہ سنتوں کا کرے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۵

الجواب:

اعادہ بہتر ہے کہ قبلی سنتوں کے بعد کلام وغیرہ افعال منافی تحریمہ کرنے سے سنتوں کاثواب کم ہوجاتاہے اور بعض کے نزدیک سنتیں ہی جاتی رہتی ہیں تو تکمیل ثواب وخروج عن الاختلاف کے لئے اعادہ بہتر ہے جبکہ اس کے سبب شرکت جماعت میں خلل نہ پڑے مگر فجر کی سنتیں کہ اُن کااعادہ جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵۸تا۱۰۵۹: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالحکیم صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک مسجد کہ اُس میں فجر کی نماز کے وقت بعد شروع ہوجانے جماعت کے اکثر نمازی آتے جاتے ہیں اور بعد حصول طہارت سنتیں فجر ادا کرکے شریک جماعت ہوجاتے ہیں مگر سنتیں فجر کی خلاف قاعدہ شرعیہ ادا ہوتی ہیں صورت یہ ہے کہ ایام گرما میں اندرونی درجہ مسجد میں توبسبب گرمی کے جماعت نہیں ہوتی اکثراوقات دوسرے سائبان مسجد میں ہوا کرتی ہے بسااوقات اندرونی درجہ میں سنتیں ادا کرنے کے واسطے جانے کی گنجائش نہیں رہتی یابسبب شدت گرمی کے نمازی اندر جانا بھی گوارا نہیں کرتا ایسی شکل میں بعض واقفین توصحن مسجد مین ستونوں کی آڑ میں سنتیں پڑھ لیتے ہیں وہ بھی چار پانچ شخص بقدر تعداد ستونوں کے پڑھ سکتے ہیں مگر نمازی بعد کوآنے والے زیادہ ہوتے ہیں سب لوگ آڑ ستونوں کی نہیں پاتے اور بعض لوگ بوجہ عدم واقفیت یاکم توجہی کے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات شدت گرمی سے صحن مسجد میں نماز ہوتی ہے تو ستون بھی سنتوں کی آڑ کو نہیں ملتے اکثر بدون حائل کسی شئی کے سنتیں پڑھی جاتی ہیں مگر ازروئے اس مسئلہ فقہیہ کے کہ جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتیں فجر کی خارج از مسجد ادا کی جائیں ہم کو عمدہ موقع حاصل ہے کہ مسجد سے ملحق چہار طرف مسجد کے چار کمرے مدرسہ کے ہیں اس طرح سے کہ فرش سے فرش ملاہے حد فاصل مابین مسجد اور مدرسہ کے صحنوں کی فصیلیں ہیں جوایک ہاتھ تخمیناً چوڑی اور ایک بالشت اونچی ہیں اور یہ جملہ مکانات مسجد اور مدرسہ ایک احاطہ کے اندر ہیں اگر ہم ایک صف خواہ چٹائی صحن مدرسہ میں یاکسی کمرۂ مدرسہ میں ملحق صحن مسجد کے واسطے ادائے سنتوں فجر کے بچھادیں اور وہ لوگ جو پیچھے آتے ہیں طہارت حاصل کرکے اس چٹائی پر جومدرسہ میں خارج از مسجد بچھی ہے سنتیں فجر ادا کرکے شریک جماعت ہوتے جائیں توسنتیں بھی حسب قاعدہ شرعیہ اداہوں اور نمازیوں کی بھی سہولت کا باعث ہو مگر زید اس کو دو۲ بناپر ناجائز کہتاہے، ایک یہ کہ نمازی جب مسجد کی فصیلوں پر جووضو کرنے کاموقع ہے بیٹھ کر وضو کرے گا تولابد مسجد کے صحن میں سے گزر کرمدرسہ کے صحن میں جوچٹائی بچھی ہے سنتیں ادا کرنے کے واسطے جائے گا تو یہ صورت خلاف شرعیہ ہے اس وجہ سے کہ بعد از اذان مسجد سے خارج ہونا جائز نہیں اس گناہ کامرتکب ہوگا سائل کہتاہے کہ اگرایسا ہی خارج ہونا ہے تو اس بناپر اور بھی مسائل متفرع ہوتے،

ہیں وہ یہ ہیں کہ پانی لینے کا کنواں اور سقاوے اور پاکی حاصل کرنے کا غسل خانہ یہ سب کہ احاطہ مسجد کے اندر ہیں مگر مسجد کے حدود فصیلوں سے باہر ہیں نمازی حسب عادت مروجہ زمانہ کے اکثر اول مسجد میں آتا ہے اپنا کپڑا وغیرہ مسجد میں رکھ کر بعد کو پانی لے کر طہارت وضووغیرہ کرتا ہے بلکہ یہ عادات زمانہ کی عام مقامات کی مساجد کے موافق ہیں تو کیا یہ سب بعد اذان مسجد سے خارج ہونے کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یا احاطہ مسجد کے بیرونی دروازہ سے نکلنے والا اور وہ بھی جو مسجد میں واپس آنے کا قصد نہ رکھتا ہو۔

(۲) دوسری وجہ ممانعت زید کی یہ ہے کہ صحن مدرسہ کا بھی فرش پختہ ہے اور چھوٹے لڑکے بعض برہنہ پا پیشاب کو یا پاخانہ میں اور غسل خانہ میں جاتے ہیں اور اسی فرشِ صحن مدرسہ پر ہو کر گزرتے ہیں اور فجر کو اکثر شبنم کی کچھ نمی فرش پر ہوتی ہے اور گاہے شب کی بارش کی بھی نمی فرش پر ہوتی ہے پس ایسے مشکوک فرش پر چٹائی کا بچھانا چٹائی کا نجس کرنا اور نیز نمازیوں کی نماز خراب کرنا ہے حالانکہ افضل عبادات کی نماز ہے، سائل کہتا ہے پس ایسے شکوک کی وجہ سے صحن مدرسہ میں جو چٹائی بچھائی گئی ہے اس پر سنتیں ادا کرنا یا اس پر سے وضو کرکے جس حالت میں کہ نمازی کے پیر وضو کے پانی سے ہنوز خشک نہیں ہوئے ہیں گزر کر کمرۂ مدرسہ میں سنتیں ادا کرنا جائز ہوگا یانہیں؟ اور وہ چٹائی نجس ہوگی یا پاک قابل ادائے نماز رہے گی اور پیر اس نمازی کے جو وضو کرکے اس مشکوک فرش سے گزرا ہے پاک رہیں گے یا ناپاک ہو جائیں گے؟ اور ایسی چٹائی کا بچھانے والا واسطے اہتمام ادائے سنتوں فجر کے طریقہ نیک کا جاری کرنے والا ہوگا اور ثواب پائے گا؟ ان وجوہات مرقومہ صدر جو باعث ممانعت زید کے ہیں اُن کی وجہ سے بعد از اذان مسجد سے نمازیوں کے خارج کرنے کا اور مشکوک فرش پر سنتیں ادا کرنے والے نمازیوں کی نماز خراب کرانے کا باعث ہو کر عذاب پائے گا یا اس قسم کے شکوک پیدا کرکے تمام نمازیوں کو تنگی میں ڈالنے والا ہوگا؟ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب:

زید کے دونوں اعتراض باطل وبے معنی ہیں، مسجد سے بے نماز پڑھے باہر جانا دو شرط سے ممنوع ہے ایک یہ کہ وہ خروج بے حاجت ہو ورنہ بلاشبہ جائز ہے مثلاً جس شخص کی ذات سے دوسری مسجد کی جماعت کا انتظام وابستہ ہے وہ بعد اذان بلکہ خاص اقامت ہوتے وقت باہر جاسکتا ہے یونہی جسے دوسری مسجد میں بعد نماز دینی سبق پڑھنا یا سنی عالم کا وعظ سننا ہو اسی طرح پیشاب یا استنجے یا وضو کی حاجتیں۔ دوسرے یہ کہ شروع جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ ہو ورنہ مضائقہ نہیں اگرچہ بے ضرورت ہی سہی۔

فی الدر المختار، کرہ تحریما للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن	درمختار میں ہے کہ نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہو چکی ہو

فیه اولا الالمن ینتظم به امر جماعة اخرٰی اوکان الخروج المسجد حیه ولم یصلوا فیه اولاستاذه لدرسه اولسماع الوعظ اولحاجة ومن عزمه ان یعود نهر اھ وفی[1] ردالمحتار قوله للنهی هو مافی ابن ماجة من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وهولایرید الرجوع فهومنافق اھ وفیه عن البحر ولوکانت الجماعة یوخرون لدخول الوقت المستحب کالصبح مثلا فخرج ثم رجع وصلی معهم ینبغی ان لایکره اھ قال وجزم بذلك کله فی النهر لدلالة کلامهم علیه قوله الالمن ینتظم به له الخروج ولوعندالشروع فی الاقامة وبه صرح فی متن الدرر والقهستانی وشرح الوقایة[2] اھ مختصرا۔	مکروہ تحریمی ہے یہ غالب پر حکم ہے اور مراد دخول وقت ہے خواہ اذان ہوئی ہو یانہ ہوئی ہو البتہ اس شخص کو جانے کی اجازت ہے جس نے کسی دوسری جماعت کاانتظام کرنا ہے یا اپنے محلّہ کی مسجد کی طرف جانا ہے درانحالیکہ وہاں لوگوں نے نماز ادانہیں کی یا استاد سے سبق لینا ہے یا وعظ سننا ہے یا کوئی حاجت ہے اور وہ شخص دوبارہ آجانے کاارادہ رکھتا ہو نہر ردالمحتار میں قولہ للنھی (یعنی اس پر نہی وارد ہے) سے مراد ابن ماجہ کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ مسجد میں اذان کو پایا پھر بغیر کسی حاجت وضرورت کے چلاگیا اور واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے، اور اسی میں بحر سے ہے کہ اگر جماعت لوگوں نے اس لئے مؤخر کی کہ وقت مستحب آجائے مثلاً صبح کی نماز، توکوئی شخص چلاگیا پھر لوٹ آیا اور ان کے ساتھ نماز ادا کی تو اسے مکروہ نہ قرار دینا ہی مناسب ہے اور نہر میں اس پر کلام علماء کی وجہ سے جزم کااظہار کیا ہے، ماتن کا قول الالمن ینتظم (مگر جس نے نماز کاانتظام کرنا ہے) وہ نکل سکتا ہے خواہ اقامت شروع ہوچکی ہو، اور اسی پر متن درر، قہستانی اور شرح وقایہ میں جزم کیا گیا ہے اھ اختصاراً (ت)

یہاں دونوں شرطوں سے ایک بھی متحقق نہیں سنتیں بحال قیام جماعت بیرون مسجد پڑھنے کاحاجت شرعی ہونا بھی ظاہر اور قصد رجوع بھی بدیہی تو عدم جواز وحصول گناہ کاحکم صریح باطل قطعی،

فی الدرالمختار، اخاف فوت الوقت لاشتغاله بسنتها ترکها	درمختار میں ہے جب نمازی کو سنن میں مشغولیت سے وقت کے فوت ہونے کاخوف ہو تو انہیں

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۴/۲

والالابل یصلیھا عندباب المسجد[1] وفی رد المحتار ای خارج المسجد کما صرح به القھستانی وقال فی العنایة لانه لوصلاھا فی المسجد کان متنفلا فیه عنداشتغال الامام بالفریضة وھومکروہ ومثله فی النھایة والمعراج[2] اھ مختصرین۔	ترک کرے ورنہ ترک نہ کرے بلکہ انہیں مسجد ک دروازے کے پاس ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے یعنی مسجد سے باہر ادا کرے، جیسا کہ اس پر قہستانی نے تصریح کی ہے۔ عنایہ میں ہے اگر اس نے سنن مسجد میں ادا کیں تو یہ امام کے فریضہ میں مشغول ہونے کے وقت نوافل پڑھنے والا قرار پائے گا جو کہ مکروہ ہے۔ اسی کی مثل نہایہ اور معراج میں ہے اھ دونوں کتابوں کی عبارت اختصارًا منقول ہے (ت)

بعینہٖ یہ صورت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے ایک روز وہ ایسے وقت تشریف لائے کہ جماعت فجر قائم ہوچکی تھی انہوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں ان کی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حجرہ مطہرہ مسجد سے ملا ہوا تھا جس کا دروازہ عین مسجد میں تھا وہاں چلے گئے اور سنتیں حجرے میں پڑھ کر پھر مسجد میں آکر شامل جماعت ہوئے۔ امام اجل ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا علی بن شیبة ثنا الحسن بن موسی حدثنا شیبان بن عبدالرحمٰن عن یحیی بن ابی کثیر عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انه جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلی الرکعتین قبل صلٰوۃ الصبح فصلاھما فی حجرۃ حفصة رضی اللہ تعالٰی عنھا ثم انه صلی مع الامام ففی ھذا الحدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انه صلاھما فی المسجد لان حجرۃ حفصة رضی اللہ تعالٰی عنھا من المسجد[3]۔	زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما آئے تو امام صبح کی نماز پڑھارہا تھا آپ نے فجر کی دو سنتیں ابھی ادا نہیں کی تھیں تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں انہیں ادا کیا پھر امام کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس حدیث نے واضح کردیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فجر کی سنتیں مسجد میں ادا کیں کیونکہ حجرۂ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مسجد کا حصہ تھا۔ (ت)

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱۔۱۰۰

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۶/۲

[3] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۸/۱

بلکہ جب وہ مدارس متعلق مسجد، حدود مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کاامتیاز کردیاہے توان میں جانا مسجد سے باہر جاناہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جاناجائز کہ وہ گویا مسجد ہی کاایک قطعہ ہے۔

وھذا ماقال الامام الطحاوی ان حجرۃ ام المؤمنین من المسجد[1] فی ردالمحتار عن البدائع لوصعدای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف لانھا منه لانه یمنع فیھا من کل مایمنع فیه من البول ونحوہ فاشبه زاویۃ من زوایا المسجد[2]۔	یہی بات امام طحاوی نے فرمائی کہ ام المومنین کا حجرہ مسجد کاحصہ ہے۔ ردالمحتار میں بدائع سے ہے اگر معتکف منارہ پرچڑھا تو بالاتفاق اس کااعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ منارہ مسجد کاحصہ ہےاس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر وہ عمل مثلاً بول وغیرہ منع ہے جو مسجد میں منع ہے تو یہ مسجد کے دیگر گوشوں کی طرح ایک گوشہ ٹھہرا۔(ت)

چٹائی کو اُن خیالات بعیدہ کی بناپر نجس بتانا محض پیروی اوہام ہے شرع مطہر نے دربارہ طہارت ظاہر ایسے لیت ولعل کو اصلاً گنجائش نہ دی۔

کما فصله فی الطریقۃ المحمدیۃ والحدیقۃ الندیۃ وبینه العبد الضعیف غفراللہ تعالٰی له فی "الاحلی من السکر لطلبۃ سکرروسر"۔	جیساکہ اس کی تفصیل طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں ہےاور اسے عبدضعیف غفراللہ تعالٰی نے "الاحلی من السکر لطلبۃ سکرروسر" میں بیان کیاہے۔(ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

من شك فی انائه اوثوبه وبدنه اصابته نجاسۃ اولافھو طاھر مالم یستیقن وکذا الاٰبار والحیاض والحباب الموضوعه فی الطرقات ویستسقی منھا الصغار والکبار والمسلمون والکفار[3]۔	اگر کپڑے یابدن یابرتن کونجاست لگنے میں شک ہے تو وہ پاک ہوگا جبکہ نجاست کایقین نہ ہو، یہی حکم ان کنوؤں، حوضوں اور تالابوں کاہے جوراستوں میں بنائے گئے ہیں ان سے چھوٹے بڑے، مسلمان اور کفار سبھی پانی حاصل کرتے ہیں۔(ت)

[1] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ۲۵۸/۱

[2] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ۴۴۶/۲

[3] ردالمحتار کتاب الطھارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۱۱/۱

طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیة وجد فیھا نعل تلبس ویمشی بھاصاحبھا فی الطرقا لایدری متی وقع فیھا ولیس علیه اثرالنجاسة ھل یحکم بنجاسة الماء قال لا[1]۔	امام خجندی سے ایک ایسے کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ایسا جوتا گر گیا جسے پہنا گیا تھا اور مختلف راستوں پر چلا گیا۔ یہ علم نہ ہوسکا کہ کب گرا ہے اور اس پر اثر نجاست نہ تھا توکیا کنواں ناپاک ہوگا یا نہ؟فرمایا: ناپاک نہیں ہوگا۔(ت)

اُنہیں میں ہے:

کذلك حکم الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیه لان الصبیان لایتوفون النجاسة لکن لایحکم بھا بالشك والظن[2] اھ ملخصین۔	یہی حکم ہے اس پانی کا جس میں بچے نے ہاتھ داخل کردیا ہو کیونکہ بچے نجاست سے بچتے نہیں لیکن شک وظن کی بناپر نجاست کا حکم جاری نہیں ہوگا اھ ملخصین (ت)

نیت مذکور سے چٹائی بچھانے والوں کے لئے امید ثواب ہے **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۰۶۰: از کھنڈوہ ضلع برہان پور مسجد دارالشفاء مرسلہ محمد مسلم صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیرزادہ سید صاحب نے نماز تراویح میں بہ یک سلام دس رکعت سفر کی حالت میں امامت سے پڑھادئے جماعت معترض ہوئی کہ نماز ناجائز ہوئی۔ سید صاحب نے کہا کہ منیۃ المصلی میں صاف طور پر بلاکراہت بیک سلام جائز ہے وہ عبارت یہ ہے:

ولوصلی التراویح کلھا بتسلیمة واحدة وقد قعد علی راس کل رکعتین جاز ولایکرہ لانه اکمل، ذکرہ فی المحیط۔	اگر تمام تراویح ایک سلام کے ساتھ اداکریں اور ہر دو رکعت کے بعد نمازی نے قعدہ کیا توجائز ہے مکروہ نہیں کیونکہ یہ اکمل ہے۔ محیط میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔(ت)

اس پر سید صاحب کو برا کہنا اور نماز کو ناجائز وحرام کہنا ان کے حق میں کیسا ہے؟

الجواب:

نماز کو ناجائز وحرام کہنا باطل ہے اور سید کی توہین وبے ادبی سخت گناہ ہے اور صحیح اس مسئلہ میں

[1] الحدیقۃالندیہ الصنف الثانی مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[2] الحدیقۃالندیہ الصنف الثانی النوع الرابع مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۱

یہ ہے کہ نماز ہو گئی دسوں رکعتیں تراویح میں شمار ہوں گی مگر خلاف ومکروہ ضرور ہوئیں منیہ کا قول لایکرہ (مکروہ نہیں۔ت) خلاف صحیح ہے۔غنیہ شرح منیہ میں ہے **قول المصنف ولایکرہ لانہ اکمل مخالف لما ذکر فی الخلاصۃ وغیرھا انہ یکرہ**[1] (مصنف کا قول، کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ اکمل ہے خلاصہ وغیرہ کے مخالف ہے کیونکہ وہاں لکھا ہے مکروہ ہے۔ت) حلیہ شرح منیہ میں ہے:

وھو مشکل بانہ خلاف المنقول واذا قالوا بکراھۃ الزیادۃ علی ثمان فی مطلق التطوع لیلا فلان یکونوا قائلین بکراھتھا فیماکان منہ مسنونا اولی فلاجرم ان فی النصاب و خزانۃ الفتاوٰی والصحیح انہ لو تعمد ذلك یکرہ[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	یہ مشکل ہے کیونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور جب انہوں نے رات کے نوافل مطلقہ کو آٹھ سے زائد پر کراہت کا حکم نافذ کیاہے تو انہیں تراویح جو کہ مسنون ہیں میں کراہت کا حکم بطریق اولٰی جاری کرنا چاہئے۔لاجرم نصاب اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ اگر کسی نے عمداً ایسا کیا تو مکروہ ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۱: از پیلی بھیت مدرسہ پنجابیاں مرسلہ حافظ محمد احسان صاحب ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح جائز یاناجائز اور جس حافظ کا سن چودہ سال کا ہو وہ بلوغ میں داخل ہے یاخارج؟اور شرعاً حد بلوغ کی ابتداء ازروئے سن کے سال سے معتبر ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مسئلہ میں اختلاف مشائخ اگرچہ بکثرت ہے مگر اصح وارجح واقوی یہی کہ بالغوں کی کوئی نماز اگرچہ نفل مطلق ہو نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ہدایہ میں ہے:

المختار انہ لایجوز فی الصلوات کلھا[3]۔	مختار یہی ہے کہ تمام نمازوں میں جائز نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۰۵
[2] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۹۹
[3] الہدایہ باب الامامت مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۰۳

وھو قول العامۃ کمافی المحیط وھوظاھر الروایۃ[1]۔	اکثر علماء کایہی قول ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔(ت)

اور اقل مدت بلوغ پسر کے لئے بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ سب کے لئے پندرہ برس ہے اگر اس تین سال میں اثر بلوغ یعنی انزالِ منی خواب خواہ بیداری میں واقع ہو فبہاورنہ بعد تمامی پندرہ سال کے شرعًا بالغ ٹھہر جائے گا اگرچہ اثر اصلًا ظاہر نہ ہو۔

فی التنویر بلوغ الغلام بلانزال فان لم یوجدفیھا شیئ منھا فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتی عشرۃ سنۃ ھوالمختار ملخصا[2]۔	تنویر میں ہے لڑکااحتلام سے بالغ ہو جاتا ہے اگر احتلام نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوگا، اسی پر فتوی ہے، کم از کم مدت بارہ سال ہے، یہی مختار ہے اھ ملخصا(ت)

پسر چاردہ سالہ کابالغ ہونا اگر معلوم ہو (اگرچہ یونہی کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا بالغ ہو جانا اور انزال منی واقع ہونا بیان کرتا ہے اور اس کی ظاہر صورت وحالت اس بیان کی تکذیب نہ کرتی ہو) تو وہ بالغ مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

فی الدر المختار فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر کذا قیدہ فی العمادیۃ وغیرھا فبعد سنتی عشرۃ سنۃ یشترط شرطا اخر لصحۃ اقرارہ بالبلوغ وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لایقبل قولہ شرح وھبانیۃ وھما حینئذ کبالغ حکما فلایقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال حالہ[3] الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگروہ اس عمر کو پہنچے کہ قریب البلوغ ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ ہم بالغ ہیں تو ظاہرًا کوئی بات ان کی تکذیب نہ کرتی ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، اسی طرح عمادیہ وغیرہ میں اسے مقید کیاگیا ہے اور بارہ سال کے بعد صحت اقرار بلوغ کے لئے ایک اور شرط لگائی گئی ہے کہ اسی طرح کے لڑکوں کو احتلام ہوتا ہو ورنہ ان کادعوی قول نہ ہوگا شرح وہبانیہ، اور اب وہ دونوں بالغ کے حکم میں ہوں گے احتمال کی وجہ سے اقرار کے بعدان کاانکار بلوغ قابل قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] بحرالرائق باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۹

[2] درمختار، فصل ببلوغ الغلام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۳/ ۱۹۹

[3] درمختار، فصل ببلوغ الغلام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۳/ ۱۹۹

مسئلہ ۱۰۶۲: از اوجین مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۲ ربیع الاخری ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ غیر مقلدین نماز تراویح رابدعت عمری قرار دادہ ازبست تخفیف نمودہ یازدہ رکعت میخوانند جائز است یانہ؟ بیّنوا توجروا۔	علماء کرام اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ غیر مقلدین نے بیس ۲۰ تراویح کو بدعت عمر(رضی اللہ تعالٰی عنہ) قرار دیتے ہوئے ان میں تخفیف کرکے گیارہ کرلی ہیں، یہ جائز ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تراویح سنت مؤکدہ است ونزد محققین بترک سنت مؤکدہ نیز آثم شود خاصہ چوں ترک راعادت گیرد عددش نزد جمہور علمائے اُمت بست رکعت ست ودرروایتے ازامام مالک سی وشش رکعت فی الدر المختار التراویح سنۃ مؤکدۃ لموظبۃ الخلفاء الراشدین وھی عشرون رکعۃ[1] بازسنت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ عین سنت حضور پر نور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ست سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مارا حکم باقتدائے ابوبکر وعمر فرمود رضی للہ تعالٰی عنہما تاکید تام باتباع سنت خلفائے راشدین نمود رضی اللہ تعالٰی عنہم احمد وابوداؤد و الترمذی وابن ماجۃ عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ[2] الترمذی	تراویح سنت مؤکدہ ہے محققین کے نزدیک سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہے خصوصًا جب ترک کی عادت بنالے، تراویح کی تعداد جمہور امت کے ہاں بیس ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ہے۔ درمختار میں ہے تراویح سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر دوام فرمایا اور وہ بیس رکعات ہیں، پھر حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سنت رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہی سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی اقتدا کاحکم دیا ہے اور خلفاء راشدین کی اتباع سنت میں تاکید کامل فرمائی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اسے دانتوں سے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ترمذی نے

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۹۸/۱

[2] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۷۹/۲

وحسنه عن عبد الله بن مسعود و احمد و الترمذی وابن ماجة والرویانی عن حذیفة بن الیمان وابن عدی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم قالوا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر[1] وآنکہ ایں بے باکاں سنت امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ رابکاسیہ لیسی روافض بدعت عمری نامند ومتہوران ایشاں خذلہم اللہ تعالٰی تصریح بضلالت حضرت والالیش کنند جوابش محول بروزجزاست وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ[2]۔ نسأل الله العفو والعافیة۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا اور اسے حسن کہا، احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور رؤیانی نے حضرت حذیفہ بن یمان اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم میرے بعد میرے صحابہ ابوبکر وعمر کی اقتدا کرنا۔ یہ بیباک لوگ جواہل تشیع کی نقل کرتے ہوئے حضرت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی سنت کو بدعت عمری کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ دریدہ دہنی کرنے والے حضرت کے عمل کو گمراہی کہتے ہیں اس کاحساب وکتاب بروزجزا انہیں دیناہوگا عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹا کھائیں گے۔ اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کاسوال ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۳: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سیدابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں پورا کلام اللہ تعالٰی سننا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یاسنت یا مستحب وغیرہ؟ اور بعد سننے ایک پورے کلام اللہ شریف کے جولوگ سورہ فیل سے آخر تک دوبارہ پڑھتے ہیں ان کاکیا حکم ہے یعنی ہررات رمضان شریف میں تراویح بست رکعتیں پڑھنا سنت مؤکدہ یاسنت یا مستحب وغیرہ ہے یاکیاارشاد ہے؟ ایک رات اسی ماہ صیام میں طبیعت میری نادرست تھی تراویح ایک شب کی مجھ سے نہ ہوئیں اب ان کی قضا کروں یانہیں اور کروں تو کس وقت؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

تراویح میں پورا کلام اللہ شریف پڑھنااور سننا مؤکدہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ بعد کلام مبارک بھی تمام

---

[1] جامع الترمذی مناقب ابی بکر صدیق مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۲/۲۰۷

[2] القرآن ۲۶/۲۲۷

لیالی شہر مبارک میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، تراویح اگر ناغہ ہوگئیں تو اُن کی قضاء نہیں **کل ذلك مصرح به فی الکتب الفقھیة** (ان تمام پر کتب فقہ میں تصریح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶۴: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیدابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۳۲ رمضان شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں بعد سورہ فاتحہ سورہ اخلاص پڑھنا جائز ہے یامکروہ باوجودیکہ امام اور سورتیں بھی جانتاہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے بلاکراہت اگرچہ سورہ فیل سے آخر تک تکرار کاطریقہ بہتر ہے کہ اس میں رکعات کی گنتی یادرکھنی نہیں پڑتی۔ ردالمحتار میں ہے:

فی التجنیس، واختار بعضھم سورة الاخلاص فی کل رکعة وبعضھم سورة الفیل ای البدائة منھا ثم یعیدھا وھذا احسن لئلا یشتغل قلبه بعدد الرکعات[1]۔	تجنیس میں ہے بعض نے ہر رکعت میں سورۃ اخلاص کو مختار کہا بعض نے سورۃ فیل کو یعنی اس سے ابتداء ہو اور پھر تکرار کیاجائے اور سب سے بہتر ہے تاکہ دل تعداد رکعات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاباس ان یقرء سورة ویعیدھا فی الثانیة (الی قوله) ولایکرہ فی النفل شیئ من ذلک[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں اسے دوبارہ لوٹایاجائے (یہاں تک) کہ نفل میں ان میں سے کوئی شے بھی مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۵: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی شجاعت علی صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں ختم قرآن شریف کے لئے ایک بار جہر سے بسملہ پڑھناچاہئے یانہیں؟ فقط **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہاں ___

فی المسلم وشرح الفواتح، البسملة	مسلم اور شرح الفواتح میں ہے کہ بسملہ قرآن کی

---

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲

[2] درمختار آخر فصل بجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۸۱/۱

من القراٰن اٰیة فتقرأ فی الختم مرة علی ھذا ینبغی ان یقرأھا فی التراویح بالجھر مرة ولاتتأدی سنة الختم دونھا[1]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	آیت ہے ختم قرآن میں ایک دفعہ اسے پڑھا جانا چاہئے لہٰذا تراویح میں اسے ایک دفعہ جہراً پڑھنا لازم ہے کیونکہ اس کے بغیر سنت کے مطابق ختم قرآن نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۶تا۱۰۶۸: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی کریم رضا صاحب یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نماز تراویح کی جماعت اس طور پر کہ الم ترکیف سے شروع کرتے ہیں اور والناس تک ایک ایک سورہ ایک ایک رکعت میں پڑھتے ہیں اور پھر الم ترکیف سے والناس تک دوبارہ دس رکعتوں میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہر ترویحہ کے بعد دعامانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کسی حافظ کو اس طور پر نماز تراویح کی پڑھانی کہ پہلے ایسی قوم کے ساتھ جو آٹھ رکعتیں تراویح منفرد پڑھ چکے ہوں بارہ رکعتیں ختم تراویح پڑھاکر پھر دوسری قوم کے پاس جو بارہ رکعتیں تراویح کی منفرد پڑھ چکے ہوں جاکر آٹھ رکعتیں تراویح کی ہر شب میں پڑھانی جائز ہیں یا نہیں؟ بیّنوا بالفقه والسنة والکتاب تؤجروا من اللہ حسن المآب (فقہ اور کتاب وسنت کے مطابق جواب عنایت کرکے اللہ تعالٰی سے اجر عظیم پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جائز ہے۔

فی الھندیة بعضھم اختار قل ھواللہ احد فی کل رکعة وبعضھم اختار قرأة سورة الفیل الی اٰخر القراٰن وھذا احسن القولین لانه لایشتبه علیه عدد الرکعات ولایشتغل قلبه بحفظھا کذا فی التجنیس[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے بعض نے ہر رکعت میں قل ھواللہ احد کواختیار کیا اور بعض نے سورہ فیل سے آخر تک کو، اور یہ احسن قول ہے کیونکہ اس صورت میں عدد رکعات میں اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے یادرکھنے میں مصروف ہوتا ہے جیساکہ تجنیس میں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ البسملۃ من القرآن مطبوعہ قم، ایران ۲/ ۱۴

[2] فتاوٰی عالمگیری الباب التاسع فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۸

(۲) جائز ہے۔

فی ردالمحتار قال القھستانی فیقال ثلاث مرات سبحٰن ذی الملك والملکوت سبحٰن ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ و الکبریاء والجبروت سبحن الملك الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح لاالٰہ الااللہ نستغفراللہ نسألك الجنۃ ونعوذبك من النار کمافی منھج العباد[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ قہستانی نے کہا کہ تین دفعہ یہ کلمات پڑھے جائیں: ملک وملکوت کے مالک تیری ذات پاک ہے اے صاحب عزت وعظمت اور جبروت وکبریا تیری ذات اقدس پاک ہے، اے مالک جوزندہ ہے اس پر موت نہیں، تیری ذات پاک ہے توپاک وقدوس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی مانگتے ہوئے جنت کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں منہج العباد اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنت عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یاعورت بلاعذر شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واساءت ہو اور اُن کی جماعت کی مساجد میں اقامت سنت کفایہ کہ اگر اہل محلّہ اپنی اپنی مسجدوں میں اقامت جماعت کریں اور اُن میں بعض گھروں میں تراویح تنہا یاباجماعت پڑھیں تو حرج نہیں اور اگر تمام اہل محلّہ ترک کریں توسب گنہگار ہوں، ردالمحتار میں ہے:

اصل التراویح سنۃ عین فلوترکھا واحد کرہ[2]۔	تراویح سنت عینی ہیں، اگرانہیں کسی نے بھی ترک کیاتومکروہ ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

والجماعۃ فیھا سنۃ علی الکفایۃ فی الاصح فلو ترکھا اھل مسجد اثموا، لالوترك بعضھم[3]۔	ان میں اصح قول کے مطابق سنت کفایہ ہے، اگر تمام اہل مسجد نے اسے ترک کیا توگنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے ترک کیاتوگنہگار نہ ہوں گے (ت)

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶

[2] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

[3] درمختار فصل فی الوتروالنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۸

ردالمحتار میں ہے:

ظاہر کلامھم ھنا ان المسنون کفایۃ اقامتھا بالجماعۃ فی المسجد حتی لو اقاموھا جماعۃ فی بیوتھم ولم تقم فی المسجد اثم الکل[1]۔	یہاں سنت کفایہ سے مراد یہ ہے کہ تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اگر تمام نے گھروں میں جماعت کے ساتھ ادا کیں اور مسجد میں ادا نہ کیں تو سب گنہگار ہوں گے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں امام اور دونوں جگہ کے مقتدی تینوں فریق سے جس کے لئے یہ فعل اس شناعت کا موجب ہو اس کے حق میں کراہت واساءت ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں حرج نہیں مثلاً امام وہر دو قوم کی مساجد میں جماعت تراویح جدا ہوتی ہے یہ گھروں پر بطور مذکور جماعۃً وانفراداً پڑھتے ہیں تو کسی پر مواخذہ نہیں کہ ہر گروہ مقتدیان نے اگر بعض ترویحات تنہا اور ہر سہ فریق نے مسجد سے جدا پڑھیں مگر جبکہ اُن کی مساجد میں اقامت جماعت ہوتی ہے سنت کفایہ ادا ہو گئی، ہاں امام دونوں قوموں کو پوری تراویح پڑھاتا تو یہ جدا کراہت ہوتی اس سے صورت مستفسرہ خالی ہے۔

فی الھندیۃ امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی المحیط السرخسی والفتوی علی ذلک کذا فی المضمرات[2]۔	ہندیہ میں ہے ایک امام دو مساجد میں تمام تراویح پڑھاتے ہیں تو یہ جائز نہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے مضمرات میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔(ت)

اور اگر اُن میں کسی فریق کی مسجد میں یہی جماعت بطور مذکور ہوئی ہے تو اس کے لئے کراہت ہے کہ اس کی مسجد میں پوری تراویح جماعت سے نہ ہوئیں لہٰذا اس صورت میں یہ چاہئے کہ ایک فریق آٹھ یا بارہ رکعتیں دوسرے امام کے پیچھے پڑھ کر باقی میں اس حافظ کی اقتدا کرے اور دوسرا فریق بارہ یا آٹھ رکعات میں دوسرے کا مقتدی ہو کر باقی میں اس کا مقتدی ہو کہ اب دونوں مسجدوں میں پوری تراویح کی اقامت جماعت سے ہو جائے گی اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ بعض ترویحات میں ایک امام کی اقتداء ہو اور بعض دیگر میں دوسرے کی، ہاں یہ ناپسند ہے کہ ایک ترویحہ میں دو رکعت کا امام اور ہو دو کا اور،

فی الخانیۃ اقاموا التراویح بامامین فصلی	خانیہ میں ہے تراویح دو اماموں نے پڑھائیں، ہر

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۵/۲

[2] فتاوٰی عالمگیری، فصل فی التراویح، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۱۶/۱

کل امام تسلیمۃ بعضھم جوزوا ذلك والصحیح نه لایستحب وانما یستحب ان یصلی کل امام ترویحۃ لیکون موافقا عمل اھل الحرمین[1]۔	امام نے دو رکعات پڑھائیں تو بعض نے اسے جائز کہا اور صحیح یہ ہے کہ یہ طریقہ مستحب نہیں، مستحب یہ ہے کہ ہر امام چار رکعات پڑھائے تاکہ اہل حرمین کے موافق عمل ہو جائے۔(ت)

سراج وہاج میں ہے:

ان صلوھا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحۃ فان انصرف علی تسلیمۃ لایستحب ذلك فی الصحیح[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نماز تراویح دو اماموں نے پڑھائی مستحب یہ ہے کہ ہر ایک کامل ترویحہ کے بعد مصلی چھوڑے، اگر دو رکعات پر چھوڑتا ہے تو صحیح قول کے مطابق یہ مستحب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۰۶۹: از بدایوں محلّہ کڑہ براہم پورہ مرسلہ شیخ عبدالغنی صاحب ۱۱/رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

ایک شخص ایک مسجد میں فرض جماعت سے پڑھا کر تراویح بیس رکعت پڑھاتا ہے پھر وہی شخص دوسری مسجد میں تراویح بیس رکعت جماعت سے پڑھاتا ہے آیا یہ امامت اس کی صحیح ہے یا نہیں؟ اور مقتدیان مسجد دیگر کی تراویح ہو جاتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

مذہب راجح میں امامت صحیح ہے تراویح ہو جاتی ہے مگر خلاف علماء واختلاف تصحیح و مخالفت طریقہ متوارثہ سے بچنے کے لئے بے ضرورت اس سے احتراز کیا جائے۔

فی الخانیۃ والخلاصۃ والظھیریۃ وغیرھا اذا صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی المکتوبۃ اوبمن یصلی نافلۃ غیرالتراویح اختلفوا فیه والصحیح انه لایجوز[3] اھ وفی الھندیۃ، امام یصلی التراویح	خانیہ، خلاصہ اور ظہیریہ میں ہے کہ جب تراویح ایسے شخص کے پیچھے پڑھی جو فرائض پڑھا رہا ہے یا اس شخص کی اقتداء میں جس نے تراویح کے علاوہ نوافل پڑھائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں اھ اور ہندیہ میں ہے کہ

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التراویح مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، بھارت ۱/۱۱۰

[2] سراج الوہاج شرح قدوری

[3] خلاصۃ الفتاوی الفصل الثالث فی التراویح مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۴

فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی المضمرات[1] اھ وفی امامۃ التنویر والدر ومتنفل بمفترض فی غیرالتراویح فی الصحیح خانیۃ و کانہ لانھا سنۃ علی ھیأۃ مخصوصۃ فیراعی وضعھا الخاص للخروج عن العھدۃ[2] اھ فی رد المحتار ان ماذکرہ المصنف ھھنا مخالف لما قدمہ فی شروط الصلٰوۃ بقولہ وکفی مطلق نیۃ الصلٰوۃ لنفل وسنۃ وتراویح وذکر الشارح ھناك انہ المعتمد ونقلنا ھناك عن البحرانہ ظاھرالروایۃ وقول عامۃ المشائخ وصححہ فی الھدایۃ وغیرھا ورجحہ فی الفتح ونسبہ الی المحققین[3] الخ والفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	وہ امام کا دو مساجد میں تمام تراویح پڑھاتا ہے جائز نہیں، محیط سرخسی اور مضمرات میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔ تنویر اور در کے باب الامامت میں ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء تراویح کے علاوہ صحیح ہے خانیہ، کیونکہ تراویح ہئیت مخصوصہ کے ساتھ سنت ہیں تو عہدہ برآ ہونے کے لئے ان میں اس وجہ مخصوص کی رعایت کرنا ضروری ہے اھ ، ردالمحتار میں ہے مصنف نے جوکچھ یہاں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو اس نے شروط صلٰوۃ میں یوں ذکر کیا کہ نفل، سنت اور تراویح کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور شارح نے وہاں کہا کہ معتمد یہی ہے اور وہاں بحر سے نقل کیا کہ یہی ظاہر روایت اور اکثر مشائخ کاقول ہے، ہدایہ وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ فتح میں اس کو ترجیح دیتے ہوئے اسے محققین کی طرف منسوب کیا الخ توجب فتوی میں اختلاف ہوجائے توظاہر روایت کوترجیح ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۰: از کیمپ میرٹھ کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب بازار لال کُرتی مرسلہ مولوی احسان اللہ صاحب ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ جواکثر جگہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں شبینہ پڑھاجاتا ہے یعنی ایک یاایک سے زیادہ رات میں ختم قرآن عظیم

---

[1] فتاوٰی عالمگیری فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

[2] درمختار باب الامامت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۵

[3] ردالمحتار باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹۰

ہوتا ہے اور یہ نوافل باجماعت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ کلام مجید باجماعت نوافل میں ترتیل کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھا جائے وہ بھی ممنوع ہے اور نیز کہتے ہیں کہ جماعت نوافل کی سوا تراویح کے اصلًا جائز نہیں ہے اور جس حدیث میں تہجد کے وقت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شرکت نوافل تہجد میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے مروی ہے وہ مثبت صرف اقتدا ایک شخص کی ہے تیسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ سنتیں فجر کی اگر رہ جائیں اور فرضوں میں کوئی شامل ہوجائے تو پھر اس کو وہ سنتیں نہ قبل آفتاب پڑھنی چاہئیں نہ بعد میں، ان تینوں مسائل کو امید ہے کہ مشرح بیان فرمائیں۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔

الجواب: علماء بنظر منع کسل وملال اقل مدت ختم قرآن عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہل قدرت ونشاط بہر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں، بہت اکابر دین سے منقول ہے:

کمابسطه المولی عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی فی الحدیقة الندیة وغیره فی غیرها[1]۔	جیسا کہ اس پر تفصیل بحث علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں کی ہے۔ (ت)

خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو رکعت میں قرآن شریف ختم کیا کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتب فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہ جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے نہ کہ گناہ حرام کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں دی ہے۔ت) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابر دین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے امت و حکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے، درمختار میں ہے:

اما العوام فلایمنعون من تکبیر والتنفل اصلا لقلة رغبتهم فی الخیرات بحر[2]۔	عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے، بحر۔ (ت)

---
[1] درمختار مقدمہ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۴

اُسی میں ہے:

ولایمنع العامۃ من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبہ ناخذ بحرو مجتبی وغیرہ[1]۔	عوام کو ان (ذوالحج کے) دس دنوں میں بازار میں تکبیرات پڑھنے سے منع نہ کیاجائے، اسی پر ہمارا عمل ہے، بحر، مجتبٰی وغیرہ (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلٰوۃ الرغائب بالجماعۃ وصلٰوۃ لیلۃ القدر ونحوذلک وان صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا فلایفتی بذلک العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات وقد اختلف العلماء فی ذلک فصنف فی جوازھا جماعۃ من المتاخرین وابقاء العوام راغبین فی الصلٰوۃ اولٰی من تنفیرھم[2]۔	اسی قبیل سے نماز رغائب کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور لیلۃ القدر کے موقع پر نماز وغیرہ بھی ہیں اگرچہ علماء نے ان کی جماعت کے بارے میں کراہت کی تصریح کی ہے مگر عوام میں یہ فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو، علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور متاخرین میں سے بعض نے اس کے جواز پر لکھا بھی ہے، عوام کو نماز کی طرف راغب رکھنا انہیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

صبح کی سنتیں اگرنہ پڑھیں اور فرضوں میں شامل ہوگیا قبل طلوع وارتفاع شمس توالبتہ ان کی اجازت نہیں اگرپڑھے گا گنہگار ہوگا اور بعد بلندی آفتاب اُن کا پڑھنا ممنوع نہیں ضرور مستحب ہے کلام علماء میں لایقضی (ادانہ کیاجائے۔ت) بمعنی نفی مطالبہ ہے نہ مطالبہ نفی، ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدھا لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع اما بعد طلوع الشمس فکذلک عندھما وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی احب الیّ ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر قیل	جب فجر کی سنتیں تنہافوت ہوجائیں تو انہیں بالاجماع طلوع آفتاب سے پہلے ادانہ کیاجائے طلوع آفتاب کے بعد، شیخین کے ہاں اسی طرح ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے قضا کرلینا پسندیدہ ہے جیسا کہ

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۷

[2] الحدیقۃ الندیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۰

درر میں ہے کہ یہاں اتفاق ہی ہے کیونکہ امام محمد نے احب کہا جودلالت کررہاہے کہ اگر اس نے قضانہ کیں تو اس پرملامت وغیرہ نہیں ہوگی، اور جس نے لایقضی کہاہے اگر کوئی قضاکرلیتاہے توکوئی حرج نہیں، خبازیہ، بعض نے کہا کہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر قضاکرتا ہے تو وہی سنن ہوں گی یا مستقل نوافل، اسی طرح عنایہ میں ہے یعنی شیخین کے نزدیک نفل مگر امام محمد کے نزدیک سنت، جیسا کہ الکافی لاسمٰعیل میں ہے۔(ت)	هناقریب من الاتفاق لان قوله احب الیّ دلیل، علی انه لولم یفعل لالوم علیه وقالا لایقضی وان قضی لاباس به کذا فی الخبازیة ومنهم من قال الخلاف فی انه لوقضی کان نفلا مبتدأ اوسنة کذا فی العنایة یعنی نفلا عندهما سنة عنده کما ذکره فی الکافی اسمعیل[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷۱: از سنبھل مرسلہ حکیم کفایت اللہ صاحب ۹ شوال ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض عشاء تنہا ادا کیا اور تراویح جماعت سے اب وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اولٰی کیا ہے؟ مع ادلّہ وحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا عنداللہ۔**

الجواب:

جس نے فرض تنہا پڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا کما فی الغنیة وجامع الرموز وردالمحتار[2] (جیسا کہ غنیہ، جامع الرموز اور ردالمحتار میں ہے۔ت) جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اولٰی ہے یا تنہا پڑھنا دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ جماعت افضل ہے۔

امام ابن الہمام نے اسے ترجیح دی، علامہ حلبی نے غنیہ میں اس کی تصحیح فرمائی، اور خیرالدین رملی نے فرمایا: آج لوگوں کی اکثریت اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)	رجحه الامام ابن الهمام وصححه العلامة الحلبی فی الغنیة، وقال خیرالرملی علیه عامة الناس الیوم[3]۔ والله تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۰
[2] غنیہ المستملی، فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰
[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق بحوالہ خیر الرملی باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶۹

مسئلہ ۱۰۷۲: از بیلپور ضلع بریلی مرسلہ حافظ کلن صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان شریف میں دو حافظوں نے ایک مسجد میں قرآن عظیم اس ترتیب سے سنایا کہ ایک حافظ نے اول مثلاً دس تراویح میں ایک یا سوا یا ڈیڑھ پارہ **الم**۔سے سنایا اور پھر دوسرے حافظ نے آخر دس تراویح میں وہی پارہ ایک یا سوا یا ڈیڑھ **الم**۔کا پڑھا یعنی ابتداء سے انتہا تک یہی طریقہ قرات کا رکھا کہ جو کچھ پہلے حافظ نے پڑھا تھا وہی پارہ دوسرے حافظ نے پڑھا اور ایک ہی تاریخ پر مثلاً پچیس ۲۵ یا چھبیس تک دونوں نے ختم قرآن کریم فرمایا پس از روئے شرع مطہر کے یہ طریقہ قرآن شریف کے پڑھنے کا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا بالکتاب تؤجروا بغیر حساب** (کتاب وسنت سے جواب دیجئے اور بغیر حساب اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ طریقہ مکروہ ہے اور اگر ثابت ہو کہ بعض مقتدیوں پر گراں گزرنے کا باعث تھا (اور ضرور ہوگا) تو سخت ممنوع ہے کہ یوں دو ختم معاً سنت سے زائد ہیں تو ایک امر زائد سنت کے لئے مقتدیوں پر گرانی کی گئی اور یہ ناجائز ہے وانما علل عدم ترک ختم بکسل القوم لانہ سنۃ فمازاد یترک لانہ فتنۃ (قوم کی سستی کی وجہ سے ایک ختم قرآن ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ سنت ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ ترک کردیا جائے گا کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷۳: از بلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ وحاجی یعقوب علی ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

رمضان المبارک میں میں نے نماز عشاء جماعت سے نہیں پڑھی ہے مسجد میں جاتے وقت جماعت عشاء ہوگئی تھی اور نماز تراویح کی کھڑی تھی، میں نے جلدی سے نماز عشاء ادا کی اب تراویح کی جماعت میں شامل ہو کر نماز تراویح ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یا اکیلے پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے تنہا نہ پڑھے، ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر بھی تنہا پڑھے۔ درمختار میں ہے:

فمصلیہ وحدہ یصلیہا معہ[1] اھ ای مصل الفرض وحدہ یصل التراویح مع الامام۔	فرض تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت کے ساتھ پڑھے اھ یعنی تنہا فرض ادا کرنے والا تراویح امام کے ساتھ ادا کرے۔(ت)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر [1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب فرض امام کے ساتھ ادا نہیں کئے تو وتر میں اس کی اقتداء نہ کرے۔اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۷۴: از فیض آباد محلّہ رکاب گنج مرسلہ فیاض حسین ٹھیکیدار پتھر ۲۳/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والادست بستہ سلام مسنون کے بعد عرض ہے تابعدار بخیریت ہے خوشنودی مزاج اقدس درکار ازراہ شفقت مربیانہ معاف فرمایاجاؤں کہ آج سے پہلے عریضہ نہ لکھ سکااور آج پھر جو موقع ملاہے وہ خاص ضرورت سے،براہ کرم شرع شریف کے مقدس قانون کے مطابق رائے صائب وحکم مناسب سے اطلاع بخشی جائے، میرے وطن اٹاوہ میں ایک بزرگ مفتی قوم میں سے ازراہ خیر وبرکت ختم قرآن شریف کے دن بیسویں رکعت میں الم۔تا مفلحون پڑھنے کے بعد چند آیات مختلف ماکان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ تراویح ختم کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے ہیں لیکن اس زمانے کی نئی روشنی اس کے خلاف ہے لہٰذا اس کے جواز کے متعلق جو آیات شریفہ کتب احادیث سے پائی جائیں اُن سے اطلاع بخشی جائے تاکہ مخالفین کو سمجھادی جائیں،براہ کرم وشفقت مربیانہ بواپسی ڈاک جواب باصواب عریضہ ہذا سے شاد فرمایاجائے کیونکہ اس کی یہاں فوری ضرورت ہے، فقط

الجواب:

یہ صورت بلاشبہہ جائز ومباح ہے سنن ابی داؤد میں ابوقتادہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھااور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت ببلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سے لیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: **یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان** یارسول اللہ میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی؛ **کلام طیب یجمعه اللہ**

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۸

بعضہ الٰی بعض یارسول اللہ قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے ملالیتاہوں ارادہ الٰہیہ یونہی ہوتا ہے فرمایا: **کلکم قداصاب**[1] تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الانتقال من اٰیۃ من سورۃ الی اٰیۃ اخری من سورۃ اخری اواٰیۃ من ھٰذہ السورۃ بینھما اٰیات مکروہ فی الفرائض اما فی النوافل لایکرہ[2] اھ ملتقطا	ایک سورت کی آیت سے دوسری سورت کی آیت یا اسی سورت کی دوسری آیت کی طرف انتقال کرنا جبکہ ان کے درمیان چند آیات ہوں فرائض میں مکروہ ہے مگر نوافل میں مکروہ نہیں اھ ملتقطا (ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قرأۃ اٰیۃ من بین الاٰیات کقرأۃ سورۃ من بین السور فکما لایکون قرأۃ سورۃ متفرقۃ من اثناء القراٰن مغیر التالیف والنظم لایکون قرأۃ اٰیۃ من کل سورۃ مغیرا لہ[3]۔	آیات میں سے کسی آیت کا پڑھنا ایسے ہی ہے جیسے سورتوں میں سے کسی سورت کا پڑھنا ہے توجس طرح متفرق سورتوں میں سے قرات کرنا قرآنی تالیف و نظم میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اسی طرح ہر سورت سے کسی ایک آیت کا پڑھنا تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اماضم اٰیات متفرقۃ فلایکرہ کمالایکرہ ضم سور متفرقۃ بدلیل ماذکرناہ من القرأۃ فی الصلٰوۃ[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بہرحال آیاتِ متفرقہ کوملانا مکروہ نہیں جیسا کہ سور متفرقہ کاملانا مکروہ نہیں اس پر دلیل وہی ہے جو ہم نے قراۃ فی الصلٰوۃ میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۵: ازدھامپور محلّہ بندوقچیاں ضلع بجنور ۸/ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مسئولہ اللہ دیا

جناب فیض انتساب فضائل مآب جناب مولانا صاحب زاد فضلکم بعد آداب گزارش ہے کہ جو شخص

[1] سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الحادی عشر فی القراۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۹۷

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی تتمات فیمایکرہ من القرآن فی الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۷۰

[4] ردالمحتار، آخر باب سجود التلاوۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۱۹

صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے مگر تراویح قصداً چھوڑ دیتا ہے اس کے واسطے وعید ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی تحریر کریں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیوں نہیں پڑھیں؟ ان پر وعید ہے یا نہیں؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ[1]۔	تم پر لازم ہے میری سنت کا اتباع اور خلفائے راشدین کی سنت کا، اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔

اور فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[2]۔	ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کی پیروی کرو جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تین شب تراویح میں امامت فرما کر بخوف فرضیت ترک فرمادی تو اس وقت تک وہ سنت مؤکدہ نہ ہوئی تھی، جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے اجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر مجتمع ہوئے اس وقت سے وہ سنت مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعل امیر المومنین سے، بلکہ ارشادات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ اب ان کا تارک ضرور تارک سنت مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷۶: از بنارس رام نگر مرسلہ حافظ امام الدین صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۶ھ

جب احقر کا حافظہ ہوگیا تو لوگوں نے اسی سے پڑھوایا مسجد کے پیش امام صاحب نے بخوشی صہ ۵ پانچ روپے احقر کو عنایت کئے جسے احقر نے اُسی وقت اپنے استاد مکرم کی نذر کردی میرے ایک مکتبی بھائی کی خواہش تھی کہ ان پانچ میں سے چندہ تبرک میں کچھ دوں مگر حضرت استاذی کی حالت بمقابلہ تبرک قابل ترجیح معلوم ہوئی لہذا میں نے چندہ تبرک میں اس میں سے کچھ نہ دیا دوسرے سال معلوم ہوا کہ اب کے سال امام صاحب مع ــ۷ ــہ دیں گے پھر سنا گیا کہ ص-۵ــہ ہی دیں گے، اس پر قوی خیال کی بنا پر سمجھا گیا کہ انہیں مکتبی بھائی صاحب کی بدولت پانچ کر دیا گیا ہے جن کی غرض کے مطابق چندہ تبرک میں نے نہیں دیا تھا اس لئے میں نے ان سے شکایت کی کہ استاذ

[1] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۹

[2] جامع الترمذی مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی بھارت ۲/ ۲۰۷

میرے بھی ہیں اور آپ کے بھی، پھر آپ ان کی بھلائی کے بجائے ان کی نقصان رسانی کے درپے کیوں ہیں؟ اس پر بات بڑھی اور امام صاحب مسجد کے کانوں تک پہنچی، اس کے بعد مجھے روپے کی گفتگو پر سخت افسوس ہوا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا ثواب نہ زائل ہو جائے اس لئے میں نے باعلان کہا کہ صاحبو میں کوئی اُجرت نہیں مقرر کرتا، یہ جس قدر باتیں ہوئی ہیں بھائی صاحب سے بات بڑھ جانے کے سبب ہوئیں، پھر ختم کے دن امام صاحب نے سات ہی روپے دیئے جنہیں لیتے وقت احقر کے دل کی عجیب حالت تھی مگر بخیال نفع استاد مکرم کے لئے اور اسی وقت اُن کی خدمت میں پیش کر دیا تاہم مجھے ہر وقت اس کا خطرہ رہتا ہے کہ گو ہم اپنے لئے نہیں لیتے پھر بھی لیتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اب استاذ مکرم کو بھروسا رہتا ہوگا کہ اسے سات روپے ملیں گے اور یہ مجھے دے گا اور پھر اس سے میرا فلاں فلاں کام چلے گا لینے سے انکار کرتے بھی نہیں بنتا۔ شبینہ کیسا ہے جو ایک دن میں چند حفاظ مل کر ختم کرتے ہیں۔

الجواب:

مولٰی سبحانہ وتعالٰی ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اُجرت لینے سے بچیں آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت وحصول ثواب کے لئے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں نہ ہوگا اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اُجرت نہیں ہوسکتی اُس کا لینا حلال اور استاذ کو دینا سعادت مندی، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: **الصریح یفوق الدلالۃ**[1] (صریح کو دلالت پر فوقیت ہے۔ت) شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصًا اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرما شرمی شریک رہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: **اذا ام احدکم الناس فلیخفف**[2] (جب تم میں کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو تخفیف سے کام لے۔ت) اور ارشاد فرمایا: **لایسأم حتی تسأموا**[3] (اللہ تعالٰی ثواب میں کمی نہیں فرماتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷۷: از اوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحیٔ صاحب مدرس ۷ ۱۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح کے ہر چار رکعت پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

---

[1] درمختار، کتاب الہبہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۲/ ۱۵۹

[2] صحیح البخاری باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۷

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۷

چاہئے یا صرف تسبیح بلاہاتھ اٹھائے پڑھے؟

الجواب:

تسبیح میں ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت، ہاں کوئی دعامانگے تو ہاتھ اٹھائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۷۸: از کلکتہ مانک تلہ حاجی زکریا لین نمبرا مرسلہ شیخ روشن علی صاحب ۱۳/شوال ۱۳۳۷ھ

ایک شخص جو اپنے کو اہلسنت سے کہتا ہے اس کا قول ہے کہ نماز تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں ایک قرأت قرآن مجید کی جو کہ فرض ہے اور دوسری تراویح سنت مؤکدہ۔ جب نماز تراویح میں قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں مذکورہ بالا چیزوں سے ایک ادا ہوئی ایک باقی رہ گئی ہے یعنی تراویح سنت مؤکدہ کا ثواب تو حاصل ہوا مگر قرأت کے ثواب سے محروم رہ گیا جو کہ فرض ہے اس لئے جماعت کے لوگ بعد نماز تراویح کے بیٹھ جائیں کسی سے قرآن شریف سن لیں تاکہ دونوں ثواب حاصل ہو جائیں، کیا یہ قول زید کا صحیح ہے؟

الجواب:

زید کا قول محض باطل اور دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے، تراویح سنت مؤکدہ ہے صرف ایک آیت کا پڑھنا ہر نماز میں ہر مہینے ہر وقت میں فرض ہے تمام قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز خاص رمضان شریف میں فرض ہو یہ جہل محض ہے، جب تراویح پڑھیں اور اُن میں قرآن عظیم پورا پڑھا سنا دونوں سنتیں ادا ہو گئیں دونوں کا ثواب بعونہ تعالٰی مل گیا بعد تراویح بیٹھ کر پھر قرآن مجید پورا سننا فرض درکنار نہ واجب نہ سنت مؤکدہ نہ غیر مؤکدہ۔ اگر کوئی کرے تو ایک مستحب ہے جیسے اور اوقات میں تلاوت اور اسے فرض یا واجب یا مؤکد سمجھنا حرام وبدعت، اور وہ قرآن کریم کہ تراویح میں پڑھا گیا اسے ناکافی سمجھنا سخت جہالت **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**۔ ردالمحتار میں ہے:

قرأۃ الختم فی صلٰوۃ التراویح سنۃ، و صححہ فی الخانیۃ وغیرھا، وعزاہ فی الھدایۃ الی اکثر المشایخ، وفی الکافی الی الجمھور، وفی البرھان، و ھوالمروی عن ابی حنیفۃ والمنقول فی الاٰثار[1]۔	تراویح میں ختم قرآن سنت ہے، خانیہ وغیرہ میں اسی کو صحیح کہا ہے، ہدایہ میں اس کی نسبت اکثر مشائخ کی طرف کی ہے، کافی میں جمہور کی طرف کی ہے اور برہان میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے اثار میں منقول ہے۔ (ت)

کافی وہندیہ میں ہے:

السنۃ فی التراویح انما ھو الختم	تراویح میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے تو قوم

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶

مرة فلا یترك لکسل القوم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیاجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۹: از قصبہ کاشیپور محلّہ قاضی باغ ضلع نینی تال مسئولہ جناب شیخ اللہ بخش و محمد وزیر خاں ۱۴/ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کے اندر جو ایک سوچودہ سورتیں ہیں اگر حافظ قرآن تراویح میں ہر سورۃ میں بسم اللہ شریف پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ یا کیا نفع نقصان ہے؟ ایک شخص یہاں پر ہر سورہ میں بسم اللہ شریف ظاہر کرکے پڑھتے ہیں تواُن پر اعتراض واجب ہے یا نہیں؟ ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہر سورہ میں بسم اللہ شریف پڑھتے ہیں ہم نے کسی حافظ اور عالم کو ظاہر کرکے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

الجواب:

نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنا منع ہے صرف تراویح میں جب ختم کلام مجید کیاجائے سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک کسی ایک سورہ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پورا ہو، ہر سورۃ سے آواز سے پڑھنا ممنوع ہے اور مذہب حنفی کے خلاف۔ گنگوہ وغیرہ کے بعض جاہلوں نے جو اس کے خلاف فتوٰی دیا ہے حماقت وجہالت ہے والتفصیل فی رسالتنا وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح (اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح" میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۰: از دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسئولہ عبدالرحیم ۲۸/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح حافظ کے نہ ہونے سے سورہ الم ترکیف سے پڑھی جائیں بیس رکعت، لیکن اس طریق سے کہ ایک ایک رکعت میں ایک سورۃ دوسری میں قل ھو اللہ یہاں تک کہ بیس رکعت میں نو سورہ الم ترکیف سے اور گیارہ سورہ قل ھو اللہ پڑھی جائیں مگر گیارہویں رکعت میں جبکہ سورہ اذا جاء پڑھی جائے اور بارہویں میں قل ھو اللہ تو ایک سورہ تبت بیچ میں رہ جاتی ہے اور اسی طرح سے جب انیسویں رکعت میں قل ھو اللہ اور بیسویں میں ناس تو فلق رہ جاتی ہے اس صورت میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

یہ دونوں صورتیں وجہ کراہت ہوں گی کہ بیچ میں چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا مکروہ ہے یہ آسان ہے کہ

---
[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۷

دس رکعتوں میں سورہ فیل سے سورہ ناس تک پڑھے پھر انہیں کااعادہ کرے۔

اما مافی الدر المختار، ولایکرہ فی النفل شیئ من ذلك [1] فمع قطع النظر عما اورد علی ھذہ الکلیۃ لم یثبت ان النفل ھھنا یشمل السنۃ المؤکدۃ بل ھو مقابلھا وقدقالہ فی الدر المختار قبیلہ، وفی الحجۃ یقرأ فی الفرض بالترسل حرفا حرفا وفی التراویح بین بین وفی النفل لیلا، لہ ان یسرع بعد ان یقرأ کمایفھم [2]۔ ھ وفی الغنیۃ الاصح کراھۃ اطالۃ الثانیۃ علی الاولٰی فی النفل ایضا الحاقا لہ بالفرض فیمالم یرد فیہ التخصیص من التوسعۃ کجوازہ قاعدا بلا عذر ونحوہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں جو ہے کہ ان میں سے کوئی شیئ نوافل میں مکروہ نہیں، تو اس پر وارد شدہ اعتراض سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل سنت مؤکدہ کو بھی شامل ہے بلکہ وہ اس کے مقابل ہے، اس سے تھوڑا پہلے درمختار میں ہی بات کہی: حجہ میں ہے کہ فرائض میں قرأۃ آہستہ آہستہ حرف حرف پڑھے اور تراویح میں ترسل واسراع کے درمیان درمیان اور رات کے نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکتا ہے جو سمجھ آسکے اھ۔ غنیہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ نوافل میں بھی دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر طویل کرنا مکروہ ہے یہ حکم نفل کو فرض کے ساتھ ان امور میں ملحق کرنے کی بناء پر ہے جن میں نفل کے لئے تخصیص وسعت وارد نہیں ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۱: از مین پوری مسئولہ حکیم محمد احمد صاحب علوی شب ۱۰/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شبینہ پڑھنا یعنی ایک شب میں قرآن مجید ختم کرنا تراویح یا تہجد یا نفل میں جائز ہے یانہیں اور جو شخص اس طرح پر کہ نہایت صحت اور قواعد کے ساتھ صاف صاف پڑھتا ہے اس کی اقتداء میں اگر کچھ لوگ ذوق وشوق اور خلوص وہمت سے داخل ہو کر شرکت کریں تو ان مقتدیوں اور امام کی بابت کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ شبینہ مطلقًا ناجائز ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ حرام ہے صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا، اور یہ جو بعض بزرگوں کی نسبت مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے ایک رات میں اتنے اتنے ختم کئے بالخصوص حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی نسبت وہ محض خصوصیات ہیں اُن کا یہ

[1] درمختار فصل ویجھر الامام، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۸۱/۱

[2] درمختار فصل ویجھر الامام، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۸۰/۱

[3] غنیۃ المستملی کراھیۃ الصلوٰۃ فصل فی بیان مایکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۵۶

فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہے، بکر کہتاہے کہ نفس شبینہ جائز اور مباح ہے بلکہ بزرگان دین کا معمول ہے یہ اور بات ہے کہ اگر منہیات شرع اس میں شامل ہوں یالوگ اس کو اچھی طرح نہ سنیں بلکہ اس وقت بیٹھے باتیں کریں یاحقہ اور چائے پینے میں مشغول رہیں یاقرآن مجید ایساغلط اور جلد جلد پڑھاجائے کہ سمجھ میں نہ آئے توبیشک ایسی صورت ناجائز ہوگی بلکہ ایسی صورت اگر تراویح میں واقع ہوتوتراویح کے لئے کیاحکم نہ ہوگا کیانفس تراویح ان عوارض کی وجہ سے ناجائز ٹھہرے گی؟ زید کہتاہے شبینہ پڑھنے والے اور سننے والے کو پانسو جوتے لگانے چاہئیں، امسال رمضان مبارک ۱۳۳۹ھ میں ہم چند مسلمانانِ مین پوری نے اپنے اپنے ذوق وشوق سے چند حافظ بلوائے جونہایت عمدہ اور صاف پڑھنے والے تھے نہ کسی پر بار ہواسب نے نہایت مستعدی اور سکون سے سنااس پر زید کو بہت غصہ آیا زید امام جامع مسجد ہے انہوں نے بالاعلان ہم سب مسلمانوں پراسی جامع مسجد میں بعد نماز مغرب مصلے پر کھڑے ہوکر ماں بہن کی گالیاں دیں اور کہا شبینہ سننا اور وہاں جانا سب گناہ ہے کوئی شبینہ کو جائز ثابت کردکھائے توپچاس روپیہ دوں گاایسے شخص کی نسبت جواس قسم کے سب وشتم مسلمانوں کو دے بازاری اور فحش کلمات اس کے زبان زد رہتے ہوں اور مسلمانوں کو جواس کے مقتدی نہیں ماں بہن کی گالیاں دے، چنانچہ اس بنا پر وہ کل مقتدی اس سے ناخوش ہوں اس کی امامت کا کیاحکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

فقیر ۲۹ شعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدت گرما گزارنے کو پہاڑ پر آیا ہوا ہے وطن سے مہجور اپنی کتب سے دور، لہٰذا زیادہ شرح وبسط سے معذور مگر حکم مسئلہ بفضلہٖ تعالٰی واضح ومیسور۔ شبینہ فی نفسہٖ قطعًا جائز وروا ہے اکابرائمہ دین کا معمول رہاہے اسے حرام کہنا شریعت پرافتراہے، امام الائمہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیس برس کامل ہر رات ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیاہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الحافظ الذھبی قدتواتر قیامہ باللیل و تھجدہ وتعبدہ، ای ومن ثم کان یسمی بالوتد لکثرۃ قیامہ باللیل، بل احیاہ بقرأۃ القراٰن فی رکعۃ ثلاثین سنہ[1]۔	حافظ ذہبی نے فرمایا کہ آپ کاقیام اللیل، تہجد اور تعبد تواتر کے ساتھ منقول ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو وتد (کیل) کہاجاتاہے کیونکہ آپ کے قیام لیل میں کثرت تھی بلکہ آپ تیس سال تک رات کو ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کرتے (ت)

[1] ردالمحتار مقدمہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲

بلادلیل شرعی کسی حکم کو بعض عباد سے خاص مان لینا جزاف ہے اور یہ کہنا کہ اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں ادب کے خلاف محض لاف ہے، ان کا فعل حجت نہ ہوگا تو کیا زید وعمرو کا ہوگا! جواہر الفتاوٰی امام کرمانی پھر فتاوٰی علمگیریہ میں ہے: انما یتمسك بافعال اهل الدین[1]۔ اہل دین کے افعال سے تمسک کیا جائے گا(ت) علمائے کرام نے فرمایا ہے سلف صالحین میں بعض اکابر دن رات میں دو ختم فرماتے بعض چار بعض آٹھ، میزان الشریعہ امام عبدالوہاب شعرانی میں ہے کہ سیدی علی مرصفی قدس سرہ نے ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم فرمائے[2]۔ آثار میں ہے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بایاں پاؤں رکاب میں رکھ کر قرآن مجید شروع فرماتے اور دَہنا پاؤں رکاب تک نہ پہنچتا کہ کلام شریف ختم ہوجاتا۔ بلکہ خود حدیث میں ارشاد ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے گھوڑے زین کرنے کو فرماتے اور اتنی دیر سے کم میں زبور یا توراۃ مقدس ختم فرمالیتے۔ توراۃ شریف قرآن مجید سے حجم میں کئی حصے زائد ہے

والحدیث رواہ احمد والبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال خفف علی داؤد القراٰن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقرأ القراٰن من قبل ان تسرج دوابہ[3]۔	امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث شریف روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالٰی نے تلاوت آسان فرمادی تھی آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین رکھی جاتی تو آپ زین رکھنے سے پہلے زبور تلاوت کرلیتے۔(ت)

یہ سب روایات اور ان سے زائد ہماری کتاب "الفیوض المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" میں ہیں ان افعال کریمہ کو حجت نہ ماننا کیسی گستاخی ہے، جاہل وہ کہ اُسوت اور حجت میں فرق نہ جانے، ہم ان میں اقتداء پر قادر نہیں مگر وہ حجت شرعیہ ضرور ہیں کہ فی نفسہٖ یہ فعل حسن ہے کراہت یا ممانعت اگر آئے گی تو عوارض

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر فی الغناء نورانی کتب خانہ پشاور ۳۵۲/۵

[2] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان بعض مااطلعت علیہ من کتب الشریعۃ الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۷۹/۱

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء قول اللہ اٰتینا داؤد زبورا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۸۵/۱

سے، اور وہ یہاں پانچ ہیں:

اوّل عدم تفقّہ یعنی جلدی کی وجہ سے معانی قرآن کریم میں تفکر وتدبر نہ ہوسکے گا، اصل وجہ منصوص فی الحدیث ہی ہے سنن دارمی وابی داؤد وترمذی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

لم یفقہ من فرائض القراٰن فی اقل من ثلاث[1]۔	جس نے تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے سمجھ کر نہ پڑھا۔

یہ وجہ صرف نفی افضلیت کرتی ہے جس سے کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ولہٰذا عالمگیری میں کراہت شبینہ کے قول کو بصیغہ ضعف ومرجوحیت نقل کیا:

حیث قال افضل القرأۃ ان یتدبر فی معناہ حتی قیل یکرہ ان یختم القراٰن فی یوم واحد[2]۔	یہاں الفاظ یہ ہیں کہ افضل قرأت یہ ہے کہ اس کے معانی میں تدبر ہو حتی کہ یہ کہا گیا ہے کہ ایک دن میں ختم قرآن مکروہ ہے۔(ت)

اقول: پھر یہ بھی ان کے لئے ہے جو تفکر معانی کریں یہاں کے عام لوگ کہ کتنا ہی دیر میں پڑھئے تفکر سے محروم ہیں اُن کے لئے دیر بے سود ہے اور وہ مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ اسی لئے مقصود ہے اُن کے لئے معتدل جلدی ہی کا افضل ہونا چاہئے کہ جس قدر جلد پڑھیں گے قرأت زائد ہوگی اور قراٰن کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں سَو کی جگہ پانسو حرف پڑھے تو ہزار کی جگہ پانچ ہزار نیکیاں ملیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ حسنۃ و الحسنۃ بعشر امثالھا لااقول الم حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف[3]۔ رواہ الدارمی و الترمذی و صححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس نیکیاں، میں نہیں فرماتا کہ الم-ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اسے دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب القرأۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۵

اور ہر ثواب فہم پر موقوف نہیں، امام احمد رضی اللہ عنہ نے رب عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کی: اے میرے رب! کیا چیز تیرے بندوں کو تیرے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ فرمایا: میری کتاب۔ عرض کی: یارب بفھم اوبغیر فھم اے میرے رب! سمجھ کر یا بے سمجھ بھی۔ فرمایا: بفھم وبغیر فھم سمجھ کر اور بے سمجھے۔

دوم کسل، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ لایسأم حتی تسأموا [1] بیشک اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں کمی نہیں فرماتا جب تک نہ اکتاؤ۔

اقول: یہ وجہ عام عوام کو عام ہے اور احکام فقہیہ میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے کما بیناہ فی رسالتنا کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین ورسالتنا جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالے کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین اور اپنے رسالے جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور میں بیان کیا ہے۔ت) مگر اس وجہ کا مفاد صرف کراہت تنزیہی ہے، علماء نے تصریح فرمائی کہ کسل قوم کے سبب تراویح میں قرآن نہ چھوڑیں۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الختم مرۃ سنۃ ولایترك الختم لکسل القوم [2] (ملخصا)	ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے لہٰذا اسے قوم کی سستی کی بناپر ترک نہ کیا جائے (ملخصا)۔(ت)

اگر کراہت تحریم ہوتی اُس سے احتراز احتراز سنت پر مقدم رہتا اور مکروہ تنزیہی جواز واباحت رکھتا ہے نہ کہ گناہ وحرمت کماحققناہ فی رسالتنا جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) سوم ہذرمہ گھاس کاٹنا۔ درمختار میں ہے:

یاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشھد [3] (بان یاتی بالدعوات بحر، ش [4]) الا ان یمل	امام اور مقتدی ہر شفع میں ثناپڑھیں اور امام تشہد پر اضافہ کرے (بایں طور کہ دعائیں پڑھے، بحر، ش) مگر قوم اکتا جائے تو صلوٰۃ پڑھ لے اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۷

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۸

[3] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

[4] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷

القوم فیاتی بالصلات ویترك الدعوات و یجتنب المنکرات ھذرمۃ القرأت وترك تعوذوتسمیۃ وطمانینۃ وتسبیح و استراحۃ[1]۔	اور دعائیں ترک کردے، ممنوعات سے اجتناب کرے مثلاً بہت زیادہ تیز قرات کرنا، تعوذ وتسمیہ کوترک کرنا، اطمینان کے ساتھ نمازادانہ کرنا، تسبیح اور جلسہ استراحت کا ترک کرنا۔(ت)

بعض لوگ ایساجلد پڑھتے ہیں علیم یا حکیم، یعقلون، تعلمون غرض لفظ ختم آیت کے سواکچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نفس سنت کافانی اور بدعت شنیعہ اور اساءت ہے۔

چہارم ترک واجبات قرأۃ مثل مد متصل، یہ صورت گناہ ومکروہ تحریمی ہے۔

پنجم امتیاز، حروف متشابہ مثل ث س ص، ت ط، ز ذ ظ وغیرہا نہ رہنا، یہ خود حرام ومفسد نماز ہے مگر ہندوستان کی جہالتوں کاکیاعلاج، حفاظ وعلماء کودیکھاہے کہ تراویح درکنار فرائض میں بھی اس کی رعایت نہیں کرتے، نمازیں مفت برباد جاتی ہیں انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ شبینہ مذکورہ سوال کہ ان عوارض سے خالی تھااس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں مگراتناضرور ہے کہ جماعت نفل میں تداعی نہ ہوئی ہو کہ مکروہ ہے، مسلمانوں کوفحش گالیاں دینا خصوصًاماں بہن کی خصوصًامسجد میں سخت فسق ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذی[2]۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وحسنہ و ابن حبان والحاکم فی صحیحھماعن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلمان نہیں ہوتاہے بہت طعنہ کرنے والا بہت لعنت کرنے والا نہ بے حیافحش گو۔ اسے امام احمد، بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی نے اسے حسن کہا۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

خصوصًاجواس کاعادی ہے اس کے سخت فاسق معلن ہونے میں کلام نہیں اسے امام بناناگناہ ہے اور اس کے پیچھے نمازپڑھنامکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھ لی توپھیرنی واجب، فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون[3] (اگرفاسق کوامامت کے لئے مقدم کردیاتوتمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی اللغۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹

[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: لان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1] (کیونکہ اس کی امامت کے لئے تقدیم میں تعظیم ہے حالانکہ شرعًا اس کی اہانت لازم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۲: ازگھوسی ضلع اعظم گڑھ محلّہ کریم الدین پور مرسلہ جامع فنون عقلیہ ونقلیہ فقیہ ملت مولٰنا حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ مصنف بہار شریعت ۸/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والابرکت دامت برکاتہم بعد سلام ونیاز غلامانہ معروض حافظ نے تراویح میں فاتحہ اور سورہ توبہ کے درمیان اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار الخ بالجہر قصدًا پڑھا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نماز ہوئی یانہیں؟ اور ہوئی تو کیسی؟ اگر نماز واجب الاعادہ ہوتو ان دونوں رکعتوں میں جو قرآن پڑھاگیا ختم کے پورا ہونے میں اس کااعادہ بھی ضرور ہے یاکیا؟

الجواب:

سورہ توبہ شریف کے آغاز پر بجائے تسمیہ یہ تعوّذ محدثات عوام سے ہے شرع میں اس کی اصل نہیں، خیر بیرون نماز اس میں حرج نہ تھا، رہی نماز اگر سورہ فاتحہ کے بعد یہی سورہ توبہ شروع کی اور اس سے پہلے وہ اعوذ پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی کہ واجب ضم سورۃ بوجہ فصل بالاجنبی ترک ہوا مگر اعادہ تراویح سے اعادہ قرآن لازم نہیں یہ جب تھا کہ تراویح باطل ہو جاتی اور اگر فاتحہ کے بعد کچھ آیات انفال پڑھ کر توبہ شروع کی اور اُس سے پہلے وہ تعوذ پڑھا تو اگرچہ کراہت تحریم ووجوب اعادہ نہیں مگر جماعت تراویح میں مثل جماعت فرائض وواجبات یہ فعل مکروہ وخلاف سنت ضرور ہے اور اس کاجہر سے پڑھنا اور زیادہ نادانی و قلّت شعور ہے اُن دو رکعتوں کااعادہ اولٰی ہے۔ قرآن عظیم کے اعادہ کی اصلاً حاجت نہیں۔ درمختار میں ہے:

الامام لایشتغل بغیر القراٰن وماورد حمل علی النفل منفردا[2]۔	امام قرآن کے علاوہ میں مشغول نہ ہو اور جو دعائیں وغیرہ منقول ہیں وہ اس صورت پر محمول ہیں جب اکیلا آدمی نفل پڑھ رہاہو۔(ت)

ردالمحتار وحلیہ میں ہے:

اما الامام فی الفرائض فلما ذکرنا من انه	فرائض میں امام کامعاملہ تو وہی ہے جو ہم ذکر کرآئے

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۴

[2] درمختار فصل یجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یفعلہ فیھا، وکذا الائمۃ من بعدہ الٰی یومنا ھذا فکان من المحدثات، ولانہ تثقیل علی القوم فیکرہ، واما فی التطوع فانکان فی التراویح فکذلک[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں ایسا فعل نہیں کیا اسی طرح آپ کے بعد آج تک ائمہ نے بھی نہیں کیا تو اب اس کے خلاف کرنا بدعت ہوگا، اور دوسرا یہ بھی ہے کہ قوم پر ثقل ہوگا لہٰذا مکروہ ہے رہا معاملہ نوافل کا تو اگر تراویح میں تو وہاں بھی یہی حکم الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۳: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کہے کہ نماز تراویح میں قرآن شریف کے سننے سے ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سننا اچھا ہے، آیا یہ شخص غلطی پر ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اگرچہ قرآن عظیم وتہلیل وتکبیر وتسبیح وذکر شریف حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب ذکر الٰہی ہیں کریمہ ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر میں حدیث قدسی ہے:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[2]۔	یعنی رب العزت عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا توجس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ (ت)

مگر قرآن عظیم اعظم طرق اذکار الٰہیہ ہے حدیث قدسی میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں رب عزوجل فرماتا ہے:

من شغلہ القراٰن عن ذکری ومسألتی اعطیتہ افضل من اعطی السائلین، وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام	جسے قرآن عظیم میرے ذکر ودعا سے روکے یعنی بجائے ذکرودعا قرآن عظیم ہی میں مشغول رہے، اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں اور کلام اللہ کا فضل

[1] ردالمحتار فصل فی القرأۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴۵

[2] کتاب الشفاء الفصل الاول من الباب الاول مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ دولت عثمانیہ ترکی ۱/ ۱۵

کفضل اللہ علی خلقہ[1]۔ رواہ الترمذی وحسنہ۔	سب کلاموں پر ایسا ہے جیسا اللہ عزوجل کا فضل اپنی مخلوق پر۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔(ت)

خصوصًا تراویح کا ایک ختم کہ سنت جلیلہ ہے اور مجلس میلاد مبارک عمل مستحبات اور سنت مستحب سے بلاشبہہ افضل، ہاں اگر کسی شخص کے لئے کوئی عارض خاص پیدا ہو تو ممکن کہ ذکر شریف سننا اس کے حق میں قرآن مجید سننے بلکہ اصل تراویح سے بھی اہم وآکد ہوجائے مثلًا اس کے قلب میں عدو رجیم نے معاذاللہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کچھ وساوس ڈالے اور ایک عالم دین مجلس مبارک میں ذکر اقدس فرمارہا ہے اس کا سننا اس وساوس کو دور کرے گا اور دل میں معاذاللہ معاذاللہ اُن کے جم جانے کا احتمال ہے تو قطعًا اس پر لازم ہوگا کہ ذکر شریف میں حاضر ہو کہ محبت وتعظیم حبیب کریم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اصل کار ومدار ایمان ہے، معاذاللہ یہ نہ ہو تو پھر نہ قرآن مفید نہ تراویح نافع، نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کا سوال کرتے ہیں۔ت)

مسئلہ ۱۰۸۴: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھمرا مرسلہ مولوی مہدی صاحب ۱۴شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ درماہ رمضان المبارک جماعت وتر نہ نمودن وہر روز از جماعت موجودہ بیروں رفتن شرعًا جائز است یانہ وتارک جماعت وتر رافاسق وفاجر وغیرآں خواند شود یانہ؟ حسب شرع چہ حکم ست۔ بیّنوا توجروا۔	اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں جماعت وتر میں شرکت نہ کرنا اور ہر روز جماعت موجودہ سے باہر چلا جانا شرعًا جائز ہے یانہیں؟ وتر کی جماعت کے تارک کو فاسق وفاجر وغیرہ کہا جاسکتا ہے یانہیں؟ شریعت کا حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جماعت وتر نہ واجب ست نہ مؤکد در ترک او ہیچ بزہ کاری نیست بلکہ اختلاف درانست کہ افضل جماعت ست یاوتر تنہا گزاردن فی الدرالمختار ھل الافضل فی الوتر[2]	جماعت وتر نہ واجب نہ سنت مؤکدہ، اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جماعت افضل ہے یا تنہا وتر ادا کرنا۔ درمختار میں ہے کہ کیا وتر جماعت کے ساتھ افضل

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن مطبوعہ کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۱۶/۲

[2] سنن الدارمی باب فضل کلام اللہ تعالٰی الخ حدیث ۳۳۵۹ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۳۱۷/۲

الجماعۃ ام المنزل تصحیحان[1] ھ واللہ تعالٰی اعلم	ہیں یا گھر پر تنہا پڑھنا، دونوں قولوں کی تصحیح ہوئی ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۵: از موضع خورد موڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ کچھ قید ہے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ اخلاص ہی ضم ہو دوسری سورۃ نہ ہو؟

الجواب:

کوئی قید نہیں اختیار ہے جو سورۃ چاہے پڑھے یا چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۸۶: از مولوی عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ، وتروں میں مشابہ سے دعائے قنوت بھول جانے پر کیاپڑھنا چاہئے؟ اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

ہر دعا پڑھنے سے واجب قنوت ساقط ہو جاتا ہے، ہاں اگر بالکل کوئی دعا بھول کر نہ پڑھی تو سجدہ سہو کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸۷: از شہر مرادآباد محلّہ مغلپورہ حصہ اول مرسلہ مولینا مولوی سید اولاد علی صاحب ۹/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں کے مسبوق کو اپنے فوت شدہ رکعت میں قنوت پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

مسبوق کی اگر وتر کی تینوں رکعتیں فوت ہوئیں اخیر میں قنوت پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی ملی ہے اگرچہ تیسری کے رکوع ہی میں شامل ہوا تو اب باقی نماز میں قنوت نہ پڑھے گا۔ درمختار میں ہے:

المسبوق فیقنت مع امامہ فقط ویصیر مدرکا بادراک الرکوع الثالثۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق امام کے ساتھ صرف قنوت پڑھے اور وہ تیسری رکعت کا رکوع پانے سے مدرک ہوجائے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۹

[2] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۴

مسئلہ ۱۰۸۸: مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۷/ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیاحکم ہے اہل شریعت کااس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وتر کی تیسری رکعت میں بعد الحمد و قل کے تکبیر کہہ کر دعائے قنوت کے بدلے میں تین ۳ بار قل ھو اللہ شریف پڑھ لیتا ہے اور دعائے قنوت اس کو نہیں آتی ہے پس اس کی نماز وتر کی صحیح ہوتی ہے یانہیں؟اور اگروہ ہر روز سجدہ سہو کرلیا کرے تونماز وتراس کی صحیح ہوجایا کرے گی؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نماز صحیح ہوجانے میں توکلام نہیں، نہ یہ سجدہ سہو کا محل کہ سہواً کوئی واجب ترک نہ ہوا، دعائے قنوت اگر یاد نہیں یاد کرنا چاہئے کہ خاص اس کاپڑھنا سنت ہے، اور جب تک یاد نہ ہو اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھ لیا کرے، یہ بھی یاد نہ ہوتو اللھم اغفرلی تین ۳ بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آتا ہو تو صرف یارب تین بار کہہ لے واجب ادا ہوجائے گا، رہا یہ کہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب اداہوا کہ نہیں، اتنے دنوں کے وترکااعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اداہوگیا کہ وہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے۔

بل قال العلامۃ القاری وغیرہ من العلماء کل دعاء ذکر وکل ذکر دعاء[1] وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الدعاء الحمد للہ۔ رواہ الترمذی وحسنہ و النسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم وصححہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما ھذا ولیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔[2]	بلکہ علامہ علی قاری اور دیگر علماء نے فرمایا ہر دعاذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے سب سے افضل دعا الحمدللہ ہے۔اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح کہا اسے محفوظ کرلو اور غور کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب التسبیح والتحمید الخ مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۱۱۲/۵

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۴/۲، مستدرک علی الصحیحین باب افضل الذکر الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴۹۸/۱

اجتناب العمال عن فتاوی الجھال

(قنوت نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوٰی کارَد)

مسئلہ ۱۰۸۹تا۱۰۹۵: از شہر دمن عملداری پرتگیز مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۲۶/جمادی الاُخری ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہابی نے اول چند رسائل عقائد وہابیت وگستاخی شان مع۔ظمان دین پر مشتمل طبع کئے جس پر علمائے بمبئی وغیرہ نے ۱۳۱۳ھ میں اس کی وہابیت پر فتوٰی دیا اس نے باصرار جماعت اہلسنت مجبور ہو کر اپنے تحفظ کے لئے ربیع الاول ۱۳۱۴ھ اس وقت ایک پرچہ باظہار توبہ چھاپ کر شائع کردیا جب اہلسنت اس کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو اس نے اپنے اُسی زمانہ سابق وہابیت کی تحریرات سے ایک تحریر حال کی بتاکر ظاہر کی جس کا تاریخی نام "ضروری سوال" لکھاہے جس سے وہی ۱۳۱۳ھ پیدا ہے اگرچہ آخر میں ۱۳۱۵ھ لکھ دیا ہے اس تحریر پر وہ طالب مباحثہ ہے اور چند شرائط بحث لکھے ہیں وہ تحریر خاص اس کے قلم کی لکھی ہوئی مع توبہ نامہ و شرائط مباحثہ حضرات علمائے اہلسنت کے ملاحظ میں حاضر کرکے چند امور کا استفسار ہے:

(۱) اس تحریر میں جو حکم اس نے قرار دیا کہ نماز فجر میں قنوت پڑھنا وقت فتنہ وفساد وغلبہ کفار جائز وباقی وغیر منسوخ ہے اور باقی کسی سختی مثل طاعون ووباوغیرہ کے وقت جائز نہیں، یہ حکم تفصیلی ہمارے ائمہ کا ہے یا اس کا اپنا اختراع ہے۔

(۲) طاعون یاوبا کے لئے قنوت ماننے کو کذب وبہتان بتانا علمائے کرام وفقہائے اعلام کی شان میں گستاخی ہے یا نہیں؟

(۳) اس تحریر کے مضامین والفاظ وطرز بیان واملاوانشا سے اس شخص کا بے علم وجاہل ومنصب فتوٰی کے ناقابل ہونا ظاہر ہے یا نہیں۔
(۴) اگر ظاہر ہے تو نااہل کو مفتی بننا حلال ہے یا حرام اور اس کے فتوے پر عوام کو اعتماد چاہئے یا نہیں؟
(۵) اس نے اس تحریر میں جو سندیں تقریر میں لکھی ہیں اگر ان سے اس کا مطلب ثابت نہیں تو آیا یہ امر صرف اس کی جہالت وبے علمی سے ہے یا کہیں بددیانتی اور عوام کو فریب دہی بھی پیدا ہوتی ہے؟
(۶) جو اس تحریر ضروری سوال کو صحیح ودرست بتائے وہ جاہل ونافہم ہے یا نہیں؟
(۷) شرائط مباحثہ جو اس نے لکھے ہیں وہ اس کے اگلے اشتہار توبہ کے خلاف ہیں یا نہیں اور اس سے اس کی قدیم وہابیت کی بو پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اللھم لك الحمد تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں، ضروری سوال میں جو حکم اختیار کیا محض خلاف تحقیق ہے ہمارے ائمہ کرام کی تصریحات کتب متون دیکھئے تو عموماً یہ ارشاد ہے کہ غیر وتر میں قنوت نہیں ان میں وقت غلبہ کفار کا بھی کہیں استثناء نہیں اور اگر تحقیقات جمہور شارحین پر نظر ڈالئے تو مطلقاً نازلہ کے لئے قنوت لکھتے ہیں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی ہرگز قید نہیں لگاتے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلٰوۃ الفجر من غیربلیۃ فاذا وقعت فتنۃ اوبلیۃ فلاباس بہ[1]۔	یعنی امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا نماز فجر میں ہمارے یہاں قنوت نہ ہونا اس وقت ہے کہ کوئی بلاومصیبت نہ ہو جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلاواقع ہو تو نماز صبح میں قنوت پڑھنا مضائقہ نہیں۔

شرح نقایہ برجندی میں ہے: فی الملتقط قال الطحاوی فذکر نحوہ[2] یعنی امام ناصرالدین محمد سمرقندی نے ملتقط میں امام طحاوی کا قول مذکور نقل فرمایا۔ بحرالرائق میں ہے:

وفی شرح النقایۃ معزیاالی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام[3] الخ۔	یعنی علامہ شمنی نے شرح نقایہ میں بحوالہ غایہ امام سروجی بیان کیا کہ اگر مسلمانوں پر (معاذ اللہ) کوئی سختی آئے تو امام قنوت پڑھے الخ

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی صلٰوۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰
[2] شرح نقایہ برجندی فصل الوتر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۳۰
[3] بحرالرائق شرح کنزالدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

منحۃ الخالق میں ہے:

کذا فی شرح الشیخ السمعیل لکنه عزاه الی غایة البیان ولم اجد المسألة فیها فلعله اشتبه علیه غایة السروجی لغایة البیان لکنه نقل عن البنایة مانصه اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلٰوة الجهریة وقال الطحاوی لایقنت عندنا فی صلٰوة الفجر فی غیربلیة اما اذا وقعت فلاباس به[1] ھ	یعنی اسی طرح پر مسئلہ شرح شیخ اسمٰعیل للدرر والغرر میں ہے انہوں نے اسے غایۃ البیان علامہ اتقانی کی طرف نسبت کیا مگر مجھے غایۃ البیان میں نہ ملا، شاید غایہ سروجی سے اشتباہ ہوا لیکن اس نے بنایہ سے نقل کیا جس کی عبارت یہ ہے، جب کوئی سختی آئے توامام جہر نماز میں قنوت پڑھے، اور طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک فجر میں بغیر مصیبت نہ پڑھے تاہم جب مصیبت نازل ہو توحرج نہیں اھ (ت)

اور انہیں نے غایہ امام عینی سے نقل کیاکہ جب کوئی سختی واقع ہو امام قنوت پڑھے اور امام طحاوی کا وہی ارشاد ذکر فرمایا۔ اُسی میں ہے:

(قوله ولهما انه منسوخ) قال العلامة نوح افندی هذا علی اطلاقه مسلم فی غیر النوازل واما عند النوازل فی القنوت فی الفجر فینبغی ان یتابعه عند الکل لان القنوت فیها عند النوازل لیس بمنسوخ علی ماهو التحقیق کمامر[2] الخ۔	یعنی علامہ نوح آفندی نے فرمایا: جب حنفی کسی شافعی کے پیچھے نماز فجر پڑھے تو بغیر کسی نازلہ کے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ وہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے لیکن بلاؤں کے وقت صبح میں ہمارے سب اماموں کے ہاں مقتدی کو باتباع امام قنوت پڑھنا چاہئے کہ تحقیق یہی ہے کہ سختیوں کے وقت نماز صبح میں قنوت منسوخ نہیں۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

فی فتح القدیر ان مشروعیة القنوت للنازلة مستمرة لم تنسخ[3]۔	یعنی فتح القدیر میں ہے کہ سختی کے لئے قنوت پڑھنے کی شرعاً اجازت برابر چلی آئی ہے منسوخ نہ ہوئی۔

اُسی میں ہے:

ذکر فی السراج الوهاج قال الطحاوی[4] الخ	سراج الوہاج میں امام طحاوی کا وہ ارشاد ذکر کیا کہ کوئی بلا آئے تو قنوتِ فجر میں حرج نہیں۔

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

[2] منحۃ الخالق علی بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

[3] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۶۲۔۲۶۱

[4] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۶۳۔ ۲۶۳

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں غایہ سروجی کا کلام نقل کرکے مثل علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ فرمایا:

فتکون مشروعیة مستمرة وھو محمل قنوت من قنت من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم بعد وفاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وھو مذھبنا وعلیه الجمھور وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی[1] الخ	یعنی سختیوں کے وقت قنوت کامشروع ہونا باقی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بعد وفات اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو قنوت پڑھی اس کا موقع یہی ہے یعنی سختی کے وقت پڑھتے تھے، ہمارا اور جمہور ائمہ کایہی مذہب ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کوئی فتنہ یا بلاہو تو قنوت میں مضائقہ نہیں۔

حاشیہ مراقی السید الطحاوی میں ہے:

قوله وھو محمل الخ ای حصول نازلة قوله وھو مذھبنا ای القنوت للحادثة[2]۔	اس کاقول، وہ موقع ہے الخ، یعنی سختی کے وقت۔ اس کاقول، وہ ہمارا مذہب ہے یعنی کسی سختی کے واقع پر۔(ت)

درمختار میں ہے: لایقنت لغیرہ الالنازلة[3]۔(یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے مگر کسی سختی کے لئے۔) فتح اللہ المعین حاشیہ کنزللعلامۃ السید ابی السعود الازہری میں امام طحاوی کاارشاد مذکور کہ کسی بلاکے وقوت قنوت فجر میں حرج نہیں نقل کرکے فرمایا:

وظاھرہ انه لوقنت فی الفجر لبلیة انه یقنت قبل الرکوع[4] حموی۔	یعنی علامہ سید احمد حموی نے فرمایا امام طحاوی کے اس ارشاد سے ظاہر یہ ہے کہ اگر کسی بلاکے سبب نمازِ فجر میں قنوت پڑھے تو رکوع سے پہلے پڑھے۔

طحطاوی حاشیہ در میں ہے:

قال العلامة نوح بعد کلام قدمه فعلی	یعنی علامہ نوح نے ایک کلام ذکر کرکے فرمایا تواس

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی

[3] درمختار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[4] فتح اللہ المعین باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۲

هذا لایکون القنوت فی صلٰوۃ الفجر عند وقوع النوازل منسوخا بل یکون امرا مستمرا ثابتا ویدل علیه قنوت من قنت من الصحابة بعده صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فیکون المراد بالنسخ نسخ عموم الحکم لانسخ نفس الحکم قال فی الملتقط قال الطحاوی الخ (ثم قال) قال بعض الفضلاء هومذهبنا وعلیه الجمهور[1]۔	تقدیر پر بلائیں اُترتے وقت نماز فجر میں قنوت منسوخ نہ ہوگی بلکہ باقی وثابت ہوگی اور اس کی دلیل صحابہ کا بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قنوت پڑھنا ہے توہمارے علماء جو قنوت فجر کو منسوخ بتاتے ہیں اس کی مراد یہ ہے کہ سختی وغیر سختی ہر صورت میں قنوت کا عموم منسوخ ہوگیا نہ یہ کہ قنوت رہا ہی نہیں ملتقط میں ہے امام طحاوی نے فرمایا کوئی فتنہ یا بلاہو توفجر میں قنوت پڑھ سکتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا یہ ہمارااور جمہور کامذہب ہے۔

ردالمحتار میں عبارات بحر و شرنبلالی و شرح شیخ اسمٰعیل و بنایہ و اشباہ و غایہ و غنیہ ذکر کرکے فرمایا: **قنوت النازلة عندنا مختص بصلٰوۃ الفجر**[2] سختی کے لئے قنوت ہمارے نزدیک نماز فجر سے خاص ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال الخطابی فیه دلیل علی جواز القنوت فی غیرالوتر قلت لکن یقید بما اذا نزلت نازلة و حینئذ لاخلاف فیه[3]۔	یعنی نماز فرض میں قنوت خاص اس صورت میں ہے جب کوئی سختی اُترے اس وقت اس میں خلاف نہیں،

کلام یہاں مسئلہ قنوت نوازل اور اس کے اجماعی یاخلافی ہونے کے بحث میں نہیں۔

وقد تقدم عن الشرنبلالی والحلبی و نوح اٰفندی والطحاوی بنسبة الی الجمهور المشعرة بحصول خلاف و افادالامام ابن الهمام فی الفتح وتبعه الحلبی فی الغنیة ان قنوت النوازل امر	پہلے شرنبلالی، حلبی، نوح آفندی اور طحطاوی سے جمہور کی نسبت گزرا جواختلاف کی طرف مشعر ہے، امام ابن ھمام نے فتح اور حلبی نے ان کی اتباع میں غنیہ میں کہا کہ قنوت نازلہ اجتہادی معاملہ ہے اور دونوں طرف کے دلائل

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۸۳

[2] ردالمحتار مطلب فی قنوت النازلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت، الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۷۹

مجتهد فيه وذكر كلام النظرين۔	ذکر کئے۔(ت)

کلام اس میں ہے کہ اولا ان سب عبارات میں نازلہ، بلیہ، حادثہ سب لفظ مطلق ہیں کسی میں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی تخصیص نہیں، نازلہ ہر سختی زمانہ کو کہتے ہیں جو لوگوں پر نازل ہو۔اشباہ میں ہے:

قال فی المصباح النازلة المصيبة الشديدة تنزل بالناس انتهى وفى القاموس النازلة الشديدة انتهى وفى الصحاح النازلة الشديدة من شدائد الدهر تنزل بالناس[1] انتهى	مصباح میں ہے کہ قنوت نازلہ اس وقت پڑھی جائے گی جب لوگوں پر شدید قسم کی مصیبت نازل ہو انتہی، قاموس میں ہے نازلہ کا معنی شدیدۃ انتہی، صحاح میں ہے کہ نازلہ اسے کہتے ہیں جو شدائد دہر میں لوگوں پر نازل ہوں۔انتہی(ت)

خود مصنّفِ "ضروری سوال" کو اقرار ہے کہ عندنا النازلۃ (سخت مصیبت کے وقت۔ت) کی قید سے ہر سختی سمجھی جاتی ہے بااینہمہ برخلاف اطلاقات علماء اپنی طرف سے خاص فتنہ وفساد وغلبہ کفار کی قید لگانا اور کہنا کہ "ہر ایک نازلہ نہیں" کلام علما میں تصرف بیجا ہے۔

ثانیاً میں اطلاق سے احتجاج کرتا ہوں "کلمات علماء میں صاف تعمیم موجود ہے عامہ عبارت مذکورہ دیکھئے لفظ نازلۃ یا بلیۃ نکرہ موضع شرط میں واقع ہوا کہ اگر کوئی سختی یا کسی قسم کی بلا آئے تو نماز فجر میں قنوت پڑھے یہ صراحۃً ہر مصیبت ناس کو عام ہے"لما نصوا ان النكرة فى حيز الشرط تعم" (کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ نکرہ شرط کے تحت ہو تو عام ہوتا ہے۔ت) تو زید کا ان کے معنی میں وہ حکم لگادینا کلمات علماء کا بگاڑ نا بدلنا ہے۔

ثالثاً ابن حبان نے اپنی صحیح بالتقاسیم والانواع میں بطریق ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سعید وابی مسلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايقنت فى صلٰوة الصبح الا ان يدعوا لقوم او على قوم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔

فتح القدیر وغنیہ ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: وهو سند صحيح[3] یہ سند صحیح ہے۔خطیب بغدادی

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶۳۔۲۶۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان، ۳/ ۱۸۲

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۸۲

نے کتاب القنوت میں بطریق محمد بن عبداللہ الانصاری ثنا سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایقنت الا اذا دعا لقوم اودعا علی قوم[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے یا کسی قوم پر دعافرمانی ہوتی۔

کتبِ ثلٰثۃ مذکورہ میں ہے: ھذا سند صحیح قالہ صاحب تنقیح التحقیق[2] یہ سند صحیح ہے صاحب تنقیح التحقیق نے اس کی تصریح کی۔ امام زیلعی نصب الرایہ میں یہ دونوں حدیثیں ذکر کرکے فرماتے ہیں:

قال صاحب التنقیح وسند ھذین الحدیثین صحیح وھما نص فی ان القنوت مختص بالنازلۃ[3]۔	یعنی صاحب تنقیح نے کہا ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے اور ان میں صاف تصریح ہے کہ قنوت وقت مصیبت کے ساتھ خاص ہے۔

یہ دونوں حدیثیں بھی مطلق ہیں ان میں کوئی تخصیص فتنہ وغلبہ کفار کی نہیں اور شک نہیں کہ مثلاً رفع طاعون، دفع وبا، زوال قحط کے لئے دعا بھی "دعا لقوم" کے اطلاق میں داخل کہ یہ بھی مسلمانوں کے لئے دعائے نفع ہے، تو صحیح حدیثوں سے اس کا جواب ثابت ہوا۔

فان اعتل بحمل المطلق علی المقید، قلنا لیس ھذا محلہ فان ذکر واقعۃ عین داخلۃ فی اجمال بیان لایحصرہ فیھا عند احد علی انہ انما ھو مسلك الشافعیۃ وانت تظھر من نفسك الاعتماد علی مذھب الحنیفۃ وقد انبأت فی غضون کلامك انك ھھنا بصدد اثبات مذھبھم وصرحت فی اٰخر الرسالۃ انھا علی اصول مذھب	اگر کوئی یہ علت بیان کرے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا گیا ہے توہم کہیں گے کہ یہ اس حمل کا محل ہی نہیں اگر کوئی مخصوص ایسا واقعہ ذکر کرے جو بیان اجمال میں داخل ہو تو اس بات کا حصر مخصوص واقعہ میں کسی کے ہاں درست نہیں، علاوہ ازیں یہ شوافع کا مسلک ہے حالانکہ آپ مذہب حنفیّہ پر اعتماد کا اظہار کررہے ہیں، آپ کی یہ گفتگو آگاہ کررہی ہے کہ آپ احناف کا مذہب ثابت کرنے کے درپے ہیں، حالانکہ آخر رسالہ میں آپ نے یہ تصریح کی ہے

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۸۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۸۲

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ باب احادیث القنوت فی الفجر مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲/ ۱۳۰

اما منا الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن مقلدیھم اھ بلفظك مع ان الصحیح فی المسئلۃ الاصولۃ قولنا فقد اقام ائمتنا علیھا براھین لاقبل لاحدبھا فیتم الالزام ولایبقی لاحد مجال کلام۔	یہ رسالہ ہمارے امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اور ان کے مقلدین کے اصولوں پر ہے اھ یہ تمہارے اپنے الفاظ ہیں باوجودیکہ صحیح مسئلہ اصول میں ہمارا قول ہے ہمارے ائمہ نے اس پر ایسے دلائل قائم کئے ہیں کہ کوئی ان پر قیل وقال نہیں کرسکتا، پس الزام تام ہوا اور اس کے بعد کسی کو کلام کی مجال وطاقت نہیں (ت)

رابعاً مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال ابن حجر اخذ منہ الشافعی انہ لیسن القنوت فی اخیرۃ سائر المکتوبات للنازلۃ التی تنزل بالمسلمین عامۃ کوباء قحط وطاعون اوخاصۃ ببعضھم کأسر العالم او الشجاع ممن تعدی نفعہ و قول الطحاوی لم یقل بہ فیھا غیر الشافعی غلط منہ بل قنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المغرب بصفین اھ و نسبۃ ھذا لقول الی الطحاوی علی ھذا المنوال غلط، اذ أطبق علمائنا علی جواز القنوت عند النازلۃ[1]۔	ابن حجر نے فرمایا کہ امام شافعی نے یہاں سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اس وقت تمام فرائض کی آخری رکعت میں قنوت نازلہ پڑھنا سنت ہے جب عام مصیبت مسلمانوں پر مثلاً وباقحط، طاعون نازل ہو یا خاص مصیبت بعض لوگوں پر نازل ہو مثلاً کسی عالم یا بہادر جس کے نفع کثیر ہوں، کامقید ہوجانا، اور امام طحاوی کا یہ قول کہ نازلہ میں اس بات کا قول امام شافعی کے علاوہ کسی نے نہیں کیا، یہ ان کی طرف سے غلطی ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام صفین پر مغرب کے وقت قنوت پڑھی ہے اھ اور اس قول کی اس طریق پر امام طحاوی کی طرف نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ ہمارے علماء شدید مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پر متفق ہیں۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال الامام النووی القنوت مسنون	امام نووی نے فرمایا فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت سنت

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۷۸

فی صلٰوۃ الصبح دائما واما فی غیرھا ففیه ثلثة اقوال والصحیح المشھور انه اذا نزلت نازلة کعدوا وقحط اووباء اوعطش اوضرر ظاھر فی المسلمین ونحو ذلك قنتوا فی جمیع الصلوات المکتوبة والافلا ذکرہ الطیبی وفیه ان مسنونیته فی الصبح غیر مستفادة من ھذا الحدیث[1]۔	ہے اس کے علاوہ باقی نمازوں کے بارے میں تین اقوال ہیں، صحیح اور مشہور یہ ہے کہ جب کوئی شدید مصیبت آئے مثلاً دشمن کا حملہ، قحط، وبا، پیاس یا کوئی ضرر مسلمانوں پر غالب ہو تو تمام فرائض نمازوں میں قنوت پڑھیں ورنہ نہیں، اس کو طیّبی نے ذکر کیا۔ اور اُسی میں ہے کہ اس حدیث سے نماز صبح کے اندر قنوت کی سنت مستفاد نہیں ہو سکتی۔ (ت)

دیکھو مولٰینا علی قاری نے امام ابن حجر مکی سے تصریح صریح نقل فرمائی کہ جس نازلہ کے لئے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ وباء وقحط وطاعون وغیرہا سب کو شامل ہے اور امام طیّبی سے انہوں نے امام اجل ابوزکریا نووی سے نقل کیا کہ نازلہ میں قحط ووبا و تشنگی وغیرہا سب داخل ہیں اور ان اقوال کو مسلم ومقرر رکھا اور بعض بیان کہ خلاف مذہب سمجھے اُن پر اعتراض کردیا، اسے برقرار رکھا بلکہ نازلہ کے معنی مذکور نقل کرکے صاف فرمادیا کہ امام طحاوی کی طرف قنوت نازلہ کا انکار، اس طرح نسبت کردینا ٹھیک نہیں کہ اس کے جواز پر تو ہمارے علماء کا اتفاق ہے اس سے صاف مفہوم کہ وہی نازلہ جس کے معنی ابھی بیان ہوچکے کہ قحط ووباء وطاعون سب اس میں داخل ہیں اسی کے لئے ہمارے علماء جواز قنوت کے قائل ہیں۔

خامساً کیوں راہ دور سے نشان معنی مقصود، دیکھئے، کلمات علماء سے صاف صریح تصریحیں لیجئے، اسی مرقاۃ شریف میں ہے:

قال ابن الملك وھذا یدل علی ان القنوت فی الفرض لیس فی جمیع الاوقات بل اذا نزلت بالمسلمین نازلة من قحط وغلبة عدو وغیر ذلک[2]۔	یعنی علامہ ابن ملک نے فرمایا اس حدیث سے ثابت ہے کہ فرض میں قنوت ہمیشہ نہیں بلکہ خاص اس وقت ہے جب معاذاللہ مسلمانوں پر کوئی سختی آئے، جیسے قحط اور دشمن کا غلبہ وغیرہ۔

علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن محمد مصری نے کتاب الاشباہ میں غایہ وشمنی وفتح کی عبارات کہ نوازل میں قنوت روا ہے نقل کرکے فرمایا:

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۷۹/۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۸۱/۳

فالقنوت عندنا فی النازلة ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل[1]۔	یعنی ان عباراتِ علما سے ثابت ہوا کہ ہمارے نزدیک بلا سختی کے وقت قنوت پڑھنا ثابت ہے اور وہ یہی ہے کہ اس بلا کے دفع کی دعا کی جائے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ نورالایضاح اور علامہ سید محمد دمشقی نے حاشیہ تنویر میں دفع طاعون کے لئے قنوت پڑھنے کی تصریح فرمائی اور انہیں بحر محقق صاحب بحر کا حوالہ دیا ان کی عبارت ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور ثانی نے زیر قول شارح مدقق لایقنت لغیرہ الالنازلة (شدید مصیبت کے بغیر قنوت نہ پڑھی جائے۔ت) فرمایا:

قال فی الصحاح النازلة الشدیدة من شدائد الدھر ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ[2]	صحاح میں ہے نازلہ اس مصیبت کو کہاجاتا ہے جو شدائد دہر میں سے ہو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون شدید ترین مصیبتوں میں سے ہے، اشباہ (ت)

تنبیہ: ان بیانوں سے چند امر روشن ہوئے:

اول: یہ کہ طاعون ووباء اور ان کے مثل ہر بلیہ عامہ کے لئے قنوت صحیح حدیثوں کے اطلاقات سے ثابت ہے تو زید یعنی مصنف "ضروری سوال" کا قنوت نوازل کو جائز وثابت مان کر اسے بعض نازلہ سے خاص کرنا اور باقی کی نسبت کہنا جب تک شریعت سے کسی کام کی اصل نہ ملے وہ کام یا توبدعت ہوگا یا گناہ محض بے معنی ہے کیا اطلاق احادیث اس شخص کے نزدیک کوئی اصل شرعی نہیں کہ اس کے حکم کو بے اصل وگناہ مانتا ہے۔

دوم: قنوت طاعون ووبا کو نہ صرف اطلاقات کلام علمابلکہ ان کی صاف تعمی میں شامل جن میں خود امام اجل ابو جعفر طحاوی بھی داخل، تو اس کی بنا پر زید کا ادعا کہ "نہ اقوال خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت اور نہ ہمارے امام صاحب کے توابعین کے اقوال سے، وہ ایک زائد بات ہے" صریح نافہمی ہے۔

سوم: اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص کمابینه خاتم المحققین سیدنا الجد قدس سرہ الامجد فی کتابه المستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (جیسا کہ ہمارے والد گرامی خاتم المحققین قدس سرہ نے اپنی مبارک کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعا لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۶۲

[2] ردالمحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/۱۱

میں بیان کیا ہے۔ت) مثلاً اس اخیر زمانہ فتن میں طرح طرح کے نشے، قسم قسم کے باجے ایسے پیدا ہوئے جن کی حرمت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ اقوال ائمہ میں، مگر انہیں حرام ہی کہا جائے گا کہ وہ کل مسکر حرام (ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ت) کے عموم اور یہ حدیث **یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف**[1]۔(وہ ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے۔) وکریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ**[2]۔(اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔ت) کے شمول واطلاق میں داخل، اب اگر کوئی جاہل کہہ اُٹھے کہ یہ تو تم قیاس کرتے ہو احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین سے، ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بے کار ہے تو اس سے یہی کہنا چاہئے کہ اے ذی ہوش! یہ قیاس نہیں بلکہ جب ایک مطلق یا عام احادیث وکلمات علمائے کرام میں وارد ہے تو اس کے دائرے میں جو کچھ داخل سب کو وہ حکم محیط وشامل، تو ثابت ہوا کہ زید کا "ضروری سوال" میں خود ہی یہ سوال قائم کرنا کہ "جب قنوت عندالنازلہ ثابت اور جائز ہوتی تو ہر قسم کی بلا اور مصیبت پر جائز ہونی چاہئے" اور اس کا یہ مہمل جواب دینا کہ "ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بے کار ہے احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین کے اقوال سے" صریح نادانی ہے۔

چہارم: اگر صرف یہی اطلاق وعموم احادیث واقوال ائمہ ہوتے تو ثابت کہنے کے لئے کافی تھے ایسے مسئلے کو ہرگز کذب وبہتان نہیں کہہ سکتے، دوسرے دلائل کی نظر سے راجح اور ارجح کا اختلاف دوسری بات ہے مگر آپ اوپر سن چکے کہ طاعون ووباء قحط وغیرہا کے لئے قنوت کی صاف صریح تصریحیں امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم شریف (جن کی جلالت شان پر علمائے جمیع مذاہب حقہ کا اجماع ہے) اور امام جلیل شرف الدین حسن بن محمد طیّبی شارح مشکوٰۃ وامام شہاب الحق والدین احمد بن حجر مکی ہاشمی وعلامہ عبداللطیف بن عبدالعزیز شہیر بابن فرشتہ از اجلہ علمائے حنفیّہ ومحقق فقیہ زین بن نجیم مصری عمدہ حنفیہو مولٰینا علی محمد سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی و فاضل جلیل سید احمد مصری طحطاوی حنفی وعالم نبیل سید محمد آفندی شامی حنفی نے فرمائیں اور امام ابن حجر مکی نے اسے امام مجتہد عالم قریش سیدنا امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا تو مصنف "ضروری سوال" کا قول کہ "طاعون یا وبا کے لئے قنوت ثابت نہیں وہ ایک قسم کا کذب اور بہتان ہے اگر خطاءً ایسا کلمہ بے موقع کسی سے سرزد ہوجائے جناب الٰہی میں توبہ واستغفار جلد کرلے" محض کذب وبہتان اور اب ائمہ کرام وعلمائے اعلام کی جناب میں گستاخی وتوہین شان ہے، زید پر لازم ہے کہ اپنی اس خطا اور بے موقع کلمے سے جناب الٰہی میں توبہ واستغفار کرے اگر بفرض باطل یہ قنوت نوازل صرف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہوتا اور ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بالاتفاق اس سے انکار فرماتے تو غایت یہ کہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

اختلافیہ اور ہمارے مذہب کے خلاف ہوتا، اسے کذب وبہتان کہنا اس حالت میں بھی حلال نہ تھا نہ کہ اس صورت میں کہ خود ہمارے ائمہ وعلماء کے بھی اطلاق وعموم ونصوص سب کچھ موجود، اور اگر اسے خصوص نقل فعل کا منکر ٹھہرایئے تو اول تو یہاں اس کا محل نہیں کہ اس خصوص کا مدعی کون تھا جس کے رَد میں زید یہ الفاظ لکھتا۔

ثانیا اوپر واضح ہوا کہ زید نے اس تحریر "ضروری سوال" میں نہ ہمارے متون مذہب کے ظاہر پر عمل کیا نہ ہمارے شارحین اعلام کا قول لیا بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا فتوٰی گھڑ دیا۔

بلی قد وقع مایوھمہ فی کلام بعض ائمۃ الحدیث فی تقریر مذھب الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ و فی کلام بعض ائمتنا فی توجیہ مذھب بعض الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم ثم لم یعتمدہ ولاجعلہ مذھب علمائنا ولاذکرہ فی تقریر کلامھم مع انہ قد اثر عنہ التعمیم صریحا فیحتمل ان یکون القصر ھھنا وقع وفاقا لاحصرا وایا ماکان فجعل ھذا مذھبا لنالاسلف لزید فیہ فیما اعلم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہاں مذہب امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفصیل کرتے ہوئے بعض ائمہ حدیث کے کلام اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب کی توجیہ کرتے ہوئے ہمارے بعض ائمہ کے کلام میں کچھ ایسی گفتگو واقع ہوئی ہے جو ایسا وہم پیدا کرتی ہے پھر اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا نہ ہمارے علماء کا مذہب ہے اور نہ ہی یہ ان کے کلام میں مذکور ہے باوجودیکہ ان کی عموم پر تصریح منقول ہے لہٰذا ممکن ہے کہ یہاں قصر اتفاقاً واقع ہوگیا ہو اور حصر مقصود نہ ہو، جو بھی ہوا اسے ہمارا مذہب بنادیا گیا میرے علم کے مطابق اس میں زید کے لئے کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

"ضروری سوال" کے اظہار خطا کو اسی قدر بس تھا، بے حاجت شرعیہ ناقصوں قاصروں کی جہالتوں سفاہتوں کا شمار اپنا شیوہ نہیں لقولہ تعالٰی وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے کہ جاہلوں سے روگردانی کیجئے۔ت) مگر امور متعلقہ بدین میں بعد سوال سائل بیان امر حق ضروری، اور یہاں مصلحت دینی اس کی طرف داعی کہ جب ایک ایسا بے علم وکم فہم ومشکوک ومتہم شخص اپنے آپ کو مفتی ومصنف بنائے ہوئے ہے اور بعض عوام اسے عالم وقابل اعتماد سمجھتے ہیں تو اس کے پر جہل وناہل ہونے کا آشکارا کرنا ان شاء اللہ دین عوام کو نافع اور ضلالت وجہالت میں پڑنے کا دافع ہوگا وباللہ التوفیق زید کی ترکیب وبندش الفاظ وانشا واملا میں اگرچہ خطاہائے فاحشہ موجود ہیں مگر ان سے تعرض داب محصلین نہیں

لہذا انہیں چھوڑ کر اس کے باقی کثیر وبسیار اغلاط وجہالت سے صرف بعض کا اظہار کیا جاتا ہے:

جہالت ۱: حدیث مذکور ابن حبان کہ زید کے دعوی تخصیص کا صاف رَد تھی براہ نادانی اپنی دلیل بنا کر لکھی اور اس پر فائدہ یہ جمادیا کہ "یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نصرت چاہئے طاعون کے لئے قنوت ثابت نہیں" عقلمند سے پوچھا جائے کہ اس حدیث میں ظلم کفار کی تخصیص کہاں ہے اور اس کے ذکر سے، سواضرر کے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔

جہالت ۲: قنوت فجر کے بارے میں ہمارے مشائخ کرام تصریح فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے ولہذا حکم دیتے ہیں کہ حنفی اگر فجر میں شافعی کی اقتدا کرے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ منسوخ میں پیروی نہیں، اس قدر تو کلمات علماء متفق ہیں، ہاں محل نظر یہ ہے کہ یہاں عموم نسخ ہے یا نسخ عموم۔ عموم نسخ یہ کہ نازلہ وبے نازلہ کسی حال میں قنوت فجر کی مشروعیت باقی نہیں عموماً نسخ ہوگیا، اور نسخ عموم یہ کہ نازلہ وبے نازلہ ہر حال میں عموماً قنوت کا پڑھا جانا یہ منسوخ ہوا صرف بحالت نازلہ باقی رہا، نسخ عموم پر تو بہت احادیث صحیحہ دلیل ہیں جن کی تفصیل امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمائی اور مسند احمد و صحیح مسلم و سنن نسائی وابن ماجہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت شھرا یدعو علی احیاء من احیاء العرب ثم ترکہ[1] زادابن ماجۃ فی صلٰوۃ الصبح[2]۔ وھو عند البخاری فی مغازی بزیادۃ بعدالرکوع وترك ثم ترکہ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مہینے تک نماز صبح میں قنوت پڑھی، عرب کے کچھ قبیلوں پر دعائے ہلاکت فرماتے تھے پھر چھوڑدی۔ ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا کہ نماز صبح میں قنوت پڑھتے تھے۔ بخاری کے مغازی میں یہ اضافہ ہے کہ قنوت رکوع کے بعد تھی" پھر اسے ترک کردیا" کے الفاظ کو انہوں نے ترک کردیا۔(ت)

اور صحاح ستہ میں بضمن حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ ترک کا سبب نزول آیہ کریمہ
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ [4] (آپ کے ہاتھ میں معاملہ نہیں چاہے تو

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۷

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۹

[3] صحیح بخاری باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۵۸۶-۸۷

[4] القرآن ۳/۱۲۸

اللہ تعالٰی ان کی توبہ قبول فرمائے یا انہیں عذاب دے کیونکہ یہ ظالم ہیں۔ت)۔

یہاں نظر دو طرف جاتی ہے اگر معنی آیت مطلقًا ممانعت اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تارک فرمانا بربنائے ارتفاع شریعت ہو یعنی فجر میں قنوت اصلًا مشروع نہ رہی تو عموم نسخ ثابت ہوگا اور اب قنوت نازلہ بھی منسوخ ٹھہرے گی، اور اگر معنی آیت ان خاص لوگوں پر دعائے ہلاکت سے ممانعت ہو کہ ان میں بعض علم الٰہی میں مشرف باسلام ہونیوالے تھے اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترک انہیں کے بارے میں ہو، نہ مطلقًا تو صرف نسخ عموم ہی ثابت ہوگا اور قنوت نازلہ مشروع رہے گی، یہی دونوں نظریں امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر پھر ان کی تبعیت سے علامہ محقق حلبی نے شرح کبیر میں افادہ فرمائیں، ان دونوں کتابوں اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کہے:

واذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من روایۃ ابی جعفر (ھو الرازی) ونحوہ (کدینار بن عبداللہ خادم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مازال رسول للہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا) اما علی الغلط (لان الرازی کثیر الوھم قالہ ابوزرعۃ و دینار وقد قیل فیہ ماقیل) او علی طول القیام فانہ یقال علیہ ایضا او یحمل علی قنوت النوازل ویکون قولہ (اے قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہ) ثم ترک فی الحدیث الاخر (المراد فی الصحاح) یعنی الدعا علی اولئك القوم لامطلقا[1] اھ مختصرا مزید منی مابین ھلالین	جب نسخ ثابت ہو تو اس روایت کو جسے حضرت انس سے ابوجعفر (رازی) یا اس کی مثل دیگر روایات (مثلا: دینار بن عبداللہ حضرت انس کے خادم ہیں سے مروی ہے کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم وصال تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے) یا غلطی پر محمول کیا جائے گا (کیونکہ بقول رازی ابوزرع کثیر الوہم ہیں، اور دینار کے بارے میں بھی جو کچھ کہا یا ہے وہ ہی کچھ ہے) یا طول قیام پر محمول کیا جائے گا کیونکہ قنوت کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے یا اسی قنوت نازلہ پر محمول کیا جائے گا اور ان (حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا قول دوسری حدیث (جو صحیح میں موجود ہے) میں کہ پھر اسے ترک کردیا گیا یعنی قوم کے خلاف دعا ترک کردی نہ کہ ہر دعا اھ اختصارا اور میری طرف سے وہ اضافہ ہے جو ہلالین کے درمیان ہے (ت)

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۹، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبۃ امدادیہ ملتان ۳/۱۸۲

نیز کتابین مذکورین میں ہے:

فیجب کون بقاء القنوت فی النوازل مجتهدا فیه وذلك ان هذا الحدیث (ای حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه بطریقی حماد بن ابی سلیمان وابی حمزة القصاب عن ابراهیم عن علقمة عنه قال لم یقنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الصبح الاشهرا ثم ترکه لم یقنت قبله ولابعده ولفظ حماد لم یرقبل ذلك ولابعده) لم یؤثر عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قوله ان لاقنوت فی نازلة بعد هذه، بل مجرد العدم بعدها فیتجه الاجتهاد بان یظن ان ذلك انما هولعدم وقوع نازلة بعدها تستدعی القنوت فتکون شرعیة مستمرة وهو محمل قنوت من الصحابة بعد وفاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم، او ان یظن رفع الشرعیة نظرا الی سبب ترکه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو انه لما نزل قوله تعالٰی لیس لك من الامر شیئ ترک۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ اھ بزیادة[1]۔	مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کو باقی رکھنے کے معاملے کو اجتہادی قرار دینا واجب ہے کیونکہ یہ حدیث (یعنی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دو طریقوں سے مروی ہے حماد بن ابی سلیمان، ابوحمزہ قصاب نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھا پھر آپ نے اسے ترک فرمادیا اس سے پہلے بھی آپ نے قنوت فجر میں کبھی نہ پڑھی اور نہ بعد میں۔ حماد کے الفاظ یہ ہیں کہ اس سے پہلے بھی نہ دیکھا اور نہ بعد میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے کہ شدید مصیبت میں اس کے بعد قنوت نہیں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے بعد محض عدم منقول ہوا لہٰذا اس معاملہ میں اجتہاد ہوگا بایں طور کہ غالب گمان ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی شدید مصیبت ہی نازل نہ ہوئی جو قنوت کا تقاضا کرتی لہٰذا قنوت دائماً جائز ہوگی اور یہی محمل ہے اس قنوت کا جو حضور علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے منقول ہے یا بایں طور کہ گمان یہ ہے کہ اس کا جواز ختم ہونا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ترک کے باعث ہے، سبب یہ کہ جب اللہ تعالٰی کا قول لیس لک من الامر شیئ نازل ہوا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو ترک کردیا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم اھ بزیادۃ۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب الصلوٰۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

روشن علم تو یہ ہے مگر مصنف "ضروری سوال" کی سخت نافہمی کہ دومتنافی باتوں کو ایک کردیا اور کچھ نہ سمجھا، خود اسی کا ایک کلام دوسرے کو رَد کردے گا مسلک تو وہ اختیار کیا کہ قنوت نازلہ باقی ہے منسوخ نہیں اگرچہ نازلہ کے معنی خاص فتنہ وفساد وغلبہ کفار کے لئے ایک جگہ لکھا عندالنازلہ بدعت نہیں مداومت بدعت اور دین میں نیاکام ہے۔ پھر لکھا "دلیل اوپر نسخ قنوت کے مداومت کے طوپر اور دلیل واسطے جواز قنوت کے عندالنازلہ "پھر لکھا مداومت کے طور پر منسوخ اور عندلنازلہ غیر منسوخ"۔ اور مزے سے وہی آیہ کریمہ اور وہی حدیث بحوالہ صحیحین ذکر کرکے کہہ دیا "اسی آیت سے اور حدیث متفق علیہ سے نسخ قنوت عموماً ثابت ہوا سوائے قنوت وترکے "ذی ہوش سے پوچھا جائے کہ اس حدیث سے کس چیز پر قنوت مذکور تھی، نازلہ پر اور نزول آیت کس قنوت کے بارے میں ہوا، قنوت نازلہ میں، اگر آیت وحدیث سے اس کا نسخ ثابت مانتا ہے تو قنوت نازلہ کہاں باقی رہی، وہ ہی تو صراحۃً ان سے منسوخ ہوئی، یہ طرفہ تماشا ہے کہ وہی منسوخ وہی باقی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جہالت ۳: حدیث طارق اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارہ انکار قنوت فجر (جس طرح معمول شافعیہ ہے) نسائی نے اس طرح روایت کی کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نماز پڑھی کسی نے قنوت نہ پڑھی وہ بدعت ہے[1]۔ اور ترمذی وابن ماجہ نے یوں کہ ان کے صاحبزادے سعدابومالک نے اُن سے پوچھا آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا: نئی نکالی ہوئی ہے۔[2] ایک ہی حدیث مضمون، ایک ہی صحابی ایک ہی مخرج اور مصنف "ضروری سوال" نے اسے بلفظ اول ذکر کرکے نسائی وابن ماجہ وابن ترمذی سب کی طرف نسبت کیا اور لفظ دوم کو بے نسبت چھوڑ کر کہہ دیا: "ان دونوں حدیثوں میں لفظ بدعت اور محدث کا وارد ہے"۔ ایسی حدیث کو دو حدیثیں کہنا اصطلاح فقہادر کنار اصطلاح محدثین پر بھی ٹھیک نہیں آسکتا یہ زید کی بے خبری وغفلت ہے۔

جہالت ۴: قنوت مذکورہ ائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حدیث مذکور سے بدعت بتا کر آگے حاشیہ جمایا: "اور حکم بدعت کا یہ ہے کہ کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" (ہر نوپیدا چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں جائے گی۔ت) قطع نظر اس سے کہ

[1] سنن النسائی باب لعن المنافقین فی القنوت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۱۴۸

[2] جامع الترمذی باب فی ترک القنوت مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۳، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۹

جملہ اولٰی حکم بدعت نہیں، حکم بہ بدعت ہے، اجتہادیات ائمہ دین کو ایسے احکام کا مورد قرار دیں کیسی بے باکی وجرأت ہے حاشا ائمہ کرام اہلسنت کا کوئی مسئلہ ضلالت وفی النار کا مصداق نہیں وہ سب حق وہدایت وسبیل جنت ہے۔

جہالت ۵تا۸: حدیث عاصم بن سلیمن ذکر کی:

قلنا لانس بن مالك ان قوما یزعمون ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یزل یقنت فی الفجر فقال كذبوا انما قنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهرا واحدا یدعو علی احیاء من احیاء المشركین[1]۔	اور اس کا ترجمہ کیا" ہم نے پوچھا انس بیٹے مالک سے یہ کہ مقرر ایک قوم گمان کرتی ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے نماز فجر میں، سو جواب دیا مالک نے کہ وہ لوگ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ قنوت پڑھی آپ نے مہینہ ایک، سو بھی بددعا کرنے کو اوپر قبیلوں کے قبیلوں سے مشرکین کے"۔

اوّلاً محاورہ عرب میں زعم بمعنی مطلق قول بھی شائع یہاں تک کہ صحیح حدیث میں زعم جبریل تک واقع۔

ثانیاً کلام نا محقق یاخلاف تحقیق بھی مراد ہو تو یہ حکم اس قائل کے نزدیک ہوتا ہے جواسے بلفظ زعم تعبیر کرتا ہے اس سے یہ مستفاد نہیں کہ وہ زاعم خود بھی اسے مشکوک یا مظنون سمجھتا ہے، زید نے زبردستی یزعمون کے معنی یہ بنالئے کہ جو قنوت فجر کی بقاکے قائل ہیں خود ہی اسے شک وگمان کے مرتبے میں جانتے ہیں اور اسی بناپر کذبوا کا ترجمہ کیا" کہ وہ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں" یہ نیوجماکر اب اس پر فائدہ جڑا، اس حدیث سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ تابعین میں قنوت کا فقط گمان ہی گمان تھا یقینی امر نہ تھا، پس جتنی روایات ان روایات کے مخالف ہیں وہ سب ظنیات ہونی چاہئیں **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**۔ افسوس کہ جو کہنا چاہا تھا وہ بھی کہہ نہ جانا عقلمند سے پوچھا جائے کہ قائلان قنوت مالکیہ وشافعیہ نے کس دن کہا تھا کہ قنوت فجر یقینی ہے یامانعان قنوت حنفیّہ وحنبلیہ کب کہہ سکتے ہیں کہ عدم قنوت قطعی ہے مسائل اجتہادیہ دونوں طرف ظنیات ہوتے ہیں پھر یہ کون سا فائدہ آپ نے نکالا اور اس سے بحث میں کیا نفع حاصل ہو۔

ثالثاً اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان قوما یزعمون میں لفظ قوم نکرہ حیز اثبات میں ہے جس کا مفاد صرف اس قدر ہوگا کہ کچھ لوگ طور وہم بقائے قنوت مانتے ہیں اسے کب لازم ہوا کہ زمانہ تابعین میں سب قائلان قنوت اسے اسی درج میں جانتے ہیں۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ بحوالہ قصاب باب القنوت فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۸۲، مسند احمد بن حنبل ۳/ ۱۶۷ مسلم شریف ۱/ ۲۳۷ بخاری شریف ۱/ ۱۳۶

جہالت ۹: حدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن القنوت فی الفجر[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قنوت فجر سے منع فرمایا:

جس میں تین راوی ضعیف وشدید الضعیف ہیں ذکر کرکے تضعیف رواۃ کا جواب دیا کہ "امام صاحب کی تحقیق کو وہ مانع نہیں۔

"دوم: یہ کہ انس بن مالک نے بدعت اور محدث کہا تو گمان یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس نہی کی ضرور خبر ہو گی اگرچہ بدعت اور محدث کی جگہ لفظ نہی کا نہ ذکر کیا ہو اور اسی پر اکتفا کیا، قطع نظر اس سے کہ بدعت یا محدث کے قائل حضرت طارق اشجعی ہیں نہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما تو پیدا کہنے سے اس گمان کی راہ کدھر سے ملی ضرور انہیں اس نہی کی خبر ہو گی، انہوں نے صراحۃً نو پیدا ہونے کی وجہ ارشاد فرمادی تھی کہ میں نے سید عالم وخلفاء کرام صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم سب کے پیچھے نماز پڑھی، اے فرزند! وہ نئی نکلی ہے اس میں نہی پر اطلاع کی بو بھی نہیں نکلتی، نہ کہ اس سے گمان ہو کہ ضرور نہی معلوم ہو گی بلکہ انصافاً اس سے یہی متبادر کہ نہی یا تو واقع ہی نہ ہوئی یا ہوئی تو انہیں خبر نہ تھی ورنہ عدم فعل کا ذکر نہ کرتے صاف جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اسے منع فرماچکے ہیں، جواب مسئلہ میں دلیل اقوی کا ترک کیوں کیا جاتا۔

جہالت ۱۰: ایک حدیث کی سند ذکر کی: عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور ترجمہ میں بھی لکھا "اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی "عنہما" سے۔ عالم صاحب کو اتنی خبر نہیں کہ صحابیت درکنار مسعود سرے سے مسلمان ہی نہ ہوا، جاہلیت میں مرا۔ اُسے رضی اللہ تعالٰی عنہ میں شامل کرنا کیسی جہالت اور دانستہ ہو تو سخت تر آفت۔

جہالت ۱۱: آگے لکھا فتح القدیر میں تحت حدیث عبداللہ بن مسعود کے بیان کیا ہے چنانچہ

لم یکن انس نفسه یقنت فی الصبح کما رواہ الطبرانی واذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من روایة ابی جعفر اما علی الغلط او علی طول القیام، فانه یقال علیه ایضا فی الصحیح عنه علیه الصلٰوۃ	خود حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور جب نسخ ثابت ہو گیا تو وہ روایت "حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ جو ابو جعفر سے مروی ہے یا تو اسے غلطی پر محمول کیا جائے گا یا طول قیام پر

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۹

والسلام افضل الصلٰوۃ طول القنوت ای القیام[1]	کیونکہ حدیث صحیح میں اس پر قنوت کااطلاق موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں افضل ترین عمل طول قنوت یعنی قیام ہے۔(ت)

قطع نظراس سے کہ تحت حدیث فلاں یازیرآیت چناں اہل علم کے محاورہ میں اس معنی پر بولا جاتا ہے کہ اس آیت وحدیث کی تفسیر وشرح یااس کی بحث میں ایسا کہا، یہاں مبحوث عنہ حدیث ابی جعفر رازی ہے اسی کے تحت اسی کی بحث میں حدیث ابن مسعود وحدیث طبرانی وغیر ہما مذکور ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے تحت میں عبارت فتح کاصاف مطلب جسے ہر حرف شناس عربی بے تکلف پہلی ہی نگاہ میں سمجھ لے یہ ہے کہ حدیث ابی جعفر میں جو دوام قنوت مذکور ہوا ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے طول قیام مراد ہو کہ لفظ قنوت اس معنی پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ بہتر نماز طول قنوت ہے یعنی جس میں قیام دیر تک ہو۔ مصنف "ضروری سوال "ایسی سلیس عبارت کے واضح معنی کو خاک نہ سمجھا لفظ ایضا کو کہ صراحۃً "**یقال**" کی طرف ناظر تھا اس سے قطع نظر کرکے مابعد سے ملایا اور "**ایضا فی الصحیح**" کو سند جداگانہ ٹھہرایا وللہذا لفظ "**ایضا**" پر نشان (—) کہ علامت فعل ہے لگایا اور عبارت کا ترجمہ یوں فرمایا" کیونکہ وہ لفظ قنوت کا مقرر بولا گیا ہے اوپر طول قیام کے، اور بھی بیچ حدیث کے وہ لفظ قنوت کا آیا ہے جو مروی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ افضل ترین نمازوں کی وہ نماز ہے جس میں قنوت یعنی قیام دراز ہو"۔ اس جہالت کی کچھ حد ہے اور ذرایہ حسن ادا بھی قابل لحاظ کہ "بیچ صحیح حدیث کے وہ لفظ قنوت کا آیا ہے" گویا یہاں اس کی بحث تھی کہ حدیث میں کہیں لفظ قنوت آیا ہی نہیں۔

جہالت ۱۲: اسی عبارت فتح کے آخر میں تھا:

والاشکال نشأ من اشتراك لفظ القنوت بین ماذکر وبین الخضوع والسکوت والدعاء وغیرھا[2]	یہاں اشکال قنوت کے ان معانی میں اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے یعنی مذکورہ شئی (طول قیام) خضوع، سکوت اور دعا وغیرہ کے درمیان لفظ قنوت مشترک ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷

یہاں ماذکر سے مراد وہی طول قیام تھا اور اس کے معطوفات خضوع وسکوت ودعا وغیرہا یعنی قنوت کا لفظ جبکہ ان سب معانی پر بولا جاتا ہے اس وجہ سے حدیث ابی جعفر میں قائلان قنوت فجر کو اشتباہ پیش آیا اس سے سمجھ لئے حالانکہ مراد طول قیام تھا کہ ہمیشہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز فجر میں قیام طویل فرمایا یہ ایسے صاف معنی ہیں کہ عربی کا ہر مبتدی بے تامل سمجھ لے، اب مصنف صاحب کا علم دیکھئے عبارت صرف "ماذکر" تک نقل کی اور ترجمہ فرمادیا" اور جو مشکلیں پیدا ہوئی ہیں وہ لفظ قنوت کے مشترک المعنی کے سبب اور وجہ سے بیان اس چیز کے جومذکور ہوئی یعنی اپنے محل پر پورا ہوا ترجمہ فتح القدیر کی عبارت کا" گویا آپ کے نزدیک بین صرف شے واحد پر داخل ہوتا ہے معطوف کی حاجت ہی نہیں ماذکر کے معنی یہ کہ اپنے محل پر مذکور ہوئی ہے اسی پر مطلب تمام ہوگیا۔

جہالت ۱۳: سوال قائم کیا" جب نسخ قنوت ثابت ہوا تو عندالنازلہ جواز کہاں رہا" اور اس کے جواب میں لکھا" جواب بصورت اجمالیہ اجماعیہ یہ ہے فی فتح القدیر وتر ونوافل کی بحث میں قولہ **ان مشروعیۃ القنوت فی لنازلۃ مستمرۃ لم تنسخ**[1]۔الخ تحقیق کے جائز ہونا قنوت کا بیچ وقت سختی منسوخ نہیں" فتح القدیر سے استناد اور قنوت نازلہ کے اجماعی ہونے کا ادعا بکف چراغ دارد کا تماشا ہے فتح القدیر کی اس عبارت میں صراحۃً فرمایا کہ نازلہ میں بقائے قنوت مجتہد فیہ ہے منسوخ ہونا نہ ہونا دونوں طرف نظر جاتی ہے **وقد تقدم نصہ فی بیان الجہالۃ الثانیۃ** (اس کے الفاظ کا تذکرہ جہالت نمبر ۲ میں ہوچکا ہے۔ت) اسی عبارت منقولہ زید کے بعد بلافصل فرمایا تھا۔" **وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث**[2]۔(محدثین کی ایک جماعت نے یہی قول کیا ہے۔ت) کہاں ایک گروہ محدثین کا قول ہونا اور کہاں اجماع۔

جہالت ۱۴: "جو قنوت دونوں حضرات نے نماز فجر میں پڑھی وہ بارادہ اصلاح ذات البین کے تھی نہ بددعا" بددعا نہیں مگر دعائے وصول مکروہ، اور شک نہیں کہ فریقین میں ہر ایک کو اپنی مغلوبی مکروہ ہوئی ہے اور شک نہیں کہ دونوں جماعتیں اپنا غلبہ مانگتی تھیں مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں امیر المومنین مولٰی کریم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

انہ لماقنت فی صلٰوۃ الصبح انکر الناس علیہ فقال انما استنصرنا علی عدونا[3]۔	جب انہوں نے نماز فجر میں قنوت پڑھی تو لوگوں نے آپ پراعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے دشمن پرمدد مانگی ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایقنت فی الفجر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۱۸

محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

قال ابراھیم (ھو النخعی) وان اھل اکوفة انما اخذوا القنوت عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه قنت یدعو علی معویه حین حاربه، واما اھل الشام فانما اخذوا القنوت عن معویة رضی اللہ عنه قنت یدعو علی رضی اللہ عنه حین حاربه قال محمد وبقول ابراھیم ناخذ وھوقول ابی حنیفة[1]۔	حضرت ابراہیم (نخعی) نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کوفہ نے قنوت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اخذ کی ہے کیونکہ انہوں نے اس وقت قنوت پڑھی جب حضرت معاویہ سے ان کی جنگ ہوئی، اور اہل شام نے حضرت معاویہ سے قنوت اخذ کی ہے کیونکہ وہ بھی جنگ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت قنوت پڑھا کرتے تھے، امام محمد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے قول پر ہمارا عمل ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔(ت)

جہالت ۱۵: "بعید نہیں کہ اُن حضرات نے قنوت اس مضمون کی پڑھی ہو" کہ اللھم اصلح بیننا وبین قومنا فانھم اخواننا بغوا علینا (اے اللہ! ہمارے اور قوم کے درمیان صلح پیدافرما کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کردی ہے۔ت) امیر المومنین کی طرف سے یہ قنوت محتمل کیا امیر معاویہ بھی معاذاللہ امیر المومنین کو باغی سمجھتے تھے یہ نرا جاہلانہ افترا ہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صاف تصریح بسند صحیح موجود ہے کہ مجھے خلافت میں نزاع نہیں نہ میں اپنے آپ کو مولٰی علی کا ہم سر سمجھتا ہوں،

وانی لاعلم انه افضل منی واحق بالامر ولکن لستم تعلمون ان عثمان قتل ظلما وانا ابن عمه وولیه اطلب بدمه[2]۔ رواہ یحیی بن سلیمن الجعفی استاذ الامام البخاری فی کتاب صفین بسند جید عن ابن مسلم الخولانی۔	میں خوب جانتا ہوں کہ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ مجھ سے افضل واحق بہ امامت ہیں مگر تمہیں خبر نہیں کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ ظلماً شہید ہوئے میں اُن کا ولی اور ابن عم ہوں اُن کا قصاص مانگتا ہوں۔ اسے امام بخاری کے استاد یحیٰی بن سلیمن الجعفی نے کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ ابو مسلم خولانی سے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الآثار باب القنوت فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۴

[2] کتاب صفین

جہالت ۱۶: خود ہی سوال میں لکھا"جب قنوت عندالنازلہ جائز ہوئی تو ہر مصیبت پر جائز ہونی چاہیئے جس طرح قلّت باراں وسیلاب، نازلہ، آندھی، امراض مختلفہ خاص کر وبا اور طاعون کہ وہ اشد النازلہ ہے"اور جواب دیا"ہمارا تمہارا قیاس بیکار ہے ان مصیبتوں کے لئے شارع علیہ السلام نے جداجدا طریقہ بتادیا اور اُن کا حکم بھی سنادیا چنانچہ کتب فقہ ان سے مملو ہیں الخ"اس کو قیاس بتانے کی جہالت اوپر مذکور ہوچکی مگر طاعون کو خود"اشد النازلہ"لکھنے سے رہاسہا اور بھی جہل کا پردہ کھول دیا، جب قنوت نازلہ ثابت اور طاعون سب سے سخت تر نازلہ ہے تو اس کے لئے بدلالۃ النص قنوت ثابت اور دلالۃ النص سے اثبات کو قیاس بتانا سخت جہالت، اب مصنف"ضروری سوال"کی مثال اس ذی ہوش کی طرح ہے جس سے کہا جائے والدین کو مارنا حرام ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: **لاتقل لھما اُف** ماں باپ سے"ہوں"نہ کہہ۔ جب ہوں کہنے ممانعت ہے تو مارنا اس سے سخت تر ہے بدرجہ اولٰی منع ہے وہ کہے"ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے"قرآن مجید میں تو کہیں والدین کو مارنے کی ممانعت نہیں **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

جہالت ۱۷: قطع نظر اس سے قلّت وکثرت باراں وسیلاب وزلازل ورِیاح وامراض مختلفہ سب کے لئے جداجدا طریقہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہاں بتایا، اگر اس بیان پر مصنف سے مطالبہ کیا جائے تو خود ہی اپنی جہالت کا اقرار کرنا پڑے، بالفرض جداجدا طریقے ارشاد بھی ہوئے ہوں تو سب کے لئے ایک طریقہ عامہ ہونے کی کیا منافی ہے، پھر اس باب سے سوا اپنے اظہار علم اور کیا حاصل ہوا،

جہالت ۱۸: اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے کہ ۹۹۹ھ نوسوننانوے میں مصر القاہرہ میں لوگوں نے مجھ سے پوچھا تھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے، سو میں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا، چنانچہ:

قولہ سئلت عنہ فی الطاعون سنۃ تسع و تسعین وتسعمائۃ بالقاھرۃ فاجبت بانی لم ارہ صریحا[1]۔	ان کا قول کہ قاہرہ میں مجھ سے طاعون کے وقت قنوت پڑھنے سے متعلق ۹۹۹ھ میں سوال کیا گیا تو میں نے جواباً کہا اس پر تصریح میرے مطالعہ میں نہیں آئی۔(ت)

صاحب اشباہ رحمہ اللہ کا انتقال ہشتم رجب ۹۷۰ھ کو ہوا۔ علامہ حموی شرح اشباہ فن ثانی کتاب الوقف میں نقل فرماتے ہیں:

قدتوفی المصنف رحمہ اللہ لثمان مضین	مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات رجب ۹۷۰ھ

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعالرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۶۲۔۲۶۱

من رجب سنة سبعين وتسعمائة[1]۔	میں ہوئی (ت)

آپ ۹۹۹ھ کاواقعہ اُن سے لکھوارہے ہیں حقیقۃً اشباہ میں یہاں سنة تسع وستين وتسعمائة یعنی ۹۶۹ھ نوسوانہتر جسے آپ ۹۹۹ھ بتارہے ہیں۔

جہالت ۱۹: اور پھر بیان کیا (یعنی صاحبِ اشباہ نے) کہ اگر کوئی قنوت پڑھاچاہے تو اکیلا دورکعت نمازنفل کی نیت کرکے پڑھے چنانچہ

یقنت للطاعون لانه اشد عـــہ۱ النوازل بل ذکره عـــہ۲ انه یصلی رکعتین فرادی وینوی رکعتی عـــہ۳ لدفع الطاعون[2]۔	قنوت پڑھے واسطے طاعون کے مقرر وہ بڑی سخت ہے سختیوں سے مگر جماعت سے نہ پڑھے بلکہ پڑھے دودو رکعتیں اکیلے اکیلے اور نیت کرے دورکعت نفل کی واسطے دفع طاعون، پوراہوا حاصل مطلب اشباہ والے کا۔

قطع نظراس سے کہ یہ عبارت اشباہ کی نہیں بلکہ صاحب اشباہ سے ناقل عـــہ۴ کی ہے اوراس میں بل ذکر کی ضمیرخود

عـــہ۱: "ضروری سوال" میں یونہی لکھااور اسی غلطی کی بناپر طاعون کوخود بھی اشدالنازلہ کہاحالانکہ اشباہ میں من اشد النوازل ہے ۱۲ (م)

عـــہ۲: ھکذا بخطه وصوابه بل ذکر ۱۲(م)	یہ ان کی تحریر ہےاور درست "بل ذکر" ہے (ت)
عـــہ۳: ھکذا بخطه وصوابه رکعتین (م)	یہ ان کی تحریر ہے درست "رکعتین" ہے۔ (ت)
عـــہ۴: ظاہراً کہیں طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح دیکھنے کو مل گئی اس میں انہوں نے فرمایاتھا: النوازل، بل ذکر انه یصلی له رکعتین فرادی وینوی رکعتا رفع الطاعون[3]۔	اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جائے کیونکہ یہ شدید مصائب میں سے ہے بلکہ یہ ذکرکیاکہ دورکعات الگ الگ ادا کی جائیں اور ان کی نیت طاعون کے دفع کے لئے دورکعات کی کی جائے۔ (ت) یہ صاحب اپنی خوش فہمی سے سمجھے کہ یہ سب عبارت فی الاشباہ کے تحت میں داخل ہے ۱۲(م)

[1] غمزعیون البصائر شرح الاشباہ فن ثانی، کتاب الوقف مطبوعہ ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸
[2] غمزعیون البصائر شرح الاشباہ فن ثانی، کتاب الوقف مطبوعہ ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸
[3] حاشیۃالطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص۲۰۶

صاحب اشباہ کی طرف ہے جسے آپ نے چنانچہ کہہ کر عبارت اشباہ ہونے کااشعار کیااور بل ذکر کامطلب کچھ نہ بنالہٰذا اسے ترجمہ سے خارج کردیا طرفہ سخت جہالت فاحشہ یہ ہے کہ دورکعت پڑھنے کے مسئلہ کو مسئلہ قنوت کا تتمہ بنادیا کہ "قنوت پڑھاچاہے توآکیلادو رکعت نفل کی نیت کرکے پڑھے" اور اسی لئے اپنی طرف سے ترجمے میں "مگر" تراش لیا کہ "مگر جماعت سے نہ پڑھے" حالانکہ کوئی کم علم بھی عبارتِ اشباہ خواہ عبارت مذکورہ ناقل عن الاشباہ دیکھ کر کسی طرح اس جہالت کاگمان بھی نہ کرے گا، اشباہ میں تو قنوت طاعون ثابت فرماکر نماز طاعون کامسئلہ ہی جدا شروع فرمایااور جداگانہ دلیلوں سے اس کا ثبوت دیا۔

حیث قال صرح فی الغایۃ بانه اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلٰوۃ الفجر فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت ولا شك ان الطاعون من اشد النوازل وفی السراج الوھاج قال الطحاوی لایقنت فی الفجر عندنا من غیربلیۃ فان وقعت فلاباس به کذا فی الملتقط انتھی فان قلت ھل بلہ صلٰوۃ قلت ھو کالخسوف لما فی منیۃ المفتی فی الخسوف والظلمۃ فی النھار واشتداد الریح والمطروالثلج والافزاع وعموم المرض یصلی وحدانا انتھی ولاشك ان الطاعون من قبیل عموم المرض فتسن له رکعتان فرادی[1] اھ مختصرا	الفاظ یہ ہیں کہ غایہ میں تصریح ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت اُترے توامام نماز فجر میں قنوت پڑھے، پس بڑی مصیبت کے وقت قنوت ہمارے نزدیک ثابت امر ہے اور بیشک طاعون بڑی مصیبتوں میں سے ہے السراج الوہاج میں ہے کہ طحاوی نے فرمایا کہ بغیر کسی مصیبت کے ہمارے نزدیک فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے اور اگر کوئی مصیبت نازل ہوجائے توپڑھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ملتقط میں ہے انتہی اگر آپ پوچھیں کہ اس کے لئے نماز ہے تومیں کہتاہوں کہ طاعون کامعاملہ خسوف کی طرح ہی ہے۔ منیۃ المفتی کے باب الخسوف میں ہے کہ سخت تاریکی، شدید طوفان، شدید بارش یا شدید ژالہ باری، شدید خوف یامرض عام لاحق ہوجائے توتنہا نمازادا کریں، انتہی، اوراس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون ایسی مرض ہے جوعام لوگوں کولاحق ہوجاتی ہے لہٰذا اس کے رفع کے لئے بھی دورکعات تنہاادا کرنا سنت ہوگااھ مختصراً(ت)

اور ناقل نے بھی بل ذکر لکھ کراسے جدا کردیا تھامگرجب آدمی کو سہل سہل عبارت کاترجمہ سمجھنے کی لیاقت نہ ہوتومجبور ہے۔

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

جہالت ۲۰: اس سے بھی سخت تر جہالت یہ کہ صاحب اشباہ کا مطلب وہ ٹھہرایا "کہ طاعون میں قنوت کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا" اور عبارت یہ نقل کی کہ یقنت للطاعون جس کا آپ ہی ترجمہ کیا کہ "قنوت پڑھے واسطے دفع طاعون کے"۔ کیوں حضرت! کیا یہ حکم نہ ہوا، واقعہ جو بزر گوار اپنا لکھا آپ نہ سمجھ سکے پورا معذور ہے، یہ سردست بیس جہالتیں ہیں اور شروع کلام میں اولاً سے خامساً اور اس کے تنبیہ میں اول سے چہارم تک جو سخت وجوہ قاہرہ سے "ضروری سوال" کی بطالتیں جہالتیں ثابت کی گئیں انہیں شامل کیجئے تو یہاں تک **۲۹ جہالات** شدیدہ بیان ہوئیں اب **تیسویں جہالت** سب سے بڑھ کر سفاہت ملاحظہ ہو "ضروری سوال" کی ساری محنت و جانکاہی اپنے اس ادائے باطل کے اثبات کو تھی کہ فتنہ وغلبہ کفار کے سوا طاعون وغیرہ نوازل کی قنوت کذب باطل و بہتان بے ثبوت وگناہ وبدعت وضلالت وفی النار ہے جو اسے ثابت مانے اس پر حکم تعجیل توبہ واستغفار ہے ساڑھے پانچ ورق کی تحریر میں دس صفحے اسی مضمون میں سیاہ کئے یہ سب کچھ لکھ لکھا کر اب چلتے وقت حاشیہ پر ایک فائدہ کا نشان دیا "ف زمانہ طاعون میں نماز پڑھنے کی ترکیب" اور متن میں لکھا "ھذہ الکیفیۃ لصلٰوۃ الطاعون (یہ نماز طاعون کا طریقہ ہے۔ت) پہلے دل میں نیت کرکے زبان سے کہے نویت ان اصلی للہ تعالٰی رکعتین صلٰوۃ النفل لدفع الطاعون متوجھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللہ اکبر (میں اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے رفع طاعون کی خاطر، دو رکعات ادا کرتا ہوں اس حال میں کہ میں کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ت) پھر دوسری رکعت کے آخر میں رکوع [عہ۱] رکوع میں جو قنوت ماثور [عہ۲] ہو پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے، اور اگر ایسی قنوت اس کو یاد ہی نہ ہو تو ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وقنا ربنا عذاب النار پڑھے یہ آیہ وافی ہدایہ جامع جمیع ادعیہ کی ہے"۔ اللہ تعالٰی دلوں کے ارادے سب جانتا ہے چلئے وہ اگلا پچھلا لکھا لکایا بھولنا در کنار یہی یاد نہ رہا کہ "ضروری سوال" کی تحریر کس غرض کے لئے تھی کس بات کا دعوٰی، کاہے سے انکار تھا، اپنے زعم میں جنت کا راستہ کیا طریق نار تھا خود ہی کذب وبہتان بنانے لگے ضلالت و فی النار کی ترکیبیں بنانے لگے، یارب مگر اسے اختلال حواس کے سوا کیا کہئے، طرفہ یہ کہ اوپر سوال قائم کیا تھا "بارادہ دفع طاعون ووبا کون سی قنوت ہے" اور جواب دیا تھا "کہیں پتا نہیں"۔ اب حکم ہوتا ہے کہ قنوت ماثورہ پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے"۔ اب خدا جانے کہاں سے اس کا پتا لگ گیا۔ **تصحیف اغلاط** یعنی عبارت کچھ ہے اور پڑھیں کچھ، یوں تو زیادت و نقص و تبدیل ہر قسم کی خطا اس "ضروری سوال" میں، موجود ہے یہیں

عہ۱ یہ ترکیب بھی نئی ہے قنوت میں علماء مختلف ہیں کہ قبل رکوع ہے یا بعد، آپ فرماتے ہیں خود رکوع میں پڑھے ۱۲ (م)

عہ۲ تحریر زید میں یونہی ہے جیسے کچہریوں میں پیچ کو پیچ مقبولہ لکھتے ہیں۔ ۱۲ (م)

"قنا ربنا عذاب النار" کو آیت بنادیا حالانکہ قرآن عظیم میں قنا کے بعد لفظ ربنا کہیں نہیں، من اشد النوازل سے من اڑاکر طاعون کو 'اشد النازلة' کہااور اپنے ہی پاؤں پر تیشہ مارا عبارت اشباہ میں سبعین کو تسعین بنایا مگر زیادہ اظہار علم کو تصحیفین یہ ہیں شیبان بن فروخ کو اصل عبارت سند اور ترجمہ دونوں میں شیبان بن فرخ عـــہ۱ لکھا یہ نام صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں خدا جانے کتنی جگہ آیا ہے اگر یہ کتابیں پڑھی ہوتیں تو ایسی غلطی نہ ہوتی اللھم اشدد وطأتك علی مضر دو جگہ آیا دونوں جگہ وطائک بہمزہ عـــہ۲ بجائے تا بنایا، اور قبیلہ قارہ کو کہ یہ لفظ بھی دو جگہ وارد ہوا تھا دونوں جگہ صاف فارہ عـــہ۳ بحرف فا بجائے قاف تحریر کیا۔ اور سب میں اخیر کا لطیفہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مناجات مروی ہے:

اللھم لاقابض لمابسطت ولاباسط لماقبضت ولا ھادی لماضللت ولامضل لمن ھدیت، ولا معطی لما منعت و لامانع لمااعطیت، ولا مقرب لما باعدت ولامباعد لماقربت[1]۔	اے اللہ! جس چیز کو تونے کشادہ کیا اسے کوئی سمیٹنے والا نہیں، اور جسے تونے بند کردیا اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور جس کو تونے ہدایت دی اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو تونے گمراہ کیا اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اور جو تونے عطا کیا اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جو تونے روک لیا اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور جس کو تونے دور کردیا اس کو قریب کرنے والا کوئی نہیں، جس کو تونے قریب کیا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ (ت)

آپ اسے لکھتے ہیں اللھم لاقابض لمابسطت ویاباسط لماقبضت۔ اہل علم کی غلطی اس طرح کی نہیں ہوتی، اتنا بھی نہ سمجھا کہ یوں ہوتا تو یاقابضا لمابسطت ویاباسطا لماقبضت نصب کے ساتھ ہوتا نہ بالضم کہ بوجہ حصول معمول کلمہ شبہہ مضاف ہو کر مفرد نہ رہا اور نصب واجب ہوا کقولك یاطالعا جبلا ویاخیرا من زید' اور یہ جو حدیث نقل کی جس میں یہ مناجات مذکور ہوئی

عـــہ۱: یعنی چُوزہ ۱۲ (م) عـــہ۲: یعنی نشیب ۱۲ (م) عـــہ۳: یعنی چُوہا ۱۲ (م)

---

[1] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ الزرقی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۲۴، در منثور تحت آیت ولکن اللہ حبب الیکم الایمان مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۶/ ۸۹، کنزالعمال غزوہ احد حدیث ۳۰۰۴۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۳

علمائے ناقدین اسے سخت منکر بتاتے ہیں، یہاں تک کہ امام ذہبی فرماتے ہیں: **اخاف ان لایکون موضوعا** میں ڈرتا ہوں کہیں موضوع نہ ہو۔ خاتم الحفاظ امام جلیل سیوطی جمع الجوامع میں اسے نقل کرکے لکھتے ہیں' اغلاط ترجمہ' گزری جہالتوں کے بیان میں، متعدد جگہ واضح ہوا کہ زید کو سیدھی سادی عربی سمجھنے اور اس کا ٹھیک ترجمہ کرلینے کی استعداد نہیں اور میں ایسے ترجموں کا شاکی بھی نہیں کہ ان یدعو لقوم اور علٰی قوم کے ترجمے میں لکھا: "واسطے دعا کرنے کے کسی قوم کے لئے یا اوپر بددعا کرنے کے کسی قوم پر"یا"سندہ صحیح"کا ترجمہ "سند اس حدیث کی بہت صحیح ہے"یا"**عن ابی مالك سعد بن طارق الاشجعی**"کا ترجمہ "روایت کی مالک سعید بیٹے طارق اشجعی نے"، لطیف خوش فہمیوں کے ترجمے وہ ہیں جن کا بیان جہالات ۵و۸۶و۱۱و۱۲و۱۹ میں گزرا علی الخصوص ثلثۃ اخیرہ، اور اسی قبیل سے ہے: **اللھم انج الولید بن الولید ومسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ والمستضعفین من المؤمنین وغفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ**[عـــہ][1] کا ترجمہ "اے پروردگار خلاصی بخش ولید اور مسلمہ اور عیاش کو اور ناتواں مومنوں کو اور قبیلہ غفار کو مغفرت کرے اللہ اُن کی اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے اللہ ان کو یعنی شر سے اعدا کے غفار غفراللہ لہا واسلم سالمہا اللہ" دو مستقل جملے جداگانہ خبریہ یا دعائیہ ہیں۔

عـــہ: سالمھا اللہ کا ظاہر ترجمہ اللہ نے اُن سے صلح کی، **علیہ درج فی اشعۃ اللمعات وفی الصراح مسالمۃ مصالحۃ وفی القاموس سالما صالحا وفی تاج العروس ومنہ الحدیث اسلم سالمھا اللہ وھو من المسالمۃ وترك الحرب وفی مجمع البحار اسلم سالمھا اللہ ھو المسالمۃ وترك الحرب**۱۲(م)

اسی معنی کو اشعۃ اللمعات میں بیان کیا، اور صراح میں ہے مسالمۃ، مصالحۃ کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے سالما کا معنی صالحا ہے اور تاج العروس میں ہے کہ اسی سے حدیث اسلم سالمھا اللہ ہے۔ اس کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے اور مجمع البحار میں ہے اسلم سالمھا اللہ کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے۔ ۱۲(ت)

[1] صحیح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیم کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶، عمدۃ القاری شرح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۷/ ۲۶

اقول: والاول عندی اولی لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسلم سالمہا اللہ وغفار غفر اللہ لہا اما واللہ ماانا قلتہ ولکن اللہ[1] قالہ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ واحمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم عن سلمۃ بن الاکوع وابوبکر بن ابی شیبۃ عن خفاف بن ایماء الغفاری وابویعلی الموصلی عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	اقول: میرے نزدیک پہلا احتمال اولٰی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلم سے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی، خبردار! خدا کی قسم میں نے یہ بات خود نہیں کی لیکن اللہ تعالٰی نے فرمائی ہے۔ اس کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اور طبرانی نے کبیر میں اور امام حاکم نے سلمہ بن اکوع اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے خفاف ابن ایماء غفاری سے اور ابویعلی موصلی نے ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مصنف "ضروری سوال" نے اپنی نادانی سے غفار و اسلم کو ولید پر معطوف اور انج کے نیچے داخل سمجھا گویا یہ قبائل انصار بھی مثل ولید و سلمہ و عیاش و ضعفائے مومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ اجمعین دست کفار میں گرفتار تھے ان سب کی نجات کے لئے دعافرمائی جاتی تھی حالانکہ یہ حدیث اس حدیث سے جُدا ہے صحیح بخاری شریف صفۃ الصلٰوۃ میں بے ذکر غفار و اسلم صرف حدیث اول روایت فرمائی اور استسقا میں کہ اسے اس کے ساتھ روایت کیا صاف فصل بتادیا

حیث قال عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا رفع رأسہ من الرکعۃ الاخرۃ یقول اللھم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اللھم انج سلمۃ بن ھشام اللھم انج الولید بن الولید اللھم انج المستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتك علی مضر	جہاں فرمایا، ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام آخری رکعت سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے اے اللہ! نجات دے عیاش بن ابی ربیعہ کو، اے اللہ! نجات دے سلمۃ بن ہشام کو، اے اللہ نجات دے ولید بن ولید کو، اے اللہ! نجات دے مومنین میں سے ضعیفوں کو، اے اللہ! تو اپنی سخت گرفت فرما مضر پر، اے

[1] صحیح مسلم باب من فضائل غفار واسلم الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۰۶، مسند احمد بن حنبل حدیث سلمہ بن الاکوع مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۴۸

اللھم اجعلھا اسنین کسنی یوسف وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال غفار غفراللہ لھا واسلم سالمھا اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ! ان پر قحط مسلط فرما جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط ہوا۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: غفار کے لئے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی ہے اور اسلم سے اللہ تعالٰی نے صلح فرمائی ہے۔(ت)

فتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری میں ہے:

قوله وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الخ حدیث اخروھو عند (البخاری) بالاسناد المذکور کانه سمعه ھکذا فاوردہ کما سمعه زاد العینی وقد اخرجه احمد کما اخرجه البخاری[2]۔	قولہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ (یہ دوسری حدیث ہے اور یہ بخاری کے ہاں مذکورہ سند سے ہی مروی ہے، گویاانہوں نے اسی طرح سن کر شامل کرلیا۔ اور عینی نے یہ بات زیادہ لکھی کہ اس کو امام احمد نے بھی تخریج کیا جس طرح اس کو امام بخاری نے تخریج کیا۔(ت)

ذی ہوش نے یہ بھی نہ دیکھا کہ روایت میں غفار مرفوع ہے نہ منصوب نہ ولید پر عطف کیونکر ممکن **اغلاط روایت** "ضروری سوال" میں واقعہ بئر معونہ بطور خود ذکر کیا جسے بے اصل اغلاط سے بھر دیا، خلاصہ عبارت یہ ہے ایک عامر بیٹا مالک کا دو گھوڑے دو[۲] اونٹ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہدیہ لایا حضور نے فرمایا ہم کافر کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، وہ اسلام تو نہ لایا مگر انکار بھی نہ کیا اور بولا اے حبیب خدا! میرے پیچھے ایک قوم ہے آپ چند اصحاب ہمراہ دو تو امید کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستر یا چالیس جوان انصار عـــہ سے جو سب کے سب قرآن مجید کے حافظ تھے عامر کے ہمراہ کردیئے اور ایک راہبر بھی ہمراہ ہولیا ان

عـــہ: سب انصاری نہ تھے بعض مہاجر تھے خمیس میں ہے: کان اکثرھم من الانصار واربعة من المھاجرین[3] (ان میں اکثر انصار تھے اور چار مہاجرین۔ت) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۷/ ۲۶، فتح الباری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۱۰، ارشاد الساری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۳۶

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر الی بئر معونۃ مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

پر منذر کو سردار کیااور بنام عامر بن طفیل ایک خط لکھوا کر حوالہ منذر کے کردیا، یہ صحابہ بئر معونہ کے قریب پہنچ کر وہیں قیام کیا پھر ایک شخص کے ہاتھ وہ خط عامر بن طفیل کے پاس بھجوادیا، جب وہ خط عامر بن طفیل نے پڑھا آگ کا شعلہ بن گیا اور جھپٹ کر خط پہنچانے والے کو قتل کرڈالا، پھر اپنے تمام حلیفوں اور قبیلوں کی کمک کے ساتھ اُن صحابہ کو قتل کرڈالا اور منذر کو زندہ قید کرلیا، قطع نظر اس سے **اوّلاً** عامر بن مالک ابوبراء نے "اے حبیب خدا" ہر گز نہ کہا کہ یہ خاص کلمہ اسلامی تھا۔

ثانیاً: ہمراہ ہولیا" سے ظاہر یہ کہ بطور خود ساتھ ہولیا حالانکہ حدیث میں ہے خود حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مطلب سلمی رضی اللہ تعالٰیعنہ کو رہبری کے لئے ہمراہ فرمادیا تھا۔

فقد اخرج الطبرانی من طریق عبداللہ ابن لھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ قال ثم بعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنذر بن عمروالساعدی وبعث معہ المطلب السلمی لیدلھم علی الطریق، الحدیث ذکر فی الاصابۃ فی ترجمۃ المطلب[1]۔	طبرانی نے اس کی تخریج عبداللہ بن لہیعہ کے طریق سے انہوں نے ابوالاسود انہوں نے عروہ سے روایت کیا، کہا کہ پھر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے منذر بن عمروالساعدی کو بھیجا اور ان کے ساتھ مطلب اسلمی کو بھی بھیجا تاکہ ان کو راستہ بتائیں، الحدیث۔ اس کو الاصابہ میں مطلب کے عنوان کے تحت ذکر کیا۔(ت)

ثالثاً فرمان اقدس خاص بنام عامر بن طفیل نہ تھا بلکہ رؤسائے نجد و بنی عامر کے نام تھا، خمیس میں ہے: وکتب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مدارج میں ہے: اکثر ایشاں انصار بودند وبعضے از مہاجراں[2] (ان میں اکثر انصار تھے اور کچھ مہاجر تھے۔ت) نیز خمیس میں ہے:

لم یکن القراء المذکورون کلھم من الانصار بل کان بعضھم من المھاجرین مثل عامر بن فھیرۃ مولی ابی بکر الصدیق ونافع بن بدیل بن ورقاء الخزاعی وغیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم[3]۔	مذکور تمام اقراء انصار نہ تھے بلکہ کچھ مہاجر بھی تھے، جیسا کہ عامر بن فہیرہ مولٰی ابوبکرالصدیق اور نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم مہاجر تھے۔(ت)

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ الطبرانی ترجمہ عبدالمطلب السلمی ۸۰۲۹ مطبوعہ دارصادر بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۳

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر بن عمرو الی بئر معونۃ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

کتابا الی رؤساء نجد وبنی عامر [1] (اور آپ نے نجد کے رئیسوں اور بنی عامر کے نام خط لکھا۔ت) مدارج میں ہے: مکتوبے بررؤسائے نجد وبنی عامر نوشت [2]۔

رابعاً حافظ قرآن کے اگر یہ معنی کہ قرآن مجید سے کچھ یاد تھا تو اس میں ان صحابہ کی کیا خصوصیت، انہیں قُرّاء نام رکھنے کی یہ وجہ نہیں ہوسکتی اور اگر یہ مراد کہ جس قدر قرآن عظیم اس وقت اُترا وہ سب اُن سب کو یاد تھا تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ انہیں قرّاء کہنے کی وجہ یہ کہ شب کو درس وتلاوتِ قرآن مجید میں بکثرت مشغول رہتے۔ صحیح بخاری ف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: یتدارسون القراٰن باللیل ویصلون [3] (رات کو قرآن مجید اور نماز پڑھتے۔ت) عمدۃ القاری کتاب الجهاد باب العون بالمدد میں ہے: سموا به لکثرۃ قراء تهم [4] (قراء اس لئے انہیں کہا گیا کہ کثرت سے قرآن پاک پڑھتے تھے۔ت)

خامساً عامر بن طفیل کے خاص اپنے قبیلہ بنی عامر نے ہرگز کمک نہ دی بلکہ صاف انکار کردیا کہ تیرا چچا عامر بن مالک انہیں اپنی پناہ میں لے چکا ہے ہم اس کا ذمہ ہرگز نہ توڑیں گے۔ مواہب لدنیہ میں ہے:

استصرخ علیهم بنی عامر فلم یجیبوه، وقالوا لن تخفرا ابابراء ، وقد عقدلهم عقداً وجواراً [5]۔	عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو عامر قبیلہ کو مدد کے لئے آواز دی پس انہوں نے مدد سے انکار کیا اور انہوں نے صاف کہہ دیا ہم تیرے چچا ابوبراء کا معاہدہ نہیں توڑیں گے کیونکہ اس نے ان مسلمانوں کو پناہ دینے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ت)

[1] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر بن عمرو الی بئر معونہ مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[2] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۳

[3] صحیح بخاری کتاب الجهاد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۱، صحیح بخاری کتاب المغازی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲، مسند احمد بن حنبل از مسند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۳۵و ۲۷۰۔ شرح الزرقانی علی المواہب سریہ بئر معونہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح بخاری باب العون بالمدد مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۴/ ۳۱۰

[5] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶

ف: صحیح بخاری میں یہ حدیث دو جگہوں پر منقول ہے اس میں یتدارسون کی جگہ یحطبون کا لفظ ہے البتہ بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شرح الزرقانی میں موجود ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ **نذیر احمد سعیدی**

سیرت ابن ہشام میں ہے:

استصرخ علیھم بنی عامر فابوا ان یجیبوہ الی مادعالھم الیہ وقالوا لن نخفر ابی اُخر مامر [1]۔	عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنوعامر کو اپنی مدد کے لئے پکارا توانھوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہم تیرے چچاکامعاہدہ نہیں توڑیں گے الخ۔(ت)

خمیس میں ہے:

استصرخ عامر بن الطفیل بنی عامر علی المسلمین فامتنعوا وقالوا لانخفرذمۃ ابی براء عمک [2] الخ۔	عامر بن طفیل نے بنوعامر کو مسلمانوں کے خلاف کاروائی کے لئے آواز دی توانھوں نے انکار کیا اور کہا تیرے چچاابوبراء کے ذمہ کو نہیں توڑیں گے الخ۔(ت)

مدارج میں ہے: تمامہ بنی عامر ازجنگِ مسلمانان اباآوردند [3] (تمام بنوعامر نے مسلمانوں سے جنگ کرنے سے انکار کردیا۔ت)

سادساً: عامر بن طفیل کاحامل فرمان اقدس حرام بن ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرنا بھی خلاف تحقیق ہے بلکہ ان کا قاتل اور شخص تھا کہ بعد کو سلام لے آیا کما رواہ الطبرانی عن ثابت البنانی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو طبرانی نے ثابت بنانی سے انھوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ت) اور عدواللہ عامر بن طفیل کفرپر مرا کما فی صحیح البخاری عن اسحٰق بن ابی طلحۃ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ صحیح بخاری میں اسحٰق بن ابی طلحہ سے انھوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ت) صحیح بخاری شریف میں ہے:

جعل یحدثھم فاومأ والی رجل فاتاہ من خلفہ فطعنہ [4]۔	یعنی حرام رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کافروں کوپیام اقدس پہنچاتے اور ان سے باتیں فرمارہے تھے کہ انھوں نے کسی کو اشارہ کیااس نے پیچھے سے آکر نیزہ مارا۔(ت)

امام حافظ الشان عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: لم اعرف اسم الرجل الذی طعنہ [5] مجھے اس

---

[1] سیرت ابن ہشام سریہ بئر معونہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۸۵

[2] تاریخ الخمیس، سریہ المنذر الی بئر معونہ، مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[3] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۴

[4] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۶

[5] فتح الباری شرح البخاری غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۸/ ۳۹۱

نیزہ مارنے والے کا نام معلوم نہ ہوا۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے:

فی الطبرانی من طریق ثابت عن انس ان قاتل حرام بن ملحان اسلم وعامر بن الطفیل مات کافرا کما تقدم انتھی من الفتح[1]۔	طبرانی میں ثابت کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حرام بن ملحان کا قاتل مسلمان ہوگیا اور عامر بن طفیل کفر پر مرا جیسا کہ پہلے فتح الباری سے گزرا انتہی۔ (ت)

سابعاً: ان سب سے قطع نظر کے بعد اس میں ایک غلطی یہ ہے کہ "جب وہ خط عامر نے پڑھا آگ بگولہ ہوگیا"۔ کتب سیر میں تصریح ہے کہ اس خبیث نے فرمان اقدس تک نہیں۔ سیرت ابن اسحٰق و سیرت ابن ہشام و مواہب لدنیہ میں ہے: لما اتاہ لم ینظر الی الکتاب[2] (جب اسے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا خط ملا تو اس نے خط نہ پڑھا۔ ت)

ثامناً: سخت غلطی فاحش یہ ہے کہ "منذر کو زندہ قید کرلیا" حالانکہ منذر رضی اللہ تعالٰی عنہ عین معرکہ میں شہید ہوئے، معالم التنزیل ف میں ہے:

قتل المنذر بن عمرو اصحابہ الاثلثۃ نفر کانوا فی طلب ضالۃ لھم[3] الخ	منذر بن عمرو اور اس کے ساتھی شہید ہوئے صرف وہ تین بچے جو ایک گم شدہ کی تلاش میں گئے تھے الخ۔ (ت)

مدارج میں ہے:

تمام اصحاب شہید شدند الا منذر بن عمرو باو گفتند اگر خواہی ترا امان دہیم او امان ایشاں را قبول نہ کرد و با ایشاں مقاتلہ کرد تا شہید شد[4]۔	تمام صحابہ شہید ہوگئے مگر منذر بن عمرو کو انہوں نے کہا اگر تو چاہے تو ہم تجھے امن دیں مگر اس نے ان کا امن قبول نہ کیا اور ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ (ت)

سیر تین ابنائے اسحاق وہشام میں ہے:

لما رأوھم اخذوا اسیوفھم ثم قاتلوھم حتی قتلوا من عند اخرھم یرحمھم اللہ	جب کفار نے مسلمانوں کو دیکھا تو کفار نے ان سے تلواریں چھین لیں اور پھر ان کو شہید کردیا مگر انہوں نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب سریہ بئر معونہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۶

[2] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶، تاریخ الخمیس سریہ منذر بن عمرو الی بئر معونہ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] معالم التنزیل

[4] مدارج النبوۃ، سریہ بئر معونہ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۴

ف: معالم التنزیل میں منذر بن عمرو کا ذکر دو جگہ (ص ۴۱۷ و ۴۴۸) پر نظر سے گزرا ہے وہاں یہ عبارت نہیں مل سکی البتہ تاریخ الخمیس میں معالم التنزیل کے حوالے س بعینہٖ یہی عبارت نقل کی ہے اس لئے تاریخ الخمیس سے حوالہ نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

الا کعب بن زید اخابن دینار بن النجار فانھم ترکوہ وبہ رمق فارتت من بین القتلی فعاش حتی قتل یوم الخندق شھیدا یرحم اللہ[1]	کعب بن زید، دینار بن نجار کے بھائی کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا اور لاشوں میں سے وہ زندہ رہے اور بعد میں وہ اپنی زندگی میں جنگ خندق میں شریک ہوئے اور وہاں وہ شہید ہوئے، رحمہ اللہ تعالٰی (ت)

مواہب میں ہے: قتلوا الی اخرھم الا کعب بن زید[2] الخ (انہوں نے سب کو شہید کردیا صرف کعب بن زید زندہ بچے الخ۔ت) خمیس میں ہے: قتلوا من عند اخرھم الا کعب بن زید[3] الخ (انہوں نے کعب بن زید کے علاوہ سب کو موقعہ پر شہید کردیا الخ۔ ت) خود حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی۔

ان اخوانکم لقوا المشرکین فاقتطعوھم فلم یبق منھم احدوانھم قالوا ربنا قومنا انا قدرضینا ورضی عناربنا فانا رسولھم الیکم قدرضوا ورضی عنھم[4] رواہ الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تمہارے بھائی مشرکین سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے ان میں سے کوئی نہ بچا اور انہوں نے شہید ہوتے ہوئے یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچادے کہ ہم اللہ تعالٰی سے راضی ہوئے اور اللہ تعالٰی ہم سے راضی ہوا، حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان کا پیغام تمہیں پہنچارہاہوں کہ وہ بھی اور اللہ بھی راضی ہوا۔ اس کو حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

فریب دہی عوام: جہالت واغلاط کثیرہ کے ساتھ فریب دہی عوام بھی "ضروری سوال" میں ضرور ہے:

فریب ۱: حدیث مذکور ابن حبان ذکر کی جو صراحۃً مطلق تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے نفع یا ضرر کی دعا فرمائی ہوتی تو مصنف "ضروری سوال" نے اس کا ترجمہ لکھ کر معاً جوڑ لگادیا "یعنی سوا اس کے پیمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور کسی مصیبت پر قنوت نہیں پڑھتے تھے" جس سے عوام سمجھیں حدیث مین کسی خاص مصیبت کا ذکر ہے اسی کے لئے قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے

---

[1] سیرت ابن ہشام سریہ بئر معونہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۵
[2] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶
[3] تاریخ الخمیس سریہ بئر معونہ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲
[4] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجہاد قول الشہداء ربنا بلغ الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۱

باقی بے ثبوت، اس مغالطے سے جو فائدہ اٹھانا چاہا اسے یہیں ظاہر بھی کردیا کہ "اب یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نماز فجر میں نصرت چاہے، طاعون یا وبا کے لئے قنوت ثابت نہیں" حالانکہ ہر ابجد خواں عربی بتاسکتا ہے یہ محض دھوکا دیا ہے حدیث میں اصلاً کسی مصیبت خاص کا نام نہیں جس کے غیر پر نفی قنوت ہو۔

فریب ۲: قنوت نازلہ خود بھی غیر منسوخ مانی اگرچہ خاص ایک نازلے میں۔ اب جو اس پر سند پیش کرنی ہوئی تو علامہ طحطاوی و علامہ شامی و محقق سامی بحر طامی صاحب اشباہ نامی کا دامن پکڑا کہ "چنانچہ حاشیہ درمختار طحطاوی و علامہ شامی و اشباہ والنظائر وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے" حالانکہ اوپر واضح ہوچکا کہ یہ علمائے کرام تو نہ صرف تعمیم نوازل بلکہ خاص طاعون ہی کے لئے قنوت ثابت کرتے ہیں جس کے سبب معاذاللہ اس شخص کے نزدیک کذب وبہتان میں پڑے ہیں ان کے کلام پورے طور پر نقل نہ کرنا درکنار جو عبارت ان کے نام سے نقل کی اس میں دو کارروائیاں کیں، ایک یہ کہ خود ان کے ترجمہ کلام میں وہ الفاظ ملادیئے جو اپنے ساختہ مذہب کے مطابق تھے، دوسرے یہ کہ ایک عربی عبارت اپنی طرف سے بناکر اس کلام سے ملادی اور سب کا ایک ساتھ ترجمہ کردیا جس سے ناواقف کو دھوکا ہو کہ یہ سارا کلام ان علمائے کا ہے، وہ نقل وترجمہ ملخصاً یہ ہے: "وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ

وقدقنت ابوبکر الصدیق وعمر وعلی ومعٰویۃ فالقنوت فی النازلۃ ثابت فافھم واغتنم قلت والمراد بالنازلۃ ھناك ھوالذی مذکور فی الاحادیث ولایقاس علی غیرہ واللہ اعلم۔	ترجمہ اور مقرر قنوت پڑھی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور حضرت علی اور حضرت معٰویہ نے پس قنوت بیچ واقع ہونے سختی اور فتنہ اور فساد اور غلبہ کفر اشرار کے ثابت ہے سو سمجھ اور غنیمت جان، اب کہتا ہوں میں کہ مراد نازلہ سے اس جگہ وہی نازلہ مراد ہے جو مذکور ہوا ہے حدیثوں میں، اور نہیں عـــہ خیال کیا جاوے گا اوپر غیر اس نازلہ کے اعنی ہر ایک نازلہ نہیں"۔

ترجمہ اصل میں "فتنہ وفساد وغلبہ کفار اشرار" لفظ بڑھادیئے کہ نرے بے علم کہیں دیکھو جو بات مولوی صاحب نے کہی تھی وہی ان کتابوں میں لکھی ہے ورنہ اصل عبارت علماء میں نہ ان لفظوں کا اصلاً پتا نہ اس غرض فاسد کے سوا ترجمہ میں اس پیوند کا کوئی منشا، پھر قلت سے آخر تک ایک عبارت عربی گھڑکر عبارت سے ملادی اور اس کا ترجمہ اردو کیا کہ ناواقف کم علم جانیں یہ قلت اُنہی علما نے فرمایا ہے

عــــہ اس خوبی علم کو دیکھئے کہنا یہ مقصود ہے کہ لایقاس علیہ غیرہ اور نازلہ اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور کہا یہ کہ لایقاس علی غیرہ نہ قیاس کیا جائے گا اوپر غیر اس نازلہ کے۔(م)

ورنہ یہ کہیں کادور نہیں کہ اردو رسالے میں جو بات اردو ہی زبان میں ظاہر کرنی ہو اسے پہلے عربی میں بولیں پھر اپنی عربی کی اردو کریں اور کلام علماء میں قلّت ہزار جگہ ہوتا ہے تو صاف اسی طرف ذہن جائے گا کہ یہ کلام بھی اُنہی کا ہے۔

فریب ۳: اشباہ میں فرمایا تھا:

فائدۃ فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنہ فاجبت بانی لم ارہ صریحا[1]۔	یعنی فائدہ طاعون دور ہونے کی دعا میں، مجھ سے اس کا سوال ہوا تھا میں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح میں نے نہ دیکھی۔

پھر غایہ شمنی وفتح القدیر کی وہ عبارتیں نقل فرمائیں کہ نازلہ کی قنوت پڑھے، پھر فرمایا:

فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت، ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل[2]۔	یعنی ان عبارات سے واضح کہ ہمارے نزدیک بلامیں قنوت ثابت ہے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

پھر اس دعوے کے ثبوت کو کہ نازلہ ہر شدت وسختی کو عام ہے مصباح وقاموس وصحاح کی عبارات مذکورہ سابق نقل فرمائیں پھر عبارت سراج وہاج وملتقط وکلام امام طحاوی ثبوت مؤکد قائم فرمایا کہ جو کوئی بلا ہو اس کے لئے قنوت پڑھنے میں حرج نہیں کسی عاقل غیر مجنون کے نزدیک اس کلام کے معنی سوا اس کے کچھ نہیں ہوسکتے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جانے کو فرمارہے ہیں، لاجرم علامہ سید شرف طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا:

فی الاشباہ یقنت للطاعون لانہ من اشد النوازل[3]۔	یعنی اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھے اس لئے کہ وہ سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اب مصنف "ضروری سوال" کی سنئے "اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے لوگوں نے مجھ سے پوچھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے سو میں نے جواب دیا کہ صریح مسئلہ اس کا کہیں نہیں دیکھا میں حکم کر نہیں سکتا"۔ اول تو سوال خاص قنوت طاعون سے ہونا بنادیا کہ جو جواب گھڑا جائے گا وہ بالتخصیص صراحۃً اسی پر وارد ہو، پھر جواب میں یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھادیئے کہ "میں حکم کر نہیں سکتا" حالانکہ عبارت اشباہ

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۱

[2] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

میں اس کا وجود مفقود بلکہ بالتصریح اس میں قنوت کا حکم دینا موجود، اسے کس درجہ کی تحریف وبددیانتی ومغالطہ وفریب دہی کہا چاہئے والعیاذ باللہ رب العلمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

مخالفت توبہ نامہ خود اس "ضروری سوال" سے بھی پیدا **اولاً** اس میں اپنے طرفداروں کے ایک رسالے کی نسبت لکھا تھا کہ "اُس میں سادات کرام وعلمائے عظام کی شان وعظمت کے خلاف الفاظ رکیکہ برتے گئے ہیں واقعی یہ کمال درجے کی بے ادبی میرے طرفداروں سے تو گویا مجھی سے ہوئی میں للہ اُن کل حضرات بابرکات سے معافی چاہتا ہوں خواہ حضرات سادات وعلماء اہل سورت خواہ اہل بمبئی خواہ آفاقی" وہاں تو آج کل کے علما کو جو آپ کے طرفداروں نے کچھ الفاظ رکیکہ لکھے اس سے معافی چاہی ور "ضروری سوال" میں خود آپ اکابر سابقین علمائے عظام وفقہائے کرام وسادات فخام مثل امام نووی وامام ابن حجر وامام طیّبی و علامہ ابن ملک ومحقق زین العابدین ابن نجیم ومولینا علی قاری مکی وسید علامہ شامی وامثالہم کو معاذاللہ کذب وبہتان کی طرف نسبت فرمارہے ہیں شاید یہ الفاظ رکیکہ نہ ہوں گے۔

ثانیاً: اس میں لکھا تھا "واللہ باللہ میں مذاہب اربعہ کو سچے دل سے حق مانتا ہوں" یہاں صراحۃً قنوت فجر کو کہ مذہب امام مالک وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے بدعت وضلالت وفی النار بتایا ادھر قنوت طاعون ووبا کو کذب وبہتان ٹھہرایا، شراح حنفیّہ سے قطع نظر بھی کیجئے تو ائمہ شافعیہ کے یہاں اس کی صریح تصریحیں موجود، اور امام ابن حجر مکی نے خود امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان مذہب میں اسے ذکر فرمایا۔

ثالثاً: اسی میں لکھا تھا: "جمہور علماء کا اتباع اختیار کیا اولیائے کرام نذرونیاز عرفی میں جبکہ فقہائے کرام نے تصفیہ کردیا ہے اور مستحسن کر رکھا ہے تو ہم انہی کی پیروی کریں یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے لیکن بندہ اپنے پرانے خیالات سے بازآ کر اولیاء کی نذرونیاز عربی جو فی زماننا خاصما عوام میں مروج ہے کہ اس کو مستحسن جانتا ہوں سوائے اس کے میری تصانیف میں جو بات خلاف اقوال جمہور علما ہو اس کو واپس لیتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ علمائے کرام کے مخالف کوئی مسئلہ نہیں کہوں گا" اور یہاں نہ ظاہر ارشاد جمیع متون پر اقتصار لیا نہ طریقہ مصرحہ جمہور شارحین اختیار کیا، سب کے مخالف مسئلہ لکھ دیا یہ "ضروری سوال" کی مخالفتیں تھیں۔

رابعاً: شرائط بحث میں تو صراحۃً اس توبہ کو توڑ دیا نذرونیاز عرفی اولیائے کرام قدست اسرارہم جو فی زماننا مروج ہے ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں اس پر کوئی نزاع قائم نہ ہوئی نہ اس کا کوئی تصفیہ اس وقت کے فقہائے کرام نے کیا تو لاجرم توبہ نامے میں جمہور علمائے متاخرین ہی کی پیروی کو لکھا اور ان کی مخالفت کا عہد کیا تھا اب شرئط ثلثہ کی بحث میں قرون ثلثہ کے متاخرین متقدمین سب کو بالائے طاق رکھ کر صاف لکھ دیا کہ سند دین میں اصول وفروع مسائل میں زمانہ خیر القرون کی ہونی چاہئے یعنی صحابہ وتابعین و

تبع تابعین اور اس پر عمل بھی جاری ہوا **بُوئے وہابیت** پیدا ہونے کو **اوّلًا وثانیًا** ضروری سوال ہی کی وہ تقریریں کہ "یہ ارشاد فقہا کذب وبہتان ہے اور وہ مذہب ائمہ بدعت وضلالت وفی النار ہے" کافی تھیں۔

ثالثًا: مگر شرائط بحث میں تو صاف صاف وہی معمولی تقریر وہابیہ کہ "قرون ثلثہ کی سند معتبر ہے" باقی سب باطل صراحةً لکھ دی اور اس کے ساتھ اور تنگی بڑھادی کہ صحابہ وتابعین کی سند بھی مقبول نہیں جب تک اس پر عمل نہ جاری ہوا ہو یہ باتیں ضرور وہابیت کی ہیں۔

رابعًا: اور شرط لگائی کہ "کوئی مسئلہ کسی کتاب میں بے سند لکھا ہو وہ بغیر اسناد کے تسلیم نہ کیا جائے گا" ہر شخص جانتا ہے کہ کتب فقہیہ متون وشروح وفتاوٰی کسی میں ذکر اسناد نہیں ہوتا تو اس شرط میں صاف بتادی کہ کتب فقہ مہمل وناقابل عمل ہیں ان کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے گا، یہ اول نمبر کی وہابیت غیر مقلدی ہے ان وجوہ سے ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ زید اپنی قدیم وہابیت پر باقی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

بالجملہ ان تمام بیانات جلیلہ سے واضح ہوا کہ "[۱]ضروری سوال" کی تحریر ہمارے علمائے کرام کے خلاف ہے۔ وہ [۲]سراسر غلطیوں سے بھری ہے، [۳]جو اسے صحیح بتائے سخت جاہل ونافہم ہے، [۴]ضروری سوال کا مصنف علم دین سے بہرہ نہیں رکھتا، [۵]وہ نہ عبارت سمجھ سکتا ہے، [۶]نہ ترجمہ کی لیاقت رکھتا ہے پھر مطلب [۷]سمجھنا تو بڑا درجہ ہے، [۸]وہ خود اپنا لکھا نہیں سمجھتا نہ نافع ومضر میں تمیز کرتا ہے اور [۹]اس کے ساتھ کلمات علماء کو بدلنا، گھٹانا، بڑھانا، مغالطہ، عوام کو کچھ کا کچھ مطلب بنانا، علاوہ ہے [۱۰]ایسا بے علم وکج فہم ہرگز فتوٰی دین کی قابلیت نہیں رکھتا نہ اسے فتوٰی پر اعتماد ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند امام احمد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتخذ الناس رؤساجھا لا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [1]۔	لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے فتوٰی دیں گے آپ بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بنائیں گے۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ جو ایسے شخص کے فتوے پر اعتماد کرے گا گمراہ ہو جائے گا "نیز اس کے اقوال وکلمات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ فقہائے کرام کی شان میں گستاخ ہے ارشادات علماء کو کذب وبہتان بتاتا اور [۱۲]مذہب اہل حق کو ضلالت وفی النار بتاتا اور [۱۳]تمام کتب فقہ کو مہمل وبیکار ٹھہراتا ہے [۱۴]اس نے اپنی توبہ توڑی اور [۱۵]قدیمی وہابیت اب تک نہ چھوڑی مسلمانوں کو اس کی صحبت سے احتراز چاہئے کہ بحکم صحیح گمراہی میں پڑنے کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰، صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۰

اندیشہ ہے ایسی حالت جو اس کی اعانت کرے گمراہی کی بنیاد قائم کرتا ہے ہاں اگر وہ پھر از سر نو ان تمام حرکات سے تائب ہو اور ایک زمانہ ممتد گزرے جس میں اس سے وہ باتیں صادر ہوں جن سے اس کی توبۂ دوم کا برخلاف توبہ اول سچا ہونا ظاہر ہو تو اس وقت اس سے تعرض نہ کیا جائے گا مگر اس کے فتوے پر اعتماد پھر بھی نہیں ہو سکتا تاک اس قدر س اس کا جہل زائل ہو کر عالم نہ ہو جائے گا لاکھوں عوام سنی المذہب بحمد اللہ ایسے ہیں جن سے تمام عمر میں کبھی کوئی بات بدمذہبی یا گستاخی شان ائمہ وفقہا وکتب فقہیہ کی صادر ہی نہ ہوئی مگر جبکہ وہ بے علم ہیں مفتی نہیں بن سکتے۔ اللہ عزوجل خذلان سے بچائے اور بطفیل خاکپائے بندگان بارگاہ بیکس پناہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفیق علم وعمل عطا فرمائے اٰمین اٰمین اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا واٰلہٖ صحبہٖ اجمعین اٰمین۔

واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم کتبہ محمدن المعروف بحامد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم۔	اور اللہ تعالٰی پاک وبلند زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم اتم اور زیادہ محکم ہے۔ اس کو لکھا محمد المعروف حامد رضا بریلوی نے، اللہ تعالٰی اس کو اپنے پیارے اُمّی نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ سے معاف فرمائے۔ (ت)

فی الواقع یہ تفصیل کہ قنوت نازلہ جائز ہے مگر اس کا جواز صرف ایک نازلہ سے خاص، باقی اس میں ناجائز، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب نہیں، مصنف "ضروری سوال" کی تحریروں سے اس کی جہالت وبطالت صاف ظاہر ہے بیشک ایسے شخص کو مفتی بننا حلال نہیں، نہ اس کے فتوے پر اعتماد جائز، مجیب سلمہ القریب المجیب نے جو امور بالجملہ میں لکھے ضرور قابل لحاظ و مستحق عمل ہیں مسلمانوں کو ان کی پابندی چاہئے کہ باذنہٖ تعالٰی مضرت دینی سے محفوظ رہیں۔

وباللہ العصمۃ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ کی رحمت سے ہی حفاظت ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ، زیادہ علم والا ہے۔ اس کو گنہگار بندے احمد رضا بریلوی نے لکھا اسے حضرت محمد مصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلہ سے معافی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۹۶: از رنگون گلی نمبر ۲۵، دکان نمبر ۴۴۵ مسئولہ حافظ محمد یوسف صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

ہمارے سنی حنفی عالم لوگ اس مسئلہ ہیں کیا فرماتے ہیں کہ اس شہر میں ایک مسجد کا امام صاحب دو تین روز سے فجر کے فرض دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتا ہے یعنی

سلطان کے واسطے دعامانگتا ہے اور سب مقتدی لوگ بلند آواز سے پکارتے ہیں پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ ہمارا مذہب حنفی سے یہ امام صاحب کیسے ہیں اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگرچہ متون میں مطلق حکم ہے کہ لایقنت فی غیرہ[1] غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے، مگر محققین شراح نے باتباع امام طحاوی وقت نازلہ وحدوث بلائے عام نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ مسئلہ ایسا نہیں جس کی بناپر اس عالم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج ہو جبکہ وہ واقع میں سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے، اور اگر غیر مقلد ہے تو آپ ہی گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز محض کماحققناہ فی النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء التقلید" میں تحقیق کی ہے۔ت) درمختار میں ہے: **لایقنت لغیرہ الالنازلۃ**[2] (صرف مصیبت میں قنوت نازلہ پڑھے۔ت) غنیہ میں ہے: **ھو مذھبنا وعلیہ الجمھور**[3]۔ (یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ت)

ردالمحتار میں کلام امام طحاوی نقل کرکے فرمایا:

ھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلٰوۃ الفجر دون غیرھا من الصلٰوۃ الجھریۃ والسریۃ[4]۔	یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز کے لئے مختص ہے دوسری جہری یاسری نمازوں میں ہیں۔ (ت)

امام کو چاہئے کہ یہ قنوت بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی دعاہی میں پڑھیں، ہاں اگرامام قنوت بآواز پڑھے تو مقتدی آمین کہیں مگر بآواز نہ کہیں بلکہ آہستہ کہ جہر بآمین نماز میں مکروہ ہے، پھر علماء کو اختلاف ہوا کہ یہ قنوت رکعت ثانیہ کے رکوع کے بعد ہو یاپہلے، اور تحقیق یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھل المقتدی مثلہ ام لاوھل القنوت قبل الرکوع	کیاقنوت نازلہ پڑھنے میں مقتدی بھی امام کی طرح پڑھے یانہیں، اور کیاقنوت رکوع سے قبل پڑھی جائے

[1] کنزالدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۱
[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی صلٰوۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰
[4] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

یابعد میں، مجھے یہ تفصیل نظر نہیں آئی، مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام کی اتباع کرے لیکن جب امام قنوت پڑھنے میں جہر کرے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ آمین کہے، اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے، اس کے بعد مجھے شرنبلالی کا قول مراقی الفلاح میں ملا جس میں انہوں نے رکوع کے بعد کی تصریح کی ہے اور حموی نے رکوع سے قبل ظاہر قرار دیا لیکن زیادہ واضح یہی ہے جو میں نے کہا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ **اقول:** بلکہ حموی کا قول زیادہ مقبول ہو کیونکہ فتح القدیر کا قول یہ ہے کہ "جب رکوع سے قبل کو ترجیح ہے تو رکوع کے بعد قنوت کا محل نہ رہا" اھ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومہ کلیۃً قنوت کی محلیت سے باہر ہے تحقیق یہی ہے، ہاں اگر کوئی ایسے امام کی اقتداء میں ہے جو رکوع کے بعد وتر میں قنوت پڑھتا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ وہ اس امام کی اتباع کرے اس میں اتفاق ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)	اوبعدہ لم ارہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذاجھر فیؤمّن وانہ یقنت بعد الرکوع ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ماقلناہ واللہ تعالٰی اعلم[1] **اقول:** بل الاحق بالقبول ماقال السید الحموی لقول الفتح ولما ترجح ذلك خرج مابعدالرکوع من کونہ محلا للقنوت اھ وقال ایضا وھذا تحقیق خروج القومۃ عن المحلیۃ بالکلیۃ الا اذا اقتدی بمن یقنت فی الوتر بعدالرکوع فانہ یتابعہ اتفاقا[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹۷: از کراچی گاڑی حاطہ مولیڈنہ میمن محلّہ رام باغ مرسلہ نوراحمد ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا حنفی امام نماز فجر میں دعائے قنوت ودیگر دعاؤں کو بآواز بلند پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حنفی مذہب میں وتر کے سوا اور نمازوں میں قنوت منع ہے متون کا مسئلہ ہے **ولایقنت فی غیرہ** (غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے۔ت) مگر جب معاذاللہ کوئی بلائے عام نازل ہو جیسے طاعون ووباء وغیرہ، تو امام اجل طحاوی وامام محقق علی الاطلاق وغیرہ شراح نے نماز فجر میں دعائے قنوت جائز رکھی ہے **کما فصلناہ فی فتاوینا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل کردی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹۸: سائل مذکور الصدر

حنفی امام **بسم اللہ** و **اٰمین** آہستہ حنفی طریقہ پر نہ پڑھے اور دعائے قنوت ودیگر دعاؤں کو شافعی

---

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

طریقہ سے پڑھے تو نماز اور ایسے امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ یہ فعل امام نے متواتر تین روز بغیر اطلاع مقتدیوں کے کیا جس سے مقتدیوں کی جداگانہ حالتیں مثلاً کوئی رکوع میں کوئی قیام میں اور کوئی سجدہ میں تھا یہ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) بے صورت نازلہ جو کوئی ایسا کرے گاموجب کراہت ہوگا اسے منع کیا جائے گا اگر نہ مانے اس کی اقتداء نہ کریں۔

(۲) جس نے امام سے پہلے کوئی فعل کیا اور امام سے پہلے ہی فارغ ہولیا اور پھر امام کا اس میں ساتھ نہ دیا مثلاً وہ متوجہ قنوت ہو اور یہ رکوع میں گیا اور امام رکوع میں نہ آنے پایا تھا کہ اس نے سر اُٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یا بعد، رکوع نہ کیا تو ایسے مقتدی کی نماز نہ ہوئی، ورنہ ہوگئی اور اس میں بدنظمی ہوئی اس کا وبال امام کے سر پر، ائمہ دین نے تو جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو معاف رکھا ہے جبکہ جماعت کثیر ہو کہ ہر قسم کے لوگوں کا مجمع ہوگا بعض کو باعث وحشت ہوگا کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ یہ وہ بعد ختم نماز ہے کہ عین وسط نماز میں، بے اطلاع مقتدیان ایسی نئی حرکت کس قدر باعث فتنہ ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹۹: از کراچی بندر صدر بازار دکان سیٹھ حاجی احمد حاجی کریم محمد شریف جنرل مرچنٹ مرسلہ عبداللہ ولد حاجی ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

امام حنفی المذہب در وقت حدوث حادثہ ونازلہ طاعون ووباء در رکعت اخیر نماز فرض فجر دعا قنوت شفعویہ مع چند الفاظ دعائے عربیہ دافع الوباسہ روز یا ہفت روز خواند آیا دریں صورت ایں فعل امام مطابق مذہب جمہور حنفیہ است یا نہ واگر کسے این امام را باعث مرتکب شدن فعل صدر وہابی وغیر مقلد خوانست پس حکم اوچیست۔	کسی حادثہ یا طاعون کی وباء وغیرہ کے پھیلنے کے موقعہ پر حنفی امام فجر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت مرویہ اور اس کے ساتھ چند مزید عربی الفاظ جو دافع بلاء کے لئے تین یا سات روز پڑھے تو کیا یہ فعل جمہور احناف کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص امام کے مذکور عمل کی بنا پر امام کو وہابی اور غیر مقلد کہہ دے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قنوت در نازلہ محققین حنفیہ مثل امام طحاوی وامام ابن الہمام وغیرہما کبرائے اعلام اثبات کردہ اند عمل بروہیچ علاقہ بوہابیت	حنفی محققین مثلاً امام طحاوی، امام ابن ہمام وغیرہما بڑے حضرات نے مصیبت کے نزول پر قنوت نازلہ کے عمل کا اثبات کیا ہے، اور اس معاملہ میں وہابیت

وغیر مقلدی ندارد وہرکہ بایں طعنہ زندہ جاہل ست تفہیم باید کرد آنجاکہ مجمع ہمچو عوام باشد اقدام بایں کار نباید کرد کہ باعث تنفیر وفتح باب غیبت نشود قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولاتنفروا [1] ائمہ منع فرمودہ اند کہ پیش جہال قراء تہائے کہ گوش او باوآشنا نیست نخوانند تا منجر بفتنہ ایشاں نشود اگرچہ ہمہ قراء تہا یقینا حق ست کمافی غنیۃ العلامۃ ابراھیم الحلبی وغیرہا واللہ تعالٰی اعلم۔	اور غیر مقلدیت کا کوئی دخل نہیں جو یہ طعنہ دے وہ جاہل ہے اسے سمجھانا چاہئے، اور عوام کے مجمع میں ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو عوام میں نفرت پیدا کرے اور غیبت بنے، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے نفرت کی بجائے خوشی کا سامان بنو۔ اسی لئے ائمہ کرام نے ایسی قرائت جو لوگوں میں معروف ومانوس نہیں ہے پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں میں شکوک وشبہات کا فتنہ نہ بنے اگرچہ تمام قراءات برحق ہیں، جیسا کہ علامہ ابراہیم حلبی کی غنیہ وغیرہا میں ذکر فرمایا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۰۰ تا ۱۱۰۲ : از بمبئی ۳ مسئولہ محمد سعد اللہ گلی خطیب زکریا مسجد ۳ صفر ۱۳۳۹ھ

ماقولکم دام فضلکم (علمائے کرام اللہ تعالٰی تمہارے فضل وکرم کو قائم ودوام فرمائے آپ کا کیاارشاد ہے۔ت) نظر بر مصائب حاضرہ جنہوں نے آج کل بالخصوص سلطنت اسلامیہ عثمانیہ اور بالعموم تمام مسلمانان عالم کو گھیر رکھا ہے بعض مفتیین جہری فرض نمازوں میں بآواز بلند قنوت خوانی کا فتوٰی دیتے ہیں نموناً فتوٰی مولوی کفایت اللہ دہلوی کالفافہ ہذا ہے علمائے احناف اہلسنت کے نزدیک: (۱) وقت نازلہ قنوت تمام جہری فرض نمازوں میں ہے یا صرف فجر میں؟ (۲) بعد سمع اللہ لمن حمدہ ہاتھ اٹھا کر بجہر پڑھی جائے یا کس طرح؟ (۳) یہ وقت اس کا مقتضی ہے یا نہیں کہ قنوت پڑھی جائے؟ بیّنوا اجرکم اللہ

الجواب:

قنوت نازلہ امام طحاوی وغیرہ شراح نے جائز رکھی ہے وہ صرف نماز فجر میں ہے اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت کا محل ہی نہیں قبل رکوع چاہئے کما نص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) اس ہندوستان میں اسلام اس وقت خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں سے سخت نزع ہے قنوت کا وقت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] صحیح بخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

وہ رکعت ثانیہ میں بعد قرات ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور امام و مقتدی سب آہستہ قنوت پڑھیں جس مقتدی کو یاد نہ ہو آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰۳: از دھامپور محلّہ موچیاں ڈاک خانہ خاص ضلع بجنور مسئولہ غلام محمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

جناب مولوی صاحب رہنمائے گمرہان دام افضالہ، بعد ادائے نیاز مندانہ کے معروض خدمت ہے یہاں قصبہ دھام پور میں زمرہ خلافت نے نماز مین ایک نیا طریقہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز میں اخیر فرض میں رکوع کرکے کھڑے ہوجاتے ہیں اور امام صاحب دعا بآواز بلند پڑھتا ہے اور مقتدی بآواز بلند کئی کئی مرتبہ آمین کہتے ہیں بلکہ بیس بیس مرتبہ سے زیادہ مقتدی آمین کہتے ہیں بعدہ، سجدہ میں جاکر سلام پھیرتے ہین، عالی جاہ! ہمارے امام صاحب حنفی کے طریقہ میں یہ نماز جائز ہے یا ناجائز؟ یا کہ کسی اصحاب نے یا کہ امامین میں سے کسی نے پڑھی ہے؟ اور اس طریقہ سے نماز ہوتی ہے یا کہ فاسد ہوجاتی ہے؟ ہم کو اس نماز میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

یہ طریقہ قنوت نازلہ کا ہے جو متون مذہب حنفی کے خلاف ہے مگر بعض شراح نے اجازت دی ہے اس سے بھی چار باتوں میں مخالف ہے:

اول: بعد رکوع ہمارے نزدیک محل قنوت ہی نہیں **کما حققه المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر** (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

دوم: امام کا جہر سے دعا پڑھنا مخالف قرآن کریم و مذہب حنفی ہے۔

سوم: یونہی مقتدیوں کا آمین بالجہر۔

چہارم: قنوت نازلہ ہمارے یہاں صرف نماز فجر میں ہے اور بعض کتب میں نماز جہر واقع ہوا، اپانچوں نمازوں میں ہونا ہمارے یہاں کسی کا قول نہیں تو ہمارے نزدیک اس کے سبب تاخیر فرض لازم آئے گی اور اس کے سبب نماز واجب الاعادہ ہوگی ایسی نماز میں شرکت نہ کی جائے جبکہ خالص حنفی جماعت مل سکتی ہو اور شرکت کی ہو ظہر و عصر بلکہ عندالتحقیق غیر فجر کا اعادہ کرلیں بلکہ فجر کا بھی جبکہ لوگ بعد رکوع قنوت کریں کہ مذہب حنفی میں خلاف محل ہے اگرچہ شامی و شرنبلالی کو شبہہ ہوا، وہ مذہب میں صاحب قول نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰۴ تا ۱۱۰۵: از کوہ کسوٹی کمسریٹ روٹی گودام مسئولہ عبداللہ ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عرصہ ایک سال سے میں سنا کرتا ہوں کہ:

(۱) اس جگہ اور دیگر شہروں میں ایک نماز واجباً پڑھی جارہی ہے جس کا ثبوت مجھ کو آج تک کسی نے نہ دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ حدیث کی کتابوں میں دیکھو تو تم کو معلوم ہوجائے گا، نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ ہر ایک فرض نماز کی آخر رکعت میں بعد رکوع امام کچھ پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں اور استفسار کرنے پر کہ امام کیا پڑھتا ہے یہ جواب ملتا ہے کہ دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اور اگر دعائے قنوت کی عربی دریافت کی جاتی ہے تو اس سے صاف جواب۔ سخت حیرت اور تعجب کا مقام، میں مسجد جانے سے قاصر بلکہ مستثنیٰ، اس وجہ سے یہ مسئلہ حل طلب بہت ضروری ہے۔

(۲) اس خادم کی نظر سے ربع اول "مظاہر حق" جلد اول کتاب الصلٰوۃ باب القنوت مندرجہ ذیل احادیث گزریں جس سے بالکل حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امر ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے امت کے لوگوں کو امر کیا ہو کہ وہ بھی اس کو پڑھا کریں بلکہ حدیث خود ظاہر کررہی ہے کہ حضور نے بفرمان ربی اس کو ترک کردیا، فصل اول کتب مذکور:

وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعو علی احد اویدعولاحد قنت بعد الرکوع فربما قال اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد اللھم انج الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ اللھم اشدد وطأتك علی مضر سنین کسنی یوسف یجھر بذلك وکان یقول فی بعض صلوتہ اللھم العن فلانا وفلانا لاحیاء من العرب حتی انزل اللہ لیس لك من الامر شیئ الایۃ متفق علیہ وعن عاصم الاحول قال سئلت عن انس بن مالك عن القنوت فی الصلٰوۃ کان قبل الرکوع	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام جب کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں دعا فرمانے کا ارادہ فرماتے تو کبھی رکوع کے بعد سمع اللہ کہہ کر یوں فرماتے: اے اللہ! ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ، ان پر قحط نازل فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط نازل ہوا، اور یہ بدعا بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی آپ کسی نماز میں یوں پڑھتے: اے اللہ! فلاں وفلاں پر لعنت فرما۔ اس سے مراد عرب کے بعض قبائل مراد ہوتے، حتی کہ اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے پیارے حبیب! یہ معاملہ آپ کے ذاتی اختیار میں نہیں ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت عاصم احول رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا

او بعدہ قال قبلہ انما قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد الرکوع شھرا انہ کان بعث اناسا یقال لھم القراء فاصیبوا فقنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد الرکوع شھرا یدعوا علیھم متفق علیہ فصل ثانی کتاب مذکور عن ابن عباس قال قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھرا متتابعا فی الظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلٰوۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاخیرۃ یدعوا علی احیاہ من بنی سلیم، رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمّن من خلفہ رواہ ابوداؤد، وعن انس ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت شھرا ثم ترکہ۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔	کہ کیا نماز میں قنوت رکوع سے پہلے تھی یا بعد میں، تو انہوں نے فرمایا پہلے تھی، حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی کیونکہ آپ نے قراء کی ایک جماعت کو تعلیم کے لئے بھیجا تو ان کو راستہ میں شہید کردیا گیا، تو اس واقعہ پر حضور علیہ السلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد قاتلین پر بددعا فرمائی (متفق علیہ) کتاب مذکور کی دوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰیعنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھی اور جب نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس وقت عرب کے قبائل بنی سلیم، ذکوان اور عصیہ پر بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ قنوت ایک ماہ پڑھ کر پھر چھوڑدی، اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔(ت)

چونکہ حنفی مذہب کے مطابق آمین آواز سے کہنا روکا گیا ہے مگر اب تو پورے پندرہ منٹ آمین اس زور سے کہی جاتی ہے کہ مسجد گونج اُٹھتی ہے بلکہ نماز جمعہ میں لوگوں کی کثرت سے آمین کا شور توحد درجہ بڑھ جاتا ہے اس بستی میں صرف ایک مسجد ایک قبرستان ہے، مذہب حنفی کے سب پیرو ہیں، امام مسجد جن سے اس کا رواج ہوا ہر شخص کو مجبور کررہے ہیں کہ اس کی ادامیں اگر کوئی قاصر ہوگا اسلام سے خارج سمجھا جائے گا اس کا جنازہ مسلمان نہیں اُٹھائیں گے بسبب ملازمت لوگ باہر سے آتے ہیں ان کے لئے ایسا نادر شاہی حکم بہت گراں ہورہا ہے اور بے وقت پردیس میں موت ہونے کے لحاظ سے مجبوراً ادا کررہے ہیں وہی مثل کہ "زبردست مارے رونے نہ دے"، اور حنفیہ "قہر درویش برجان درویش" کے مصداق

ہورہے ہیں۔ والسلام

الجواب:

(۱) اصل مسئلہ متون یہ ہے کہ وتروں کے سوا کسی نماز میں دعائے قنوت نہیں، تنویرالابصار وغیرہ میں ہے: **ولایقنت فی غیرہ**[1] (غیر میں قنوت نہ کرے۔ت) مگرامام طحاوی وغیرہ شراح نے معاذاللہ کسی نازلہ یعنی عام مصیبت کے وقت اس کے دفع کے لئے بھی قنوت جائز رکھی، اسی بارے میں حدیث ہے:

قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم شهرا علی عدة قبائل من الکفار[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرب کے چند قبائل کے خلاف قنوت ایک ماہ پڑھی۔(ت)

اس کے لئے کوئی دعا مخصوص نہیں بلکہ جو بلا مثل طاعون ووبا یا غلبہ کفار والعیاذ باللہ تعالٰی اس کے دفع کی دعا کی جائے گی، تحقیق یہ ہے کہ قنوت صرف نماز فجر میں ہے **وما وقع فی بعض الکتب فی صلٰوۃ الجھر فمصحف من صلوۃ الفجر** (جو بعض کتب میں آیا ہے کہ جہر والی نماز تو یہ "جہر" بدل گیا ہے اصل فجر ہے۔ت) اور تحقیق یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع ہو **لان مابعد الرکوع قد خرج عن محلیة القنوت کما حققه المحقق فی الفتح** (کیونکہ رکوع کے بعد قنوت کا محل نہیں ہے جیسا کہ محقق نے اسے فتح میں ثابت کیا ہے۔ت) اور امام ومقتدی سب آہستہ پڑھیں **لانه دعاء وسنه الدعاء الاخفاء** (کیونکہ وہ دعا ہے اور دعا کا طریقہ اخفاء ہے۔ت) جن مقتدیوں کو یاد نہ ہو وہ آہستہ آہستہ آمین کہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اوپر بیان ہوا کہ اس قنوت کا جواز ہی ظاہر متون مذہب حنفی کے خلاف ہے نہ کہ معاذاللہ اس پر ایسا اصرار کہ جو نہ کرے خارج از اسلام سمجھا جائے اور مسلمان اس کا جنازہ نہ اٹھائیں، یہ ظلم اور اشد ظلم ہے اور سخت کبیرہ ہے اور اللہ ورسول پر افتراء اور نئی شریعت دل سے گھڑنا اور مسلمانوں کو ناحق معاذاللہ کافر بنانا اور بحکم ظواہر احادیث خود کافر بننا ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقد باء به احدھما** (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں میں سے ایک اس کو اپنے پر وارد کرے گا۔ت) اور آمین بالجہر مذہب حنفی میں کہیں نہیں، ہاں اشراح، وقت نازلہ قنوت اسی طریقہ پر روا رکھتے ہیں جس کی تحقیق اوپر بیان ہوئی اور حدیث فعلی بھی مثل حدیث قولی حجت ہے **لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم صلوا رأیتمونی اصلی**[3] (اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

[1] کنزالدقائق باب الوتر والنوافل، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱
[2] شرح معانی الآثار باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۸
[3] سنن الدارقطنی باب فی ذکر بالاذان والامامۃ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۱/ ۲۷۳

والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسے نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ت) اور ترک دعا بوجہ قضائے حاجت یا بعض مخصوصین پر دعا سے رب عزوجل کی ممانعت، نفس دعا سے منع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰۶ : از دمن قریب سورت بخدمت جناب مولٰینا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی (رحمہ اللہ تعالٰی) وازانجا بفرض تحقیق نزد فقیر ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعائے قنوت کا کس مصیبت کے نازل ہونے کے وقت فرض پنجگانہ میں پڑھنا یاخاص کسی وقت کے فرض نماز میں پڑھنا شرع شریف سے ثابت ہے یانہیں؟ خاص کرایام وبائے طاعون میں اور اس کے پڑھنے کا محل فرض کی آخری رکعت میں قبل رکوع کے یاقومہ میں امام اور مقتدی دونوں پڑھیں یاصرف امام بآواز بلند پڑھے اور مقتدی آمین آہستہ آہستہ کہیں **بینوا توجروا**۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o اللھم لك الحمد (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے۔ت) عامہ بلکہ عام متون مذہب میں دربارہ وتر ارشاد ہوا:

لایقنت فی غیرہ وکذا صرحوا ان الماموم لایتبع امامه القانت فی الفجر وعللوہ بانه منسوخ وانه محدث [1]۔	غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مقتدی اس امام کی جو فجر میں قنوت پڑھتا ہے پیروی اس معاملہ میں نہ کریں، اور انہوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ منسوخ ہے لہذا یہ نئی چیز ہے۔(ت)

اور محققین شراح مثل امام ابن الہمام وعلامہ سروجی وامام عینی شارحین ہدایہ وعلامہ شمنی شارح نقایہ وعلامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ وعلامہ زین بن نجیم شارح کنز وعلامہ شرنبلالی شارح نورالایضاح وعلامہ علائی شارح تنویر وعلامہ سید حموی شارح اشباہ وعلامہ نوح آفندی وعلامہ سیدابوالسعود ازہری محشیٰ کنز وعلامہ سید محمد شامی محشیان درر وغیرہ بہ تبعیت امام اجل حافظ الحدیث ابوجعفر طحاوی ہنگام نزول مثل طاعون وغیرہ (**والعیاذباللہ تعالٰی**) صرف نماز فجر میں تجویز قنوت کی تنقیح وتنقید اور اطلاق متون کی اس سے تقیید فرماتے ہیں۔ غنیہ المستملی ومراقی الفلاح وغیرہما میں ہے:

وھو مذھبنا وعلیه الجمھور [2] **اھ وقد صح**	یہی ہمارا مذہب ہے اور جمہور بھی اس کے قائل ہیں اھ

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] غنیۃ المستملی صلٰوۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰

به الحدیث فی الصحیحین وغیرهما عن انس وابی هریرة وغیرهما رضی الله تعالٰی عنهم قالوا وهو محمل ماروی من قنوت امراء المؤمنین الصدیق و الفاروق والمرتضٰی ومعٰویة وغیرهم رضوان الله تعالٰی علیهم. قلت ولیست المسئلة مماتجری فیه المماکسة۔	اور اس بارے میں صحیح حدیث بخاری اور مسلم وغیرہما میں موجود ہے اور وہ حضرت انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے اور حضرت امیرالمومنین صدیق اکبر، عمر فاروق، علی مرتضٰی اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا قنوت کے بارے میں عمل اس حدیث کے مطابق تھا، میں کہتاہوں یہ وہ مسئلہ نہیں جس میں کھنچاؤ پایا جائے۔(ت)

پھر بر تقدیر قنوت بلاشبہہ سبیل وہی ہے جو فاضل مجیب سلمہ المجیب نے اختیار فرمائی کہ امام ومقتدی سب آہستہ پڑھیں۔

اقول: وماوقع من الخلف بین ایمتنا الکرام ومشائخنا الاعلام فی قنوت الوتر هل یجهره ام یسروهو المختار. کمافی الهدایة وهوالاصح. کمافی المحیط والصحیح. کما فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں وهل یؤمن الماموم ام یقنت وهو السحیح المختار. کمافی المحیط والشرح المذکور وغیرهما فانما منشؤه ان لقنوت الوتراللهم انا نستعینك الخ شبهة القراٰن علی ماذکروه فکما یجهر الامام بالقراٰن فکذا بما فیه شبهته وکما لایقرؤالموتم القراٰن فکذا ماله شبهته کماقرره فی الحلیة و الغنیة والبحر وغیرها	**اقول:** ہمارے ائمہ کرام سے متاخرین اور ہمارے مشائخ عظام نے وتر کی قنوت کے بارے بحث میں جو فرمایا کہ یہ قنوت جہر پڑھی جائے یاآہستہ، توآہستہ پڑھناہی مختار ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے، جیسا کہ قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ اور یہ کہ کیامقتدی صرف آمین کہیں یاوہ بھی قنوت پڑھیں، تو ان کا قنوت پڑھنا صحیح ومختار ہے جیسا کہ محیط اور مذکور شرح وغیرہما میں ہے۔ اور اس بات کی وجہ یہ ہے کہ قنوت وتر جو کہ اللھم انانستعینک الخ ہے کی قرآن سے مشابہت ہے جیسا کہ فقہاء نے بیان کیاہے لہٰذا جس طرح قرآن کاجہر کرتاہے اسی طرح قرآن کے مشابہ چیز کا بھی امام جہر کرے اور جس طرح مقتدی قرآن کی قرأت نہیں کرتا اسی طرح قرآن کی مشابہت والی چیز کی بھی مقتدی قرأت نہ کرے جیسا کہ حلیہ، غنیہ، بحر وغیرہا میں تقریر کی گئی ہے

ولاکذالك قنوت النوازل وانما هو دعاء محض فیشترك فیه الامام والماموم ویخفیانه کسائر دعیة فانه هوالمندوب الیه فی الدعاء۔	جبکہ قنوت نوازل کا یہ مقام نہیں ہے وہ تو محض دعا ہے جس میں امام اور مقتدی مساوی شریک ہیں لہذا دونوں اس کو آہستہ پڑھیں گے، جس طرح تمام دعاؤں میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے۔(ت)

مگر اخفاء واجب نہیں کہ جہر گناہ ہو۔

وقد صرحوابانه اذا جهر سهوا بشیئ من الادعیة والاثنیة لایجب علیه السجود [1] کمافی ردالمحتار ولووجب لوجب کمالایخفی۔	جبکہ فقہاء نے تصریح کی ہے اگر کوئی شخص بھول کر کوئی دعاوثناء جہر سے پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اگر قنوت نازلہ یادعا کا اخفاء واجب ہوتا تو اس کے جہر سے سجدہ سہو واجب ہوتا جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

پھر اگر امام جہر کرے تو بنظر حشمت امامت مقتدیوں کا اس کی دعا پر آہستہ آمین کہنا ہی اس سے جدا اپنی اپنی متفرق دعا میں مشغول ہونے سے اولٰی ہے کما استظهره العلامة الشامی (جیسا کہ علامہ شامی نے اس کو ظاہر قرار دیا ہے۔ت)

رہا یہ کہ قول بقنوت نازلہ پر اس کا محل قبل رکوع ہے یا بعد۔ مشائخ مذہب وعلمائے متقدمین سے اس باب میں کوئی قول منقول نہیں متاخرین شراح کی نظر مختلف ہوئی، علامہ شرنبلالی کے کلام سے بعد رکوع ہونا ظاہر، علامہ شامی نے اسی کو اظہر کہا، علامہ سید حموی نے فرمایا: قبل رکوع چاہئے، علامہ ازہری نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ طحاوی نے فرمایا: مقتضائے نظر تخییر ہے چاہے قبل پڑھے یا بعد۔ شرح نورالایضاح میں ہے:

قال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه الله تعالٰی انما لایقنت عندنا فی الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة اوبلیة فلاباس به فعله رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ای بعد الرکوع کما تقدم [2]۔	امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک کسی مصیبت وبلاء کے نزول کے بغیر فجر کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھی جائے، اور اگر کوئی فتنہ یا بلاء واقع ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یعنی رکوع کے بعد پڑھے جیسا کہ پہلے گزرا ہے(ت)

[1] ردالمحتار باب سجود السحو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶ے

فتح اللہ المعین میں بعد نقل قول امام طحاوی ہے:

ظاھرہ انہ لوقنت فی الفجر لبلیۃ انہ یقنت قبل الرکوع[1]۔	اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نزول بلاء کے موقعہ پر قنوت پڑھے تو رکوع سے قبل پڑھے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ مراقی میں ہے:

قال الحموی وینبغی ان یکون القنوت قبل الرکوع فی الرکعۃ الاخیرۃ ویکبرلہ[2]۔	حموی نے کہا ہے کہ مناسب یہ ہے قنوت آخری رکعت کے رکوع سے قبل پڑھے اور اس کے لئے تکبیر بھی کہے۔(ت)

قول شرنبلالی ای بعد الرکوع (یعنی بعد رکوع۔ت) پر لکھا: **ھذا یخالف ماقدمناہ عن الحموی**[3] (یہ حموی سے مروی کے خلاف ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

الذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیومن وانہ یقنت بعد الرکوع لاقبلہ بدلیل ان ماستدل بہ الشافعی علی قنوت الفجر وفیہ التصریح بالقنوت بعد الرکوع حملہ علماؤنا علی القنوت للنازلۃ ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ماقلناہ[4]۔	میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کی پیروی میں پڑھے لیکن اگرامام قنوت پڑھنے میں جھر کرے تو پھر مقتدی صرف آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے، پہلے نہ پڑھے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فجر میں قنوت پڑھنے پر استدلال کیا ہے، اس حدیث مین بعدازرکوع کی تصریح ہے۔ اس حدیث میں بعد ازرکوع قنوت کو قنوت نازلہ پر ہمارے علماء نے محمول کیا ہے، پھر میں نے دیکھا کہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں بعد از رکوع کی تصریح کی ہے اور حموی نے قبل از رکوع کوظاہر قرار دیا ہے جبکہ زیادہ واضح وہ ہے جو میں نے کہا ہے (ت)

---

[1] فتح المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۲۰۶

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۲۰۷

[4] ردالمحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قلت قد ورد فعله قبله وبه قال الامام مالك وبعده وبه قال الامام الشافعي فمقتضى النظر التخيير وذكر الشرنبلالى انه يقنت بعد الركوع[1]۔	**میں کہتاہوں** کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا عمل قبل از رکوع کے بارے میں مروی ہے یہ امام مالک کا قول و مسلک ہے اور دوسری روایت میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا عمل بعد از رکوع، مروی ہے اور یہ امام شافعی کا قول و مسلک ہے، غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرح کا اختیار ہے، اور شرنبلالی نے بعد از رکوع کو ذکر کیا ہے۔(ت)

اقول: اس قضیہ نظر میں نظر ہے۔

فليس اختلاف المجتهدين قاضيا بالتسوية عندنا اذاكان احد القولين اليق بمذهبنا واقعد باصولنا۔	ہمارے نزدیک مجتہدین کے اختلاف کا مطلب دونوں طرح کی مساوات نہیں ہے جبکہ ہمارے مذہب اور ہمارے اصول کی ایک قول تائید کرتا ہے تو وہ راجح ہے۔(ت)

اور فقیر کے نزدیک اقرب وانسب مختار سید علامہ حموی ہے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

لماترجح ذلك خرج مابعد الركوع من كونه محلا للقنوت فلذا روى عن ابى حنيفة رحمه الله تعالٰى انه لوسهى عن القنوت فتذكره بعد الاعتدال لايقنت[2]۔	جب قبل از رکوع قنوت پڑھنا ترجیح پاچکا ہے تو اب رکوع کے بعد قنوت کا محل ختم ہوگیا اسی لئے امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص قبل از رکوع قنوت پڑھنے کو بھول جائے اور رکوع سے کھڑا ہوجائے تو اب یاد آنے پر قنوت نہ پڑھے(ت)

ہاں اس میں شک نہیں کہ بر تقدیر قنوت نوازل مقتدی قبلیت و بعدیت میں اتباع امام کرے گا اور اگر امام بعد رکوع پڑھے تو یہ بھی بعد ہی پڑھے گا۔

فانه اذا كان يتابعه فى قنوت الوتر بعد الركوع مع نص المذهب انه قبل الركوع فهذا اولٰى۔	کیونکہ جب وتر کی قنوت میں مقتدی رکوع کے بعد پڑھنے میں امام کی پیروی کرسکتا ہے حالانکہ ہمارے مذہب میں قبل از رکوع قنوت پر تصریح موجود ہے تو اس قنوت نازلہ میں بطریق اولٰی امام کی پیروی کرسکتا ہے(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۸۱

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

فتح القدیر میں ہے:

هذا يحق خروج القومة عن المحلية بالكلية الا اذااقتدى بمن يقنت فى الوتر بعد الركوع فانه يتابعه اتفاقا[1] اھ والله تعالٰى اعلم۔	یہ بات ثابت کرتی ہے کہ قومہ قنوت کے محل سے خارج ہے مگر جب ایسے امام کی اقتداء کی ہو جو وتروں میں بعد از رکوع قنوت پڑھنے کا قائل ہو تو پھر امام کی پیروی کرے، باتفاق یہ حکم ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفع طاعون ووباء کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

وقت نزول نوازل وحلول مصائب اُن کے دفع کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور مشروعیت اس کی مستمر غیر منسوخ۔

روى الامام البخارى والامام مسلم فى للبخارى قال اخبرنا احمد بن يونس ثنازائدة عن التيمى عن ابى مجلز عن انس رضى الله تعالٰى عنه قال قنت النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم شهرا يدعو على رعل وذكوان [2] ولفظ المسلم من طريق المعتمر عن سليمٰن التيمى عن ابى مجلز عن انس ابن مالك رضى الله تعالٰى عنه قنت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم شهرا بعد الركوع فى صلٰوة الصبح يدعوا على رعل وذكوان ويقول عصية عصت الله ورسوله[3]۔ وفى صحيحه	بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اور حافظ نسائی نے اپنی سنن میں اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں، احمد بن یونس نے خبر دی کہ زائدہ نے تیمی اور انہوں نے ابومجلز سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قنوت پڑھتے ہوئے رعل اور ذکوان پر ایک ماہ بدعا فرمائی، اور مسلم نے معتمر عن سلیمٰن التیمی عن ابی مجلز عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ، یہ الفاظ کہے، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد رعل، ذکوان اور عصیّہ کے خلاف قنوت کے ذریعہ بدعافرمائی اور فرمایا عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اور امام مسلم کی صحیح میں بھی یہ ہے کہ محمد بن

[1] فتح القدیر باب الصلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۷

[3] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۷

ایضاً حدثنا محمد بن مھران الرازی فذکر باسنادہ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ حدثھم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت بعد الرکعۃ فی صلوات شھرا. اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ یقول فی قنوتہ اللھم انج الولید بن الولید، اللھم انج سلمۃ بن ھشام، اللھم نج عیاش بن ابی ربیعۃ، اللھم انج المستضعفین من المؤمنین، اللھم اشدد وطأتك علی مضر، اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف، قال ابوھریرۃ ثم رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترك الدعا بعد، فقلت اری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد ترك الدعاء لھم، قال فقیل وما تراھم قدقدموا[1]۔	مہران نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر قنوت پڑھی اور قنوت میں یہ پڑھا: اے اللہ! نجات دے ولید کو، اے اللہ! نجات دے سلمہ بن ہشام کو، اے اللہ نجادت دے عیاش بن ابی ربعیہ کو، اے اللہ نجات دے ضعیف مومنوں کو۔ اے اللہ! اپنی سخت پکڑ فرما مضر پر، اے اللہ! ان پر قحط مسلط فرما جتنے سال یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط نازل ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دیکھاکہ آپ نے بددعا چھوڑدی تومیں نے دل میں کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا چھوڑدی اور کہا کہ مجھے کہاگیاکہ وہ حفاظ آگئے تمہاراکیاخیال ہے۔ (ت)

عبدالرزاق، حاکم، دارقطنی باسناد صحیح بطریق امام باقر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روای: انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یزل یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا[2]۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ قنوت تاحیات پڑھتے رہے۔ (ت)

یہ حدیث اور دیگراحادیث قنوت فجر، برخلاف شافعیہ کہ انہیں فجر میں دوام قنوت کی دلیل ٹھہراتی ہیں صریح نوازل ہیں اور وارداُن پر محمول، پس حاصل یہ کہ جناب سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وقت نزول شدائد دواماً قنوت پڑھی اور جب وہ بلادفع ہوجاتی بوجہ ارتفاع ضرورت ترک فرماتے اور مشروعیت

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۷

[2] المصنف لعبدالرزاق باب القنوت، حدیث ۴۹۶۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۰، سنن الدارقطنی باب صفۃ القنوت الخ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۲/ ۳۹

اس قنوت کی کتب حنفیّہ میں بھی مصرح جیسا کہ [1] اشباہ، [2] در مختار، [3] بحر الرائق، [4] غایت، [5] ملتقط، [6] سراج، [7] شرح نقایہ شمنی، [8] فتح القدیر ابن الہمام، [9] کلام رئیس الحنفیہ امام ابو جعفر بن سلامہ طحاوی وغیرہ سے ثابت متون میں غیر وتر میں قنوت پڑھنا ممنوع ٹھہرایا شارحین کرام نے قنوت نوازل کو اس سے استثناء فرمایا۔

فی الدرالمختار ولایقنت فی غیرہ الالنازلة فیقنت الامام فی الجھریة وقیل فی الکل[1] وفی البحرالرائق فی شرح النقایة معزیا الی الغایة وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلٰوة الجھر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کلھا[2] ـوفی الاشباہ والنظائر فائدة فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنه فی طاعون سنة تسع وستین وتسعمائة بالقاھرة، فاجبت بانی لم ارہ صریحا، ولکن صرح فی الغایة وعزاہ الشمنی الیھا بانه اذا نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلواة الفجر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کھما انتھی، وفی فتح القدیر ان مشروعیة القنوت للنازلة مستمرة لم تنسخ، وبه قال جماعة من اھل الحدیث و حملو علیه حدیث ابی جعفر	درمختار میں ہے کہ غیر وتر میں صرف قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے اور قنوت نازلہ امام جہری نماز میں پڑھے، اور بعض نے کہا تمام نمازوں میں پڑھے، اور بحر الرائق میں ہے کہ شرح نقایہ میں غایہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور محدثین نے کہا کہ قنوت نازلہ تمام نمازوں میں جائز ہے۔اور الاشباہ والنظائر "طاعون کو ختم کرنے میں دعا کا فائدہ" میں ہے قاہرہ میں ۹۹۹ھ میں طاعون کے موقعہ پر مجھ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے جواب میں کہا کہ میں نے صریح طور پر اس بارے میں نہیں دیکھا لیکن غایہ میں تصریح ہے کہ شمنی نے اس بات کو صاحبین کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور اہلحدیث نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں قنوت جائز ہے انتہی، اور فتح القدیر میں ہے قنوت نازلہ جاری ہے منسوخ نہیں ہے، اور اہل حدیث کی جماعت کا یہ قول ہے اور انہوں نے ابو جعفر کی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] بحر الرائق شرح کنزالد قائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہما مازال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقنت حتی فارق الدنیا ای عندالنوازل، وماذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلھم ذلک بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد قنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم مسیلمۃ الکذاب وعندمحاربۃ اھل الکتٰب، وکذلک قنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وکذلک قنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ معاویۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما، وقنت معاویۃ فی محاربتہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انتھی، فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان طاعون من اشد النوازل، قال فی المصباح، النازلۃ المصیبۃ الشیدۃ تنزل بالناس انتھی، وذکر فی السراج الوھاج قال الطحاوی ولایقنت فی الجر عندنا من غیر بلیۃ فان وقعت بلیۃ فلاباس بہ کما فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قنت شھرا فیھا یدعو علی رعل وذکوان وبنی لحیان ثم ترکہ کذا فی الملتقط [1] انتھی(ملتقطا)۔	مروی حدیث اسی معنی پر محمول کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تاحیات قنوت نازلہ مصیبت پر پڑھتے رہے، اور خلفاء کے عمل کے بارے میں جو جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعد یہ عمل جاری رکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسیلمہ کذاب سے صحابہ کی جنگ اور اہل کتاب سے جنگ میں قنوت پڑھی، اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قنوت پڑھی، اور ایسے ہی علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنگ کے دوران پڑھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنگوں کے دوران قنوت پڑھی انتہی، پس قنوت نازلہ ہمارے ہاں مصیبت کو ختم کرنے کے لئے دعا کے طور پر ثابت ہے اور اس میں شک نہیں کہ طاعون بھی بڑی مصیبت ہے، اور مصباح میں فرمایا کہ نازلہ، لوگوں پر شدید مصیبت کے نزول کو کہتے ہیں انتہی، اور سراج الوہاج میں ذکر ہے کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ نزول مصیبت کے بغیر نماز فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے لیکن اگر مصیبت نازل ہو تو ہمارے نزدیک قنوت پـڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ قنوت پڑھی اور اس میں رعل، ذکوان اور بنو لحیان پر بددعا فرمائی اور پھر آپ نے ترک کردی، ملتقط میں اسی طرح ہے انتہی ملتقطا۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث فائدۃ فی الدعاء لرفع الطاعون ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۶۱ و ۲۶۲

یہاں سے ظاہر کہ اختلاف شافعیہ وحنفیہ دربارہ قنوت فجر کہ وہ علی الدوام حکم دیتے اور ہم انکار کرتے ہیں غیر نوازل میں ہے، نہ قنوت نوازل میں اور بلاشبہ طاعون ووبا اشد نوازل سے ہیں اور ان کے عموم میں داخل کما مر من الاشباہ (جیسا کہ اشباہ سے گزرا۔ت) پس اگر امام، دفع طاعون ووبا کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھے تو اس کے جواز ومشروعیت میں کوئی شبہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰۷: ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جسے امام کے پیچھے نماز وتر میں بھی رکعتیں فوت ہوئیں اور قنوت بھی وہ جب اپنی باقی نماز پڑھنے کو کھڑا ہو تو اخیر رکعت میں دعائے قنوت دوبارہ پڑھے یا وہی جو امام کے پیچھے پڑھی کافی ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اسی پر اکتفا کرے دوبارہ نہ پڑھے کہ تکرار قنوت مشروع نہیں۔

فی الدر اما المسبوق فیقنت مع امامه فقط[1] اھ فی ردالمحتار لانه اٰخر صلٰوته ومایقضیه اولها حکما فی حق القرائة وما اشبهها واذا وقع قنوته فی موضعه بیقین لایکرر لان تکراره غیر مشروع شرح المنیة[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دُر میں ہے کہ مسبوق (جس کی کوئی رکعت جماعت سے رہ جائے) صرف امام کے ساتھ قنوت پڑھے اھ۔ ردالمحتار میں ہے کیونکہ امام کے ساتھ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور جس کو قضا کر رہا ہے وہ قراءۃ وغیرہ کے اعتبار سے حکماً نماز کا اول ہے اور جب قنوت امام کے ساتھ اپنے محل میں ادا ہو چکی ہے تو اس کا تکرار نہ کیا جائے کیونکہ اس کا تکرار جائز نہیں، شرح منیہ اھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۱۰۸: از اوجین علاقہ گولیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

دوسہ مردم درآں مسجد کہ امام بجماعت تراویح مشغول تام ست حاضر گردیدند آنہا نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا جداگانہ خواندہ ملحق جماعت تراویح شوند و باز وتر	دو تین آدمی مسجد میں آئے تو امام نماز تراویح میں مصروف تھا، کیا یہ آنے والے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت کرائیں یا علیحدہ علیحدہ پڑھیں اور اس کے بعد

[1] در مختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

راہمراہ اما بخوانند یا تنہا چراکہ امام راجماعت فرض نیافتہ، **بیّنوا توجروا۔**	تراویح کی جماعت میں شامل ہوں، اور کیا یہ لوگ وتر امام کے ساتھ جماعت سے ادا کریں یا اس امام کی جماعت کے ساتھ فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے وتر علیحدہ پڑھیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

جماعت تراویح مانع جماعت فرض نیست لان قیام جماعة انما یمنع اقامة جماعة اخری فی زمانها ومکانها اذا کانت الاولی داعیة لکل من یأتی الی الدخول فی نفسها وجماعة التراویح لاتدعو من لم یصل الفرض الی الدخول فیها فان الصحیح المعتمد بطلان التراویح قبل اداء الفرض ولذا قال فی جامع الرموز اذا دخل واحد فی المسجد والامام فی التراویح یصلی فرض العشاء اولا ثم یتابعه[1] پس آنانکہ از پس رسیدند چوں شرعاً مامورند باداۓ فرض پیش از تراویح چراممنوع باشد از جماعت حالانکہ چوں امام در تراویح ست محراب مشغول باشد پس عدول از وکہ مبدل ہیأت ودرمذہب صحیح ومفتی بہ نافی کراہت ست کما نص علیه فی مواضع من ردالمحتار اینجاخود حاصل ست پس برمذہب صحیح ایناں راہیچ مانع از اقامت جماعت نیست آرے ہر قدرکے توانند دور از جماعت نیست آرے ہر قدر کہ توانند دوراز جماعت قوم جماعت فرض برپاکنند تاہم خویشتن ازالتباس افعال واشتغال بال ایمن باشند وہم براہل تراویح	تراویح کی جماعت، فرض کی جماعت کے لئے مانع نہیں ہے کیونکہ دوسری جماعت کے لئے وہ موجودہ جماعت مانع ہوتی ہے جو کہ تمام آنے والوں کے لئے یہ پہلی موجودہ جماعت اپنے اندر داخل ہونے کی داعی ہو، جبکہ بعد میں آنے والے ان لوگوں کو جنھوں نے فرض نماز نہیں پڑھی، کے لئے یہ موجودہ جماعت تراویح داعی نہیں ہے کہ اس میں شامل ہوں، کیونکہ فرض ادا کرنے سے قبل تراویح کا پڑھنا صحیح مذہب میں باطل ہے، اسی بناء پر جامع الرموز میں کہا ہے کہ جب کوئی ایک شخص جماعت تراویح ہوتے وقت آئے تو اس کو پہلے عشاء کے فرض پڑھنے ہوں گے اور اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہو، پس بعد میں آنے والے لوگ جب اس بات کے پابند ہیں کہ وہ پہلے فرض ادا کریں اور بعد میں تراویح پڑھیں تو شرعاً ان کو فرض کی ادائیگی جماعت کرانے میں کیامانع ہے خصوصاً جبکہ امام تراویح پڑھاتے ہوئے محراب میں ہے تو بعد میں آنے والے اپنی جماعت کو محراب سے ہٹ کر کرائیں گے جس سے پہلی جماعت کی ہئیت تبدیل ہوجائے گی اور دوسری جماعت کی کراہت ختم ہوجائے گی جیسا کہ ردالمحتار

[1] جامع الرموز الوتر والنوافل مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۱۴

خصوصاً امام تالی قرآن تلبیس ننمایند هذا کله مما لایخفی علی من له مساس بالفقه بازآنکس که فرض بجماعت گزارده است خواه کود امام بودیا بامام دیگر غیرایں امام اقتدانموده اورا میرسد که دروتر بایں امام اقتدا کند آرے ہرکه فرج به تنہائی ادانمود اورا دروتر ہم منفرد باید بودعلامه شامی دررالمحتار فرمود لوصلاها (یعنی صلاۃ العشاء) جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لاکراهة تأمل[1] ومن فقیرایں مسئله رادر فتاوٰی خودم ہرچه تمام تررنگ تفصیل داده ام۔ والله تعالٰی اعلم	کی تصریح کے مطابق صحیح اور مفتی بہ مذہب یہی ہے جب کراہت کی وجہ خودبخود ختم ہو گئی تو ان لوگوں کی جماعت کے لئے کوئی بھی مانع نہ رہا، ہاں ممکن حد تک ان کو چاہئے کہ تراویح کی جماعت سے دور اپنی جماعت کریں تاکہ آپس میں قرأت اور افعال میں اشتباہ نہ پیدا ہو اور اطمینان قلبی سے نماز ادا ہوسکے، نیز تراویح کے امام جو کہ تلاوت میں مصروف ہے کو اشتباہ سے بچایا جاسکے۔ فقہ سے مس رکھنے والے کو یہ تمام معاملہ معلوم ہے، اور پھر جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے ادا کرچکا ہو خواہ اپنی جماعت کرائی ہو یا کسی اور امام یا اس تراویح والے کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا ہو اس کو تراویح اور وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، ہاں جس نے فرض بغیر جماعت اکیلے پڑھے ہوں اس کو وتر اکیلے پڑھنے چاہئیں، علامہ شامی نے ردمحتار میں فرمایا کہ اگر کسی نے عشاء کی نماز کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت سے ادا کی ہو تو وہ بلاکراہت اس امام کے ساتھ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے غور کیجئے، جبکہ اس فقیر نے اس مسئلہ کو ہمہ پہلو تفصیل کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ (ت) والله تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۰۹: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

بقلم خجستہ رقم عبارت فتاوٰی صاحب چنیں ترقیم آمده است که ہرآنکس که نماز فرض بجماعت گزارده است خود امام بودیا بامام دیگر غیرایں امام اقتدانموده اورا میرسد که دروتر ہم منفرد باید بودبدیں طورعلامه شامی در ردالمحتار فرموده است فقط صاحبا	آپ کے مبارک قلم سے فتوٰی یوں جاری ہوا ہے کہ جو شخص عشاء کی نماز یعنی فرض جماعت سے پڑھ چکا ہے خواہ خود امام بنا، یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھ چکا ہو اس کو اس امام کے ساتھ باجماعت وترپڑھنے کا اختیار ہے، ہاں جو شخص اکیلے فرض ادا کرے اس کو وتر بھی اکیلے پڑھنے چاہئیں

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

در فوائد الاعمال تصنیف قاضی محمد تقی صاحب فیروزپوری کہ فیروزپورہ از توابع ملک میوات ست وایں کتاب در علم فقہ معتبر ست ارقام فرمودہ کہ بعد نماز فرض درجہ واجب ست پس سبب سنت جماعت واجب راترک نماید وسنت راادا سازد کے روا بود بل لازم وواجب ست بعد ادائے نماز وتر تراویح باقیماندہ اداکنند اگرچہ بجماعت فرض بشمول نشدہ باشد ہمیں ست حکم کتب الفقہ ودر شامی جلد اول صفحہ ۴۷۶ ودر طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷ ودر درالمحتار وتنزیۃ القیام مصنفہ مولٰینا صاحب عبدالحق محدث دہلوی نوشتہ است کہ اگرچہ جماعت فرض بدست نیامدہ باشد تاہم وتر راضرور بجماعت ادانمودن درست ست یا قطعی حکم ممانعت ست مطلع فرمایند ایں گستاخی کہ ازیں احقرالبریہ رفتہ است معاف فرمایند وبخوف طول اصل عبارت موقوف داشتہ۔	علامہ شامی نے ردمحتار میں یونہی بیان کیا ہے فقط حالانکہ فوائد الاعمال جوکہ قاضی محمد تقی فیروزپوری کی تصنیف ہے اور فیروزپور میوات کے علاقہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کتاب علم فقہ میں معتبر ہے، اس میں انہوں نے لکھاہے کہ فرض کے بعد واجب کا درجہ ہے لہذا سنت جماعت کی وجہ سے واجب کو یعنی وتر کو ترک کرنا اور سنت یعنی تراویح کو ادا کرنا کب جائز ہوسکتا ہے اس لئے لازم ہے کہ وتر باجماعت ادا کرکے باقی تراویح کو بعد مین پڑھے اگرچہ اس نے فرض اکیلے ہی پڑھے ہوں، یہی حکم کتب فقہ میں ہے اور شامی جلد اول صفحہ ۴۷۶، اور طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷، اور ردالمحتار اور تنزیۃ القیام مصنفہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی میں لکھا ہے کہ اگرچہ فرض جماعت سے ادانہ کئے ہوں تب بھی ضروری ہے کہ وتر جماعت سے اداکرلے، اب سوال یہ ہے کہ فرض باجماعت ادانہ کئے ہوں تب بھی وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہیں یاجائز نہ ہونے کا قطعی حکم ہے، مطلع فرمائیں، اس فقیر سے اگر گستاخی ہوئی ہو تو معاف فرمائیں اور طوالت کے ڈر سے اصل عبارت موقوف کردی ہے۔(ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، مہربانا حکم مسئلہ ہمان ست کہ فقیر نوشت وانچہ از چار کتاب آوردہ اند کہ جماعت وتر مطلق ضروری ولابدی ست درسہ پیشین اعنی حاشیہ شامی وطحطاوی ودرمختار زنہار ازیں معنی نشانے نیست و	اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائیل فرما، میرے مہربان اس مسئلہ کاحکم وہی جو اس فقیر نے لکھاہے، اور انہوں نے جن چارکتابوں کے حوالہ سھ لکھاہے کہ وتر کو جماعت سے پڑھنا مطلقًا ضروری ہے ان میں سے تین یعنی شامی، طحطاوی اور درمختار میں قطعاً اس مفہوم کا کوئی نشان تک نہیں ہے اور

تذکیۃ القیام رافقیر گاہے ندیدہ بلکہ نامش نشنیدہ ام اگراز تصانیف شیخ محقق قدس سرہ العزیز ست یقین دارم کہ ایں حکم درو ہر گز نباشد وچساں گمان بردہ آید کہ عالمے معتمد ہمچو شیخ مستند ایں چنیں کلامے بے سند برخلاف اجماع رقم زند ضروری و لابدی بمودنش در کنار علمارا اختلاف ست کہ افضل در وتر جماعت ست یا بخانہ خویش تنہا گزاردن ائمہ افتاہر دو قول را تصحیح فرمودہ اند طرفہ آنکہ در مختار ہمیں قول اخیر یعنی افضیلت انفرادر مذہب قرارداد و شیخ محقق درماثبت بالسنہ ہموں را مختار گفت وآنانکہ افضیلت جماعت رامرجح داشتند سپید نگاشتند کہ جماعت دروتر سنتے بیش نیست بلکہ سنیت اوازسنیت جماعت تراویح نازل تر ست ودر بحر الرائق وغیرہ ہمیں بہ لفظ استحباب تعبیر رفت، اینک عبارت درمختار ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ مایقتضی ان المذھب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ[1]۔ شیخ فرماید اختلفوا فی الافضل فقال بعضھم	تزکیۃ القیام نام کی کتاب اس فقیر نے نہ دیکھی نہ سنی، اگر واقعی یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے تو پھر مجھے یقین ہے کہ اس کتاب میں یہ حکم ہر گز نہ ہوگا حضرت شیخ جیسے قابل اعتماد عالم کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسی بے سند بات اور خلاف اجماع تحریر کردی ہے چہ جائیکہ انہوں نے ضروری اور لابدی قرار دیا ہو۔ علماء میں تو یہ اختلاف ہے کہ رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا افضل ہے یا تنہا گھر میں، جبکہ ائمہ کرام نے دونوں باتوں کو صحیح قرار ہے اور شیخ محقق نے بھی اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ لوگ جو وتر کو جماعت سے پڑھنے کو افضل کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی وتر باجماعت، سنت سے زیادہ نہیں بلکہ یہ سنت ان کے ہاں تراویح کے سنت سے کم درجہ ہے، اور بحر الرائق میں تو اس کو استحباب سے تعبیر کیاہے، درمختار کی عبارت یہ ہے کیا وتر کی جماعت افضل ہے یا گھر میں پڑھنا، دونوں کی تصحیح موجود ہے، لیکن وہبانیہ کے شارح نے جو نقل کیا اس کا مقتضی یہ ہے کہ دوسرا قول مذہب ومسلک ہے اسی کو مصنف وغیرہ نے ثابت کیاہے، اور شیخ عبدالحق نے یوں فرمایا ہے علماء نے وتر کے بارے میں اختلاف

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الافضل الاجماعة وقال الاٰخرون الافضل ان یوترفی منزله منفردا وھو المختار[1]۔(علامه شامی قدس سره السامی فرمود رجع الکمال الجماعة فی شرح المنیة والصحیح ان الجماعة فیھا افضل الا ان سنیتھا لیست کسنیة جماعة التراویح اھ ملخصاً[2]۔ علامه طحطاوی زیرقولش فی رمضان یصلی الوتر بھا ای بالجماعة"تحریر نمود"ای استحبابا کما فی البحروظاھر ماسیأتی له انھا فیه سنة کالتراویح[3] پس روشن شد کہ نسبت کلام مذکور بایں علما غلط بودہ است واگراز حکم ضروری ولابدی بودن جماعت قطع نظر نمودہ آید تاہم نسبت بعلامہ شامی نسبت بمخالف ست زیراکہ اورحمہ اللہ تعالٰی تصریح فرمودہ است کہ ہرکہ درفرض منفرد بوددروترہم اقتدانکند ازعلامہ شمس قہستانی آورد واذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[4]۔ بازخودگفت ینبغی ان یکون قول القھستانی	کیا کہ افضل جماعت ہے یاافضل یہ ہے کہ گھرمیں اکیلے پڑھے، اور یہ دوسرا قول ترجیح یافتہ ہے۔علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ کمال نے جماعت والے قول کوترجیح دی ہے اور منیہ کی شرح میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت افضل ہے، لیکن وتر کی جماعت سنت، تراویح کی جماعت کی سنت کی طرح نہیں ہےاھ ملخصاً۔اور علامہ طحطاوی نے ماتن کے اس قول کہ 'رمضان میں وتر جماعت سے پڑھے' کے بعد لکھاہے کہ یہ استحباب ہے جیساکہ بحر میں ہےاور ظاہر یہ ہے کہ جوان سے آگے آئے گا کہ رمضان میں وتر کی جماعت سنت ہے جیسے تراویح سنت ہے۔ پس معلوم ہواکہ مذکورہ بات ان علماء کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے اور لابدی اور ضروری حکم سے قطع نظر بھی علامہ شامی کی طرف اس بات کومنسوب کرنا ایک مخالف چیز کو منسوب کرناہے کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ اگرفرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تووتر بھی جماعت سے نہ پڑھے، اور علامہ قہستانی کے حوالے سے انہوں نے کہاہے کہ جب فرض امام کی اقتدامیں نہ پڑھے ہوں تووتر میں اس کی اقتدانہ کرے۔اور علامہ نے خود فرمایاکہ علامہ قہستانی کا یہ کہنا کہ

[1] ماثبت بالسنة الفصل السابع ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۳۰۲
[2] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۵
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتروالنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۷
[4] ردالمحتار آخرباب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

معه احتراز عن صلٰوتها منفرد امالو صلاها جماعة مع غیرہ ثم صلی الوتر معه لاکراهة تأمل[1]اھ۔ ودردرمختار این مسئلہ را اصلًا ذکرے نیست۔ مصنف وشارح اعظم اللہ تعالٰی اجورهما وافاض علینا نورهما ہمیں نوشتہ اند کہ ہر کہ درتراویح منفرد بود درجماعت وتر داخل می تواند شد حیث قالا لولم یصلها ای التراویح بالامام اوصلاها مع غیرہ له ان یصلی الوتر معه[2] ایں مسئلہ رابامسئلہ ماچہ علاقہ کہ اینجا کلام درمنفرد فی الفرض ست نہ منفرد فی التراویح وضرور نیست کہ ھرکہ تراویح تنہا گزاردہ است درفرض نیز منفرد بودہ باشد بازشارح رحمہ اللہ تعالٰی سوالے آوردہ است کہ اگرہمہ ہا جماعت تراویح راترک کردہ باشد آیا ایشاں رامی رسد کہ وتربجماعت گزارند اینجا، ہیچ حکمے ننمود وامر بمراجعت کتب فرمود حیث قال بقی لو ترکها الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع[3]۔آرے

اس امام کے پیچھے فرض نہ پڑھے ہوں "کامطلب یہ ہے اکیلے پڑھے ہوں، لیکن اگر اس نے فرض کسی دوسرے امام کی اقتدا میں پڑھے ہوں تو پھر وتر میں امام کے ساتھ جماعت میں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، غور کراھ۔اور درمختار میں ہے اس مسئلہ کا بالکل ذکر نہیں ہے مصنف اور شارح (اللہ تعالٰی ان کے اجر کو عظیم فرمائے اور ان کے نور کا ہم پر فیضان فرمائے) دونوں نے لکھاہے کہ کسی نے صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتاہے۔ انہوں نے یوں فرمایا اگراس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کو اس امام کے ساتھ وتر پڑھناجائز ہیں لیکن اس مسئلہ کا ہمارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارامسئلہ تواکیلے فرض پڑھنے والے کے بارے میں ہے نہ کہ اکیلے تراویح پڑھنے کے بارے میں ہے کیونکہ تراویح اکیلے پڑھنے کو یہ لازم نہیں کہ فرض بھی اکیلے پڑھے ہوں۔ اس کے بعد شارح نے خود سوال اٹھایا کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح باجماعت نہ پڑھی ہوں وان کو یہ جائز ہوگا کہ وہ وتر باجماعت ادا کریں۔ شارح نے یہ سوال بیان کرکے کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہا اس بارے میں کتب کو دیکھا جائے، انہوں نے اس کو یوں بیان فرمایا" یہ بات باقی ہے کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح کی

[1] ردالمحتار آخر باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴
[2] درمختار آخر باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹
[3] درمختار آخر باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

علامہ حلبی محشیٰ درجواب ایں سوال ازرائے وفہم خود چناں بحث کردکہ گوجماعت تراویح یکسر متروک باش تاہم مقتضائے تعلیل آن ست کہ جماعت وتر روا باشد زیراکہ او نماز مستقل بنفسہ است وھذا نصہ علی مانقل العلامۃ الطحطاوی قولہ فلیراجع قضیۃ التعلیل فی المسئلۃ السابقۃ بقولھم لانھا تبع، ان یصلی الوتر بجماعۃ فی ھذہ الصورۃ لانہ لیس بتبع للتراویح ولاللعشاء عندالامام رحمہ اللہ تعالٰی[1] ایں جانیز چنانکہ دیدی کلام در منفرد فی الفرض نیست۔ نعم ربما یوھم قولہ ولاللعشاء، جوازبجماعۃ الوتر وان ترکوا جماعۃ الفرض اصلا لکنہ کما علمت خلاف المنقول وماکان لبحث ان یقبل علی خلاف المنصوص لاسیما وھو غیرمستقیم فی نفسہ اذ لیس قضیۃ التعلیل مامر کما افاد العلامۃ الشامی واجاد حیث قال قولہ بقی الخ الذی یظھر ان جماعۃ الوتر	جماعت کوترک کیاہوتو وترجماعت سے پڑھ سکتے ہیں تو اس مسئلہ میں کتب کودیکھاجائے،ہاں علامہ حلبی محشیٰ نے ازخود اس سوال کے جواب میں اپنی رائے اور فہم سے یہ بحث کی ہے کہ اگرچہ تراویح کی جماعت متروک ہوگئی مگراب وتر کی جماعت کوترک نہ کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وترایک مستقل علیحدہ نماز ہے اور ان کابیان یہ ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی نے ان کابیان نقل کیاہے"کتب کی طرف رجوع کرو"یہ اس علت کاقرینہ ہے جوانہوں نے سابقہ مسئلہ میں بیان کی ہے کہ تراویح تابع ہیں اس لئے اس کو جائز ہے کہ وہ وترباجماعت پڑھے، کیونکہ وترنہ توتراویح کے تابع ہیں اورنہ ہی عشاء کے۔ امام صاحب کے قول میں رحمہ اللہ تعالٰی، آپ نے ملاحظہ کیاکہ یہاں بھی فرض اکیلے پڑھنے والے کے بارے میں بات نہیں ہے۔ ہاں اس کاقول"عشاء کے بھی تابع نہیں"وہم پیداکرتاہے کہ وتر کی جماعت جائز ہے اگرچہ سب حضرات نے فرض کی جماعت کوترک کردیاہو، لیکن آپ کومعلوم ہے کہ یہ بات نقل کے خلاف ہے اور منقول کے خلاف کوئی بحث قابل قبول نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ وہ بحث خود بھی درست نہ ہو، کیونکہ علت والا معاملہ وہ نہیں جو بیان ہوا، جیسا کہ علامہ شامی نے خوب بیان فرمایا جہاں انہوں نے یہ کہا"یہ بات باقی ہے الخ"ان کایہ سوال اس بات کوظاہر کررہاہے کہ وتر کی جماعت

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتروالنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۷

تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح علی انهم اختلفوا فی افضلیة صلاتها بالجماعة بعد التراویح کما یأتی اھ[1] ومن فقیر درفتوی عربیہ کہ بجواب سوال مولوی محمد عبداللہ صاحب پنجابی ھزاری بتاریخ نوزدہم شہر ربیع الآخر ۱۳۰۶ہجریہ نوشتہ ام ایں مقام را باقصائے مراتب تنقیح وتوضیح رسانده ام وباللہ التوفیق سخن گفتن ماند از کتاب فوائد الاعمال مہربانا معتبر بودن کتابے نزد بعض معتقدین چیزے ومعتبر بودنش فی نفسہٖ چیزے دیگرست، باز اعتبار کتابے مستلزم آں نیست کہ ہرچہ درومذکور ست مختار ومنصور ست، زنہار درکتب اجلہ ائمہ ہیچ یک کتابے نیابی کہ در بعض مواضع مجال نقد وتنقیح نداشتہ باشد تابتالیف مااحداث ہند، چہ رسد، مؤلف اگرایں مسئلہ راازپیش خود گفتہ است بجوئے نیرزد ورنہ بروے لازم بود کہ نص کتابے آوردے یالااقل نام کتاب بردے، تنہا گفتنش کہ ہمیں ست حکم کتب الفقہ، چگونہ قبول افتد	تراویح کی جماعت کے تابع ہے اگرچہ وتر فی نفسہٖ مستقل نماز ہے، کیونکہ وتر کی جماعت کا سنت ہونا، یہ نقل سے ثابت ہے کہ یہ تراویح کے تابع ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ علماء نے تراویح کے بعد وتر باجماعت پڑھنے کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے، جیسا کہ آئندہ آرہا ہے اھ۔ اور مجھ فقیر نے عربی فتوٰی جوکہ مولوی عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری کے سوال کے جواب میں بتاریخ ۱۹ربیع الآخر ۱۳۰۶ھ لکھا ہے اس میں اس مقام پر خوب اعلٰی تنقیح وتوضیح سے کام لیا ہے وباللہ التوفیق، فوائد الاعمال کے متعلق بات کرنا باقی ہے، میرے مہربان، کسی کتاب کا معتقدین کے ہاں معتبر ہونا ایک بات ہے اور اس کتاب کی اپنی حیثیت میں معتبر ہونا اور بات ہے نیز کسی کتاب کے معتبر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں جوکچھ موجود ہے وہ تمام معتبر ومختار ہو ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے ائمہ کرام کی کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں کہ اس کے بعض مقامات قابل تنقید وتنقیح نہ ہوں، توہم نئے لوگوں کی کتابوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سب کچھ درست ہے۔ فوائد الاعمال کے مصنف نے اگر یہ مسئلہ خود اپنی طرف سے کہہ دیا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ورنہ ان پر لازم تھا کہ وہ کسی ایک کتاب کا ہی حوالہ ذکر کردیتے اور

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

حالانکہ در کتب فقہ ہمچو منیۃ الفقہاء وغنیہ وشرح نقایہ وردالمحتار تنصیص بخلافش می یابیم بازاگر برخاطر احباب گراں نیاید سخن از نقد کلامش رانم وبرہمگناں واضح ولائح گردانم کہ ایں کلام چہ قدر، از پایۂ فقاہت دور ومہجور افتادہ است **اوّلاً** باید دانست کہ علماء رادر وقت تراویح دو قول مذیل بطراز تصحیح ست یکے آنکہ وقتش مابین عشاء ووترست تاآنکہ بعد وتر روانبود چنانکہ بیش از فرض روا نیست صححه فی الخلاصة ورجحه فی غایة البیان بانه الماثور المتوارث[1] اھ ش عن البحر، دوم آنکہ بعد عشاء تاطلوع فجر وہمیں ست ارجح التصحیحین عزاہ فی الکافی الی الجمھور وصححه فی الھدایة و الخانیة والمحیط[2] اھ ش عن الزین برمذہب اول ہر کرا چیزے ازتراویح باقی ماند وامام بوتر برخاست حکم ہمیں ست کہ بہ بقیہ تراویح اشتغال نماید وبجماعت وتر در نیاید زیرا کہ نزد ایشاں پس از وتر وقت تراویح

صرف یہ کہہ دینا کہ کتب فقہ کا یہ حکم ہے، کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے حالانکہ کتب فقہ مثلاً منیۃ الفقہاء، غنیہ، شرح النقایہ اور ردمحتار میں ہم اس کا خلاف پاتے ہیں پھر اگر دوستوں پر گراں نہ گزرے تو ہم اس کا تنقیدی جائزہ پیش کریں، اور ان پر واضح کردیں کہ ان کے بیان کی کیا حیثیت ہے اور یہ کہ فقہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے **اوّلاً** معلوم ہونا چاہئے کہ تراویح کے وقت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں جو کہ تصحیح کے معیار پر آتے ہیں: ایک یہ کہ تراویح کا وقت، نماز یعنی فرض عشاء اور وتر کے درمیان ہے اس بناپر فرض سے قبل تراویح جائز نہیں جس طرح کہ وتر کے بعد جائز نہیں، اس قول کو خلاصہ میں صحیح قرار دیا ہے اور غایۃ البیان نے اس کو زمانہ بزمانہ منقول کہہ کر ترجیح دی ہے اھ۔ یہ شارح نے بحر سے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا وقت بعد از عشاء تا طلوع فجر ہے، یہی قول صحت میں راجح ہے اور کافی میں اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدایہ، خانیہ اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اھ۔ یہ شارح نے زین سے نقل کیا ہے اب پہلے قول کے مطابق اگر کسی کی کچھ تراویح رہتی ہوں اور امام وتر شروع کرچکا ہے اس کو یہ حکم ہے کہ وہ امام کے

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱

فوت می شود۔امام طاہر بن احمد بخاری درخلاصہ فرمود **یشتغل بالترویحۃ الفائتۃ لانہ لایمکنہ الاتیان بہا بعد الوتر**[1] وبرمذہب دوم بہردوامر مخیّراست اما اختلاف درافضل افتاد ہرکہ دروتر انفرادرا بہتر دانستہ نزد او اشتغال بترویحہ فائتہ راپس انداختن خوشتر ومانا کہ ہمیں احب باشد وفقیر گویم چوں صحیح دوم جانب عدم صحت تراویح بعد وتراست ینبغی انسب مراعات آں باشد واللہ تعالٰی اعلم۔ **قال فی الدرالمختار وقتہا بعد صلاۃ العشاء الی الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الاصح فلوفاتہ بعضہا وقام الامام الی الوتر اوتر معہ ثم صلی مافاتہ**[2] **اھ قال فی ردالمحتار قولہ فلوفاتہ بعضہا الخ تفریع علی الاصح لکنہ مبنی علی ان الافضل فی الوتر الجماعۃ لاالمنزل**

ساتھ وتر نہ پڑھے بلکہ بقیہ تراویح کو پہلے پڑھے کیونکہ اس قول والوں کے ہاں وتر کے بعد تراویح کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ امام طاہر بن احمد بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ وہ بقیہ تراویح ادا کرے کیونکہ وتر کے بعد اس کو تراویح پڑھنا ممکن نہیں۔اور دوسرے قول کے مطابق اس کو دونوں طرح اختیار ہے کہ بقیہ تراویح وتر سے پہلے پڑھے یا بعد۔ لیکن افضل ہونے میں ضرور اختلاف ہے کہ جو لوگ وتر تنہا پڑھنا افضل کہتے ہیں کہ تراویح پہلے پڑھے اور جو جماعت کو بہتر جانتے ہیں ان کے نزدیک پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ کر اس کے بعد باقی ماندہ تراویح پڑھے، یہ تسلیم ہے کہ پسندیدہ امر یہی ہے لیکن ایک قول میں وتر کے بعد تراویح جائز نہیں ہے، اس لئے یہ فقیر کہتا ہے کہ اس قول کی رعایت زیادہ مناسب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں کہا کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد تا طلوع فجر ہے وتر سے قبل یا بعد یہ اصح قول ہے۔ پس اگر کچھ تراویح رہ جائیں اور امام وتر کے لئے کھڑا ہوجائے تو اسے چاہئے کہ وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے اور فوت شدہ تراویح اس کے بعد پڑھے اھ۔ اس پر ردمحتار میں کہا (**قولہ فلوفاتہ بعضہا الخ**) یعنی ماتن کا قول کہ اگر کچھ تراویح رہ جائیں، یہ اصح قول پر تفریع ہے لیکن یہ تفریع اس بات پر مبنی ہے کہ وتر گھر کی بجائے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث فی التراویح مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۳

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۸

وفیه خلاف سیأتی فقوله اوتر معه ای علی وجه الافضلیة [1] الخ۔ بالجملہ بریک مذہب راہ ہمیں ست کہ بجماعت وترشرک نکند وبرمذہب دیگرنزد بعضے افضل ہمیں ست ونزد کہ صاحب فوائد نوشت مذہب ہیچ عالمے نیست نہ زنہارا از شرع بروے دلیلے۔ ثانیاً قول او پس بسبب سنت، جماعت واجب راترک نماید وسنت رااداسازد کے روابود طرفہ استدلالے ست اگر لفظ واجب صفت جماعت سنت بداہتہ غلط وباطل بالاگفتہ ایم کہ جماعت وترنزد ہیچ کسے واجب نیست واگر مضاف الیہ است پس دلیل واجح الاختلال، سخن درترک جماعت ست نہ درترک وتر پس قول او"کے روابود"کے روابود، الحاصل حکم ہمان ست کہ فقیر درفتوائے پیشیں نوشتہ ام وازردوقدح ہیچو کلمات سکوت اولی بود اگر ایضاح صواب وکشف ارتیاب مقصود نبودے، بازدرضمن بیان، مسائل نافعہ کہ بروئے کارآمد نفع خوبی ست کہ حامل بریں تحریر می تواند شد مہربانا سخن برانچہ نقل فرمودہ اند رواں کردم ورنہ فقیرکتاب فوائد الاعمال ہم ندیدہ ام، ندانم کہ اصل عبارتش چیست ومولفش کیست واللہ تعالٰی اعلم۔

باجماعت پڑھنا افضل ہے اور اس میں اختلاف ہے جو آگے آرہا ہے اور اس کا قول کہ امام کے ساتھ وترپڑھے یعنی مستحب یہ ہے۔اصل کلام یہ ہے کہ ایک قول میں یہ متعین ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ وترنہ پڑھے اور دوسرے مذہب پرافضل یہ ہے کہ وترباجماعت نہ پڑھے، ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق اگرچہ اقتداء اور جماعت افضل ہے تاھم جماعت کالازم ہونا اور واجب ہونا وترکے لئے کسی عالم کامذہب اور قول نہیں جیسا کہ فوائد الاعمال والے نے لکھاہے اور نہ ہی شرع میں اس پر کوئی دلیل ہے۔ ثانیاً اس کا یہ کہنا کہ سنت کی وجہ سے جماعت واجب کاترک کرنا کیسے جائز ہوسکتاہے، یہ عجیب استدلال ہے، اس میں لفظ واجب اگر جماعت کی صفت ہے تو یہ غلط اور باطل ہے کیونکہ وتر کی جماعت کسی کے ہاں بھی واجب نہیں ہے اور لفظ واجب جماعت کا مضاف الیہ ہے یعنی واجب کی جماعت، توپھر یہ دلیل واضح طورپر خلل والی ہے کیونکہ بات تو ہورہی ہے جماعت کے ترک میں نہ کہ واجب یعنی وترکے ترک میں، اس کا یہ کہنا کہ "کیسے جائز ہوسکتاہے"کیسے جائز اور درست ہوسکتاہے! الحاصل یہ کہ مسئلہ کاحکم وہی ہے جو اس فقیرنے پہلے فتوے میں لکھاہے، ایسی باتوں پر بحث کرنے سے سکوت بہتر تھا، اگردرست موقف کی وضاحت اور شکوک کودفع کرنا مقصود نہ ہوتا نیز بحث میں ضمنی مسائل ہیں جو کہ بروئے کارلانے میں مفید ہوسکتے تھے جن کی وجہ سے میں نے یہ بحث کی ہے ورنہ ضرورت نہ تھی،

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱

مہربانوں نے جیسے عبارت نقل کی اس کے مطابق میں نے تسلیم کرتے ہوئے جواب لکھ دیا ورنہ اس فقیر نے کتاب فوائد الاعمال نہیں دیکھی اور نہ یہ معلوم کہ اصل عبارت کیا اور کتاب کا مصنف کون ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱۰: مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری مدرس اول مدرسہ عربیہ بریلی ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الرجل الذی اقتدی بالامام فی التراویح وقد صلی الفرض فی بیتہ اومع غیرذلك الامام ھل یصلی الوتر بالجماعۃ ام لا والوتر بالجماعۃ تابع لرمضان ام لجماعۃ الفرض بینوا توجروا۔	اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جس نے فرض اکیلے گھر میں پڑھے یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے کیا وہ شخص باجماعت تراویح والے امام کے پیچھے وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور وتر باجماعت رمضان کے تابع ہے یا فرض کی جماعت کے تابع ہیں، بیان کروا اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

من صلی الفرض منفردا لایدخل فی جماعۃ الوتر ومن صلاھا جماعۃ ولوخلف غیرھذا الامام فلہ ان یأتم بہ فی الوتر ای وان لم یکن ادرك التراویح معہ ھو الصحیح المعتمد فی الغنیۃ شرح المنیۃ للعلامۃ ابراھیم الحلبی، اذا لم یصلی الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکرابیسی انہ لایتبعہ فی التراویح ولاالوتر و کذا اذا لم یتعابعہ فی التراویح لایتابعہ فی الوتر وقال ابویوسف البانی اذا صلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معہ الوتر وکذا اذا	جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شریک نہ ہو اور جس نے فرض جماعت سے ادا کئے ہوں اگرچہ کسی دوسرے کی جماعت کے ساتھ پڑھے ہوں وہ اس وتر پڑھانے والے کے ساتھ جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اگرچہ اس نے اس امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، یہی صحیح اور قابل اعتماد ہے، منیہ کی شرح غنیہ میں علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا کہ جب فرض جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو عین الائمہ کرابیسی سے روایت ہے کہ وہ تراویح اور وترامام کے ساتھ نہ پڑھے اور یوں اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہو و بھی وہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے، اور ابویوسف البانی نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے اور یوں ہی اگر اس نے تراویح

لم یدرك معه شیئا منها وكذا اذا صلی التراویح مع غیرہ له ان یصلی الوترمعه وهو الصحیح ذكرہ ابو اللیث وكذا قال ظهیرالدین المرغینانی لوصلی العشاء وحدہ فله ان یصلی التراویح مع الامام وهو الصحیح حتی لودخل بعد ماصلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحدہ ثم یتابعه فی التراویح وفی القنیة لوتركواالجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلواالتراویح جماعة لانها تبع للجماعة[1] اھ وقال فی ردالمحتار عند قوله لولم یصلها (ای التراویح) بالامام له ان یصلی الوتر معه، فی التتارخانیة عن التتمة انه سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض و التراویح وحدہ اوالتراویح فقط هل یصلی الوتر مع الامام فقال لااھ ثم رأیت القهستانی ذكر تصحیح ماذكرہ المصنف (ای من جوز الوتر جماعة لمن صلی التراویح منفردا ای و الفرض جماعة قال الشامی	جماعت سے کچھ بھی نہ پڑھی ہوں تو وہ شریک ہوسکتا ہے، اور اگر اس نے ایسے ہی تراویح کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یہی صحیح ہے اس کو ابولیث نے ذکر کیا ہے اور ظہیر الدین مرغینانی نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر اس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں تو تراویح امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یہی صحیح ہے حتی کہ اگر وہ امام کے فرض پڑھا لینے کے بعد اور تراویح میں شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا تو اس کو چاہئے کہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کر بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو۔ اور قنیہ میں ہے اگر کچھ لوگوں نے فرض کی جماعت ترک کردی تو ان کو تراویح باجماعت نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ تراویح فرض باجماعت کے تابع ہیں اھ ۔اور ردمحتار میں اس کے قول پر، اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو اس کو وتر امام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے"۔ تتارخانیہ میں تتمہ سے نقل ہے کہ علی بن احمد سے سوال کیا گیا کہ وہ شخص جس نے فرض اور تراویح اکیلے پڑھے ہوں یا صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں کیا وہ وتر امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ نہیں پڑھ سکتا اھ۔ پھر میں نے قہستانی کو مصنف کی تصحیح ذکر کرتے ہوئے پایا، یعنی جس نے تراویح اکیلے اور فرض جماعت سے پڑھے ہوں تو اس کو وتر جماعت سے پڑھنے کی اجازت ہے۔علامہ شامی نے فرمایا کہ

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب التراویح مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰

ثم قال (یعنی القهستانی) لکنه اذا لم یصلی الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] اھ۔**قلت** وعزاه القهستانی للمنیة وھی منیة الفقهاء لامنیة المصلی کماظنه بعج المتصدین للفتوی فی عصرنا فنسبه الی عدم مطابقة النقل للمنقول عنه قال الشامی فقوله (یعنی المصنف) ولولم یصلها ای وقد صلی الفرض معه لکن ینبغی ان یکون قول القهستانی معه احتراز عن صلٰوتها منفردا[2] **قلت** فیکون علی وزان قول الغنیة المار، اذا لم یدرك معه شیئا منها، فانما اراد به الانفراد لامایشمل الادراك مع غیره، بدلیل قوله عطفا علیه"وکذا اذا صلی التراویح مع غیره"قال الشامی امالوصلاها (یعنی الفریضة) جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لاکراهة تأمل[3] انتهی۔ **اقول:** معلوم ان الضمیر فی قوله لایتبعه للامام مطلقا لاالخصوص

قہستانی نے پھر فرمایا: لیکن اگرفرض اس نے جماعت سے نہ پڑھے ہوں تووتر بھی باجماعت نہ پڑھے اھ۔ **میں کہتاہوں** کہ اس بات کو قہستانی نے منیہ کی طرف منسوب کیاہے یادرہے کہ یہ منیۃ الفقہاء مراد ہے منیۃ المصلی نہیں جیسا کہ بعض معاصر فتوٰی نویسوں کو یہاں غلط فہمی ہوئی ہے اورانہوں نے نقل کواصل کے مطابق نہ ہونے کی شکایت کی ہے علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف کاقول کہ اگراس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یعنی فرض امام کے ساتھ پڑھے ہوں، لیکن مناسب یہ ہے کہ قہستانی کا"معہ "کہنا، یہ تراویح اکیلے پڑھنے کی صورت کوجداکرناہے۔ **میں کہتاہوں** یہ غنیہ کے گزشتہ قول"جب امام کے ساتھ کچھ تراویح نہ پڑھے"کے اندازپر ہے کہ اس سے مراداکیلے پڑھناہے نہ کہ وہ معنی جس میں کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھنا شامل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے امام کے ساتھ پڑھنے کو علیحدہ عطف کے ذکرکیاہے۔ اورعلامہ شامی نے فرمایا: اوراگر اس نے فرض کسی اورامام کے ساتھ جماعت میں پڑھاہو اور پھروتراس امام کے پیچھے پڑھ لے توکوئی کراہت نہیں، غورکر، انتہی۔ **میں کہتاہوں** یہ بات واضح ہے کہ "**لایتبعہ**"میں ضمیرکامرجع خاص امام نہیں

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

[2] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

[3] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

هذا الامام فان من صلى الفريضة منفردا ليس له ان يدخل فى جماعة الوتر لامع هذا الامام ولامع غيره فكذلك فى قوله معه وبالجملة فالمتحصل شيئان احدهما ان المنفرد فى الفرض ينفرد فى الوتر اوماوقع فى"منهية الدر الفريد فى مسائل الصيام والقيام للعيد"للفاضل المفتى محمد عنايت احمد عليه رحمة الاحد، ان لم يصلى الفرض بجماعة فله ان يدخل فى جماعة الوتر وعزاه لحاشية الطحطاوى فسهو۔ وانا قد راجعت المعزى اليه فلم اجده ناصابما ظن، نعم قدتشم من بعض كلماته رائحة ذلك حيث قال عند قول الدرالمختار لوتركها الكل (يعنى جماعة التراويح) هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع[1] قضية التعليل فى المسئلة السابقة (اى لوتركوا الجماعة فى الفرض لم يصلوا التراويح بجماعة) بقولهم لانها تبع ان يصلى الوتر جماعة فى هذه الصورة لانه ليس بتبع

بلکہ کوئی بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ کسی امام کے ساتھ وتر باجماعت نہیں پڑھ سکتا خواہ یہ امام ہو یا کوئی اور ہو، اور اسی طرح اس کے قول"معہ"میں بھی ضمیر کا مرجع عام ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں حاصل ہوئیں، ایک یہ کہ جس نے فرض اکیلے پڑھے وہ وتر بھی اکیلے پڑھے۔ درر الفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید جو کہ فاضل مفتی محمد عنایت احمد علیہ الرحمۃ کی کتاب ہے، کے منہیہ میں جو مذکور ہے کہ اگر کسی نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، اور اس بات کو انہوں نے حاشیہ طحطاوی کی طرف منسوب کیا ہے، تو یہ سہو ہے۔ حالانکہ میں نے حاشیہ طحطاوی کو دیکھا ہے میں نے اس میں یہ بات صراحۃً مذکور نہ پائی، ہاں علامہ طحطاوی کی ایک عبارت سے اس بات کی بو آتی ہے، جہاں انہوں نے در مختار کے اس قول"اگر سب نے جماعت تراویح کو ترک کردیا ہو تو کیا وہ وتر جماعت سے ادا کرسکتے ہیں، اس بارے میں رجوع کرنا چاہئے"پر لکھا ہے کہ سابقہ مسئلہ کی تعلیل کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ ہے یعنی وہ سابقہ مسئلہ یہ ہے کہ"اگر فرض باجماعت کو انہوں نے ترک کیا ہو تو تراویح جماعت سے ادا نہ کریں"اس مسئلہ کی تعلیل یہ ہے، جس کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے، کیونکہ تراویح تابع

[1] در مختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

للتراویح ولاللعشاء عندالامام رحمه الله تعالٰی انتھی [1] حلبی انتھی فقد یوھم قوله"ولا للعشاء"جواز الوتر بجماعة ولولم یصل ھو بل الکل الفرض بھا لکنه کما علمت خلاف المنصوص فان الذی فی ردالمحتار عن شرح النقایة عن المنیة ان لم یحمل علی مامر کان ادخل فی الرد علی ھذا الایھام واما ماذکر انه لیس بتبع عند الامام فنعم ونعم الجواب عنهماافاد المولی المحقق ابن عابدین ان اصالته فی ذاته لاتنافی کون جماعته تبعا۔ **قلت** الاتری ان الظھر و العصر من اعظم الفروض المستقلة والجمع بینھما من توابع الوقوف بعرفة ولوفی حجة نافلة فافھم قال الشامی انھم اختلفوا فی افضلیة صلاتھا بالجماعة بعد التراویح [2] اھ	ہیں، وہ وتر کو اس صورت میں جماعت کے ساتھ پڑھے کیونکہ وتر تراویح کے تابع ہیں اور نہ ہی عشاء کے تابع ہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، انتہی حلبی انتہی، اس میں اس کا قول کہ وتر عشاء کے تابع نہیں ہے، وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کے یا سب کے فرض باجماعت پڑھے بغیر وتر کو باجماعت پڑھنا جائز ہے لیکن یہ بات علماء کی نص کے خلاف ہے ردالمحتار میں شرح نقایہ سے اور اس نے منیہ سے نقل کرتے ہوئے جو ذکر کیاہے اگر اس کو گزشتہ مفہوم پر محمول نہ کیاجائے تو وہ اس وہم کا بہترین رَد ہے اور یہ بیان کہ وتر امام صاحب کے نزدیک عشاء کے تابع نہیں ہیں، ہاں یہ درست ہے۔ اور اس کا بہترین جواب وہ ہے جس کو آقا محقق ابن عابدین نے بیان فرمایا ہے کہ وتر فی ذاتہ اصل ہیں اور ان کی جماعت کاعشاء کے تابع ہونا فی ذاتہ اصل ہونے کے منافی نہیں ہے۔ **میں کہتاہوں** کیاآپ نے انہیں دیکھاکہ ظہر اور عصر کے فرض عظیم اصل اور مستقل ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں فرضوں کومقام عرفات کے تابع قراردے کر جمع پڑھاجاتاہے خواہ نفلی حج ہی کیوں نہ ہو۔ غور کر۔ علامہ شامی نے ماتن کی اس عبارت پر کہ "وتر کوتراویح کے بعد باجماعت پڑھنے کی افضیلت میں اختلاف ہے" پر فرمایا

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ بیروت ۱/ ۲۹۷

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

ای فکانت جماعته ادون حالامن جماعة التراویح المسنونة عند الجمهور حتی لوترکها الکل اثموا فکیف بجماعة الفرض الواجبة علی الصحیح الرجیح فساغ ان یکون تبعا فی الجماعة وان کان اصلا فی الذات حتی افسد تذکرہ المکتوبات۔	یعنی وتر کی جماعت تراویح کی جماعت سے ادنٰی ہے کیونکہ تراویح کی جماعت جمہور کے ہاں مسنون ہے حتی کہ اگر تمام لوگ تراویح کی جماعت کے تارک ہوں تو سب گنہگار ہوں گے، توجماعت وتر کافرض کی جماعت سے جو کہ راجح قول کے مطابق واجب ہے، کیامقابلہ ہے، پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وتر اگرچہ فی ذاتہٖ مستقل نماز ہیں لیکن ان کی جماعت عشاء کی نماز فرض کے تابع ہے اس لئے اگر وتر کی جماعت میں یاد آئے کہ عشاء کے فرض باقی ہیں تووتر فاسد ہو جائیں گے)
قلت علی ان التعلیل بالقضیة المذکورة تعلیل بالنفی وھو عندنا من التعلیلات الفاسدة کما صرحوا بہ فی الاصول و حصرالعلة فی التبعیة ممنوع محتاج الی البیان ھذا والاخر ان من صلی الفرض بجماعة یجوز لہ الدخول فی جماعة الوتر سواء صلی الفرض خلف ھذاالامام اوخلف غیرہ کما قررالشامی وسواء صلی التراویح وحدہ او خلف ھذا الامام اوغیرہ کما نصوا علیہ قلت بل ومن لم یصلھا رأسا کما یشملہ اطلاق قولہ ولولم یصلھا بالامام لہ ان یصلی الوتر معہ فانہ یصدق بانتفاء القید و المقید جمیعا ولیحرر، اماماذکروا ان جماعة الوتر ھل ھی تبع	**میں کہتاہوں** کہ علامہ شامی کامتن کے قول مذکور کو علت قرار دینا یہ تعلیل بالنفی ہے جبکہ ہم احناف کے ہاں تعلیل بالنفی فاسد ہے جیساکہ اصول فقہ میں اس کی انہوں نے تصریح کی ہے پھر اس کلام کو وتر کی جماعت کافرض کے تابع بنانے کے لئے ہی علت ماننا محتاج بیان ہے، اس کو محفوظ کر، اس بحث سے حاصل شدہ دوسری چیز یہ ہے کہ جس نے فرض باجماعت ادا کئے ہوں خواہ کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے تو س کو اس امام کے ساتھ باجماعت وتر پڑھنا جائز ہے جیساکہ علامہ شامی نے اس کی تقریر کی ہے خواہ اس نے تراویح باجماعت اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں یا تراویح اکیلے پڑھی ہوں جیساکہ فقہاً نے اس کو صراحةً بیان فرمایا۔ **قلت** (میں کہتاہوں کہ) خواہ اس نے تراویح سرے سے پڑھی ہی نہ ہوں کیونکہ اس کا یہ قول کہ "اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو بھی وتر باجماعت پڑھ سکتاہے" مطلق ہے، جواس صورت کو

لجماعة التراویح ام لا، جنح الفاضلان الحلبی والطحطاوی فی حواشی الدار الی الثانی کما سمعت واستظهر الشامی الاول قائلا ان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت تابعة للتراویح[1]۔ **قلت** وهذا هوالاظهر فان مشروعیة جماعته لوکانت لاصالته فالته دائمة لاتختص برمضان، ثم رأیت العلامة البرجندی نص فی شرحه للنقایة ان الجماعة فیه لما کانت بتبعیة التراویح علی ماهو المشهور[2] اھ فقد ثبت روایته واعتضد درایته وترجح شهرة فانقطع النزاع، فاعلم عـــه ان هذا کله فیما لوترك الکل جماعة التراویح کما قدمنا من الغنیة عن القنیة، اما اذا جمع	بھی شامل ہے کیونکہ مقید کلام کی نفی سے قید اور مقید دونوں کی نفی بھی ہوسکتی ہے (جس سے تراویح نہ پڑھنے کی صورت بھی سمجھی جاتی ہے) اس کو نوٹ کر۔ لیکن علماء کا یہ بیان کہ وتر کی جماعت کیا تراویح کی جماعت کے تابع ہے یا نہیں، تو حلبی اور طحطاوی دونوں کا رجحان یہ ہے کہ تابع نہیں، یہ بات انہوں نے در مختار کے حاشیہ میں کہی ہے جیسا کہ تو سماعت کرچکا ہے، اور علامہ شامی نے پہلے احتمال یعنی تابع ہونے کو ظاہر قرار دیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ وتر کی جماعت کا سنت معلوم ہونا تراویح کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ یہ علامہ شامی کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اگر وتر کی جماعت خود اصل ہوتی تو پھر یہ جماعت پورا سال ہوتی صرف رمضان کی تخصیص نہ ہوتی، پھر اس کے بعد میں نے یہی بات علامہ برجندی سے صراحةً پائی کہ انہوں نے اپنی نقایہ کی شرح میں کہا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے جیسا کہ کہ یہی مشہور ہے اھ ان کی روایت ثابت اور ان کی درایت مضبوط اور شہرت کو ترجیح ہے لہٰذا یہ اختلاف ختم ہوگیا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں تھی جبکہ تمام نے تراویح کی جماعت کو ترک کیا ہو جیسا

عـــه: جواب اما فی قوله اما ماذکروا ۱۲ (م)

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التراویح مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۱

ترجمہ	عربی
کہ ہم نے غنیہ سے قنیہ کے حوالے سے پہلے بیان کردیا ہے لیکن اگر لوگوں کی جماعت تراویح سے کچھ لوگ رہ گئے ہوں اور یہ لوگ بعد میں آکر امام کو وتر کی جماعت میں پائیں تو کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے فرض باجماعت پڑھے ہوں جیسا کہ تو سن چکاہے، ہاں بعض حضرات جیسا کہ علی بن احمد اور عین الائمہ کرابیسی اس طرف گئے ہیں کہ وتر کی جماعت تراویح باجماعت کے تابع ہے لہذا ہر نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تراویح باجماعت پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو لیکن تومعلوم کرچکاہے کہ یہ بات مرجوح ہے۔ **میں کہتاہوں** کہ اس تحقیق سے، علامہ برجندی کے کلام اور فاضل شیخی زادہ کی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ذکر کردہ کلام میں موافقت واضح ہوگئی فاضل نے وہاں یہ کہا کہ اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ بھی پڑھی ہوں تووہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتاہے کیونکہ وتر کی جماعت رمضان کے تابع ہے، بعض کے نزدیک وہ وتر امام کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ اگر کسی نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وہ بھی وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتاہے، یہی صحیح ہے اھ۔ مجمع کابیان اس بات میں صریح ہے کہ وتر کی جماعت کا تراویح کے تابع ہونے	القوم وتخلف عنها ناس ثم ادرکوا الوتر مع الامام، فلاشك ان لهم الدخول فی جماعة الوتر اذا کانوا صلوا الفرض بجماعة کما سمعت، نعم ذهب بعض کالامام علی بن احمد وعین الائمة الکرابیسی الی تبعیة لجماعة التراویح فی حق کل مصل بمعنی ان من لم یدرکها مع الامام لایتبعه فی الوتر، لکنه کما علمت قول مرجوح، **قلت** بهذا التحقیق ظهر التوفیق بین کلام العلامة البرجندی المذکور وکلام الفاضل شیخی زاده فی مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر حیث قال لولم یصلها (یعنی التراویح) مع الامام صلی الوتر به لانه تابع لرمضان وعند البعض لالانه تابع للتراویح عنده، وفی القهستانی ویجوز ان یصلی الوتر بالجماعة وان لم یصل شیئا من التراویح مع الامام اوصلاها مع غیره وهو الصحیح[1] اھ مافی المجمع فانه صریح فی ان القول

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی التراویح مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۳۸

بتبعیة للتراویح قول مرجوح خلاف الجمهور وصریح مافی البرجندی انه هوالقول المشهور ووجه التوفیق ان التبعیة فی کلام المجمع ماخوذة بالنظر الٰی کل احد فی خاصة نفسه ولذا بنی علیه منع من لم یدرکها مع الامام عن دخوله فی الوتر، وفی کلام البرجندی بمعنی وقوعه بعد اقامة الناس جماعة التراویح وان لم یدرکها بعض القوم فلیکن التوفیق وباللّٰه التوفیق ثم انما المعنی بتبعیته لرمضان ان جماعته غیرمشروعة الافیه لاسلب تبعیته عما سواه مطلقا حتی ینافی تبعیته لجماعة التراویح بل والفرض فان فیه ماقد علمت، فاذن لاخلاف بین التبعیتین الاعلی قول البعض المرجوح، هکذا ینبغی التحقیق واللّٰه تعالٰی ولی التوفیق، نعم وقع فی شرح المنیة الصغیر، مانصه اذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لایتبعه فی التراویح ولافی الوتر وکذا اذالم یصل معه التراویح لایتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه	کاقول مرجوح ہے اور جمہور کے خلاف ہے۔ اور برجندی کابیان یہ ہے کہ یہ قول مشہور ہے اور موافقت کی وجہ یہ ہے کہ مجمع کلام میں جس تابع کو مرجوح کہاہے اس سے مراد وہ صورت ہے جبکہ تراویح کی جماعت بالکل نہ ہوئی اور کسی نے بھی تراویح کی جماعت سے نہ پڑھی ہوں، اسی لئے اس نے وتر کی جماعت میں شامل ہونے کی ممانعت ی بنااس بات کوبنایاہے کہ امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، جبکہ علامہ برجندی کا یہ کہنا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہونا مشہور قول ہے، اس سے مراد وہ صورت ہے کہ جب بعض نے تراویح کی جماعت کی ہواور بعض لوگ اس جماعت سے رہ گئے ہوں، یوں توفیق ہوگئی اللہ کی دی ہوئی توفیق سے، پھر وتر کی جماعت کارمضان کے تابع ہونے کامطلب یہ ہے کہ رمضان کے بغیر وتر کی جماعت جائز نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ کسی اور چیز کے تابع نہیں تاکہ اس کاتراویح اور فرض کے تابع ہونے کی نفی ہوسکے، کیونکہ یہ مطلب لینے میں اعتراض ہے، لہٰذا دونوں کے تابع ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے ماسوائے ایک مرجوح قول کے، تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ہاں منیہ صغیر میں یہ بات مذکور ہے کہ جس نے فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں وہ تراویح اور وتر کی جماعت میں ایک قول کے مطابق شریک نہ ہواور وہ بھی جو اس امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہوا تو وہبھی اس امام کے ساتھ ورتر کی جماعت میں

فی ذلك كله حتی دخل بعد ماحصل الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح وفی القنیة لوترکوا الجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعة[1] اھ فاوهم ذلك عند بعض الناس ان الحلبی صحح جواز اتباع الامام فی الوتر وان لم یتبع فی الفرض، **وانا اقول:** لیس هورحمه الله تعالٰی من اصحاب التصحیح وانما وظیفته النقل عن ائمة الترجیح ومعلوم ان شرحه الصغیر انما هوملخص من شرحه الکبیر وهذه عبارة الکبیر بمرأی عین منك لاتری فیه تصحیحا اصلا ناظر الی هذا المتوهم وانما فیه تصحیحان الاول من الامام الفقیه ابی اللیث بجواز اتباع الامام فی الفقیه ابی اللیث بجواز اتباع الامام فی الوتر سوء صلی التراویح کلها اوبعضها معه اومع غیره اووحده منفردا وهذا مجمل قوله"یجوز ان یتبعه فی ذلك کله والثانی عن الامام ظهیر الدین المرغینانی لجواز الاتباع فی التراویح وان لم یتبعه فی الفرض،	شریک نہ ہو (لیکن یہ بات درست نہیں) کیونکہ ان مذکور تمام صورتوں میں وہ وترامام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتاہے، حتی کہ امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد اگر مسجد میں آیا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کرپھرتراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے۔اور قنیہ میں ہے کہ اگرلوگ فرض کی جماعت کے تارک ہوں تو وہ تراویح باجماعت امام کے ساتھ نہ پڑھیں اھ۔اس سے بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے کہ حلبی نے فرض باجماعت کے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت کو صحیح قرار دیا ہے۔**میں کہتاہوں** کہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ اصحاب تصحیح میں سے نہیں، ان کا کام صرف ائمہ ترجیح کے قول کو نقل کرنا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ان کی شرح صغیر یہ ان کی کبیر شرح کا خلاصہ ہے اور کبیر شرح کی عبارت آپ کے سامنے ہے اس میں اس وہم کے متعلق کوئی تصحیح نظر نہیں آتی، اس مسئلہ میں صرف دو تصحیحیں موجود ہیں ایک امام فقیہ ابواللیث کی جو کہ کسی طرح بھی تراویح پڑھ لینے والے کو خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ، پھر یہ کہ تمام تراویح یا بعض باجماعت پڑھی ہوں، وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے بارے میں ہے اور اس کو بطور اجمال حلبی نے اپنے اس قول سے تعبیر کیا کہ، س وتر کی جماعت میں شرکت کی ان تمام صورتوں میں جائز ہے۔اس بارے میں دوسری تصحیح امام ظہیرالدین مرغینانی کی ہے جوکہ امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شرکت کے جواز سے

[1] صغیری شرح منیۃ المصلی فروع فائتۃ تر ویحۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱۰

وعله يتفرع الفرع المذكور في الشرحين معاً "حتى لودخل بعد ماصلى الامام الفرض" فالتوهم الحاصل في عبارة الشرح الصغير انما منشوه ماوقع فيه ههنا من الاختصار المخل الاتزى انه اقتصر في التفريع المذكور كاصله الكبير على قوله، يتابعه في التراويح، ولوكان مراده بقوله في ذلك كله، مايشمل المتوهم، لزاد ايضاً والوتر، وبالجملة فالمعروف المعلوم من تصحيحات الائمة هو الذي بينه في الشرح الكبير، وهذا المتوهم لايعرف له تصحيح ولاترجيح، فلايعارض مانص عليه في منية الفقهاء وحكم به حكما جازما من دون ذكر خلاف فعليك بالتبصر والانصاف ولك ان تقول ان "الامام" معرف باللام وضمير "يتبعه" راجع اليه والمعرفة اذا اعيدت معرفة كان المراد عين الاول غالباً، فالمعنى اذا لم يصل الفرض مع هذاالامام فله ان يتبعه في الوتر اى لايجب لاتباعه في الوتر ان يكون اتبع هذا الامام بعينه في الفرض،	متعلق ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اس امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں، اسی تصحیح پر صغیر و کبیر شرحوں کی تفریع مرتب ہے کہ کوئی شخص امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں آیا الخ لہٰذا شرح صغیر کی عبارت سے جو وہم پیدا ہوا وہ اس اختصار کی وجہ سے پیدا ہوا، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ انہوں نے تفریع بیان کرتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ تراویح میں شامل ہوجائے، اور شرح کبیر میں بھی اتناہی ذکر ہے، اور اس کے قول "ان سب صورتوں میں" وہ صورت بھی شامل ہوتی جس کا وہم ہوا ہے تو پھر تفریع میں، تراویح میں شامل ہونے کے ساتھ وتر میں شامل ہونے کو بھی ذکر کرتے، الحاصل ائمہ کرام کی تصحیحات سے صرف وہی بات معلوم ہوتی ہے جو کہ شرح کبیر میں ہے حالانکہ وہم شدہ کی اس میں کوئی تصحیح یا ترجیح نظر نہیں آتی۔ لہٰذا شرح کبیر کی عبارت منیۃ الفقہاء کی تصریح عبارت کے معارض نہیں ہوسکتی جبکہ اس منیہ میں جزمی حکم ہے اور اس میں کسی اختلاف کا اس بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے، تجھے غور وفکر میں انصاف چاہئے، اور تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ شرح صغیر کی عبارت میں لفظ 'الامام' معروف باللام ہے اور لفظ یتبعہ، میں ضمیر کا مرجع وہی امام ہے، اور اکثر طور پر معرفہ کو جب دوبارہ معرفہ ذکر کیا جائے تو وہی ایک مراد ہوتا ہے، تو اس قاعدہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ جب اس خاص امام کے ساتھ وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یعنی کسی امام کے

وھذا صحیح لاشك ویؤید ھذا الفھم ان القھستانی لما قال اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] احتاج الشامی الی ابانة مرادہ وان المقصود مع امام ما، لامع خصوص ھذا الامام، ان جادل مجادل فنقول الشرح الصغیر مطالب بتصحیح نقل ھذا التصحیح الذی لایعلم له اثر اصلا فی کتاب قبله حتی فی الکبیر الذی کان اصله، واللہ الموفق۔ فقد تحرر بما تقرر، ان جماعة الوتر تبع لجماعة الفرض فی حق كل احد من المصلین، والجماعة التراویح فی الجملة لافی حق کل، ولرمضان بمعنی انھا تکرہ فی غیرہ لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد[2] کمافی الدرعن الدرر	ساتھ وتر پڑھنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ فرض بھی اسی کے ساتھ باجماعت پڑھے ہوں، اور یہ مفہوم بلاشک وشبہ صحیح ہے، اس مفہوم کی تائید قہستانی کے اس قول سے ہوتی ہے جس کی مراد کو علامہ شامی نے واضح کیا ہے، وہ یہ کہ جب قہستانی نے کہا جب امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں تو وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے اس پر علامہ شامی نے مراد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اس امام سے مراد کوئی امام ہے یعنی اگر کسی بھی امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے تو پھر وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے، اگر کوئی اس وہم پر بحث کا اصرار کرتا ہے تو اس کو یہ کہہ دیا جائے کہ صغیر کا اصل ہے، واللہ الموفق، پس اس تقریر سے یہ بات صاف ہوگئی کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے تابع ہے تمام نمازیوں کے لئے اور وتر کی جماعت، تراویح کی جماعت کے تابع ہے کچھ نمازیوں کے لئے (یعنی بعض حضرات نے بھی تراویح باجماعت پڑھ لیں تو دوسروں کو تر کی جماعت میں شرکت جائز ہے) اور وتر کی جماعت رمضان کے بھی تابع ہے لیکن اس معنی میں کہ غیر رمضان میں یہ جماعت مکروہ ہے، جب یہ غیر رمضان میں وتر کی جماعت میں یہ جماعت کروہ ہے، جب یہ غیر رمضان میں وتر کی جماعت بطور دعوت واہتمام ہو یعنی چار افراد ایک امام کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے

[1] جامع الرموز باب الوتر والنوافل مطبوعہ گنبد ایران تہران ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

حتی جاز اقتداء ثلثة بامام بلاکراھة فی الاصح[1] کما فی حاشیة العلامة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح للعلامة الشرنبلالی رحمة الله تعالٰی علی العلماء جمیعا، اتقن ھذا فلعلك لاتجد ھذا التحریر فی غیرھذا التقریر وماتوفیقی الابالعلیم الخبیر والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	جیسا کہ درمختار میں درر سے منقول ہے، حتی کہ اگر تین آدمی وتر کی جماعت میں ایک امام کی اقتداء کریں تو یہ اصح قول کے مطابق بلاکراہت جائز ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح شرح نورالایضاح کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ نورالایضاح علامہ شرنبلالی کی کتاب ہے۔ اللہ تعالٰی تمام علماء پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر کو مضبوط کر، ہوسکتا ہے کہ تجھے دوسری جگہ یہ مفصل بحث نہ ملے وماتوفیقی الابالله العلیم الخبیر والله تعالٰی سبحٰنه اعلم وعلمه جل مجدہ، اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱۱: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہو یا نہیں اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**۔

الجواب:

صورت اولٰی میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے،

فی ردالمحتار لوتطوع بثلاث بقعدة واحدہ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلٰوة المغرب، لکن الاصح عدمه لانه قدفسدما اتصلت به القعدة وھو الرکعة الاخیرة، لان التنفل بالرکعة الواحدة غیرمشروع فیفسد ماقبلھا[2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ اگر کسی نے تین نفل ایک قعدہ کے ساتھ پڑھے مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہونا چاہئے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نفل جائز نہیں کیونکہ اس کی آخری رکعت جس کے بعد قعدہ کیا ہے وہ فاسد ہے کیونکہ وہ دو پر زائد ایک رکعت نفل رہ گئی جبکہ ایک رکعت نفل جائز نہیں للذا اس آخری رکعت کے فساد سے پہلی دو رکعت بھی فاسد ہو جائیں گی۔(ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولٰی نہ کیا تو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائمقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۱۱
[2] ردالمحتار، باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۲

کما صرح بہ فی ردالمحتار عن النھر الفائق الزاھدی (جیسا کہ ردالمحتار میں نہرالفائق اس نے زاہدی سے وضاحت کردی گئی ہے۔ت) اور دونوں قعدے کے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں۔

ولاکراھۃ ایضا کما یفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل مثنٰی مثنٰی کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چار رکعت نفل دو قعدوں اور ایک سلام سے جائز ہیں اور کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ ردالمحتار کی بیان کردہ علت سے حاصل ہے تاہم نفل دو دو پڑھنا افضل ہے جیسا کہ واضح ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱۲: از جوالاپور ضلع سہارن پور مرسلہ سید یاد علی صاحب　　۱۹ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جماعت تراویح میں مشغول ہے اب چند آدمی آئے وہ فرض جماعت سے پڑھیں تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں:

ولو فی مسجد محلۃ حیث لم یکرر والاذان وعدلوا عن المحراب کماھو معلوم جمشاھد۔	اگرچہ محلّہ کی مسجد ہی میں جبکہ دوبارہ اذان نہ دیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کرائیں جیسا کہ معلوم و معروف ہے۔(ت)

طحطاویہ میں ہے:

اذا کررت بغیر اذان فلاکرھۃ مطلقا وعلیہ المسلمون[1]۔	جب تو جماعت کا تکرار اذان کے بغیر کرے تو کوئی کراہت نہیں ہے، مسلمانوں کا یہی عمل ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

عن ابی یوسف اذا لم یکن علی الھیئۃ الاولی لایکرہ والایکرہ وھوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئاۃ کذا فی فتاوی البزازیۃ[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دوسری جماعت پہلی جماعت کی طرز پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کر کرنے سے پہلی جماعت کی طرز بدل جاتی ہے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ایسے ہی ہے(ت)

مگر جہاں تک ممکن ہو جماعت تراویح سے دور جماعت کریں اور ان کا امام ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرے تاکہ تخلیط و تلبیس سے ایمن رہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۰

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام المسجد مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۵

انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

(صلٰوۃ الاسرار کے پانی سے انوار کی نہریں)

(نماز غوثیہ کے ثبوت میں تحقیق رضوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۳: از دہلی کھڑکی فراش خانہ مسجد حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ، مرسلہ جناب مستطاب مولانا مولوی حافظ شاہ سراج الحق محمد عمر صاحب قادری اواخر ربیع الاول شریف ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلٰوۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اور شرع میں جائز ہے یا نہیں؟ زید اس کی روایت کو بے اصل اور اسے بہجۃ الاسرار میں کسی فاسق بدعتی کا الحاق بتاتا اور تصانیف شیخ اکبر و امام شعرانی کی نظیر دیتاہے کہ ان میں الحاق ہوئے۔ اور کہتاہے کہ نماز فرض کے بعد قبلے سے انحراف اور کسی مزار وولی کی تعیین سمت او بہیأت نماز یا تعظیم اس طرف چلنا تذلل وخشوع تمام کرنا ہر گز درست نہیں اور کہتاہے کہ آنجناب یعنی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کتاب وسنت وسیرتِ صحابہ کے اتباع اور احکام شرع پر قیام او محدثات سے اجتناب تام اور طاعات میں اخلاص اور ہر حال میں خدا پر توکل واعتماد میں استقامت کاملہ تھی وہ ان امور کے خلاف کیونکر فرماتے کہ بعد نماز مغرب عراق کی طرف بتعظیم تمام لو اوع دل سے متوجہ ہو کر میرا نام لے کر حاجت چاہو، یہ فعل کتاب وسنت وطریقہ خلفائے راشدین کے خلاف ہے اور سیرت وعمل صحابہ کے موافق نہیں اور تابعین وتبع تابعین ودیگر اسلاف کرام وائمہ عظام سے اس کا مثل منقول نہیں، عوام کہ اسے عمل مشائخ کہتے ہیں قابل التفات نہیں مشائخ میں جو اہل علم فقہاء وائمہ ہوئے کسی نے اس کے مثل تصریح نہ کی اور قول وفعل بعض غیر موثوق پر عمل نہ چاہئے بلکہ سواد اعظم کا اتباع

چاہئے، صحابہ محبت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہم سب سے زیادہ اور ثواب وحسنات پر بہت حریص تھے اگر یہ عمل موجب ثواب وقربت الی اللہ ہوتا تو سلف کرام بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ مدینہ منورہ کی طرف کرتے ، آیا یہ کلام اس کا غلط ہے یا صحیح؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه علی حسن بلائه، ملأ ارضه وملأ سمائه، و الشکر للمصطفٰی علی نعمائه، شکرا یوافی حسن الائه، ویکافئ عنامزید عطائه، صلی الله تعالٰی علیه وعلی ابنائه، وازواجه واصحابه واحبائه و وارث علمه ومجده و سنائه ووارث علمه ومجده وسنائه، غوثنا الاعظم رافع لوائه، ومشایخنا الکرام وسائر اولیائه، صلٰوة تکشف لنا الاسرار، ونصرف عنا اذی الاشرار، وتکون عدة لیوم لقائه، واشهد ان لااله الا الله وحده لاشریك له شهادة موجبة لرضائه، واشهد ان محمدا عبده ورسوله الصادع بالحق بعد خفائه، صلی الله تعالٰی وسلم علیه، وعلی کل عبد مرضی لدیه،صلٰوة تأتی علی قدر کبریائه، وسلام بدوامه و	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے اچھے امتحان پر، زمین وآسمان کو عجائبات سے بھرنے اور اپنی قدرت وقضاء میں جسے چاہے بھرنے پر اور شکر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ان کے انعامات پر، ایسا شکر جو ان کی بہترین نعمتوں کو پورا ہو اور ان کی مزید عطاؤں کو ہماری طرف سے کفایت کرے، اللہ تعالٰی ان پر اور ان کے صاحبزادوں اور ازواج اور اصحاب اور آپ کے علم، بزرگی اور بلندی کے وارث ہمارے غوث اعظم پر جو آپ کے جھنڈے کو بلند کرنے والے ہیں اور تمام اولیاء پر، رحمت نازل فرمائے، ایسی رحمت جو ہمارے لئے اسرار کو کھول دے اور شریر لوگوں کی اذیت کو ہم سے پھیر دے، اور اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری کی اذیت کو ہم سے پھیر دے، اور اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری کے دن کے لئے ذخیرہ بنے، اور میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی وحدہ، لاشریک ہے ایسی گواہی جو اس کی رضا کی موجب ہو، اور گواہی دیتاہوں کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جو حق کو خفا سے ظاہر کرنے والے ہیں صلی اللہ تعالٰی وسلم آپ پر اور اس کے دربار میں تمام پسندیدہ بندوں پر، وہ صلٰوۃ جو اس کی کبریائی کے شایان شان ہو اور وہ سلام جو اس کی بقاء اور

بقائه، اٰمین اٰمین، اله الحق امین یاراحم العبد وسامع دعائه، قال العبید الذلیل، للمولی الجلیل، ابومحمد النسی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی، لطف به الله فی شدته ورخائه، مستعینا بالله فی دفع الارتیاب، ورفع الحجاب، عن وجهه الصواب، مسمیا للجواب، بعلم یُعلم عام املائه، "انهار الانوار من یم صلٰوة الاسرار" (۱۳۰۵ھ)، جعلها الله ذخیرة لدیه، و ذریعة الیه، یوم تشرق الارض بنورربها و جمیل ضیائه، اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین، اللهم هدایة الحق و الصواب۔	دوام تک دائم ہو، آمین آمین اے الٰہ برحق آمین، بندے پر رحم کرنے اور اس کی دعا کو سننے والے، اپنے جلیل القدر آقا کے سامنے حقیر اور ناتواں بندہ ابومحمد عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالٰی اس کی شدت وسہولت میں لطف ومہربانی فرمائے) نے اللہ تعالٰی سے امداد چاہتے ہوئے اور حق وصواب کے چہرے سے پردہ اٹھاتے اور شک کو دور کرتے ہوئے جواب کاایسا نام جو اس کی تحریر کے سال کو ظاہر کرے "انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاصرار" رکھتے ہوئے کہاکہ اللہ تعالٰی اس کو ذخیرہ اور ذریعہ اپنے دربار میں بنائے جس دن زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے۔ اور خوب روشن ہوجائے، آمین، الحمدللہ رب العالمین، اے اللہ حق وصواب کی رہنمائی فرما۔(ت)

فی الواقع یہ مبارک نماز حضرات عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیزہ کی معمولی اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لئے عمدہ طریق مرضی ومقبول اور حضور پرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ وسلامہ علٰی جدہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول، اجلہ علماء واکابر برکملا اپنی تصانیف علیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر ومسلم معتبر رکھتے آئے، امام اجل ہمام ابجل سیدی ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی قدس اللہ سرہ العزیز بسند خود بہجۃ الاسرار شریف میں اور شیخ شیوخ علماء الہند شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ زبدۃ الآثار لطیف میں اور دیگر علمائے کرام وکملائے عظام رحمہم اللہ تعالٰی اپنے اپنے اسفار منیف میں اس جناب ملائک رکاب، علیہ رضوان العزیز الوہاب، سے راوی وناقل کہ ارشاد فرمایا:

من صلی رکعتین (زید فی روایة) بعد المغرب (وزادا) یقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة سورة الاخلاص احدی عشرة مرة ثم اتفقوا فی المعنی واللفظ للامام ابی الحسن	جوبعد مغرب دورکعت نمازپڑھے ہررکعت میں بعد فاتحہ سورہ اخلاص یازدہ بارپھر بعد سلام، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرصلٰوۃ وسلام عرض کرے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرانام یاداوراپنی حاجت

قال ثم یصلی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد السلام ویسلم علیہ ویذکرنی ثم یخطوا الٰی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانھا تقضی (زاد الشیخ) بفضل اللہ وکرمہ (وقال اٰخر) قضی اللہ تعالٰی حاجتہ[1]۔	ذکر کرے اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کی مراد پوری ہو، اس عبارت میں "مغرب کے بعد" ایک روایت پیں زائد ہے اور صاحب بہجۃ الاسرار اور صاحب زبدۃ الآثار نے "ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ" زائد ذکر کیا، پھر شیخ عبدالحق نے، بفضل اللہ وکرمہ، کو بھی اور دوسرے نے صرف "قضی اللہ تعالٰی حاجتہ" ذکر کیا۔ (ت)

اسی طرح امام جلیل علامہ نبیل امام [3]عبداللہ یافعی مکی طیب اللہ ثراہ صاحب خلاصۃ المفاخر فی اختصار مناقب الشیخ عبدالقادر نے روایت کی، یونہی فاضل کامل مولانا علی قاری ہروی نزیل مکہ معظّمہ صاحب شروع فقہ اکبر ومشکوٰۃ اکرم اللہ نزلہ، نے [4]نزہۃ الخاطر میں ذکر فرمایا زبدہ مبارکہ میں اپنے شیخ واستاذ احسن اللہ مثواہ کا اس نماز کی اجازت دینا اور اپنا اجازت لینا بیان کیا اور حضرت شیخ محقق تغمدہ اللہ برحمتہ سے اس نماز مبارک میں خاص ایک رسالہ نفیس عـــہ۱ عجالہ [5] ہے اس سے ثابت کہ حضرت وَرِع سراپا سعادت حامل شریعت کامل طریقت سیّدی عبدالوہاب متقی مکی برداللہ مضجعہ نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار کو معتمد ومعتبر اور اس مبارک روایت کو مسلم ومقرر فرمایا اور مولٰینا شیخ [6]وجیہ الدین علوی احمد آبادی علیہ رحمۃ الرؤف الہادی کہ سال وفات عـــہ۲ امام اجل علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی میں متولد ہوئے، حضرت شیخ غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الملک الباری کے مرید سعید اور حضرت شیخ محقق کے استاد مجید اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے شیخ سلسلہ اور صاحب مقامات رفیعہ وتصانیف کثیرہ بدیعہ ہیں، بیضاوی وہدایہ وتلویح وشرح وقایہ ومطول ومختصر و

عـــہ۱: نقلھا برمتھا مولٰینا سراج الحق محمد عمر القادری حفظہ اللہ تعالٰی ابن الفاضل الجلیل مولانا فرید الدین الدھلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی کتابہ ریاض الانوار من شاء فلیرجع الیھا ۱۲منہ	یہ تمام مولانا سراج الحق محمد عمر قادری ابن فاضل جلیل مولانا فرید الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب "ریاض الانوار" میں نقل کیا ہے جو چاہے اسے دیکھے ۱۲ (ت)
عـــہ۲: یعنی ۹۱۱ھ ووفاتہ لسلخ صفر ۹۹۸ھ ۱۲منہ	یعنی ۹۱۱ھ اور ان کی وفات ماہ صفر کے آخر ۹۹۸ھ۔ (ت)

[1] بہجۃ الاسرار فضل اصحابہ وبشراہم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

شروح عقائد مواقف وغیرہا پر حواشی مفیدہ رکھتے ہیں اور کبرائے منکرین نے بھی اپنے رسائل میں اُن سے استناد کیا نہایت شدومد سے اس نماز مبارک کی اجازت دیتے اور اس پر بتاکید تحریص وترغیب فرماتے، یونہی شیخ نے ۷ اخبار الاخیار شریف اور مولٰینا ابوالمعالی محمد مسلمی عالمہ اللہ تعالٰی بلطفہ نے جنہیں رسالہ مذکورہ شیخ محقق میں علمائے سلسلہ علیہ سے شمار کیا ۸ تحفہ شریفہ ار حضرت سیدنا و مولٰینا اسدالواصلین جبل العلم والیقین حضرت سید شاہ حمزہ عینی قادری فاطمی حسینی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ۹ کاشف الاستار شریف میں اسے نقل وارشاد فرمایا اور امام یافعی بل اللہ تربتہ (اللہ تعالٰی ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ت) تصریح فرماتے ہیں کہ حضور پرنور غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہ الاکرم وعلیہ وسلم کے اصحاب کرام **عطر اللہ ضرائحھم القادسۃ** (اللہ تعالٰی ان کی قبروں کو معطر فرمائے۔ت) اس نماز کو عمل میں لاتے اور زبدۃ الآثار میں اولیائے طریقہ علیہ عالیہ **روحت ارواحھم** (ان کی روحیں معطر ہوں۔ت) کے آداب میں فرمایا: **وملازمتہ صلٰوۃ الاسرار التی بعدھا التخطی احدی عشرۃ خطوۃ**[1] یعنی اس خاندان پاک کے آداب سے ہے صلٰوۃ الاسرار کی مداومت کرنی جس کے بعد گیارہ رہ قدم چلنا ہے۔ بااینہمہ اس کا اعمال مشائخ کرام سے ہونا نہ ماننا آفتاب روشن کا انکار کرنا ہے اور خود کون سی راہ ہے کہ ان ائمہ واکابر کو خواہی نخواہی جھٹلایئے اور عیاذ باللہ بدعتی وناحق کوش ٹھہرایئے، پھر یہ مقبولان خدا صرف اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اسے خاص حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بتاتے ہیں اور حضور کے ارشاد واجب الانقیاد پر رَدّ وایراد اگر انجانی سے نہ ہو تو معاذاللہ وہ آتش سوزاں وبلائے بے درماں وقہر بے امان ہے جس کا مزہ اس دارالغرور والاقتباس میں نہ کلھا تو کل کیادور ہے۔" اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝[2] " (بیشک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے کیا صبح قریب نہیں۔ت) حضور خود ارشاد فرماتے ہیں:

تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم وسبب لذھاب دنیاکم واخراکم۔	میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمہارے دین کے لئے زہر قاتل اور تمہاری دنیاوعقبٰی دونوں کی بربادی ہے۔والعیاذباللہ تعالٰی۔

اور ان اکابران ملت وعلمائے اُمت کو نقل وروایت میں بھی غیر موثوق جاننا اسی دارالفتن ہندوستان میں آسان ہے جہاں نہ کسی منہ کو لگام، نہ کسی زبان کی روک تھام۔ یہ امام ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی قدس سرہ،

[1] بحوالہ زبدۃ الاسرار خاتمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع بکسلنگ کمپنی دہلی ص ۱۲۶
[2] القرآن ۱۱/ ۸۱

کہ بہجۃ الاسرار شریف کے مصنف اور بر طرز حدیث بسند متصل اس روایت جلیلہ کے پہلے مخرّج ہیں اجلّہ علماء وائمہ وقرات و اکابر اولیاء وسادات طریقت سے ہیں امام اجل شمس الدین ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کہ اجلہ محدثین وعلمائے قرائت سے ہیں جن کی حصن حصین مشہور ومعروف دیار وامصار ہے اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں ہیں انہوں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند واجازت حاصل کی اپنے رسالہ "طبقات القراءمیں فرماتے ہیں:

انی قرأت ھذاالکتاب اعنی بھجۃ الاسرار بمصر وکان فی خزانۃ سلطان المصر، علی الشیخ عبدالقادر وکان من اجلۃ مشایخ مصر، فاجازنی روایتہ[1] الخ	یعنی میں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار مصر میں خزانہ شاہی سے حاصل کرکے شیخ عبدالقادر سے کہ اکابر مشائخ مصر سے تھے پڑھی اور انہوں نے مجھے اس کی روایت کی اجازت دی الخ۔

امام شمس الدین ذہبی مصنف میزان الاعتدال کہ علم حدیث ونقد رجال میں اُن کی جلالت شان عالم آشکار، اس جناب کے معاصر تھے اور باآنکہ حضرات صوفیہ کرام کے ساتھ اُن کی روش معلوم ہے **سامحنا اللہ تعالٰی وایاہ** (ہم پر اور ان پر اللہ تعالٰی نرمی فرمائے۔ت) امام ابوالحسن ممدوح کی ملاقات کو اُن کی مجلس تدریس میں گئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں اُن کی مدح وستائش سے رطب اللساں ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام عــہ الاوحد نورالدین شیخ القراء بالدیار المصریۃ ابوالحسن اصلہ من الشام ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بجامع الازھر وغیرہ تکاثر علیہ الطلبۃ وحضرت مجلس اقراہ فاعجبتی سمتہ وسکوتہ وکان ذاعزام	یعنی علی بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا ہیں نورالدین لقب ابوالحسن کنیت بلاد مصر میں علمائے قرات کے استاد ہیں اصل ان کی شام سے ہے ۶۴۴ھ میں قاہرہ مصر میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر وغیرہ میں مسند اقراءپر صدر نشینی کی بکثرت طلبہ ان کے پاس جمع ہوئے میں اُن کی مجلس درس میں حاضر ہوا ان کی نیک روش وکم سخنی مجھے پسند آئی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ

عــہ: بعینہٖ اسی طرح امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں اس جناب کو الامام الاوحد لکھا یعنی بے مثل امام ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] رسالہ طبقات القراء

بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنه وجمع اخبارہ ومناقبه فی نحوثلث مجلدادت[1] اھ ملخصا	تعالٰی عنہ کے شیدائی تھے انہوں نے حضور کے فضائل تین ۳ مجلد کے قریب میں جمع کئے ہیں۔

پرظاہر کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالٰی کے مثل سے یہ کلمات جلیلہ اس جناب کی کمال وثاقت وعدالت ووفورِ علم وجلالت پر شاہد عدل ودلیل فصل ہیں اور خود امام اوحد یعنی بے مثل امام یکتا، کالفظ اجل واعظم تمام فضائل ومناقب جلیلہ کا یکتا جامع اکمل واتم ہے وہ جناب سند عالی رکھتے اور زمانہ اقدس حضور پر نور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نہایت قریب ہیں انہیں حضور اقدس تک صرف دو ۲ واسطے ہیں قاضی القضاۃ امام اجل حضرت سیدنا ابو صالح نصر قدس سرہ، کے اصحاب سے ہیں اور وہ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا ابوبکر تاج الملۃ والدین عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالٰی اور وہ اپنے والد ماجد حضور پر نور سید السادات غوث الافراد قطب الارشاد غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلیفہ ومرید وصاحب ومستفید ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم وشریف ومشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرات سے عالم معروف ومشہور اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور ومسطور، پھر ذہبی وابن الجزری کے وہ اقوال نقل فرمائے اور رسالہ مذکورہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں اسی نماز مبارک کے بارے میں مرقوم:

اقوی دلائل واوضح مسائل درین باب کتاب عزیز بہجۃ الاسرار معدن الانوار کہ معتبر ومقرر ومشہور ومذکور ست ومصنف ایں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماست میانِ وے وحضرت شیخ یعنی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است ومقدم است برامام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ شریفہ ومحبان جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔ (ملتقطا)	اس باب میں اقوی دلیل "بہجۃ الاسرار" معدن الانوار ہے جو کہ معتبر اور مشہور ہے، اس کتاب کے مصنف اور حضرت شیخ یعنی غوث اعظم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور یہ امام یافعی سے مقدم ہیں کہ جبکہ امام یافعی خود سلسلہ قادریہ سے متعلق ہیں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عقیدت رکھتے ہیں (ت)

ہیں، امام یافعی وعلامہ علی قاری وحضرت شیخ محقق دہلوی وغیرہم اکابر کی امامت وجلالت ووثاقت عدالت سے کون آگاہ نہیں۔

---

[1] طبقات القرئین

[2] رسالہ متعلق بصلٰوۃ الاسرار لعبدالحق المحدث الدہلوی

؎ وکیف یصح فی الاعیان شیئ اذا احتاج النھار الی دلیل

(جب روز روشن دلیل کا محتاج ہو جائے تو پھر کسی چیز کا وجود کیسے ثابت ہو سکتا ہے)

بالجملہ ایسے اکابر کی روایات معتمدہ کو بے وجہ وجیہ، رَد کردینا یا سخت جہالت ہے یا خبث وضلالت والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی اور بے دلیل دعوی الحاق محض مردود، ورنہ تصانیف ائمہ سے امان اُٹھ جائے اور نظام شریعت درہم وبرہم نظر آئے جو سند پیش کیجئے مخالف کہہ دے یہ الحاقی ہے، چلئے تمسک واستناد کا دروازہ ہی بند ہوگیا" ہیہات "کیا بزور زبان کچھ کہہ دینا، قابل قبول ہوسکتا ہے، حاشا وکلا ادعائے بے دلیل مطرود وذلیل، ہاں ہم کو مسلم کہ بعض کتابوں میں بعض الحاق بھی ہوئے مگر اس سے ہر کتاب کی ہر عبارت تو مطروح یا مشکوک نہیں ہوسکتی کسی خاص عبارت کی نسبت یہ دعوی زنہار مسموع نہیں جب تک بوجہ وجیہ اس میں الحاق ثابت نہ کردیں جس کے لئے امثال مقام [عہ] میں صرف دو [۲] طریقے متصور، ایک تو یہ کہ اس کتاب کے صحیح، معتمد، عمدہ، قدیم نسخے اس عبارت سے خالی ملیں یا خاص مصنف کا اصل مسودہ پیش کیا جائے جس میں اس عبارت کا نشان نہ ہو، حضرت

عــہ: اشارۃ الی انہ قد یعلم ذلك بالرجوع الی المتکلم وانکارہ عند من لایتھمہ، ویعرف تارۃ باعتراف المفتری کما وقع بعض الوضاعین، ویقبل اخری اذا نص علی ذلك من یرجع الیہ لعظمہ وفضلہ، ولاینکر علیہ لثقتہ وعدلہ وکذلك یحکم بہ اذا لم یأت ذلك الامن طریق من عرف بالکذب کقول المحدثین ان ھذا موضوع ای فی سندہ وضاع او کذاب وھذا انما یعطی عدم الجزم لاالجزم بالعدم الا اذا ضم الیہ دلیل اُخر فالکذوب قد یصدق واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ الحاق کبھی خود متکلم کی طرف رجوع کرنے پر اور اس کا ایسا شخص کے سامنے الحاقی عبارت سے انکار کرنا، جس کو کذب سے متہم نہیں کیا جاسکتا اور کبھی خود افتراء کرنے والے کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض ایسے لوگوں سے اعتراف واقع ہوا ہے اور کبھی ایسی منظّم اور افضل شخصیت جس کے تقوی اور عدل کی بناپر اس کی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی الحاق کا حکم تب کیا جاتا ہے جب کہ اس بات کو صرف جھوٹ بولنے میں مشہور شخص ہی بیان کرے جیسا کہ محدثین کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں من گھڑت اور کذاب راوی ہے، یہ آخری وجہ صرف عدم جزم کا فائدہ دیتی ہے اور جزم بالعدم کا نہیں کیونکہ جھوٹا بھی کچھ سچ بول دیتا ہے ہاں اگر کوئی اور دلیل بتائے کہ یہ جھوٹ ہے تو پھر جزم بالعدم کا فائدہ ہوسکتا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲۔منہ (ت)

جناب شیخ اکبر وامام شعرانی قدس سرہما کی تصانیف میں الحاق یونہی ثابت ہوا، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لواقح الانوار میں فرماتے ہیں:

قدم علینا الاخ العالم الشریف شمس الدین السید محمد ابن السید ابی الطیب المدنی المتوفی ۹۵۵ھ خمس وخمسین و تسعمائۃ فذا کرته فی ذلك فاخرج الی نسخة من الفتوحات التی قابلها علی النسخة التی علیها خط شیخ محی الدین نفسه بقونیة فلم ارفیها شیئا مما توقفت فیه وحذفته فعلمت ان النسخ التی فی مصر ان کلها کتبت من النسخة التی دسوا علی الشیخ فیها مایخالف عقائد اهل السنة والجماعة کماوقع له ذلك فی کتاب الفصوص وغیرہ[1] الخ	یعنی ہمارے دوست عالم شریف سید شمس الدین محمد بن سید ابوالطیب مدنی جن کی وفات ۹۵۵ھ میں ہوئی ہمارے یہاں آئے میں نے فتوحات شیخ اکبر قدس سرہ، کا تذکرہ کیا انہوں نے ایک نسخہ فتوحات نکالا جسے انہوں نے اس نسخے سے مقابلہ کیا تھا جو شہر قونیہ میں کہ شیخ اکبر قدس سرہ، کا وطن ہے خاص شیخ قدس سرہ، کے دستخط شریف سے مزیّن ہے اس نسخے میں میں نے کہیں ان عبارتوں کا نشان نہ پایا جن میں مجھے تردّد تھا اور میں نے فتوحات کے انتخاب میں قلم انداز کردی تھیں تو مجھے یقین ہوا کہ اب جس قدر نسخے مصر میں ہیں سب اسی نسخے سے نقل ہوئے ہیں جس میں لوگوں نے عقائد اہلسنت وجماعت کے خلاف عبارتیں شیخ پر افترا کرکے ملادی ہیں جیسا کہ ان کی فصوص وغیرہ کے ساتھ بھی یہی واقع ہوا۔ الخ

اس کے بعد امام شعرانی نے دو تحریریں نقل فرمائیں جو عالم ممدوح سید شریف مدنی مرحوم نے نسخہ مذکورہ قونیہ پر خود حضرت شیخ ودیگر عمائد رحمہم اللہ تعالٰی کے دستخطوں سے لکھی دیکھیں اور بیان کیا کہ یہ نسخہ خود حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالٰی کا وقف فرمایا ہوا ہے شیخ نے اپنی علامت وقف یوں تحریر فرمائی ہے:

وقف محمد بن علی بن عربی الطائی هذاالکتاب علی جمیع المسلمین[2]۔	یہ کتاب محمد بن علی بن عربی طائی نے تمام مسلمانوں پر وقف کی۔

اور اس کے آخر میں قلم شیخ رحمہ اللہ تعالٰی سے یہ تحریر ہے:

قدتم هذا الکتاب علی یدمنشئه وهو	یہ کتاب بقلم مصنف تمام ہوئی اور یہ میرے

[1] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیہ من الفتوحات المکیہ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ۲/ ۱۲۳۸

[2] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیہ من الفتوحات المکیہ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ۲/ ۱۲۳۹

النسخة الثانية من بخط یدی وکان الفراغ منه بکرة یوم الاربعاء الرابع و العشرین من شهر ربیع الاول سنة ست و ثلثین ٦٣٦ وستمائة وکتبه منشؤہ[1]۔	خط سے دوسرا نسخہ ہے اس کی تحریر سے روز چار شنبہ وقت صبح بتاریخ ست وچہارم ماہ مبارک ربیع الاول ٦٣٦ فراغ لکھا ہوا ہے اس کے مصنف نے، رحمہ اللہ تعالٰی۔

ور سید موصوف نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سینتیس ٣٧ مجلد میں ہے اور اس میں اس نسخے سے جس میں ملحدوں نے عقائد شنیعہ الحاق کئے، عبارت زیادہ ہے اور اس کی پشت پر نام کتاب بخط مصنف علیہ الرحمہ لکھا ہے اس کے نیچے شیخ صدر الدین قونوی رحمہ اللہ تعالٰی کے خط سے یہ عبارت تحریر ہے:

انشاء مولانا شیخ الاسلام وصفوة الانام محی الدین بن عربی[2]۔	یہ کتاب ہمارے آقا سردار مسلمانان برگزیدہ جہاں محی الدین بن عربی کی تصنیف ہے۔

اور اس کے نیچے لکھا ہے: ملك هذه المجلدة لمحمد بن اسحٰق القونوی[3] (یہ مجلد محمد بن اسحٰق قونوی کی ملک میں آیا۔ اس کے نیچے شیخ صدر الدین ممدوح کے خط سے محمد بن ابی بکر تبریزی کی روایت کہ ان سے بطریق سماع حاصل ہوئی مکتوب ہے اور محمد بن اسحٰق قونوی کی شرح دستخط یہ ہے:

انتقل الی خادمه وربیب لطفه محمد بن اسحٰق سنة سبعین وثلثین ٦٣٧ وستمائة[4]۔	یہ کتاب مصنف کے خادم ولطف پروردہ محمد بن اسحٰق قونوی کی طرف ٦٣٧ میں منتقل ہوئی۔

نتئی ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کون سا نسخہ معتمد ہوگا خود قلم خاص حضرت مصنف قدس اللہ تعالٰی سرہ العزیز کی تحریر اور اس کے اول وآخر میں خود مصنف ودیگر علماء وعمائد کے دستخط کثیر، جب یہ نسخہ ان عبارات شنیعہ سے خالی ملا تو الحاق وافترا میں کیا شک رہا والحمد للہ رب العٰلمین ولہذا مفتی سلطنت عثمانیہ عمدہ علمائے روم علامہ ابو السعود علیہ رحمۃ الملک الودود نے اپنے فتوے میں تصریح فرمائی کہ یتقنا ان بعض الیهود افتراها علی الشیخ قدس اللہ سرہ ہمیں یقین ہے کہ بعض یہودیوں نے یہ کلمات شیخ قدس سرہ، پر افتراء کئے ہیں۔ کما نقله فی الدر المختار عن معروضاته۔ اب کلام امام شعرانی کا حال سنئے، خود امام موصوف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میزان میں فرماتے ہیں:

وقع لی ذلك من بعض الاعداء فانهم دسوا فی کتابی المسمی بالبحر المورود فی المواثیق	یعنی مجھے یہ واقعہ بعض اعدا کے ساتھ پیش آچکا ہے انہوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود

[1] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

[2] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

[3] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

[4] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

والعهود، امور اتخالف ظاهر الشريعة و داروبها فی الجامع الازهر وغيره و حصل بذلك فتنة عظيمة وماخمدت الفتنة حتی ارسلت لهم نسختی التی عليها خطوط العلماء ففتشها العلماء فلم يجدوا فيها شيئا ممايخالف ظاهر الشريعة مماد سه الاعداء فالله تعالٰی يغفر لهم و يسامحهم [1] اھ۔	میں خلاف شرع باتیں الحاق کردیں اور اسے جامع ازہر وغیرہ میں لئے پھرے اور اس کے سبب بڑا فتنہ اٹھا اور فرونہ ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کے پاس اپنا نسخہ جس پر علماکے دستخط تھے بھیج دیا اہل علم نے تلاش کی تو اس میں وہ امور مخالفہ شریعت جو دشمنوں نے ملادیئے تھے اصلًا نہ پائے اللہ تعالٰی ان کی مغفرت کرے اور در گزر فرمائے۔

خیر ایک طریقہ تو ثبوت الحاق کا یہ ہے دوسرے یہ مصنف کا امام معتمد وعالم متدین، مستند ہونا معلوم ہے اور یہ کلام کہ بے تواتر حقیقی اس کی طرف نسبت کیا گیا صریح معصیت یا بدمذہبی وضلالت جس میں اصلًا تاویل وتوجیہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس وجہ سے کہ علماء تو لما عام اہل اسلام کی طرف بے تحقق وتواتر وثبوت قطعی کسی کبیرہ کی نسبت مقبول نہیں کما نص علیه الامام الاجل حجة الاسلام محمد الغزالی قدس سره العالی فی الاحیاء (جیسا کہ امام غزالی قدس سرہ نے "احیاء العلوم" میں اس کی تصریح کی ہے۔ت) رَد کردیں گے اور تحسینًا للظن، الحاقی کہیں گے اور اسی سے ملحق ہے، بات کا ایسا سخیف ورذیل ہونا کہ کسی طرح عقل سلیم اس امام عظیم سے اس کا صدور منظور نہ کرے جیسے باب ذوی الارحام میں قبیل فصل صنف اول سراجیہ میں یہ مہمل عبارت لان عندهما کل واحد منهم اولی من فرعه وفرعه وان سفل اولی من اصله [2] (کیونکہ ان دونوں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اولٰی ہے اور اس کی فرع اگرچہ نچلی ہو اصل سے اولٰی ہے۔ت) جس کے لئے اصلًا کوئی محصل نہیں ولہذا علامہ سید شریف نے شرح میں نقل فرمایا:

لم يتحصل منها معنی فهی من ملحقات بعض الطلبة القاصرين [3] الخ	اس کا کوئی معنی نہیں بنتا لہذا یہ بعض نالائق طلباء کی الحاق کردہ عبارت ہے الخ (ت)

اور اسی قبیل سے ہے وہ عبارت جس میں کسی طائفہ زائفہ کے لئے کوئی غرض فاسد ہو اور امام مصنف اس

---

[1] المیزان الکبرٰی مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹

[2] السراجی فی المیراث باب ذوی الارحام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[3] حاشیۃ ضیاء السراج مع السراج بحوالہ شرح سید شریف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

سے بَری اور جابجا خود اس کا کلام اس غرض مردود کے خلاف پر شاہد، جیسے بعض خدانا ترسوں کا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی کی طرف معاذاللہ کلمات مذمت امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامّہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، نسبت کرنا حالانکہ اُن کی کتاب متواترہ احیاء وغیرہ مناقب امام کی شاہد عدل ہیں عـــہ اور مثل آفتاب روشن وبے نقاب کہ ما نحن فیہ میں ان صورتوں سے کوئی مشکل نہیں والحمدللہ رب العٰلمین، اگر منکر بہجۃ الاسرار شریف کے نسخ قدیمہ صحیحہ معتمدہ اس روایت سے خالی دکھادیتا یا زبانی انکار کے سوا کوئی دلیل معقول قابل قبول ارباب عقول، اس کے یقینی ضلالت ومخالف عقیدہ اہل سنت ہونے پر قائم کرلیتا تو اس وقت دعوی الحاق زیب دیتا، نہ کہ علی الرغم اس کے، علمائے مابعد، طبقہ فطبقہ اس روایت کو نقل فرمائیں، اور مقرر، ومسلم رکھتے آئیں اور بہجۃ کا ایک نسخہ معتمدہ بھی اس کے خلاف نہ ملے اور محض براہ سینہ زوری الحاق کا ادعائے باطل کردیا جائے، فن اصول میں جسے ادنٰی مداخلت ہے اس پر کالشمّس واضح کہ مجرد امکان، منافی قطع ویقین بالمعنی الاعم نہیں، جب تک احتمال ناشئ عن دلیل نہ ہو ورنہ تمام نصوص قرآن وحدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ منکر کا تصانیف شریفہ جناب شیخ اکبر وامام شعرانی قدس سرہما کی نظیر دینا کس درجہ لغو وبے محل تھا، کہاں وہ روشن وقائع قطعی ثبوت، کہاں یہ زبانی شو سے حیلہ مبہوت، کاش منکر نے جہاں تصانیف مذکورہ کا نام لیا تھا وہاں امام شعرانی کے اقوال مسطورہ بھی نقل کرلاتا، کہ دعوی مدلل وادعائے

عـــہ ماینسب الی الامام الغزالی یردہ ماذکرہ فی احیاءہ المتواتر عنہ حیث ترجم الائمۃ الاربعۃ وقال واما ابوحنیفۃ فلقدکان ایضا عابدا زاھدا عارفا باللہ خائفا منہ مریدا وجہ اللہ تعالٰی یعلمہ[1] الخ اھ درمختار۔	امام اعظم کے بارے میں جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے اس کا رَد خود امام غزالی کا ذکر کردہ وہ کلام ہے جو انہوں نے تواتر سے مروی "احیاء العلوم" میں ائمہ اربعہ کے تراجم میں بیان کیا ہے اور انہوں نے وہاں فرمایا کہ بیشک امام ابوحنیفہ بھی عابد، زاہد، عارف باللہ، اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے، اپنے علم کی بناپر اللہ تعالٰی کی رضا کے طالب تھے الخ اھ درمختار (ت)

یعنی امام حجۃ الاسلام احیاء العلوم میں فرماتے ہیں ابوحنیفہ خدا کی قسم عابد زاہد عارف باللہ تھے اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے اور اپنے علم سے وجہ اللہ کا ارادہ رکھنے والے ۱۲

[1] احیاء العلوم بیان العلم الذی ھو فرض الکفایۃ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر ۱/ ۲۸

بے دلیل کافرق کھل جاتا واللہ الحجۃ السامیۃ۔

اوراس ف نماز کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان وافترا، ہر گز ہر گز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ مخالف کوئی آیت یاحدیث اپنے دعوے میں پیش کرسکا، ہر جگہ صرف زبانی ادّعا سے کام لیامگر یہ وہی جہالتِ قبیحہ وسفاہت فضیحہ ہے جس میں فرقہ جدیدہ وطائفہ حادثہ قدیم سے مبتلا یعنی قرآن وحدیث میں جس امرکا ذکر نہیں وہ ممنوع ہے اگرچہ اس کی ممانعت بھی قرآن وحدیث میں نہ ہو، ان ذی ہوشوں کے نزدیک امر و نہی میں کوئی واسطہ ہی نہیں اور عدم ذکر ذکرِ عدم ہے پھر خداجانے سکوت کس شے کانام ہے! ترمذی وابن ماجہ وحاکم سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرّم اللہ فی کتابہ وماسکت فھومماعفاعنہ[1]۔	حلال وہ ہے جو خدانے اپنی کتاب میں حلال کیااور حرام وہ ہے جو خدانے اپنی کتاب میں حرام بتایااور جس سے سکوت فرمایا وہ عفو ہے یعنی اس میں کچھ مواخذہ نہیں،

اوراس کی تصدیق قرآن عظیم میں موجود کہ فرماتاہے جل ذکرہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْۚ وَ اِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَاؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۝۱۰۱[2]	اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ تم پر کھول دی جائیں تو تمھیں برالگے اور اگرقرآن اُترتے وقت پوچھوگے توتم پرظاہر کردی جائیں گے اللہ نے اُن سے معافی فرمائی ہے اور اللہ تعالٰی بخشنے والامہربان ہے۔

ف: یہاں سے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ ایک فائدہ نفیسہ کابیان شروع کررہے ہیں جو چاراحادیث اور ایک آیت قرآنی پر مشتمل ہے جس سے بہت سی فروعات مثل عیدمیلادالنبی، گیارہویں شریف، تیجا، دسواں، چہلم اور صلوٰۃ الاسرار وغیرہ کے جواز کاثبوت ملتاہے۔ **نذیراحمد سعیدی**

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ باب اکل الجبن والسمن مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۹

[2] القرآن ۵ / ۱۰۱

بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا حکم دیتے تو فرض ہو جاتیں اور بہت ایسی کہ منع کرتے تو حرام ہو جاتیں پھر جو انہیں چھوڑتا یا کرتا گناہ میں پڑتا، اس مالک مہربان نے اپنے احکام میں اُن کا ذکر نہ فرمایا یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ تو بھول اور ہر عیب سے پاک ہے بلکہ ہمیں پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں نہ پڑیں تو مسلمانوں کو فرماتا ہے تم بھی ان کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھوگے حکم مناسب دیا جائے گا اور تمہیں کو دقّت ہوگی۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز منع نہیں بلکہ اللہ کی معافی میں ہیں، دار قطنی ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالٰی فرض فرائض فلاتضیعوھا، وحرم حرمات فلاتعتدوھا، وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلاتبحثوا عنھا[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے کچھ باتیں فرض کیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائیں اُن کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں اُن سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا اُن میں کاوش نہ کرو۔

احمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذرونی ماترکتکم فانما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شیئ فاجتنبوہ واذا امرتکم بامرفأتوا منہ ما استطعتم[2]۔	یعنی جس بات میں میں نے تم پر تضییق نہ کی اُس میں مجھ سے تفتیش نہ کرو کہ اگلی اُمتیں اسی بلا سے ہلاک ہوئیں، میں جس بات کو منع کروں اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر قدرت بجالاؤ۔

احمد، بخاری، مسلم سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] سنن الدار قطنی باب الرضاع مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۴/ ۱۸۴

[2] صحیح مسلم باب فرض الحج فی العمر، حدیث ۴۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۴۳۲، سنن ابن ماجہ باب اتباع سنت رسول اللہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲، مسند احمد بن حنبل از مسند ابوہریرہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۴۷

ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شیئ لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسألته[1]۔	بیشک مسلمانوں کے بارے میں اُن کا بڑا گناہگار وہ ہے جو ایسی چیز سے سوال کرے کہ حرام نہ تھی اُس کے سوال کے بعد حرام کردی گئی۔

یہ احادیث باعلٰی ندامنادی کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کا ذکر نہیں نہ ان کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد، اصل جواز پر ہیں ورنہ اگر جس چیز کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو مطلقاً ممنوع ونادرست ٹھہرے تواس سوال کرنے والے کی کیا خطا، اس کے بغیر پوچھے بھی وہ چیز ناجائز ہی رہتی۔ بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یادرکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یابرائی ثابت ہو وہ بھلی یابری ہے ور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح ورَوااور اس کو حرام وگناہ ونادرست وممنوع کہنا شریعت مطہرہ پرافترا۔ قال ربنا تبارك وتعالٰی

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ [2]	ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اپنی زبانوں کا من گھڑت جھوٹ مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء کرتے ہو، بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر افتراء کریں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔(ت)

اسی طرح اس نماز کو طریقہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام کے خلاف کہنا بھی اسی سفاہت قدیمہ پر مبنی کہ جو فعل اُن سے منقول نہ ہو عموماً ان کے نزدیک ممنوع تھا حالانکہ عدم ثبوت فعل وثبوت عدم جواز میں زمین وآسمان کافرق ہے، امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[3]۔	کرنا توجواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔

رافضیوں نے اس طائفہ جدیدہ کی طرح ایک استدلال کیا تھا اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں:

نکردن چیزے دیگرست ومنع فرمودن چیزے دیگراست[4] ملخصًا۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے ملخصًا(ت)

[1] صحیح بخاری باب مایکرہ من کثرۃ السوال مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۰۸۲/۲
[2] القرآن ۱۱۶/۱۶
[3] مواہب اللدنیہ
[4] تحفہ اثناعشریہ باب دہم مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد بیان اس امر کے کہ اذان مغرب کے بعد فرضوں سے پہلے دو ۲ رکعت نفل پڑھنا نہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے۔ فرماتے ہیں:

ثم الثابت بعدھذا نفی المندوبیة اما ثبوت الکراھة فلاالاان یدل دلیل اٰخر [1]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام کے نہ کرنے سے اس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہی کراہت وہ اس سے ثابت نہ ہوئی جب تک اور کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

اور اسے اخلاص ف وتوکل کے خلاف ماننا عجب جہالت بے مزہ ہے اس میں محبوبان خدا کی طرف توجہ بغرض توسل ہے اور ان سے توسل قطعًا محمود، اور ہرگز اخلاص وتوکل کے منافی نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۳۵ [2]	اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں کوشش کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

اور انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے:

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ [3]	وہ ہیں کہ دعا کرتے اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

اور آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام ودیگر انبیاء وصلحاء وعلماء وعرفاء علیہم التحیۃ والثناء کا قدیمًا وحدیثًا حضور اقدس غایۃ الغایات، نہایۃ النہایات علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل التسلیمات سے حضور کے ظہور پرنور سے پہلے اور بعد بھی حضور کے زمان برکت نشان میں اور بعد بھی عہد مبارک صحابہ وتابعین سے آج تک اور آج سے قیام قیامت وعرضات محشر ودخول جنت تک "استشفاع وتوسّل" احادیث وآثار میں جس قدر وفور وکثرت وظہور وشہرت کے ساتھ وارد محتاج بیان نہیں، جسے اس کی گونہ تفصیل دیکھنی منظور ہو مواہب لدنیہ امام قسطلانی وخصائص کبرائے امام جلال الدین سیوطی وشرح مواہب علامہ زرقانی ومطالع المسرات علامہ فاسی ولمعات واشعۃ شروح مشکوٰۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب ومدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولٰنا عبد الحق صاحب دہلوی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام وفضلائے عظام علیہم رحمۃ العزیز العلّام، کی طرف رجوع لائے کہ وہاں حجاب غفلت منکشف

---

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۸۹/۱

[2] القرآن ۳۵/۵

[3] القرآن ۵۷/۱۷

ف: یہاں سے اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ شفاعت، وسیلہ، استمداد، التجا اور ہنگام توسل ندائے محبوبانِ خدا کے جواز پر کلام شروع کر رہے ہیں جو کہ آیات قرآنی، احادیث اور کتب سیرت سے ماخوذ ہے، غور کرو۔ نذیر احمد

ہوتا ہے اور مصنف خطا سے منصرف وباللہ سبحٰنہ وتعالٰی التوفیق۔اسی طرح صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سید نا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طلب باراں سے توسل کرنا مروی ومشہور، حصن حصین میں ہے:

وان یتوسل الی اللہ تعالٰی بانبیاہ خ ر مس والصالحین من عبادہ[1] خ۔	یعنی آداب دعا سے ہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف اس کے انبیاء سے توسل کرے۔اسے بخاری وبزاز وحاکم نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اللہ کے نیک بندوں کاوسیلہ پکڑے،اسے بخاری نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور سب سے زیادہ وہ حدیث صحیح ومشہور ہے جسے ۱نسائی و ۲ترمذی و ۳ابن ماجہ و ۴حاکم و ۵بیہقی و ۶طبرانی وابن خزیمہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری و مسلم صحیح کہا اور حافظ امام عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلّم ومقرر رکھا جس میں حضور اقدس ملجاء بیکساں، ملاذ دوجہاں، افضل صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلٰی ذریاتہ، نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کہے:

اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة (صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم) یامحمد انی اتوجه بك الٰی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعه فی۔[2]	الٰہی! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اور لطف یہ ہے کہ بعض روایات حصن حصین میں لتقضی لی بصیغہ معروف واقع ہوا یعنی یارسول اللہ! میں آپ کے توسل سے خدا کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ آپ میری حاجت روائی کردیں۔ مولٰینا فاضل علی قاری علیہ الرحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

وفی نسخة بصیغة فاعل ای لتقضی الحاجة	اور ایک نسخہ میں معروف کا صیغہ ہے یعنی تو میری حاجت روائی

[1] حصن حصین آداب دعاء افضل المطابع انڈیا ص ۱۸

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹۷

لی والمعنی تکون سببا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالاسناد مجازی[1] ھ	فرما، اور معنی یہ ہے کہ آپ میری حاجت روائی کا سبب بنیں، پس یہ اسناد مجازی ہے اھ (ت)

اور یہ حدیث نفیس صحیح مذیل بطراز گرانبہائے تصحیح عــہ امام ابوالقاسم سلیمن لخمی طبرانی کے پاس یوں ہے:

ان رجلاکان یختلف الی عثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حاجۃ لہ. فکان عثمٰن لایلتفت الیہ ولاینظر فی حاجتہ. فلقی عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ فشکا ذلك الیہ. فقال لہ عثمٰن بن حنیف: ائت المیضأۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسألك و اتوجہ الیك بنبینا محمد	یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں آتا امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس امر کی شکایت کی انہوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلے سے

عــہ۱: امام منذری ترغیب میں فرماتے ہیں: قال الطبرانی بعد ذکر طرقہ والحدیث صحیح[2] طبرانی نے اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کرکے کہا حدیث صحیح ہے ۱۲منہ (م)

عــہ: ھکذا ھو ھھنا یثبت الصلٰوۃ فی نفس الحدیث فی النسخۃ التصحیحۃ للترغیب التی من اللہ تعالٰی بھا علی ھذا المحتاج ولعل عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا روی الحدیث اتی بہ کما ھو واذا علم الرجل زاد الصلٰوۃ کما ھو المطلوب فی امثال المقام. واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (م)	یوں ہی وہ یہاں نماز کا ثبوت نفس حدیث میں ہے "ترغیب" کے صحیح نسخہ میں ہے یہ نسخہ اللہ تعالٰی نے اس محتاج کو بطور احسان عطا فرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب روایت کیا تو انہوں نے حدیث کو درست بیان فرمایا اور جب انہوں نے آدمی کو ترغیب دی ہو تو نماز کا لفظ زائد کردیا ہو جیسا کہ ایسے مقام میں مطلوب ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین، صلٰوۃ الحاجۃ، افضل المطابع انڈیا ص ۱۲۵

[2] الترغیب والترہیب فی الصلٰوۃ الحاجۃ ودعائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۶

صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نبی الرحمۃ، یامحمد انی اتوجہ بك الی ربی فتقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتك ورح الی حتی اروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال لہ، ثم اتی باب عثمٰن رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فجاء البواب حتی اخذہ بیدہ فادخلہ علی عثمن بن عفان رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ، فقال حاجتک،فذکر حاجتہ فقضاھالہ، ثم قال: ماذکرت حاجتك حتی کانت ھذہ الساعۃ وقال ماکانت لك من حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج من عندہ فلقی عثمن بن حنیف رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ، فقال لہ جزاك اللّٰہ خیرا، ماکان ینظر فی حاجتی ولایلتفت الی حتی کلمتہ فی، فقال عثمن بن حنیف رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ واللّٰہ ماکلمتہ، ولکن شھدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم واتاہ رجل ضریر فشکا الیہ ذھاب بصرہ، فقال لہ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ائت المیضأۃ فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بھذہ الدعوات، فقال عثمن بن حنیف فواللّٰہ ماتفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کانہ لم یکن بہ ضر قط[1]۔	توجہ کرتاہوں یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتاہوں کہ میری حاجت روافرمائے اور اپنی حاجت کاذکر کر، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں، حاجت مند نے یوں ہی کیا پھر آستان خلافت پر حاضر ہوا دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا مطلب پوچھا، عرض کیا فوراً روافرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا پھر فرمایا جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملا اور کہااللہ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میرے بارے میں عرض کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تیرے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا، مگر ہوا یہ کہ میں نے سیّدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یوں ہی اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

[1] المعجم الکبیر للطبرانی مااسند عثمان بن حنیف ۸۳۱۱ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۹/ ۱۷

تنبیہ: ایھا المسلمون حضرات منکرین کی غایت دیانت سخت محل افسوس وعبرت، اس حدیث جلیل کی عظمت رفیعہ وجلالت منیعہ اوپر معلوم ہوچکی اور اس میں ہم اہل سنت وجماعت کے لئے جواز استمداد والتجا وہنگام توسل، ندائے محبوبانِ خداکا بحمداللہ کیسا روشن و واضح وبین ولائح ثبوت، جس سے اہل انکار کو کہیں مفر نہیں اب ان کے ایک بڑے عالم مشہور نے باوجود اس قدر دعوی بلند علم وتدوین کے اپنے مذہب کی حمایت بیجا میں جس صریح بے باکی وشوخ چشمی کوکام فرمایا ہے انہیں اس سے شرم چاہئے تھی حضرت نے حصن حصین شریف کاترجمہ لکھا، جب اس حدیث پر آئے اس کی قاہر شوکت، عظیم عزت نے جرات نہ کرنے دی کہ نفس متن میں اس پر طعن فرمائیں اور ادھر پاس مشرب، ناخن بدل جوش عصبیت تاب گسل، ناچار حاشیہ کتاب پر یوں ہجوم ہموم کی تسکین فرمائی کہ:

یک راوی این حدیث عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث است چنانکہ در تقریب موجوداست وحدیث، راوی متروک الحدیث قابل حجت نمی شود۔	ایک راوی اس حدیث میں عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ ہے جو متروک ہے جیسا کہ "تقریب" میں موجود ہے، اور متروک الحدیث راوی کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔(ت)

انا للہ وانا الیہ راجعون، انصاف ودیانت کا تو یہ مقتضی تھا کہ جب حق واضح ہوگیا تھا تسلیم فرماتے ارشاد مفترض الانقیاد حضور پرنور سیدالانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ الامجاد، کی طرف رجوع لاتے نہ کہ خواہی نخواہی بزور تحریف، ایسی تصحیح رجیح حدیث کو، جس کی اس قدر ائمہ محدثین نے یک زبان تصحیح فرمائی معاذاللہ ساقط ومردود قرار دیجئے اور انتقام خدا و مطالبہ حضور سید روزجزا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء کا کچھ خیال نہ کیجئے، اب حضرات منکرین کے تمام ذی علموں سے انصاف طلب کہ اس حدیث کاراوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں ملتی، یا عثمٰن بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں، کاش اتنا ہی نظر فرمالیتے کہ جو حدیث کئی صحاح میں مروی، اس کامدار روایت وہ شخص کیونکر ممکن جو ابن ماجہ کے سوا کسی کے رجال سے نہیں، وائے بیباکی، مشہور و متداول صحاح کی حدیث جن کے لاکھوں نسخے ہزاروں بلاد میں موجود اُن کی اسانید میں صاف صاف عن عثمٰن بن عمر مکتوب، پھر کیا کہا جائے کہ ابن عمر کا ابن خالد بنالینا کس درجہ کی حیاو دیانت ہے لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ اور سنئے ابن السنی عبداللہ بن مسعود اور بزار عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا انفلتت دابة احدکم بارض فلاة فلیناد یاعباد الله احبسوا فان لله تعالٰی عبادا فی الارض تحبسه[1]۔	جب تم میں کسی کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہئے یوں ندا کرے "اے خدا کے بندو! روک لو" کہ اللہ تعالٰی کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اسے روک لیں گے۔

بزار کی روایت میں ہے یوں کہے: اعینوا یاعباد الله مدد کرو اے خدا کے بندو!۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان لفظوں کے بعد رحمکم الله[2] (اللہ تم پر رحم کرے۔ت) اور زیادہ فرماتے رواہ ابن شیبة فی مصنفه (اسے ابن شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کیا۔ت) امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی اذکار میں فرماتے ہیں: ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا، چھوٹا ہوا جانور فورًا رک گیا، اور فرماتے ہیں پر رحم: ایک بار ہمارا ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ عاجز آگئے ہاتھ نہ لگا، میں نے یہی کلمہ کہا فورًا رک گیا جس کا اس کہنے کے سوا کوئی سبب نہ تھا[3] نقله سیدی علی القاری فی الحرز الثمین (ملا علی قاری نے اسے حرز ثمین میں نقل کیا۔ت) امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وهو بارض لیس بها انیس فلیقل یاعباد الله اعینونی یاعباد الله اعینونی یاعباد الله اعینونی فان لله عبادا لایراهم[4]۔	جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھولے یا کوئی چیز گم کردے اور مدد مانگنی چاہے تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے عـــہ ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔

عـــہ: جن کے سید و مولا و سند و ماوٰی حضور پر نور سیدنا عبدالقادر جیلانی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن مسعود حدیث ۱۰۵۱۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۶۷، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ ۳/ ۲۳۹ کشف الاستار عن زوائد البزار ۴/ ۳۴، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۳۲، الاذکار للنووی ص ۱۰۱

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ما یدعوبہ الرجل حدیث ۹۷۶۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۳۹۰

[3] الاذکار للنووی باب مایقول اذا انفلتت دابۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۲۰۱

[4] المعجم الکبیر ماسند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۷ و ۱۱۸

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں قد جرّب ذلك [1] بالیقین یہ بات آزمائی ہوئی ہے رواہ الطبرانی ایضًا (اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ت) فاضل علی قاری علامہ میرک سے وہ بعض علمائے ثقات سے ناقل ھذا حدیث حسن یہ حدیث حسن ہے۔ اور فرمایا مسافروں کو اس کی ضرورت ہے، اور فرمایا مشائخ کرام قدست اسرارہم سے مروی ہوا انہ مجرب قرن بہ النجاح [2] یہ مجرب ہے اور مراد ملنی اس کے ساتھ مقرون۔ ذکرہ فی الحرز الثمین (اس کو حرز ثمین میں ذکر کیا ہے۔ت) ان احادیث میں جن بندگان خدا کو وقت حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے قدس اللہ تعالٰی اسرارھم وافاض علینا انوارھم یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیہ فی الحرز الوصین (جیسا کہ حرزالوصین میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ت) اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن، مراد ہوں وکیفما کان ایسے توسل وندا کو شرک وحرام اور منافی توکل واخلاص جاننا معاذاللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے۔

تنبیہ: یہاں تو حضرات منکرین کے انہیں عالم نے یہ خیال فرماکر کہ معجم طبرانی بلاد ہند میں متداول نہیں بے خوف وخطر خاص متن ترجمہ میں اپنے زور علم ودیانت وجوش تقوی وامانت کا جلوہ دکھایا فرماتے ہیں: اس حدیث کے راویوں میں سے عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے تقوی اور عدالت اس کی معلوم نہیں جیسا کہ کہا ہے تقریب میں کہ نام ایک کتاب کا ہے اسماء الرجال کی کتابوں سے۔

اقول: مگر بحمداللہ آپ کا تقوی وعدالت تو معلوم، کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقہ ثالثہ سے ہیں جنہیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لایعرف کہا، اور کہاں اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابی جلیل القدر مہاجر ومجاہد غزوہ بدر ہیں جن کی جلالت شان بدر سے روشن، مہر سے اَبْیَنْ رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما نص علیہ سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام رواہ ونقلہ فی البھجۃ والزبدۃ والتحفۃ وغیرھا منہ (م)

جیسا کہ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس کی تصریح کی اور بہجۃ الاسرار، الزبدۃ اور التحفہ وغیرہا میں اس کو روایت کیا اور نقل کیا ۱۲منہ (ت)

---

[1] المعجم الکبیر ماسند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱۸/۱۰

[2] حرز ثمین حواشی حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۶

اُن کے پیش نظر ہے، شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی:

رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	اس کو طبرانی نے زید بن علی سے انہوں نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

یا جس تقریب کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی:

عتبۃ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل مھاجر بدری مات سنہ سبع عشرۃ[2] اھ ملخصاً۔	عتبہ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل بدری اور مہاجر ہیں جن کا وصال ۱۷ھ میں ہوا۔ اھ ملخصًا۔ (ت)

پھر کون سے ایمان کا مقتضٰی ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزور زبان وبزور جنان درجہ صحابیت سے طبقہ ثالثہ میں لاڈالے اور شمس عدالت وبدرِ جلالت کو معاذاللہ مردود الروایۃ ومطعون جہالت بنانے کی بدراہ نکالئے

ولکن صدق نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا لم تستحی فاصنع ماشئت[3]۔	لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حیا نہیں تو پھر جو چاہے کر۔ (ت)

مسلمان دیکھیں کہ حضرات منکرین انکار حق واصرار باطل میں کیا کچھ کر گزرے پھر ادعائے حقانیت گویا تمیز کا وضوئے محکم ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، خیر یہ تو حدیثیں تھیں اب شاہ ولی اللہ صاحب کی سنئے اپنے قصیدہ اطیب النغم کی شرح میں پہلی بسم اللہ یہ لکھتے ہیں کہ:

لابدست ازاستمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[4]	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی روح پاک سے مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

بنظر نمی آید مرامگر آنخضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ	مجھے تو ہر مصیبت میں اور ہر پریشان حال کے لئے حضور

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۵

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۴۴۵۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۵۳

[3] المعجم الکبیر مروی از ابو مسعود حدیث ۶۵۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/۲۳۷

[4] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل اول در تشبیب بذکر الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲

جائے دست زدن اندوہگین ست درہر شدّتے[1]۔	علیہ الصلٰوۃ والسلام کادستِ تصرف ہی نظر آتا ہے(ت)

اسی میں ہے:

بہترین خلق خداست درخصلت ودرشکل ونافع ترین ایشان ست مردماں رانزدیک ہجوم حوادث زماں۔[2]	زمانے کے حوادث میں لوگوں کے لئے آپ سے بڑھ کر کوئی نافع نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فصل یازدہم درابتہال بجناب آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمت فرستد برتوخدائے تعالٰی اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شوداے بہترین عطاکنندہ[3]۔	گیارہویں فصل حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی مدح میں ہے اے بہترین مددگار اور جائے امید اور بہترین عطا کرنے والے! آپ پر اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں ہوں۔(ت)

اسی میں ہے:

اے بہترین کسیکہ امید داشت شود برائے ازالہ مصیبتے[4]۔	اے بہترین امیدگاہ، مصیبتوں کے ازالہ کے لئے۔(ت)

اسی میں ہے:

توپناہ دہندہ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتیکہ بخلاند دردل بدترین چنگلالہارا[5]۔	آپ مجھے ہرایسی مصیبت میں جودل میں بدترین اضطراب پیدا کرے، پناہ دیتے ہیں۔(ت)

اوراپنے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں تو قیامت ہی توڑ گئے، لکھتے ہیں:

آخر حالتی کہ ثابت است مادح آں حضرت را صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتیکہ احساس کند نارسائی خوددراز حقیقت ثناضراعۃ (بالفتح) خواری وزاری، ابتہال واخلاص دردعاآنست کہ نداکند زار وخوار شدہ بشکستگی دل واظہار بے قدری خود، باخلاص درمناجات وپناہ گرفتن بایں طریق، اے رسول خدا، اے بہترین مخلوقات، عطائے ترا میخواہم روز فیصل کردن۔[6]	مایوسی کے وقت مدح کرنے والے کی آخری حالت میں یہ دعااور ثنا ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کو انتہائی گریہ وزاری اور دل جمعی اور اظہار بے قدری میں خلوص کے ساتھ پناہ حاصل کرتے ہوئے یہ مناجات کرے اور کہے کہ اے رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اے اللہ تعالٰی کی مخلوق میں بہترین ذات! قیامت کے روز میں آپ کی عطا کا خواستگار ہوں۔ (ت)

---

[1] شرح قصیدہ الطیب النغم فصل اول درتشبیب بذکرالخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴
[2] شرح قصیدہ الطیب النغم فصل چہارم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶
[3] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲
[4] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲
[5] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲
[6] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

اسی میں ہے:

وقتیکہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا[1]۔	جب کوئی کام تاریکی کی گہرائی میں گر جائے تو آپ ہی ہر بلا میں پناہ دیتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

بسوئے توست آوردن من وبہ توست پناہ گرفتن من وور توست امید داشتن من[2]۔	میری جائے پناہ، میری جائے امید اور میرے مرجع آپ ہی ہیں۔(ت)

بالجملہ بندگان خدا سے توسل کو اخلاص وتوکل کے خلاف نہ جانے گا مگر سخت جاہل محروم یا ضال مکابر ملوم، رہا اس نماز مبارک کے افعال پر کلام، اولاً: جب اس کی ترغیب خود حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد سے ثابت تو مدعی تسنن کو کیا گنجائش انکار، خود منکرین کی زبانیں اس شہادت میں ہمارے دل وزبان کی شریک ہیں کہ وہ جناب اتباع قرآن وحدیث واقتضائے سنت سنیہ ومراعات سیرت صحابہ واجتناب محدثات شنیعہ والتزام احکام شرعیہ پر استقامت کاملہ رکھتے تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ امدنا فی الدارین بنعماہ اٰمین (اللہ تعالٰی اس سے راضی ہو اور اس کو راضی کرے اور اپنی نعمتوں سے دونوں جہاں میں ہماری امداد فرمائے آمین۔ت)

ثانیاً: دو۲ علما واولیا جن میں بعض کے اسمائے طیبہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بہم نے ذکر کئے جنہوں نے یہ نماز پسند کی اجازت دی، سند لی، خود پڑھی، منکرین میں کون ان کے پائے کا ہے؟ پھر ان کے کہے سے کیونکر مسلم ہو کہ حکم شرع پر یہی چلے، اور وہ سب معاذاللہ گناہگار، فساق، بدعتی گزرے اور ان اکابر کو غیر موثوق کہہ کر اتباع سواد اعظم کی طرف بلانا، وہی پرانی تلبیس ہے سواد اعظم کا خلاف جب ہو کہ جمہور ائمہ دین، فقہا ومحدثین، عرفائے محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس نماز سے ممانعت کرتے آئے ہوں، جب منکرین دوچار ائمہ معتمدین سے صحیح طور پر (جودیدہ ودانستہ کذب وافترا ووضع اسمائے کتب وعلما واستناد بمجاہیل واجزائے خاملہ سے، کہ داب قدیم اکابر منکرین ہے خالی ہو) اس نماز کریم کی ممانعت کا ثبوت نہ دے سکے نہ ان شاء اللہ تعالٰی قیام قیامت دے سکیں تو سواد اعظم کا نام لینا صرف عوام کو دھوکا دینا ہے۔

ثالثاً: ان صاحبوں کے اصول پر تو اس نماز کے جواز واباحت اور منع وانکار کی قباحت وشناعت

---

[1] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

[2] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۴

پر نئے طور سے (جسے معارضہ بالقلب کہئے) سوادِ اعظم ائمہ وعلماء ومحدثین وفقہا کا اجماع قطعی ثابت ہوگا، پہلے معلوم ہوچکا کہ ان حضرات کے مذہب میں عدم ذکر ذکر عدم ہے اور خود یہاں منکرین کے ادعائے سوادِ اعظم کا یہی مبنی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اب ہم کہتے ہیں کلمات ائمہ میں اس نماز پر انکار جائز ہونا ہرگز مذکور نہیں، ومن ادعی فعلیه البیان ولایستطیعه حتی یرجع القارظان (جو دعوی کرے اس پر بیان لازم ہے جبکہ یہ اس کی استطاعت سے خارج ہے۔ت) اور عدم بیان، بیان عدم تو لاجرم اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان سب ائمہ کے نزدیک اس نماز مبارک پر انکار روا نہیں اور جس پر انکار ناجائز ہوگا وہ اقل درجہ مباح ہوگا فثبت المقصود وبهت العنود والحمد لله العلی الودود (مقصود ثابت ہوا، مخالف مبہوت ہوا، الحمدللہ العلی الودود۔ت)

رابعًا: ان حضرات کی عجیب عادت ہے، جواز کہ عقلاً ونقلاً محتاج دلیل نہیں بے دلیل خاص قبول نہیں کرتے اور عدم جواز کے لئے ان کے زبانی دعوے کافی ہوجاتے ہیں کاش جہاں یہ کہتے ہیں کہ توجہ بعراق وروش باوسب درست نہیں وہاں اس پر کوئی دلیل شرعی بھی قائم کرتے اور جب کچھ نہیں تو ہمارے لئے اصل جواب وہی ہے جو مدعیان بے ثبوت کے مقابل قرآن عظیم نے تعلیم فرمایا کہ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝۱۱۱ [1] (فرمادیجئے اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ت) اور منکر نے اثنائے تقریر میں جو اپنے لئے بات آسان کرنے کو ہیأت نماز وتذلل تام وانتہائے تعظیم کی قیدیں بڑھالیں وہ خود اسی پر مردود کہ ہرگز ترکیب صلٰوۃ الاسرار میں ان باتوں کا نشان نہیں، ہاں محبوبان خدا کی نفس تعظیم بیشک اہم واجبات واعظم قربات سے ہے:

قال الله تعالٰی وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ [2] قال الله تعالٰی مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝۳۲ [3] اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ	اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی عزت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لئے اللہ تعالٰی کے ہاں بہتر ہے۔ اور نیز فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ قلبی تقوٰی ہوگا، اور نیز فرمایا ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا، بشارت سنانے

[1] القرآن ۲/۱۱۱
[2] القرآن ۲۲/۳۰
[3] القرآن ۲۲/۳۲

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ[1]	والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے مومنو! تم اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ(ت)

خود منکر نے کہا کہ صحابہ کرام تعظیم سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہم سے زیادہ تھے بلکہ شاید ابھی منکرین کو خبر نہیں کہ علمائے دین نے روضہ منورہ کے حضور خاص ہیأت نماز قائم کرنے کا حکم دیا تو منکر کو اس قید کا اضافہ بھی کام نہ آیا بلکہ گناہ بے لذت ٹھہرا۔ لباب وشرح لباب کی عبارت عنقریب مذکور ہوگی بالفعل اختیار شرح مختار وفتاوٰی عالمگیری کی تصریح لیجئے فرماتے ہیں:

یتوجه الی قبره صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقف کما یقف فی الصلٰوة ویمثل صورته الکریمة البهیة[2] اھ ملتقطا۔	یعنی قبر شریف سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ کرے اور یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور کی صورت مبارک کا تصور باندھے۔ اھ ملتقطا۔

اے عزیز! ف اصل کار یہ ہے کہ محبوبان خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے ولہذا بکثرت احادیث میں استاذ وشاگرد وعلماوعام مسلمین کے لئے تواضع کا حکم ہوا جنہیں جمع کیجئے تو دفتر طویل ہوتا ہے۔ طبرانی معجم اوسط اور ابن عدی کامل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه[3]۔	علم سیکھو اور علم کے لئے سکون ومہابت (وقار) سیکھو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو۔

ف: محبوبان خدا (مثلاً انبیاء، اولیاء، علماء، استاد اور شاگرد کہ وہ اللہ کے نبی، یہ اللہ کے ولی، وہ دین الٰہی کے قیم ہیں اور ملت الٰہیہ پر قائم) کی تواضع اور تعظیم کرنا درحقیقت خدا ہی کی تواضع اور تعظیم کرنا ہے ورنہ محض کسی دنیادار یا کافر کی تعظیم جائز نہیں۔ **نذیر احمد**

---

[1] القرآن ۴۸/۸و۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المناسک مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۱۶۴۲

اور خطیب نے کتاب الجامع لآداب الراوی والسامع میں اُن سے یوں روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولاتکونوا جبابرة العلماء فیغلب جھلکم علمکم [1]۔	جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو اور جسے علم سکھاتے ہو اس کے لئے تواضع کرواور متکبر عالم نہ بنو کہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب ہوجائے۔

بااینہمہ علمانے تصریح فرمائی کہ غیر خداکے لئے تواضع حرام ہے، فتاوٰی ہندیہ میں یہ ہے: **التواضع لغیر اللہ حرام کذا فی الملتقط** [2] (غیر خداکے لئے تواضع حرام ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ت) تو بات وہی ہے کہ انبیاء واولیاء و مسلمین کے واسطے تواضع اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یہ اللہ کے ولی ہیں وہ دین الٰہی کے قیم ہیں یہ ملت الٰہیہ پر قائم ہیں تو علت تواضع، جب وہ نسبت ہے جو انہیں بارگاہ الٰہی میں حاصل، تو یہ تواضع بھی درحقیقت خداہی عـــہ کے لئے ہوئی جیسے

ف: یہ فائدہ ضرور ملاحظہ ہو عـــہ عجیب تربشنو (نہایت عجیب بات سن۔ت) مرزا مظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایشاں بجناب پیر خود نوشتند کہ محبت شما بر محبت خدا و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غالب وست موجب انفعال میشود درجواب برنگاشتند کہ محبت پیر ہمیں محبت خداو رسول ست وسبب جذب کمالات الٰہیہ کہ در باطن پیر ثابت ست می شود۔ چوں دیدہ عقل آمد احول معبود توسری ست اول [3]	انہوں نے اپنے پیر کی خدمت میں لکھا کہ آپ کی محبت اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت پر غالب ہے جو کہ فیضیاب ہونے کا سبب ہے، پیر صاحب نے جواب میں لکھا کہ پیر کی محبت بھی اللہ تعالٰی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کی محبت ہے جو کہ پیرکے باطن میں ثابت شدہ اللہ تعالٰی کے کمالات کو جذب کرنے کا باعث ہے۔ انتہی بلطفہ ۱۲منہ (م)

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی باب ذکر ماینبغی للراوی والسامع دارالکتب العلمیۃ بیروت ص۹۱، الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۶۴۳/۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۶۸/۵

[3] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مجتبائی دہلی ص ۱۸۲

صحابہ کرام واہل بیت عظام کی تعظیم و محبت بعینہٖ محبت و تعظیم سید عالم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

کمانص علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر ما حدیث ونحن فی غنی عن سردھاھھنا فماھی شوارد بل معلوۃ المواردـ	جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر تصریح فرمائی، ایسی بہت سی احادیث ہیں ہمیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ احادیث اجنبی نہیں ہیں ان کا مورد سب کو معلوم ہے۔(ت)

تواضع لغیر اللہ کی شکل یہ ہے کہ عیاذًا باللہ، کسی کافر یا دنیادار غنی کے لئے اس کے سبب تواضع ہو کہ یہاں وہ نسبت موجود ہی نہیں یا موجود ہے تو ملحوظ نہیں، اے عزیز! کیاوہ احادیث کثیرہ شہیرہ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خشوع وخضوع بجالانا مذکور، اس درجہ اشتہار پر نہیں کہ فقیر کو اُن کے جمیع واستیعاب سے غنا ہو، ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واصحابه حوله کأنّ علی رؤسھم الطیر [1]۔	فرمایا میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور کے اصحاب حضور کے گرد تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، یعنی سر جھکائے گردنیں خم کئے بے حس وحرکت کہ پرندے لکڑی یا پتھر جان کر سروں پر آبیٹھیں، اس سے بڑھ کر اور خشوع کیا ہوگا!

ہند بن ابی ہالہ وصاف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی عنہ کی حدیث حلیہ اقدس میں ہے:

اذا تکلم اطرق جلساؤہ کانّ علی رؤسھم الطیر [2]۔	جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلام فرماتے جتنے حاضران مجلس ہوتے سب گردنیں جھکالیتے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عجب ست باوجودت کہ وجود بمن ماند　　　　تو بگفتن اندر آئی ومرا سخن بماند

(تعجب ہے کہ تیرے وجود سے میرا وجود باقی ہے تیری گفتگو نافذ ہے اور میری بات باقی ہے)

مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں لکھتے ہیں:

یکے از مشایخ گوید کہ من وشیخ علی ہیتی درمدرسہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بودیم کہ یکے از اکابر بغداد پیش آمدو	ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور شیخ علی ہیتی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مدرسہ میں تھے کہ اتنے میں بغداد کے

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطب باب الرجل یتداوہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۳، مسند احمد بن حنبل حدیث اسامہ بن شریک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۲۷۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ہند بن ابی ہالہ ۴۱۴، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۲/ ۱۵۸

گفت یاسیدی قال جدك رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من دعی فلیجب وهاانا ادعوك الی منزلی گفت اگر مرا اذن کنند بیایم زمانے سرور پیش انداخت پس گفت مے آیم وبراستر سوار شد شیخ علی ہیتی رکاب راست وی گرفت ومن رکاب چپ تابسرائے آں شخص رسیدیم همه مشائخ بغداد وعلماواعیان آنجا بودند سماطے بر کشیدند بروی انواع نعمتها وسلّه بزرگ سرپوشیده دوکس برداشته پیش آوردند ودرآخر سماط نہادند بعدازاں آں شخص که صاحب دعوت بود گفت الصّلاو شیخ رضی الله تعالٰی عنه سر درپیش افگنده بود ہیچ نخورد واذن نیزنداد ہیچکس ہم نخورد واهل المجلس كأنّ علی رؤسهم الطیر هیبته[1]۔	ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے عرض کی اے آقا (غوث اعظم) آپ کے جدّامجد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعوت دے اس کی دعوت قبول کی جائے، لو میں آپ کو اپنے گھر کے لئے دعوت دیتاہوں تو آپ نے فرمایا اگر مجھے اجازت ملی تو آؤں گا، یہ فرما کر آپ نے کچھ دیر سر مبارک کو جھکایا پھر فرمایا میں آرہاہوں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے شیخ علی ہیتی نے دایاں رکاب اور میں نے بایاں رکاب پکڑا، حتی کہ ہم سب اس شیخ کے گھر پہنچے تو وہاں پر بغداد کے مشائخ اور علما اور خاص لوگ موجود تھے دسترخوان بچھایاگیا جس پر مختلف قسم کی نعمتیں موجود تھیں اور ایک بھاری بوجھل تابوت کو دس آدمی اٹھائے ہوئے لائے جو اُوپر سے ڈھانپا ہوا تھا وہ دسترخوان کے قریب ایک طرف رکھ دیا گیا، اس کے بعد صاحب خانہ شیخ نے کھانا کھانے کو کہا تو حضرت غوث اعظم نے سر مبارک جھکایا نہ خود کھانا تناول فرمایا اور نہ ہی ہمیں کھانے کی اجازت دی، اور کسی نے بھی نہ کھایا جبکہ تمام اہل مجلس ایسے خاموش سر جھکائے ہوئے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔(ت)

یعنی اہل مجلس کہ تمام اولیاء وعلماء وعمائد بغداد تھے ہیبت سرکار قادریت کے سبب ایسے بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، مقصود اسی قدر تھا مگر ایسی جانفزابات کا ناتمام رہنادل کو نہیں بھاتا للذا تفریح قلوب سنت وغیظ صدور بدعت کے لئے تتمہء روایت نقل کروں، فرماتے ہیں:

شیخ رضی اللہ تعالٰی بمن وشیخ علی ہیتی اشارتی کرد کہ آں سلّہ راپیش آرید برخاستیم وآں راپیش برداشتیم وبس گراں بوددرپیش شیخ نہادیم فرمود تاسرآنرا بکشادیم دیدیم کہ فرزند آں شخصے بود نابینائے مادرزاد	حضرت نے مجھے اور شیخ علی ہیتی کو اشارہ فرمایا کہ اس تابوت کو میرے سامنے لاؤ، وہ بھاری تابوت ہم نے اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا اس پر سے کپڑا ہٹاؤ، جب ہم نے دیکھا وہ اس شخص کا

[1] نفحات الانس حالات شیخ ابوعمروصریفینی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

بر جائے ماندہ ومجذوم ومفلوج گشتہ شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وی راگفت قم باذن اللہ معافی، آں کودک برخاست دواں وبیناوبران ہیچ آفتے نے فریاد ازحاضراں برخاست شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ درانبوہ مردم بیروں آمدوہیچ نخوردپیش شیخ ابوسعید قیلوی رفتم وآں قصہ باوے بگفتم گفت شیخ عبدالقادر یبرئ الاکمہ والابرص ویحیي الموتی باذن اللہ عزوجل ست انتہی[1]۔	لڑکا تھا جومادر زاد نابینا اور مفلوج تھا تو حضرت نے اس لڑکے کوحکمًا فرمایا قم باذن اللہ معافی (اللہ کے حکم سے کھڑے ہوجاؤ عافیت والے ہوکر) وہ لڑکا فورًا تندرست حالت میں کھڑا ہوگیا جیسا کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت حاضرین میں سے اُٹھ کر پوری جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد میں ابوسعید قیلوی کے پاس گیا اور ان کو میں نے یہ تمام قصہ سنایا توانہوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مُردے کو زندہ اللہ کے اذن سے کرتے ہیں۔ (ت)

قادرا قدرت توداری ہرچہ خواہی آں کنی

مردہ راجانے دہی ودرد رادرماں کنی

(اے قدرت والے تجھے قدرت ہے جو چاہے تو کرے، مردہ کو جان دیتاہے اور درد کوآرام دیتاہے)

امام ابوابراہیم تجیبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کتاب الشفاء میں ہے:

واجب علی کل مومن متی ذکرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوذکر عندہ ان یخضع و یخشع ویتوقر ویسکن من حرکتہ ویأخذ فی ہیبتہ واجلالہ بماکان یاخذبہ نفسہ لوکان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویتأدب بماادبنا اللہ تعالٰی بہ[2]۔	ہر مسلمان پرواجب ہے جب حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یاد کرے یااس کے سامنے حضورکاذکر آئے خضوع وخشوع بجالائے اور باوقار ہوجائے اور اعضاء کوحرکت سے بازرکھے اور حضور کے لئے اس ہیبت وتعظیم کی حالت پرہوجائے جو حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روبرو اس پرطاری ہوتی اور ادب کرے جس طرح خداتعالٰی نے ہمیں ان کاادب سکھایاہے۔

[1] نفحات الانس حالات ابوعمروصریفینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

[2] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/ ۳۴

امام علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں اس قول کے نیچے لکھتے ہیں:

یفرض ذلك ویلاحظه ویتمثله فکانه عنده[1]۔	یعنی یاد حضور کے وقت یہ قراردے کہ میں حضوراقدس کا تصور باندھے گویا حضور کے سامنے حاضر ہوں۔

امام اجل سیدی قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں امام تجیبی کا ارشاد نقل کرکے فرماتے ہیں:

وھذہ کانت سیرۃ سلفنا الصالح وائمتنا الماضین رضی اللہ تعالٰی عنھم[2]۔	ہمارے سلف صالح وائمہ سابقین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی داب وطریقہ تھا۔

اور فرماتے ہیں:

کان مالك اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یتغیّر لونه وینحنی[3]۔	امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے رنگ اُن کا بدل جاتا اور جھک جاتے۔

نسیم میں ہے: لشدۃ خشوعه[4] یہ جھک جانا سبب شدت خشوع تھا۔

شفا شریف وغیرہ تصانیف علماء میں اس قسم کی بہت روایات مذکور، شاہ ولی اللہ قصیدہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

ینادی ضارعا لخضوع قلب   وذل وابتھال والتجاء

رسول اللہ یاخیر البرایا   نوالك ابتغی یوم القضاء[5]

(حاجت مندی، دل کی عاجزی، انکساری، تضرع اور التجاء کے ساتھ رسول اللہ کو ندا کرے اور عرض کرے کہ اے مخلوق سے افضل ذات! میں آپ سے قیامت کے روز عطا کا خواستگار ہوں)

دیکھو صاف بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ندا اور حضور سے عرض حاجت کرے تو تضرع وخضوع قلب وتذلل والحاح وزاری سب کچھ بجالائے۔ میں کہتا ہوں واللہ ایسا ہی چاہئے مگر آپ کے ان شرک فروشوں کی دوا کون کرے، غرض اس مطلب نفیس میں کلمات علماء کا استیعاب کیجئے تو دفتر چاہئے لہذا

---

[1] نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعۃ دار الفکر بیروت ۳/۳۹۶

[2] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/۳۴

[3] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/۳۶

[4] نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/۳۹۹

[5] شرح قصیدہ ہمزیہ شاہ ولی اللہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

میں یہاں منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط کی ایک نفیس عبارت کہ بہت فوائد جلیلہ پر مشتمل تلخیصًا اور ذکر کرتا ہوں مولٰینا رحمۃ اللہ سندی متن اور فاضل علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

فاذا فرغ من ذلك قصد التوجه الى القبر المقدس وفرغ القلب من كل شيئ من امور الدنيا، واقبل بكليته لماهو بصدده ليصلح قلبه للاستمداد منه صلى الله تعالٰى عليه وسلم، وليلا حظ مع ذلك الاستمداد من سعة عفوه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وعطفه ورأفته (اى شدة رحمته على سائر العباد) ان يسامحه فيما عجز عن ازالته من قلبه، ثم توجه (اى بالقلب والقالب) مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلة والانكسار والخشية والوقار والهيبة و الافتقار غاض الطرف مكفوف الجوارح (من الحركات) فارغ القلب (عمن سوى مقصوده ومرامه) واضعا يمينه على شماله (تأدبا فى حال اجلاله) مستقبلا للوجه الكريم مستدبرا للقبلة ناظرا الى الارض متمثلا صورته الكريمة فى خيالك مستشعرا بانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وسلامك (بل بجمع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك) مستحضرا عظمته وجلالته وشرفه وقدره صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثم قال من غيررفع صوت (لقوله تعالٰى ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله الاية)	یعنی جب مقدمات زیارت سے فارغ ہو قبرانور کی طرف توجہ کا قصد اور دل کو تمام خیالات دنیویہ سے فارغ کرے اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہوجائے تاکہ اس کا قلب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استمداد کے لائق ہو بااینہمہ جو خیال مجبورانہ دل میں باقی رہے جس کے ازالہ پر قادر نہ ہو اس کی معافی کے لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کمال مغفرت ومہربانی ورافت اور تمام بندوں پر حضور کی شدت رحمت سے مدد مانگے پھر دل وبدن دونوں سے نہایت ادب کے ساتھ مواجہہ شریف میں حاضر ہو تواضع وخضوع وخشوع وتذلل وانکسار وخوف ووقار وہیبت واحتیاج کے ساتھ آنکھیں بند کئے اعضا کو حرکت سے روکے دل اس مقصود مبارک کے سواسب سے فارغ کئے ہوئے ادب وتعظیم حضور کے لئے دہنا ہاتھ بائیں پر رکھے حضور کی طرف منہ اور قبلے کو پیٹھ کرے نگاہ زمین پر جمائے رہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا تصور باندھے اور ہوشیار ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاضری وقیام وسلام بلکہ تمام افعال واحوال اور منزل بمنزل کے قیام وارتحال پر مطلع ہیں اور حضور کی عظمت وجلال وشرف ومنزلت کو خوب خیال کرے پھر نہ تو آواز بلند ہو کہ اللہ تعالٰی ان کے حضور پست آواز کا حکم دیتا ہے نہ بالکل آہستہ جس میں سنانے کی سنت فوت ہو اگرچہ سرکار پر کچھ پوشیدہ نہیں اس طرح حضور قلب وشرم وحیا

ولا اخفاء (ای بالمرۃ لفوت الاسماع الذی ھوالسنۃ وان کان لایخفی شیئ علی الحضرۃ) بحضور (قلب واستحیاء) السلام علیك ایّھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[1] ثم یقول یارسول اللہ اسألك الشفاعۃ ثلثا (لانہ اقل مراتب الالحاح لتحصیل المنال فی مقام الدعاء والسؤال)[2] صلی اللہ تعالٰی علی قاضی حاجتنا ومعطی موادانا سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔	کے ساتھ عرض کرے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھرکہے یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں یارسول ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں، تین بار اس لئے کہے کہ یہ دعا وسوال میں حصول مقصود کے واسطے ادنٰی مرتبہ الحاح کاہے۔(م) اللہ تعالٰی ہمارے حاجت روا اور مرادوں کو پورا کرنے والے ہمارے آقا ومولٰی محمد اور آپ کی آل وصحابہ کرام سب پر، رحمت نازل فرمائے۔(ت)

اِن احادیث وروایات وکلمات طیبات سے کالشّمس فی وسط السماء روشن وآشکار ہوگیا کہ ہنگام توسل محبوبان خدا کی طرف منہ کرناچاہئے اگرچہ قبلہ کوپیٹھ ہو، اور دل کوان کی طرف خوب متوجہ کرے یہاں تک کہ ہر این وآں خاطر سے محو ہوجائے اور ان کے لئے خضوع وخشوع محمود ومشروع، اور اس میں ان کازمانہ وفات ظاہری وحضور مرقد وذکر مجرد سب برابر ہے اور ان کے سوا عبارات اخیرہ سے جو اور فوائد جمیلہ وعوائد جلیلہ حاصل ہوئے بیان سے غنی ہیں والحمدللہ رب العٰلمین پس زید منکر نے کہ توجہ قلب وخشوع وہیأت نماز وغیرہ کی قیدیں بڑھا کر گمان کیاتھا کہ اب اسے اثبات عدم جواز کی طرف راہ آسان ہوگی۔ بحمداللہ ثابت ہوا کہ اس کامحض خیال ہی خیال تھا وَ یُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ لَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾[3] (اور اللہ تعالٰی حق کو اپنے کلمہ سے ثابت فرماتاہے اگرچہ باطل والے ناپسند کریں۔ت) فقیر حیران ہے کہ اس نماز مبارک میں اول توصلوٰۃ مفروضہ کے بعد قبلے سے انحراف کہاں، اور ہو بھی تو اس میں کیاگناہ ہے، ہر نماز مفروضہ کے بعد امام کو قبلے سے انحراف سنت معلومہ ہے، پھر اسے ممانعت میں کیامداخلت، ہاں جوکچھ غیظ وغضب کرناہو تعیین سمت پرکیجئے اور اس کاجواب مرزا مظہر جانجاناں شہید سے لے لیجئے جنہیں شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے مکتوبات میں نفس زکیہ، قیم طریقہ احمدیہ، داعی سنتِ

---

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولوتوجہ الی الزیارۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۷

[2] مسلک متقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولوتوجہ الی الزیارۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۹

[3] القرآن ۱۰/۸۲

نبویہ متحلی بانواع فضائل وفواضل لکھتے ہیں اور حاشیۂ مکتوبات پر شاہ صاحب مذکور سے مرزا صاحب موصوف کی نسبت منقول:

انچہ قدر ایشاں مامردم میدانیم شماچہ دانید احوال مردم ہند برما مخفی نیست کہ خود مولد ومنشاء فقیرست وبلاد عرب رانیز دیدہ ایم وسیر نمودہ، واحوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم وتحقیق کردہ عزیزے کہ برجادہ شریعت وطریقت واتباع کتاب وسنت ہمچنین استوار ومستقیم باشد ودر ارشاد طالبان شان عظیم ونفسے قوی دارد ودریں جزوزماں مثل ایشاں در بلاد مذکور یافتہ نمی شود مگردر گز شتگان بلکہ درہر جزوزمان وجوداین چنیں عزیزاں کمتر بودہ است چہ جائے ایں زماں کہ پرفتنہ وفسادست انتہی[1]۔	ان کی جو قدر ہم جانتے ہیں تم کیا جانو، ہندوستان کے لوگوں کے احوال ہم سے مخفی نہیں کیونکہ ہندوستان فقیر کا جائے پیدائش وپرورش ہے اور عرب بھی ہم نے دیکھا ہے اور اس کی سیر کی ہے اور ولایت کے لوگوں کے احوال بھی سنے ہیں، تحقیق کی ہے کہ ان صاحب عزت، جو کہ شریعت وطریقت کے مرتبہ پر فائز ہیں اور کاب وسنت پر عمل پیرا ہیں اور طالب حضرات کی رہنمائی میں عظمت اور مضبوطی رکھتے ہیں، جیسا بلاد مذکورہ میں فی زمانہ کوئی نہیں ہے گزشتہ لوگوں (اسلاف میں ہوسکتا ہے، بلکہ ہر دور میں ان جیسے بزرگ بہت کم ہوئے ہیں اس پرفتن زمانہ کی بات ہی کیا ہے اھ (ت)

یہی جناب مرزا صاحب اپنے مکتوبات میں ایک مرید رشید کو (جن کی بی بی کی نسبت فرمایا: تخمے پاک درخاک آں عفیفہ کاشتہ ایم بروقت مقدر سرسبز خواہد شد (ہم نے اس پاکیزہ کی مٹی میں ایک پاک بیج کاشت کیا ہے جو مقررہ وقت پر سرسبز ہوگا۔ت) تحریر فرماتے ہیں:

انچہ از قصد خود ومردم خانہ بجانب شاہجہاں آباد نوشتہ اند بشرط امن مبارک ست وتارسیدن شما فقیر اِن شاءاللہ تعالٰی بعد نماز یک دوگھڑی روز برآمدہ پیش از حلقہ یابعد آں بجانب آں مستورہ شما متوجہ خواہد شد باید کہ ہرروز منتظر ومتوقع فیض روبایں طرف کردہ بعد نماز صبح روبایں طرف کردہ بعد نماز صبح بنشینند کہ محبت ایں عفیفہ کہ فرزند ماست دردل فقیر تاثیر کردہ است[2] الخ	میں نے اور گھر والوں نے شاہجہان آباد کی طرف جو خط لکھا ہے وہ بشرط امن مبارک ہے اور تمہارے پہنچنے تک ان شاء اللہ فقیر روزانہ ایک دوگھڑی حلقہ ذکر سے قبل یابعد باہر آکر آپ کی مستورہ بیوی کی طرف توجہ کرتا ہے، ہوسکتا ہے تو روزانہ فیض کا متوقع ہو کر اس طرف منہ کرکے صبح کی نماز کے بعد بیٹھا کرو تاکہ اس پاکیزہ کی جو میری بیٹی ہے کی محبت کی تاثیر اس فقیر کے دل پر ہو۔ الخ (ت)

[1] حاشیۂ مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی از مجموعہ کلمات طیبات فصل چہارم "مکاتیب شاہ ولی اللہ" مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۵۸
[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب سی وہفتم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۷

دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

جان من سلامت باشی دریں مدت مفارقت دو رقعہ شمارسید وحرز جاں گردید باید دید کہ انتظار باماچہ میکند، ہر صبح بعد نماز متوجہ بفقیر بنشینید بے ناغہ توجہ می دہم از کسی توجہ نگیرید زیادہ عمر ومزہ عمر باد [1] انتہی ملخصا	میری جان! سلامت رہو، اس جدائی کی مدت میں تمہارے دو رقعے ملے ہیں جو حرز جاں ہیں، غور کرو کہ ہمارا انتظار کیا اثر کرتا ہے روزانہ صبح کی نماز کے بعد مجھ فقیر کی طرف منہ کرکے بیٹھا کرو اور ناغہ نہ کرو، میں خود توجہ کیا کروں گا کسی دوسرے کی توجہ کی ضرورت نہیں ان شاء اللہ عمر زیادہ اور عمر کا مزہ بھی پاؤ گے اھ ملخصًا

انہیں مرزا صاحب کے ملفوظات میں ہے:

نسبت ما بجناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مے رسد وفقیر را نیازے خاص باٰنجناب ثابت ست در وقت عروض عارضہ جسمانی توجہ باٰنحضرت واقع می شود وسبب حصول شفا میگردد [2] الخ۔	میرا خاص تعلق حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہ الکریم سے قائم ہے اور فقیر کو آپ سے خاص نیاز حاصل ہے، فقیر جسمانی عارضہ کے وقت آپ کی طرف توجہ کرتا اور شفا پاتا ہے الخ (ت)

شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب شرح رباعیات میں اپنی یہ رباعی لکھی:

آنانکہ زا وناس بہیمی جستند		بالجبّہ انوار قدم پیوستند

فیض قدس از ہمت ایشاں میجو		دروازہ فیض قدس ایشاں ہستند [3]

(وہ ذات جس سے لوگ بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے قدم کے انوار لباس بناتے ہیں ان کی توجہ سے مقدس فیض کی خواہش کر کیونکہ وہ فیض قدس کا دروازہ ہیں) پھر اس کی شرح میں لکھا:

یعنی توجہ بارواح طیبہ مشائخ در تہذیب روح وسر نفع بلیغ دارد [4]۔	یعنی مشائخ کی ارواح طیبہ روح اور سر کی صفائی میں انتہائی مفید ہیں (ت)

---

[1] مکتوبات مرزا جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب چہل و دوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۹

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مکتوب چہل و دوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[3] مکتوبات شاہ ولی اللہ از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب بست و دوم در شرح رباعیات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ص ۱۹۴

[4] شرح رباعیات شاہ ولی اللہ از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب بست و دوم در شرح رباعیات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴

انہیں شاہ صاحب نے ہمعات میں حدیث نفس کا یوں علاج بتایا:

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شد، وبرائے ایشاں فاتحہ خواند یابزیارت قبرایشاں رودازانجاانجذاب دریوزہ کند[1]۔	مشائخ کی ارواح کی طرف متوجہ ہو اور ان کے لئے فاتحہ پڑھو اور ان کی قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ اور وہاں سے فیض حاصل کرو۔(ت)

نفیسہ: امام علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

لم یزل العلماء و ذووالحاجات یزورون قبرالامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم و یرون نجح ذلک، منھم الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ جاء عنہ انہ قال انی لاتبرك بابی حنیفۃ واجیئ الی قبرہ فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الٰی قبرہ وسألت اللہ تعالٰی عندہ فتقضی سریعا[2]۔	یعنی ہمیشہ سے علماو اہل حاجت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزار مبارک کی زیارت اور اپنی حاجت روائیوں کو بارگاہ الٰہی میں اُن سے توسّل کرتے اور اس سبب سے فورًا مرادیں پاتے ہیں اُن میں سے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ فرماتے ہیں میں ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تبرک کرتا اور اُن کی قبر پر جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز پڑھتا اور ان کی قبر کی طرف آکر خدا سے سوال کرتا ہوں کچھ دیر نہیں لگتی کہ حاجت روا ہوتی ہے۔

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ یہاں نکات غامضہ ہیں کہ ان پر مطلع نہیں ہوتے مگر توفیق والے، جب معلوم ہولیا کہ حق جل وعلا عزمجدہ کی طرف اس کے محبوبوں سے توسل محمود مقصود وسنت ماثورہ وطریقہ مامورہ اور ہنگام توسل ان کی جانب توجہ درکار، یہاں تک کہ جب خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا: دعا میں قبلہ کی طرف منہ کروں یا مزار مبارک حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف؟ فرمایا:

ولم تصرف وجھك عنہ وھو وسیلتك	کیوں اپنا منہ ان سے پھیرتا ہے وہ قیامت کو تیرا

[1] ہمعات ہمعہ ۸ مطبوعہ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدرآباد ص ۳۴

[2] الخیرات الحسان الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹

ووسیلۃ ابیك اٰدم علیه الصلوۃ والسلام الی الله تعالٰی یوم القیمۃ بل استقبله واستشفع به فیشفعك الله تعالٰی[1]۔ اخرجه الامام القاضی عیاض فی الشفاء وغیرہ فی غیرہ۔	اور تیرے باپ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ہیں بلکہ انہیں کی طرف منہ کر اور شفاعت مانگ کہ اللہ تعالٰی تیری درخواست قبول فرمائے۔

اور سوال حاجت سے پہلے دو رکعت نماز کی تقدیم مناسب کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[2] (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ت) پھر کامل اکسیر یہ ہے کہ کسی محبوب خدا کے قریب جایئے اسی طرف حق جل وعلا نے قرآن عظیم میں ہدایت فرمائی کہ ارشاد کرتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾[3]	اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے حضور حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول اُن کے لئے استغفار کرے تو بیشک اللہ تعالٰی کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

سبحان اللہ خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہو کر ہم سے دعائے بخشش کریں اور قدیمًا وحدیثًا وصلحا اس آیہ کریمہ کو زمانہ حیات ووفات سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا کئے اور اوقات زیارت میں یہی آیہ کریمہ تلاوت کرکے اللہ تعالٰی سے استغفار کرتے رہے اس مضمون کی بہت روایات وحکایات مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ ومدارج النبوۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب وخلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفٰی وغیرہا تصانیف علما میں مذکور ومشہور بعض ان سے حضرت مقدام المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد نے سرور القلوب فی ذکر المحبوب میں ذکر کرکے اس مسئلے کا اثبات فرمایا **من شاء فلیتشرف بمطالعته** (جو چاہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہو۔ت) اسی طرح بہت علما مصنفان مناسک باب

---

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد عثمانیۃ ۲/۳۵، نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/۳۹۸

[2] القرآن ۲/۱۵۳

[3] القرآن ۴/۶۴

زیارت شریفہ مدنیہ طیبہ میں وقت حاضری اس آیت کو پڑھ کر استغفار کا حکم دیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کی طرف جانا اور بعد وصال اُن کی قبور کی طرف چلنا دونوں یکساں جیسا کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا امام ابوحنیفہ کے مزار فائض الانوار کے ساتھ کیا کرتے۔ اب یہ کہ گدائے سرکار قادریہ اس آستان فیض نشان سے دور و مہجور ہے گو بعد نماز مزار اقدس تک جانے کی حقیقت اسے میسر نہیں تاہم دل سے توجہ کرنا اور چند قدم اس سمت چل کر اُن چلنے والوں کی شکل بناتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث حسن میں فرمایا:

من تشبه بقوم فهو منهم[1]۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط عن حذیفة رضی الله تعالٰی عنه باسناد حسن وان کان طریق ابی داود عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما لیس بذلك	جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں سے ہے اس کی تخریج طبرانی نے اوسط میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کی ہے یہ سند جید ہے اگرچہ ابوداؤد کے طریق پر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی قوی نہیں ہے (ت)

ثانیاً توسل میں توجہ باطن ضرور اور ظاہر، عنوان باطن، لہذا یہ چلنا مقرر ہوا کہ حالت قالب، حالت قلب پر شاہد ہو جس طرح سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے استسقا میں قلبِ ردا فرمایا کہ قلب لباس، قلب احوال و کشف باس کی خبر دے، شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں قضائے حاجت کے لئے "صلوٰۃ کن فیکون" کی ترکیب لکھی جس کے آخر میں ہے کہ پھر پگڑی اتارے، آستین گلے میں ڈالے، پچاس ۵۰ بار دعا کرے، ضرور مستجاب ہو[2]۔ اس پر ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: "بعض ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے، آستین گردن میں ڈالنا کیونکر جائز ہوگا، حالانکہ ادعیہ ماثورہ میں یہ ثابت نہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ قلب ردا یعنی چادر کا اُلٹنا پلٹنا نماز استسقاء میں رسول علیہ السلام سے ثابت ہے تا حال عالم کا بدل جائے تو اس طرح آستین گردن میں ڈالنا، امر مخفی کے اظہار کے واسطے یعنی تضرع کے، واسطے حصول شعار گردش حال کے یا مقصود کے کیونکر ناجائز ہوگا[3]"۔ انتھی ترجما بترجمة المولوی خرم علی البلھوری فی شفاء العلیل ترجمة القول الجمیل۔ میں کہتا ہوں جب آستین گلے میں باندھنا باآنکہ طرق ماثورہ میں وارد نہیں، اس وجہ سے کہ اس میں تضرع مخفی کا اظہار شدید ہے، اگرچہ نفس

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۵۰ و ۹۲، مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الزہد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۰/۲۷۱

[2] القول الجمیل مترجم اردو پانچویں فصل صلوٰۃ کن فیکون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۳

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل پانچویں فصل صلوٰۃ کن فیکون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۴

اظہار گڑگڑانے کی صورت سے حاصل تھا، جائز ٹھہرا تو یہ چند قدم جانب عراق محترم چلنا اس وجہ سے کہ اس میں توجہ مخفی کا اظہار قوی ہے کیونکر ناجائز ہوگا۔

ثالثاً ظاہر مصلح خاطر ولہذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام چاہتے ہیں وہاں اس کے مناسب احوال وجوارح رکھے جاتے ہیں کہ ان کی مدد سے خاطر جمع اور انتشار دفع ہوا، اسی لئے نماز میں تلفظ بہ نیت قصد جمع عزیمت علماء نے مستحسن رکھا کمافی المبسوط والھدایۃ والکافی والحلیۃ وغیرھا (جیسا کہ مبسوط، ہدایہ، کافی اور حلیہ وغیرہ میں ہے۔ت) شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں:

من جبلۃ الانسان انہ اذا استقر فی قلبہ شیئ جری حسب ذلك الارکان واللسان و ھوقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان فی جسد ابن اٰدم مضغۃ" الحدیث ففعل اللسان ولارکان اقرب مظنۃ وخلیفۃ لفعل القلب۔[1]	انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز اس کے دل میں جم جاتی ہے تو اعضاء اور زبان اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کا کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے الحدیث، پس زبان اور اعضاء کی حرکت دل کے فعل کے تابع ہوتی ہے۔(ت)

اور یہی سر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ مقرر ہوا، شاہ ولی اللہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

الھیأۃ المندوبۃ ترجع الی معان، منھا تحقیق الخضوع کصف القدمین، ومنھا محاکاۃ ذکر اللہ تعالٰی باصابعہ ویدہ حذوما یعقلہ بجنانہ کرفع الیدین و الاشارۃ بالمسبحۃ لیکون بعض الامر معاضدًا لبعضھ[2] ملخصًا	مستحب حالت کئی معانی کی طرف راجع ہے، ایک خشوع کا پایا جانا، جیسے قدموں کا برابر ہونا، اور ایک اللہ کے ذکر کی حکایت ہاتھ اور انگلیوں سے کرنا تاکہ دل میں جوکچھ ہے اس کی مطابقت ہوسکے، جیسے ہاتھ اٹھانا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا جس سے بعض افعال کی بعض تقویت ہوتی ہے اھ ملخصا (ت)

اور اسی قبیل سے ہے دعا میں ہاتھ اٹھانا چہرے پر پھیرنا، شاہ ولی اللہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ افعال رغبت باطنی کی تصویر بنانے کو ہیں کہ قلب اس پر خوب متنبہ ہوجائے اور حالت قلب ہیأت سے تائید پائے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ الامور التی لابد منہا فی الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۵

[2] حجۃ اللہ البالغہ اذکار الصلٰوۃ وہیأتہا المندوب الیہا مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۷

کتاب مذکور میں ہے:

اما رفع الیدین ومسح الوجه بهما فتصویر للرغبة مظاهرة بین الهیأة النفسانیة وما یناسبها من الهیأة البدنیة وتنبیه للنفس علی تلك الحالة[1]۔	اور ہاتھ اٹھانا اور دعاکے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا یہ اپنی دعا میں رغبت کااظہار ہے اور ہیئت نفسانیہ کی تصویر اور ہیئت بدنیہ کی مناسبت ہے اور نفس کو اپنی حالت پر تنبیہ ہے۔(ت)

بعینہٖ یہی حالت اس چلنے کی ہے کہ رغبت طاطنی کی پوری تصویر بتاتااور قلب کوانجذاب تام پر متنبہ کرتا ہے جیسا کہ اس عمل شریف کے بجالانے والوں پر روشن، گومنکر محروم بیخبر باش ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی

(اس شراب کامزہ تو اسے چکھے بغیر نہ پاسکے گا)

رابعًا سنت نبویہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ ہے کہ جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہو عمل صالح وہاں سے ہٹ کر کرے اسی لئے جب ایک بار سفر میں آخر شب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نزول فرمایا اور آنکھ نہ کھلی یہاں تک کہ آفتاب چمکا، حضور نے وہاں نماز نہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ شیطان حاضر ہواتھا اپنے مرکبوں کو یونہی لئے چلے آؤ، پھر وہاں سے تجاوز فرماکر نماز قضا کی، **مسلم فی صحیحه عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال عرسنا مع نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیأخذ کل رجل براس راحلته فان هذا منزل حضرنا فیه الشیطان قال ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضأ الحدیث**[2] (حدیث کاترجمہ متن حدیث سے پہلے موجود ہے) یہاں بھی جب یہ محتاج دو رکعت نماز پڑھ چکااور اب وقت وہ آیا کہ جہت توسل کی طرف منہ کرکے اللہ جل جلالہ، سے دعا چاہتا ہے، نفس نماز میں جو قلّت حضور وغیرہ قصور سرزد ہوئے یاد آئے اور سمجھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں شیطان کے دخل نے مجھ سے مناجات الٰہی میں تقصیر کرادی، ناچار ہٹتا ہے اور پُرظاہر کہ جہت توجہ اس کے لئے اولٰی وایسر، یمینًا وشمالًا انصراف میں ترک توجہ، اور رجعت قہقری بعد کی صورت اور اقبال نشان اقبال **فکان هو المختار**۔

خامسًا خادم شرع جانتا ہے کہ صاحب شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو باب دعا میں، تفاؤل

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ الاذکار ومایتعلق بہا مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۷۵

[2] صحیح مسلم باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۸

پر بہت نظر ہے اسی لئے استسقاء میں قلبِ ردا فرمایا کہ تبدل حال کی فال ہو

الدارقطنی بسند صحیح علی اصولنا عن الامام ابن الامام ابن الامام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم عن ابیہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استسقی وحوّل رداءہ لیتحول القحط[1]۔	ہمارے اصول کے مطابق دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ امام ابن امام ابن امام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (بارش کے لئے دعا میں) چادر مبارک الٹی تاکہ قحط ختم ہوجائے۔(ت)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قالوا والتحویل شرع تفاؤلا بتغییر الحال من القحط الی نزول الغیث والخصب ومن ضیق الحال الی سعتہ[2]۔	ائمہ کرام نے فرمایا کہ چادر الٹانا اس لئے مشہور ہے کہ قحط سے بارش کی طرف اور تنگی سے خوشحالی کی طرف حالت کو تبدیل کرنے کے لئے نیک فال بن سکے۔(ت)

اسی لئے بدخوابی کے بعد جو اس کے دفع شر کی دعا تعلیم فرمائی، ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کروٹ بدل لے تاکہ اس حال کے بدل جانے پر فال حسن ہو

مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما مرفوعا اذا رأی احدکم الرؤیا یکرھھا فلیبصق عن یسارہ ثلثا ولیستعذ باللہ من الشیطان ثلثا ولیتحول عن جنبہ الذی کان علیہ[3]۔	مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں جانب تھوکے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تین مرتبہ پڑھے اور اپنی کروٹ دوسری جانب بدلے۔(ت)

علامہ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں: تفاؤلا بتحول تلک الحال[4] (تاکہ اس سے نجات کے لئے

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاستسقاء حدیث ۲ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۲/۶۶

[2] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلٰوۃالاستسقاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۲

[3] صحیح مسلم کتاب الرؤیا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۴۱، سنن ابوداؤد باب فی الرؤیا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۶۸۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اذارای احدکم کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۱/۹۷

نیک فال بن سکے۔ت) اسی لئے ہنگام استسقاء پشتِ دست جانبِ آسمان رکھے کہ ابر چھانے اور باران آنے کی فال ہو۔

مسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء[1]۔	مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی علیہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام جب بارش کے لئے دعافرماتے توہتھیلی مبارک کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے۔(ت)

اشعۃاللمعات شرح مشکوٰۃمیں ہے:

طیبی گفتہ ایں نیزبرائے تفاول ست بقلب وتبدل حال مثل صنیع وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درتحویل رداشار تست بمطلوب کہ بطون سحائب بجانب زمین گرد و بریزد انچہ دروست از امطار واللہ تعالٰی اعلم[2]۔	طیبی نے فرمایا یہ عمل بھی حالت کو تبدیل کرنے کی نیک فال کے طورپر ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چادر تبدیل کرتے تھے جس میں بادلوں کے پیٹ زمین کی طرف ہوجانے اور بادلوں سے بارش ہونے کے مطلوب کی طرف اشارہ تھا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اسی لئے علمانے مستحب رکھا،جب دفع بلاکے لئے دعاہو،پشت دست سوئے سماہو،گویاہاتھوں سے آتش فتنہ کو بجھاتااور جوش بلا کو دباتاہے۔اشعہ میں ہے:

گفتہ اندچوں دعابرائے طلب وسوال چیزے از نعمابود مستحب است کہ گردانیدہ شود بطن کفہا بجانب آسمان وہرگاہ کہ برائے دفع و منع فتنہ وبلاباشد پشت ہائے دست بجانب آسمان کنداز برائے اطفائے نائرہ فتنہ وبلاوپست کردن قوت حادثہ وغلبہ آں[3]۔	علمانے فرمایاہے کہ جب کسی نعمت کے حصول کے لئے دعاکی جائے تومستحب یہ ہے کہ دعامیں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کوآسمان کی طرف کیاجائے اور اگر کسی دفع شر کے لئے دعاکی جائے توپھرہاتھوں کی پشت کوآسمان کی طرف کیاجائے تاکہ فتنہ اور مصیبت کی شدت کم ہو اور حادثہ کی قوت وغلبہ پست ہوجائے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب صلٰوۃالاستسقا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۳

[2] اشعۃاللمعات کتاب صلٰوۃالاستسقا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲۳

[3] اشعۃاللمعات کتاب صلٰوۃالاستسقا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲۳

اسی لئے دعاکے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہوا کہ حصول مراد قبول دعا کی فال ہو گویا دونوں ہاتھ خیر وبرکت سے بھر گئے اس نے وہ برکت اعلٰی واشرف اعضاپر الٹ لی کہ اس کے توسط سے سب بدن کو پہنچ جائے گی۔ ترمذی وحاکم کی حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے توچہرہ مبارک پر پھیرتے بغیر ہاتھوں کو نیچے نہ کرتے۔(ت)

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

تفاؤلا باصابۃ المراد وحصول الامداد[2]۔	مراد کو پانے اور امداد حاصل کرنے کے لئے نیک فال کے طورپر۔(ت)

اور حدیث حسن:

ابی داؤد عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ۔	ابوداؤد نے حضرت سائب بن یزید سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دعافرماتے تو ہاتھ اُٹھاکر چہرہ مبارک پر ملتے۔(ت)

کے نیچے لکھا:

تفاؤلا وتیامنا بان کفیہ ملئتا خیرا فافاض منہ علی وجھہ[3]۔	یہ نیک فال ہوسکے ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اور اس خیر کو چہرہ پر فائض فرمایا۔(ت)

اور حدیث ابی داؤد:

بیھقی عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلوا اللہ ببطون اکفکم	بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ

---

[1] جامع الترمذی "الدعوات" باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعاء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۶، المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مسح الوجہ بالیدین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۳۶

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث کان اذارفع یدیہ فی الدعا کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲/۲۵۰

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث کان اذادعافرفع کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲/۲۴۹

ولاتسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔	نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے اپنے ہاتھوں کے باطن میں سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت میں سوال نہ کرو، اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤتوہاتھوں کو چہرے پر پھیرو۔(ت)

کے تحت میں لکھا:

تفاؤلا باصابۃ المطلوب وتبرکا بایصالہ الی وجھہ الذی ھواشرف الاعضاء و منہ یسری الی بقیۃ البدن[1]۔	تاکہ نیک فال ہوسکے کہ مطلوب پالیا اور اس کو برکت کے لئے چہرے تک پہنچایا جو کہ اعضامیں افضل ہے اور اس سے تمام بدن میں سرایت کرے۔(ت)

فاضل علی قاری نے حرز ثمین میں فرمایا:

لعل وجھہ انہ ایماء الی قبول الدعاء و تفاؤل بدفع البلاء وحصول العطاء فان اللہ سبحٰنہ یستحیی ان یرد ید عبد صفرا ای خالیا من الخیر فی الخلاء والملاء[2]۔	ہوسکتاہے کہ یہ اس بات کااشارہ ہوکہ دعا قبول ہوچکی ہے اور دفع بلا اور حصول عطا کے لئے نیک فال بن سکے کیونکہ اللہ تعالٰی اپنے بندے کے ہاتھوں کو خلاء اور ملاء میں خیر سے خالی لوٹانے پر حیافرماتا ہے۔(ت)

اسی طرح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نائب جلیل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقاصد شرع پر لحاظ فرماکر خاص ان کے موافق یہ چلنا مقرر فرمایا کہ نفی اعراض وعطائے قربت وحصول اغراض واقبال اجابت کے لئے فال حسن ہو واللہ تعالٰی الموفق۔

سادسًا صحیح مسلم شریف ف میں بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ثابت کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین نماز میں چند قدم آگے بڑھے جب جنت خدمت اقدس میں اتنی قریب حاضر کی گئی کہ دیوار قبلہ میں نظر آئی یہاں تک کہ حضور بڑھے تو اس کے خوشہ ہائے انگور دست اقدس کے قابو میں تھے

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث سلواللہ کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۶۰/۲

[2] حرز ثمین حواشی حصن حصین مع حصن حصین آداب الدعاء افضل المطابع انڈیا ص ۱۱

ف: آئندہ سطور میں ہلالین کے اندر اعلٰی حضرت کی اپنی عبارت ہے اور ہلالین سے باہر حدیث کی عبارت ہے۔ نذیر احمد

اور یہ نماز صلوٰۃ الکسوف تھی۔

وذلك قوله (بعد ما وصف صلوة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الکسوف) ثم تأخر (یعنی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم) وتأخرت الصفوف خلفه حتی انتهینا (قال مسلم وقال ابوبکر یعنی ابن ابی شیبه شیخه حتی انتهی) الی النساء ثم تقدم وتقدم الناس معه حتی قام فی مقامه فانصرف حین انصرف وقد اضت الشمس فقال (وقص الحدیث حتی قال) ما من شیئ توعدونه الاوقد رأیته فی صلٰوتی هذه لقدجیئ بالنار وذلکم حین رأیتمونی تأخرت (وساق الخبرالی ان قال) ثم جیئ بالجنة وذلکم حین رأیتمونی تقدمت حتی قمت فی مقامی ولقد مددت یدی وانا ارید ان اتناول من ثمرها[1] (الحدیث مختصر)	ان کا قول یہ کہ سوج گرہن کی نماز کو بیان کرتے ہوئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والاسلام نماز میں پیچھے ہٹ گئے اور آپ کے پیچھے صفیں بھی ہٹ گئیں حتی کہ ہم ہٹ گئے" مسلم نے فرمایا کہ ان کے استاد ابوبکر ابن ابی شیبہ نے فرمایا یعنی ہم عورتوں کی صف تک پیچھے ہٹ گئے، پھر حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ آگے بڑھ گئے حتی کہ حضور علیہ السلام اپنے پہلے مقام پر کھڑے ہوئے تو سورج روشن ہوگیا، پس انہوں نے کہا کہ راوی نے پوری حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا تمہیں جن امور کا وعدہ دیا گیا میں نے نماز میں ان سب چیزوں کو دیکھا ہے اور تحقیق میرے سامنے آگ (جہنم) پیش کیا گیا یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، اور واقعہ بیان کرتے ہوئے راوی نے کہا، پھر آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا اور یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا حتی کہ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس خیال سے کہ میں جنت کا پھل حاصل کروں (الحدیث مختصرًا)۔(ت)

اسی طرح جب ارباب باطن واصحاب مشاہدہ یہ نماز پڑھ کر بروجہ توسل عراق شریف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انوار وبرکات وفیوض وخیرات اس جانب مبارک سے باہزاراں جوش وہجوم پیہم آتے نظر آتے ہیں، یہ بیتابانہ ان خوشہائے انگور جنّات نور وباغات سرور کی طرف قدم شوق پر بڑھتے اور ان عزیز مہمانوں کے لئے رسم باجمال تلقی واستقبال بجالاتے ہیں، سبحان اللہ کیا جائے انکار ہے اس نیک بندے پر جو اپنے رب کی برکات وخیرات کی طرف مسارعت کرے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الکسوف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۷

ان جئتکم قاصدا اسعی علی بصری

لم اقض حقا وای الحق ادیت

(اگر میں تمہارے قصد سے آؤں تو آنکھوں کے بَل دوڑتا ہوا آؤں، تو حق ادا نہ کرسکوں اور کونسا حق ہے جو میں نے ادا کردیا ہے)

رہے ہم عامی جن کا حصہ یہی شقشقہ لسان واضطراب ارکان ہے وبس نسأل اللّٰه العفو والعافیة (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کاسوال کرتے ہیں۔ت) ہم اس امر جمیل میں اُن اہل بصائر کے طفیلی ہیں: ع

وللارض من کأس الکرام نصیب

(کریم حضرات کے پیالوں سے زمین کا بھی حصہ ہے)

جیسے نماز کے اس کے اکثر افعال واحکام ان سرار وحکم پر مبنی جو حقیقۃً صرف احوال سنیہ اہل قلوب پر منتبنی پھر عوام بھی صورت احکام میں ان کے مشارک مثلاً نماز[1] نہاری میں اخفاء واجب ہو اور لیلی[2] میں جہر کہ لیل آیت لطف ہے اور اس کی تجلی لطیف اور نہار آیت قہری ہے اور اس کی تجلی شدید پھر تجلی جہری سری سے بہت قوی وگرم تر، لہٰذا تعدیل کے لئے تجلی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلی رکھی گئی اور لطفی کے ساتھ گرم، [3]جمعہ و[4]عیدین میں باوجود نہاری حکم جہر ہوا کہ بوجہ کثرت حاضرین اُنس حاصل اور دہشت زائل اور قلب بوجہ شہود تجلی سے قدرے ذاہل بھی ہوگا، معہذا ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہو کر حجاب میں گونہ قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے ماہے یہ معالجہ مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اسے گلادے جیسے اطبّا، خطوط دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادرًا بغرض تمرین اسے علاج سمجھتے ہیں اور [5]کسوف میں گو جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اخفاء ہی رہا کہ وہ وقت تخویف و تجلی جلال اور وقفہ طویل ہے جہر نہ ہوسکے گا، اسی لئے ہمارے نزدیک [6]نماز جنازہ میں اصلاً قراءت نہیں کہ یہ ہیبت عظیم و تجلی جلال، تجلی شدید قرآنی سے جمع نہ ہو اور جو قراءت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت برشدت بڑھ جائے گی۔ شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنت الٰہیہ ہے تجلی شیئاً فشیئاً وارد کرتے اور ہر ثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلی گرم، نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی [8]اسی لئے ہر دو رکعت پر جلسہ طویلہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے، اور [9]نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد واجب ہوئی کہ لطف جمال سے حظ اٹھالے اور [10]پچھلی رکعتوں میں قراءت معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو اور [11]منفرد پر جہر واجب نہیں کہ بوجہ تنہائی دہشت وہیبت زیادہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اسے اس کے حال ووقت پر چھوڑنا مناسب [12]رکوع و[13]سجود میں قراءت قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلی، تجلی قیام سے سخت اشد، دوسری تجلی شدید قراءت مل کر

افراط ہوگی، نیز [14] قعود میں قراءت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لئے رکھا گیا تجلی قرآنی کی شدت مل کراسے مقصود سے خالی کردے گی [15] اسی لئے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلی قوی سے آرام لے کر تجلی اقوی کی طرف جائے ورنہ تاب نہ لائے گا [16] اسی بناپر بین السجدتین، اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلی سجدہ ثانیہ اور اشد واعظم ہوگی اشد براشد کی توالی سے بنیان بشری نہ منہدم ہوجائے۔ امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان میں نقل فرماتے ہیں:

انہ وقع لبعض تلامذۃ سیدی عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ سجد فصار یضمحل حتی صار قطرۃ ماء علی وجہ الارض فاخذھا سیدی عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بقطنۃ ودفنھا فی الارض وقال سبحن اللہ رجع الی اصلہ بالتجلی علیہ [1]۔	یعنی حضورپُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض مریدوں نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا، یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شے کانشان نہ رہا صرف ایک بوند پانی کی زمین پرپڑی رہ گئی حضورپرنور نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی اور فرمایا سبحٰن اللہ تجلی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

ع

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت

مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند

(قسمت دیکھ کہ عشق کی تلوار کے مقتول نے ایسی موت کو پایا جس کے لئے زندہ لوگ دعا کی آرزو کرتے ہیں)

سابعًا دیدہ انصاف بے غبار وصاف ہوتو احادیث صحیحہ سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ جہاں جانا چاہے اس طرف چند قدم قریب ہونا اور جہاں سے جدائی مقصود ہو اس سے کچھ گام دور ہونا بھی نافع وبکارآمد ہوتا ہے جب کمال قرب وبعد میسر نہ ہو۔ طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے بسند صحیح مستدرک میں برشرط شیخین ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شیئ یتکلم بہ ابن اٰدم فانہ مکتوب علیہ فاذاخطأ الخطیئۃ ثم احب ان یتوب الی اللہ عزوجل فلیأت بقعۃ	آدمی کاہر بول اس پر لکھا جاتا ہے توجوگناہ کرے پھر اللہ تعالٰی کی طرف توبہ کرنا چاہے اسے چاہئے بلند جگہ پر جائے اور اللہ تعالٰی کی طرف ہاتھ پھیلا کر

[1] المیزان الکبرٰی باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

مرتفعة فلیمدد یدیه الی الله ثم یقول اللھم انی اتوب الیك منها لاارجع الیها ابدا فانه یغفرله مالم یرجع فی عمله ذلک[1]۔	کہے الٰہی! میں اس گناہ سے تیری طرف رجوع لاتا ہوں، اب کبھی اُدھر عود نہ کروں گا، اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمادے گا جب تک اس گناہ کو پھر نہ کرے۔

توبہ کے لئے بلندی پر جانے کی یہی حکمت ہے کہ حتی الوسع موضع مصیبت سے بعد اور محل طاعت و منزل رحمت یعنی آسمان سے قرب حاصل ہو، جب سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ انتقال قریب آیا بَن میں تشریف رکھتے تھے اور ارض مقدسہ پر جبّارین کا قبضہ تھا وہاں تشریف لے جانا میسر نہ ہوا دعا فرمائی کہ اس پاک زمین سے مجھے ایک سنگ پرتاب قریب کردے۔ بخاری، مسلم، نسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ارسل ملك الموت الی موسی علیهما الصلٰوۃ والسلام (فذکر الحدیث الی ان قال) نسأل الله ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر[2]۔	موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف اللہ تعالٰی نے ملک الموت کو بھیجا، پس حدیث کو بیان کرتے یہاں تک بیان کیا کہ مجھے بیت المقدس کے اتنا قریب کردے جتنا کہ پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔(ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں دعائے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

نزدیک گردان مرا از ان اگرچہ بمقدار یک سنگ اندازہ باشد[3]۔	مجھے اس قدر نزدیک کردے اگرچہ ایک پتھر کا اندازہ ہو۔(ت)

ظاہر ہے کہ ہنگام حاجت سردست، عراق شریف کی حاضری متعذر، لہٰذا چند قدم اس ارض مقدسہ کی طرف چلنا ہی مقرر ہوا کہ مالایدرك كله لایترك كله ولله الحمد دقه وجلّه (جو مکمل حاصل نہ ہوسکے تو تو وہ مکمل چھوڑا بھی نہ جائے، اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی حمد ہے۔ت) رہی عدد یازدہ کی تخصیص، اس کی وجہ ظاہر کہ ان الله تعالٰی وتر یحب الوتر[4] (اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دعا قضاء الرین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۱۶

[2] صحیح بخاری باب وفات موسٰی علیہ السلام الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸۴، صحیح مسلم باب من فضائل موسٰی علیہ السلام مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۶۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الفتن باب بدء الخلق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۵۳

[4] جامع الترمذی ابواب الوتر مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۶۰، مسند احمد بن حنبل مروی از ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۱۰۹، ۱۵۵، ۲۵۸، ۲۶۶، ۲۷۷

دوست رکھتاہے) قالہ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ الامام احمد عن ابن عمر بسند صحیح والترمذی عن علی بسند حسن وابن ماجۃ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم اجمعین (یہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کاارشاد مبارک ہے، اس کو امام احمد نے عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیاہے اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ علی مرتضٰی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔ت) اور افضل الاوتار واول الاوتار، ایک ہے مگر یہاں تکثیر مطلوب اور اس کے ساتھ تیسیر بھی ملحوظ، لہٰذا یہ عدد مختار ہواکہ یہ افضل الاوتار کاپہلا ارتفاع ہے جو خود بھی وتراور مشابہت زوج سے بھی بعید کہ سواایک کے اس کے لئے کوئی کسر صحیح نہیں اور اس سے ایک گھٹادینے کے بعد بھی جوزوج حاصل ہوتاہے زوج محض ہے نہ زوج الازواج کہ اس کے دونوں حصص متساویہ، خود افراد ہیں بلکہ خلو مرتبہ پروہ بعینہٖ ایک ہے۔
شاہ ولی اللہ حجۃاللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

الشرع لم یخص عددًا الا لحکم ترجع الی اصول، الاول ان الوتر عدد مبارك لایجاوز عنه ماکان فیه کفایة، ثم الوتر علی مراتب، وتر یشبه الزوج کالتسعة والخمسة فانهما بعد اسقاط الواحد ینقسمان الی زوجین والتسعة وان لم تنقسم الی عددین متساوین فانها تنقسم الی ثلثه متساویة، وامام الاوتار الواحد وحیث اقتضت الحکمة ان یؤمر باکثرمنها اختار عددًا یحصل بالترفع کالواحد یترفع الی احد عشر[1] اھ ملتقطا۔	شرع شریف میں عدد کی تخصیص صرف ایسے حکم کے لئے کی جاتی جو کئی معانی کی طرف راجع ہوتاہے اول، یہ وتر ایسامبارک عدد ہے کہ اس سے تجاوز اس وقت تک جائز نہیں جبکہ اس وتر میں کفایت موجود ہے پھر وتر کے کئی اقسام ہیں، ایک وتر زوج کے مشابہ ہوتاہے جیساکہ نو اور پانچ کاعدد کہ یہ دونوں ایسے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک ایک کو ساقط کردیاجائے تو یہ دونوں برابر تقسیم ہوکر دو زوج بن جاتے ہیں، اور نو کا عدد خود اگرچہ دو جفت (زوج) پر تقسیم نہیں ہوتا مگر تین مساوی عددوں پر منقسم ہوتاہے، تمام وتروں کاامام (اصل) ایک کاعدد ہے اور حکمت کاتقاضا ہوتو زیادہ عدد کاتب حکم ہوتا کہ وہ عدد بڑھ کر واحد کی طرح ہوجائے مثلاً گیارہ ہوجائے اھ ملتقطا (ت)

[1] حجۃالبالغہ باب اسرار الاعداد والمقادیر مطبوعہ المکتبۃالسّلفیہ لاہور ۱/۱۰۰

اس کے بعد فقیر گدائے سرکار قادریہ غفراللہ لہ کل ذنب وخطیّہ، نے سرکار غوثیت مدار سے اس عدد مبارک کے اختصاص پر بعض دیگر نکات جمیلہ عظیمہ جلیلہ پائے ہیں کہ بتوفیق اللہ تعالٰی رسالہ مبارک ازھار الانوار من صبا صلوۃ الاسرار میں ذکر کئے یہاں اُن کا بیان زخمہ بر عود پیس گاواں

فمن شاء فلیرجع الی ذاك التحریر الانیق واللہ سبحنه ولی التوفیق وبیدہ ازمة التحقیق وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔	اگر کوئی چاہے تو اس صاف ستھری تحریر کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اللہ تعالٰی پاک ہے، اور مجھے توفیق ملی، جبکہ اللہ کے قبضہ میں ہی تحقیق کی لگام ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا محمد اور ان کی آل وصحابہ سب پر۔(ت)

بالجملہ اس نماز مقدس میں اصلاً کوئی محذور شرعی نہیں، اور خود کون ساطریقہ دیانت وانصاف ہے کہ جو امر حضور پرنور محی الملۃ، مقیم السنۃ، ملاذالعلماء، معاذ العرفاء، وارث الانبیاء، ولی اللہ، منبع الارشاد، مرجع الافراد، امام الائمہ، مالک الازمہ، کاشف الغمہ، ملجاالامہ، قطب الاعلم، غوثنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ (اللہ تعالٰی ان کی رضا کو دونوں جہان میں ہماری جان کا موتی بنائے۔ت) ارشاد فرمائیں اور حضور کے اصحاب اکابر انجاب قدست اسرارھم وتُمّمت انوارھم (ان کے اسرار مقدس اور ان کے انوار تام کئے جائیں۔ت) کہ بالیقین اعاظم علماء واجلہ کملا تھے اسے بجالائیں اور طبقۃً فطبقۃً اولیاء وعلمائے سلسلہ عالیہ قادریہ روح ارواح اصحابها واروی قلوبنا بناھل عبابها (اللہ تعالٰی ان کی ارواح کو معطر فرمائے اور ہمارے دلوں کو ان کے جاری چشموں سے سیراب فرمائے۔ت) اسے اپنا معمول بنائیں اور ثقات علماء وکبار اولیاء اپنی تصانیف میں اسے نقل وروایت کریں اجازتیں دیں اجازتیں لیں اور منکرین مکابرین کو اصلاً قدرت نہ ہو کہ آیت وحدیث توبڑی چیز ہے کہیں دوچار عمائد دین وفقہائے معتمدین ہی سے اس کار د وانکار بے اعانت کذب واختلاق ومکابرہ وشقاق ثابت کرسکیں ایسی جمیل چیز جلیل عزیز کو محض اپنی ہوائے نفسانی واصول بہتانی کی بناپر بلحاظ اصل مذہب شرک قطعی اور فاعلوں، مجوزوں کو معاذاللہ مشرک جہنمی اور بخوف اہل حق، تسہیل امر کو ہارے جی سے صرف فاسق بدعتی بتایئے اور انکار ارشاد سید الاولیاء وتضلیل وتفسیق علما وعرفا کا وبال عظیم، گردن پر اٹھایئے وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۝[1] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) اور حضرات منکرین کا یہ کہنا کہ صحابہ

[1] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

تابعین سے منقول نہیں، صحابہ محبت وتعظیم میں ہم سے زیادہ تھے، ثواب ہوتا تو وہی کرتے۔

اوّلًا وہی معمولی باتیں ہیں جن کے جواب علمائے اہلسنت کی طرف سے ہزار ہزار بار ہو چکے جسے آفتاب روشن پر اطلاع منظور ہو، ان کی تصانیف شریفہ کی طرف رجوع لائے، علی الخصوص کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" وکتاب لاجواب "اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" وغیرہما تصانیف لطیفہ وتالیف منیفہ حضرت تاج المحققین سراج المدققین حامی السنن ماحی الفتن بقیۃ السلف حجۃ الخلف فرد الاماثل فخر الاکابر وارث العلم کابرًا عن کابر، سیدی و والدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی اعظم اللہ اجرہ ونور قبرہ وقدس سرہ ورزقنا برہ واعطاہ المسرۃ ووقاہ المضرۃ وکل معرۃ بجاہ المصطفٰی والہ الشرفاعلیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثنا اٰمین اٰمین یااھل التقوی واھل المغفرۃ (اللہ تعالٰی ان کا اجر بڑا کرے، ان کی قبر کو منور کرے، ان کے اسرار مقدس بنائے، ان کی بھلائی ہمیں نصیب فرمائے اور ان کو سرور عطافرمائے، اور ان کو ہر ضرر و تکلیف سے محفوظ فرمائے، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اور ان کی آل کی وجاہت کی برکت سے علیہم الصلٰوۃ والسلام اے تقوی اور مغفرت والو!۔ت) اور فقیر غفراللہ تعالٰی بھی اس بحث اور اس کے امثال کو بروجہ اجمال، رسالہ اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" وغیرہما اپنے رسائل ومسائل میں بقدر کفایت منقح کرچکا والحمدللہ رب العٰلمین۔

ثانیًا یہاں تو ان جہالات کا کوئی محل ہی نہیں، یہ نماز ایک عمل ہے کہ قضائے حاجات کے لئے کیا جاتا ہے اور اعمال مشائخ میں تجدید واحداث کی ہمیشہ اجازت، شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہائے قرابادین را این فقیر رامعلوم شدہ است کہ در وقت صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن و چشم راباآں نور دوختن و یانور، را گفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ راقوت میدہد احادیث نفس رامی نشاند۔[1]	جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیسا کہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یانور ہزار بار تک پڑھنے سے قوت ملکیہ حاصل ہوتی ہے اور دل کی باتوں پر آگاہی ہوتی ہے۔(ت)

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

اسی میں ہے:

چندنواع از کرامت ازہیچ ولی الاماشاء اللہ منفک نمی شود ازانجملہ ظہورتاثیر دراعمال تصریفیہ اوتاعاملے بفیض اومنتفع شوند [1] اھ ملخصًا۔	چند کرامتیں ایسی ہیں جو کسی ولی سے جدانہیں ہو پاتیں جن میں ایک یہ کہ اس کے جاری اعمال ووظائف کی ایسی تاثیر جوان پر عمل پیرا کواس کے فیض سے نفع دیتی ہے اھ ملخصًا (ت)

خود شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہر گونہ حاجات کے لئے صدہااعمال بتائے کہ تازہ بنے تھے، جن کا پتا قرون ثلٰثہ میں اصلًا نہ تھا بعض ان مین سے فقیر نے اپنے رسالہ **منیرالعین فی حکم تقبیل الابھامین** میں ذکر کئے، اور خود ان کی "قول الجمیل" ایسی باتوں کی جائزو کفیل۔ جامع ترسنئے شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الباری کی سندیں اور اس کے اعمال کی اجازتیں اپنے استاذ علم حدیث مولانا ابوطاہر مدنی شیخ محمد سعید لاہوری مرحومین سے حاصل کیں **حیث قال**

ایں فقیر خرقہ از دست شیخ ابو طاہر کردی پوشیدہ وایشاں بعمل انچہ در جواہر خمسہ است اجازت دارند عن ابیہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ القشاشی عن الشیخ احمد الشناوی عن السید صبغۃ اللہ عن الشیخ محمد غوث الکوالیاری وایضاالبسا الشیخ ابو طاہر عن الشیخ احمد النخلی بسندہ [2] الی اخرہ، ایضاایں فقیر در سفر حج چوں بہ لاہور رسید ودست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت دعائے سیفی دادند بل اجازت	اس فقیر نے شیخ ابوطاہر کردی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا اور انہوں نے جواہر خمسہ کے تمام وظائف کی اجازت دی یہ اجازت ان کو اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے اور ان کو اپنے شیخ احمد قشاشی سے اور ان کو شیخ احمد شناوی اور ان کو سید صبغۃ اللہ سے ان کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے۔ نیز خرقہ پایا شیخ ابوطاہر نے احمد نخلی سے ان کی آخری سند تک۔ ؤاور نیز فقیر جب حج کے سفر میں لاہور پہنچا تو وہاں شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی کی توانہوں نے مجھے دعائے صیفی کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ انہوں نے ان تمام وظائف

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

[2] الانتباہ فی سلاسل اولیاء مترجم اردو طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

جمیع اعمال جواہر خمسہ وسند خود بیان کردند وایشاں دریں زمانہ یکی ازاں عیاں مشائخ طریقہ احسنیہ وشطاریہ بودند وچوں کسے را اجازت می دادند او رادعوت رجعت نمی شود رحمۃ اللہ تعالٰی ،سند قال الشیخ المعمر الثقۃ حاجی محمد سعید لاہوری اخذت الطریقۃ الشطاریۃ واعمال الجواہر الخمسۃ من السیفی وغیرہ عن الشیخ محمد اشرف لاہوری عن الشیخ عبد الملک عن الشیخ البایزید الثانی عن الشیخ وجیہ الدین الکجراتی عن الشیخ محمد غوث الکوالیاری انتہی[1]	واعمال کی اجازت دی جو جواہر خمسہ میں ہیں، اور انہوں نے اپنی سند بھی بیان کی اور آپ اس زمانہ کے مشائخ شطاریہ احسنیہ کے سلسلہ کے خاص بزرگوں میں سے تھے، اور جب آپ کسی کو اپنے سلسلہ کی اجازت دیتے تو پھر اس کو رجوع کی حاجت نہ رہتی (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے) سندیہ ہے شیخ بزرگ باوثوق حاجی محمد سعید لاہوری نے فرمایا کہ میں نے سلسلہ شطاریہ اور جواہر خمسہ کے وظائف واعمال سیفی وغیرہ، شیخ محمد اشرف لاہوری انہوں نے شیخ عبدالملک بایزید ثانی سے انہوں نے وجیہ الدین گجراتی انہوں نے شیخ محمد غوث گوالیاری سے حاصل کئے،انتہی (ت)

حضرات منکرین ذرامہربانی فرماکر جواہر خمسہ پر نظر ڈال لیں اور اس کے اعمال کا ثبوت وقرون ثلٰثہ سے دے دیں بلکہ اپنے اصول مذہب پراُن اعمال کو بدعت وشرک ہی سے بچالیں جن کے لئے شاہ ولی اللہ جیسے سنی، موحد، محدثانہ سند لیتے اور اپنے مشائخ حدیث وطریقت سے اجازت حاصل کرتے ہیں زیادہ نہ سہی یہی دعائے سیفی جس کی نسبت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ میں اپنے شیخ سے اخذ کی اور اجازت لی اسی کی ترکیب میں ملاحظہ ہو کہ جواہر خمسہ میں کیا لکھا ہے:

نادعلی ہفت بار یاسہ بار یایکبار بخواند وآں اینست نادعلیا مظہر العجائب تجدہ عونالك فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی[2]۔ **مسئلہ:** قال اللہ تعالٰی وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ	نادعلی سات بار یا تین بار یاایک بار پڑھو اور وہ یہ ہے: پکار علی کو جو عجائب کے مظہر ہیں تو ان کو اپنے مصائب میں مددگار پائے گا، ہرپریشانی اور غم ختم ہوگا آپ کی مدد سے یاعلی یاعلی یاعلی (ت) اور جب خدانے عہد لیا ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی اسے صاف بیان کردیں گے لوگوں سے

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء مترجم اردو طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۸

[2] فتوح الغیب ضمیمہ جواہر خمسہ مترجم اردو نادعلی کابیان مطبعہ دارالاشاعت کراچی ص ۴۵۳

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ [1]	اور چھپائیں گے نہیں۔

اب کیافرماتے ہیں علمائے ملت نجدیہ ھداھم اللہ تعالٰی الی الملۃ الحنفیۃ (اللہ تعالٰی ان کی حق کی طرف رجوع کرنے والی ملت کی طرف رہنمائی کرے) کہ جولوگ نادعلی پڑھیں، پڑھائیں، سیکھیں، اس کی سندیں دیں، اجازتیں لائیں، اس کے سلسلے کو سلاسل اولیاء اللہ میں داخل کرجائیں، اس کے حکم دینے والوں کو ولی کامل بتائیں اپنا شیخ ومرشد مرجع سلسلہ بتائیں، ان میں بعض کو بلفظ ثقہ واعیان مشائخ اوان کی ملاقات کو بکلمہ دستبوس تعبیر فرمائیں، انہوں نے غم ومصیبت ورنج وآفت کے وقت یا علی یا علی کہنار وار کھا یا نہیں اور اسے ورد وظیفہ بنایا یا نہیں اور غیر خدا کو خدا کا شریک فی العلم وشریک فی التصرف ٹھہرایا یانہیں اور وہ اس سبب سے مشرک کافر، بے ایمان، جہنمی ہوئے یا نہیں پھر جوایسوں کو اپنا پیر جانیں عالم اُمت، حامی سنت وقطب زماں ومرشد دوراں مانیں (جیسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب) انہیں مقتدائے دین وپیشوائے مسلمین بتائیں ان کے علم وافضال وعرفان وکمال پر سچے دل سے ایمان لائیں (جیسے تمام اصاغر واکابر حضرات وہابیہ) انہیں سید الحکما سید العلماو قطب المحققین، فخر العرفاء المکملین، اعلمہم باللہ وقبلہ ارباب تحقیق وکعبہ اصحاب تدقیق وقدوۃ اولیاو زبدۂ ارباب صفا، بلکہ امام معصوم وصاحب وحی تشریعی ٹھہرائیں (جیسے میاں اسمٰعیل دہلوی) ان سب صاحبوں کی نسبت کیا حکم ہے یہ حضرات ایک مشرک شرک جوشرک پسند، شرک آموز کو پیر وپیشوا وامام ومقتدا بنا کر سید العلماء ومقبول خدا بتا کر خود بھی کافر ومشرک ومستحق عذاب الیم ومہلک ہوئے یانہیں اوران پر بھی مسئلہ الرضاء بالکفر کفر (کفر پر رضامندی کفر ہے۔) ومسئلہ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور اس کے عذاب پر شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ت) وحکم آیہ کریمہ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ [2] (تم میں سے جوجس سے محبت کرتاہے وہ انہیں میں سے ہوگا۔ت) وحدیث صحیح، **المرء مع من احب** [3] (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتاہے۔ت) جاری ہوگا یانہیں، بیّنوا توجروا۔ خیر، یہ توجملہ معترضہ تھا پھر اصل مبحث یعنی دربارۂ اعمال تجدید واختراع کی طرف چلئے، یہی شاہ ولی اللہ صاحب اسی انتباہ میں قضائے حاجات کے لئے ختم خواجگان چشت قدست اسرارہم کی ترکیب بتاتے اوراس کے آخر میں یوں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۳/ ۱۸۷

[2] القرآن ۵/۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱

وہ مرتبہ درود بخواند ختم کنند وبرقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت ازخدائے تعالٰی سوال نمایند ہمیں طور ہرروز میخوانده باشندہ اِن شاء اللہ درایام معدودہ مقصود بحصول انجامد[1]۔	دس مرتبہ درودشریف پڑھ کر ختم دیں اور کچھ شیرینی پرخواجگان چشت کے نماز کی فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالٰی سے اپنی حاجت کاسوال کریں، یہ عمل روزانہ کریں ان شاء اللہ چندروز میں مقصود حاصل ہوجائے گا۔(ت)

مرزامظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

دعائے حزب البحر وظیفہ صبح وشام وختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہرروز بجہت حل مشکلات باید خواند[2]۔	حزب البحر شریف کاوظیفہ صبح وشام اور روزانہ خواجگان (قدس اسرارہم) کاختم مشکلات کے حل کے لئے پڑھیں۔(ت)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

ختم خواجہا رضی اللہ تعالٰی عنہم وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہرروز بعد حلقہ صبح لازم گیرید[3]۔	ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد صاحب (رضی اللہ تعالٰی عنہم) صبح حلقہ ذکر کے بعد ضروری کریں۔(ت)

مکتوب آخر میں کہتے ہیں:

ختم حضرت خواجہا وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہم نیزاگر یاراں جمع آیند بعد از حلقہ صبح براں مواظبت نمایند کہ از معمولات مشائخ ست وفائدہ بسیار وبرکت بے شمار دارد[4]۔	ختم خواجگان وختم حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہم صبح کے حلقہ ذکر کے بعد پابندی سے کریں کیونکہ یہ مشائخ کے معمولات میں سے ہے بہت مفید اور بابرکت ہے۔(ت)

اور مرزاصاحب موصوف کے معمولات مسمّی بہ معمولات مظہری سے اس کی ترکیب یوں منقول:

اول دست برداشتہ سورہ فاتحہ یکبار بخواند[5] الخ	پہلے ہاتھ اٹھا کر ایک بار سورہ فاتحہ پڑھیں الخ (ت)

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ذکر طریقہ ختم خواجگان چشت مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۰۰

[2] ملفوظات مرزامظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴

[3] مکتوبات از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مکتوب بست وہشتم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱ و ۴۲

[4] ملفوظات از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات نصائح ووصایا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲

[5] معمولات مظہری حاشیہ برعبارت مذکورہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲

اخیر میں لکھا:

بعدازاں ازجناب خدائے عزوجل حصول مطالب بتوسل ایں بزرگواراں باید خواست وتاسرانجام مقصود مداومت باید نمود[1] الخ	اس کے بعد اللہ تعالٰی سے اپنی حاجت کے حصول کے لئے ان بزرگوں کے توسل سے دعا کرنی چاہئے تاکہ انجام میں دائمی طورپر مقصد ظاہر ہوجائے الخ (ت)

ان صاحبوں سے کوئی نہیں کہتا کہ یہ طریقے قرون ثلٰثہ میں کہاں منقول ہیں، ان میں کچھ ثواب یا تقرب الی اللہ کی امید ہوتی توصحابہ ہی بجالاتے اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فاتحہ شیرینی پر دلاتے والحمدللہ علی وضوح الحق (حق کے واضح ہونے پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ت)

ثالثاً خیر صلوٰۃ الاسرار شریف تو ایک عمل لطیف ہے کہ مبارک بندہ اپنے حصول اغراض ودفع اعراض کے لئے پڑھتا ہے مزاج پرسی ان حضرات کی ہے جو خاص امور ثواب وتقرب رب الارباب میں جو محض اسی نیت سے کئے جاتے ہیں ہمیشہ تجدید واختراع کو جائز مانتے اور ان محدثات کوذریعہ وصول الی اللہ جانتے ہیں وہ کون، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ مجدد الف ثانی، مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی خرم علی بلہوری وغیرہم جنہیں منکرین بدعتی وگمراہ کہیں توکس کے ہوکر رہیں، خود شاہ ولی اللہ قوال الجمیل میں اپنے اور اپنے پیران مشائخ کے آداب طریقت واشغالِ ریاضت کی نسبت صاف لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولاتلك الاشغال[2]۔	یہ خاص آداب واشغال نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئے۔(ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں: اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات وہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے[3] (الٰی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے[4] انتہی بترجمۃ البلھوری۔ مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین اسے نقل کرکے لکھتے ہیں: یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یاداخل دعات سیہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ کم فہم سمجھتے ہیں[5] انتہی۔

---

[1] معمولات مظہری از مجموعہ کلمات طیبات حاشیہ برعبارت مذکور نصائح ووصایا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲
[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل گیارہویں فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳
[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱
[4] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲
[5] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

اور سنئے اسی قول الجمیل میں اشغال مشائخ نقشبندیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم میں تصور شیخ کی ترکیب لکھی کہ:

ثالثھا الرابطة بشیخة فاذا صحبه خلی نفسه من کل شیئ الامحبته وینتظر لمایفیض منه واذا غاب الشیخ عنه یخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته [1] اھ ملخصاً۔	یعنی تیسرا طریقہ وصول الی اللہ کا رابطہ شیخ ہے جب شیخ کی صحبت میں ہو تو اپنا دل اس کی محبت کے سواہر چیز سے خالی کرے اور فیض کا منتظر ہو اور جب شیخ غائب ہوتو اس کی صورت اپنے پیش نظر محبت و تعظیم کے ساتھ تصور کرے جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ صورت دے گی اھ ملخصا (ت)

شفاء العلیل میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا حق یہ ہے کہ "سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب ہے" [2] انتھی۔ اب کون کہے کہ یہ وہی راہ ہے جسے آپ کے سچے معتقدین ٹھیٹ بت پرستی بتائیں گے، مرزا صاحب نے اگرچہ کتاب وسنت کو طرق حادثہ سے افضل مانا اور بے شک ایسا ہی ہے مگران کے بھی مباح ومفید ہونے کی تصریح فرمائی، مکتوب ۱۱ میں لکھتے ہیں:

ذکر جہر باکیفیات مخصوصہ ونیز مراقبات باطوار معمولہ کہ درقرون متاخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند وشرع ازاں ساکت ست ودائرہ اباحت وفائدہائے دراں متحقق وانکار آں ضرورنے [3]۔	آخری زمانہ جو ذکر بالجہر مخصوص کیفیت کے ساتھ ہورہا ہے نیز مراقبات جن کا عمل جاری ہے یہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں بلکہ یہ مشائخ کرام نے بطور الہام مبدء فیاض سے پایا ہے اور شریعت اس کے منع پر خاموش ہے لہذا یہ دائرہ اباحت میں داخل ہے اس میں فائدہ ہے اس کا انکار ضروری نہیں۔ (ت)

اور سنئے مکتوب ۱۶ میں ہے:

اگرچہ از مصحف مجید فال زدن درحدیث شریف نیامدہ	اگرچہ نیک فال قرآن مجید سے نکالنا حدیث شریف میں

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل چھٹی فصل طریقہ مراقبہ بسیط مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰۔۸۱

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل چھٹی فصل طریقہ مراقبہ بسیط مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰

[3] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

اما ممنوع ہم نیست اگر کسی عـــہ زند مضائقہ ندارد[1]۔	مذکور نہیں لیکن ممنوع بھی نہیں، اگر کوئی نکالے تو مضائقہ نہیں۔(ت)

انہیں کے ملفوظات میں ہے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ طریقہ نوبیان نمودہ ومقامات وکمالات طریقہ خود بسیار تحریر فرمودہ ودراں مقامات ہیچ شبہ نیست کہ باقرار ہزاراں علماء عقلاء بتواترہ رسیدہ[2] اھ ملخصًا	حضرت مجدد صاحب نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اپنے طریقہ کے کمالات ومقامات کو خوب بیان فرمایا ہے، ان مقامات میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ ہزاروں علماء وعقلاء نے اس کی تصدیق فرمائی ہے جو تواتر کو پہنچی ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند ودر تحقیق اسرار معرفت طرز خاص دارند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع ازند در علم ظاہر و باطن وعلم نوبیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند[3] اھ ملخصًا	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے جدید طریقہ بیان فرمایا ہے وہ معرفت کے اسرار کی تحقیق میں خاص طرز رکھتے ہیں اور یہ ان چند محقق صوفیوں میں سے ہیں جنہوں نے ظاہری وباطنی علوم جمع فرمائے اور نئے علوم بیان کئے ہیں ایسے چند بزرگ ہوئے ہیں اھ ملخصًا (ت)

عـــہ: اقول: یہ جناب مرزا صاحب کا خیال تھا، صحیح یہ ہے کہ قرآن عظیم سے فال کھولنا منع ہے، حدیقہ ندیہ میں ہے:

قال والدی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علی شرح الدرر وفی کتاب التحفۃ اخذ الفال من المصحف مکروہ کذاذکرہ القھستانی یعنی کراھۃ التحریم الخ ۱۲منہ دام ظلہ(م)	میرے والد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا درر کی شرح میں اور کتاب التحفہ میں ہے کہ قرآن پاک سے فال نکالنا مکروہ ہے، قہستانی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے یعنی مکروہ تحریمہ ہے الخ ۱۲منہ دام ظلہ (ت)

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب شصت ویکم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۶

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں ز مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۰

[3] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں ز مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳و۸۴

میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

ترجمہ	فارسی
ہر وقت کے مناسب وظائف اور ہر زمانہ کے لائق ریاضتیں جداجدا ہیں لہٰذا ہر زمانہ کے محققین نے ہر سلسلہ کے اکابرین سے نئے وظائف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس بناپر میں نے مصلحت دیکھی کہ وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کا ایک باب نئے وظائف و اعمال میں جو اس وقت کے مناسب ہوں، کے لئے معین کروں ا ھ الخ	اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضات ملائمہ ہر قرن جداجدا می باشند ولہٰذا محققاں ہر وقت ازاکابر ہر طرق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعیین کردہ شود [1] الخ

اب خدا جانے یہ حضرات بدعتی کیوں نہ ہوئے اور انہیں خاص ان امور دینیہ میں جو محض تقرب الی اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں نئی نئی باتیں جو قرآن میں حدیث میں نہ صحابہ میں نہ تابعین میں، نکالنی اور عمل میں لانی اور ان سے امید وصول الی اللہ رکھنی، کس نے جائز کی۔

ترجمہ	عربی
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس سے کوئی علمی بات پوچھی جائے وہ اسے چھپائے اللہ تعالٰی روز قیامت اسے آگ کی لگام دے گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی نے تحسین کی۔ نسائی، ابن ماجہ، حاکم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے صحیح روایت کیا۔ (ت)	**مسئلہ:** قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ یوم القیمۃ بالجام من نار [2] اخرجہ احمدوابوداود والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اب کیافرماتے ہیں علمائے ملت اسمٰعیلیہ ھدٰھم اللہ تعالٰی الی الشریعۃ الحقۃ الابراھیمیۃ (اللہ تعالٰی شریعت حقہ ابراہیمیہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے۔ت) کہ دین خدا میں ایسی نئی نئی باتیں نکالنا اور یہ اقرار کرکے کہ کتاب وسنت سے اس کا ثبوت نہیں ان پر عمل کرنا اور انہیں موجب ثواب وقرب رب الارباب سمجھنا بدعت سیئہ تشیعہ ہے یا نہیں، اور یہاں حدیث من احدث فی امرنا مالیس منہ فھو

[1] صراط مستقیم قبیل باب اول مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۷

[2] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ منع العلم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹، جامع الترمذی باب ماجاء فی کتمان العلم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۸۹، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۴۴، ۳۰۵، ۳۵۳، ۴۵۹

رد[1] (جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ت) **وحدیث کل بدعۃ ضلالۃ**[2] (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) **وکل ضلالۃ فی النار**[3] (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ت)وحدیث **شرالامور محدثاتھا**[4] سب سے بری بات نئے امور ہیں۔ت) وحدیث **اصحاب البدع کلاب اھل النار**[5] (بدعت والے جہنم کے کتے ہیں۔ت) وارد ہوں گی یا نہیں، اور جن صاحبوں نے یہ باتیں ایجاد فرمائیں آپ کیں، اوروں سے کرائیں، کتابوں میں لکھیں، زبانی بتائیں، حسب تصریح تقویۃ الایمان ان کے اصل ایمان میں خلل آیا یا نہیں، اور وہ بدعتی، فاسق، مخالف سنت قرار پائے یا نہیں، اور ان سے کہا جائے گا یا نہیں کہ صحابہ وحسنات پر تم سے زیادہ حریص تھے بھلائی ہوتی تو وہی کر جاتے، اور میاں بشیر قنوجی یہاں بھی ہیأت عبادات کو توقیفی بتائیں گے یا نہیں، پھر جو لوگ ان صاحبوں کو امام وپیشوا جانتے اور ان کی مدح وستائش میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں (جیسے شاہ ولی اللہ مداح ومعتقد مرزا مظہر صاحب اور شاہ عبدالعزیز وصّاف ومرید شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل غلام وبادخوان ہر دو شاہ صاحب اور تمام حضرات وہابیہ مداحین ومتعقدین جمیع صاحبان مذکورین) ان سب کے بارے میں کیا حکم ہے، آیا بحکم حدیث **من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام**[6] (جس نے بدعت والے کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔ت) یہ سب کے سب قصر اسلام کے ڈھانے والے ہوئے یا نہیں، یا یہ احکام صرف مجلس میلاد

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلح مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۱، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۷۷،السنن الکبرٰی کتاب آداب القاضی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/۱۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۸۵، سنن ابن ماجہ باب اجتناب البدع والجدل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶

[3] در منثور تحت آیۃ من یہدی اللہ فھو المھتدی مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۳/۱۴۷

[4] صحیح مسلم کتاب الجمعہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۲۸۵، مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، فصل اول مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

[5] کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۰۹۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸

[6] مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام والسنۃ فصل سوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱، کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۹

وغیرہ انہیں امور کے لئے ہیں جن میں محبوبان خدا کی محبت و تعظیم ہو باقی سب حلال وطیب، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے کہ تصور برزخ کو اتنا پسند کیا کہ اسے سب سے زیادہ قریب تر راستہ خدا کا بتایا اور مولوی خرم علی صاحب نے اسے نقل کرکے مسلم، رکھا یہ دونوں صاحب مع اصل کاتب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب پھر ان صاحبوں کے معتقدین ومداح سب کے سب مشرک وشرک پرست ٹھہرے یا نہیں، یا یہ حضرات احکام شرع س مستثنٰی ہیں، اور تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان وغیرہما کی آیتیں حدیثیں صرف مؤمنین اہل سنت کو جو خاندان عزیزی سے نہ ہوں معاذاللہ مشرک بدعتی بنانے کے لئے اتری ہیں، **بیینوا توجروا**۔ **سبحان اللہ** ان صاحبوں کے یہ احداث واختراع سب مقبول ہوں، اور ناجائز وبدعت ٹھہرے تو وہ نماز جو حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قضائے حاجات کے لئے ارشاد فرمائی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھ راستہ کہاں سے کہاں تک ٹیڑھا ہے)

حق جل علا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور اپنے محبوبوں کی جانب میں معاذاللہ بدعقیدہ نہ کرے خصوصًا حضور سید المحبوبین مطلوب المطلوبین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم اجمعین آمین۔ یہ ہے جو اس گدائے سرکار فیضبار قادریہ پر برکات ونعمات حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فائض ہوا، ع

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

گدائے بے نوا فقیر ناسزا اپنے تاجدار عظیم الجو عمیم العطاکے لطف بے منت وکرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحسن عاقبت کے ساتھ دار ناپائدار سے رخصت ہوتے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتول زہرا کے لخت جگر، علی مرتضٰی کے نور نظر، حسن وحسین کے قرۂ بصر، محی سنت ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم یعنی حضور غوث صمدانی قطب ربانی واہب الآمال ومعطی الامانی حضور پرنور غوث اعظم قطب عالم محی الدین ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع واطاعت پر جائے او جس دن یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ج[1] (جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ت) کا ظہور ہو یہ سراپا گناہ زیر لوائے بیکس پناہ سرکار قادریت ظل آلہ جگہ پائے،

[1] القرآن ۱۷/۷۱

فان ذلك علی اللّٰه یسیر ان اللّٰه علی کل شیئ قدیر بحمد اللّٰه وقع الفراغ من تسویدہ لثمان خلون للقمر الزاھر من شھرسیّدنا الغوث الفاخر اعنی شھرربیع الاٰخر فی ثلثة مجالس من ثلث غدوات وعام الف وثلث مائة وخمس من ھجرة سید الکائنات علیه وعلٰی اٰله وابنه الوارث لمجدہ وکماله افضل الصلوات واکمل تسلیمات وازکی التحیات وانمی البرکات اٰمین اٰمین والحمدللّٰه رب العٰلمین واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پس بیشک یہ اللہ تعالٰی کے لئے آسان ہے اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے، بحمداللہ تعالٰی اس رسالہ کے مسودہ سے ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو فراغت ہوئی یہ مسودہ تین دن کی تین مجلسوں میں تیار ہوا۔ سید الکائنات پر ان کی آل پر اور آپ کے بیٹے جو آپ کی بزرگی اور کمال کے وارث ہیں پر افضل درود اور کامل سلام اور پاکیزہ تعریفیں اور بڑی برکات ہوں آمین آمین اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اللہ سبحانہ، وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم بڑا ہے اور اس کی بزرگی مضبوط اور تام ہے۔ (ت)

ازھار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

(صلٰوۃ الاسرار کی باد صبا سے غنچوں کے پھول)

(نماز غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

شکرالك یامن بالتوسل الیه یغفر کثرالذنوب، وحمدا لك یامن بالتوکل علیه یجبر کسر القلوب، اسألك ان تصلی وتسلم وتبارك علی سراج افقك، وملجأ خلقك، وافضل قائم بحقك، المبعوث بیتیسرك ورفقك، رحمة للعٰلمین، و شفیعا للمذنبین، و امانا للخائفین، و یسرًا للبائسین (سخت حاجت مند ۱۲)، وبشری للاٰئسین (ناامیداں ۱۲)، محمدن النبی الرؤف الرحیم، الجواد الکریم، العلی العلیم، الغنی الحی الحکیم الحلیم، ومصحح الحسنات، مقیل العثرات، قاضی الحاجات،	تیرا شکر ہے اے ایسی ذات جس کی طرف وسیلہ پیش کرنے سے کثیر گناہ معاف ہوتے ہیں اور تیری حمد ہے اے وہ ذات کہ جس پر توکل سے شکستہ دلی ختم ہوجاتی ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ رحمت، سلامتی اور برکتیں نازل فرما اس پر جو تیری کائنات کا چراغ اور تیری مخلوق کا ملجا اور تیرے حق کے لئے قائم لوگوں سے افضل اور تیری سہولت اور مہربانی لے کر مبعوث ہونے والے رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین اور ڈرنے والوں کے لئے امان اور حاجت مندوں کی سہولت اور ناامید ہونے والوں کے لئے بشارت رؤف، رحیم نبی، کرم والے سخی، بلند مرتبہ، بڑے علم والے، غنی، تابندہ حکمت والے، بردبار، نیکیوں کو بنانے والے، غلطیوں کو مٹانے والے، حاجتوں کو پورا کرنے والے، مرادیں

واهب المرادات، صلی الله تعالٰی علیه وعلٰی اٰله الطاهرین، واصحابه الظاهرین وازواجه الطیبات امهات المؤمنین، واولیاء امته الکاملین العارفین، وامناء ملته الراشدین المرشدین، لاسیما علی هذا الفرد الفرید، الغوث المجید، الغیث المجید، واهب النعم، سالب النقم، کاسب العدم، صاحب القدم جود الجود وکرم الکرم، ملاذالعرب ومعاذ العجم، مناح العطایا، مناع الرزایا، القطب الربانی، الغوث الصمدانی، سیدنا ومولٰنا ابی محمد عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی، رضی الله تعالٰی عنه و ارضاه، وجعل حرزنا فی الدارین، اٰمین اٰمین، یاارحم الراحمین، واشهدان محمدًا عبده ورسوله بالرحمة ارسله، صلوات الله وسلامه علیه، وعلی کل محبوب ومرضی لدیه، امابعد فقدسألنی الفاضل الکامل، جمیل الشمائل، جامع الفضائل، والفخر الجسیم، والشرف العظیم، مولانا الشاه محمد ابراہیم القادری المدراسی الحیدراٰبادی، جعله الله من اولی الایادی، وحفظه من شرالعادی، اجازة الصلٰوة الغوثیة، المبارکة المرضیة، المعروف عندنا بصلٰوة الاسرار، المجربة مرارالقضاء الاوطار، ودفع الاشرار، تحسین ظن منه بهذا العبد	بَرلانے والے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ والطاہرین اور حق کوظاہر کرنے والے صحابہ اور اس کی پاک ازواج پرجو مومنین کی مائیں ہیں اور اس کے کامل، عارف اولیاء امت ہدایت یافتہ، رہنما، اس کی امت کے امینوں پر خصوصًا ایسی یکتا، منفرد، غوث بزرگی والے، برکت دینے والی بارش، انعامات دینے والے، محروموں کوبنانے والے، تسلط والے، سخیوں کے سخی، کریموں کے کریم، عرب وعجم کی جائے پناہ، عطیات دینے اور مصیبتوں کودفع کرنے والے، قطب ربانی، خدائی مدد، ہمارے آقا ومولٰی ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی پر رضی اللہ عنہم اور جس کو وہ راضی کرے، اور اس کو دونوں جہانوں میں ہمارے لئے محفوظ خزانہ بنائے آمین آمین، یاارحم الراحمین، اور میں گواہ ہوں کہ اللہ تعالٰی وحدہ، لاشریک ہے اور گواہ ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اس کے خاص رسول ہیں جن کو اس نے رحمت بنا کر بھیجاہے اس پراللہ کی رحمتیں اور سلام ہو اور ہراس پر جواس کامحبوب اور پسندیدہ ہو۔ امابعد کامل فاضل، اچھے اخلاق والے، فضائل کے جامع، بڑے فخر، عظیم شرف والے، مولانا شاہ محمدابراہیم قادری مدراسی حیدرآبادی (اللہ تعالٰی ان کو صاحب قوت بنائے اور ان کو دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے) نے مجھ سے "صلٰوۃ غوثیہ" مبارکہ پسندیدہ جوکہ ہمارے ہاں "صلٰوۃ الاسرار" کے نام سے معروف ہے کی جازت طلب کی، یہ صلٰوۃ الاسرار قضائے حاجت اور دفع شر کے لئے بارہا مجرب ہے، انہوں نے مجھ فقیر، حقیر، اپنے نفس پر ظلم

الظلام، الکثیر الاثام، الفقیر الاذل، الحقیر الارذل، عبدالمصطفٰی احمدرضا، المحمدی السنی الحنفی، القادری البرکاتی البریلوی، لطف الله به، وعفا عن ذنبه، واصلح عمله، وحقق امله، مع انی لست هنالک، ولا اهلا لذلک، لکنی اجبته بالانقیاد، واجزته بالمراد، رجاء البرکة لی وله فی الدنیا والأخرة، ان ربنا تعالٰی هواهل التقوی واهل المغفرة، کما اجازنی بها سیدی ومولای، وسندی ومأوای، شیخی ومرشدی،وکنزی وذخری لیومی وغدی، تاج الکاملین،سراج الواصلین، حضرة السیدالشاه اٰل الرسول الاحمدی، المارهری، رضی الله تعالٰی عنه بالرضی السرمدی، بحق روایته لها واجازته بها عن شیخه الاجل، وعمه الابجل، الامام الاکمل، والکرم الاشمل، والقمر الاجمه، فرد عصره، وقطب دهره، ذی الفیض العظیم، و الفضل المبین، حضرة ابی الفضل شمس الملة و الدین، السید الشاه اٰل احمد اچھے میان المارهری، رضی الله تعالٰی عنه بالرضوان لابدی، عن ابیه العرّیف، النبیه الغطریف، البحر الطمطام، والحبر الصمصام، ذی الفناء والبقاء، والوصول وللقاء، حضرة السید الشاه حمزة العینی المارهری علیه الرضوان الدائم العلی القوی، بسنده المسلسل کابرا	کرنے والے، نہایت گنہگار، عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے یہ سوال کیا (اللہ تعالٰی ان پر مہربانی فرمائے اور ان کو معاف فرمائے اور ان کے اعمال کو درست فرمائے) حالانکہ میں اس قابل نہیں ہوں اور نہ ہی اس کااہل ہوں لیکن ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہ دنیاوآخرت میں ہم دونوں کے لئے باعث برکت ہو (تقوی اور مغفرت کامالک صرف اللہ تعالٰی ہی ہے) (ان کو میری طرف سے اجازت ہے جیسا کہ مجھے میرے آقا، مولٰی، جائے اعتماد، مأوٰی، اور میرے شیخ، مرشد، سہارا، خزانہ اور میرے آج اور کل کے لئے ذخیرہ اور کاملین کے تاج، واصلین کے چراغ، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی، رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے اجازت دی جیسا کہ ان کو روایت اور اجازت ملی، ان کے عظیم شیخ اور ان کے بزرگوار چچا، کامل امام، وسیع کرم، خوبصورت چاند، اپنے زمانہ کے منفرد اور قطب، عظیم فیض اور واضح فضیلت، حضرت ابوالفضل، ملت اور دین کے سورج، سیدشاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی، رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور ان کو اپنے والد گرامی عارف کامل، مضبوط فہم، بحر بیکراں، پختہ ماہر، صاحب بقاء وفناء، صاحب وصول وحضور، حضرت شاہ حمزہ عینی مارہروی (ان پر اللہ تعالٰی کی دائمی رضا) سے، اسلاف دراسلاف سے ان کی مسلسل، سند سے، جوان کو بلند دربار، مضبوط چوکھٹ، مخلوق کے مرجع، دربار قادریہ (وہاں کے رہنے والوں اور وہاں کے

عن کار، عن الحضرة الرفیعة، والسدة المنیعة، مرجع البریة، الحضرة القادریة، علی حضارھا وخدامھا رضوان القادر، فان اصلھا ماثور بطرق عدیدة، عن الحضرة المجیدة، کماذکرہ العلماء منھم الامام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر عــہ اللخمی الصوفی الشطنوفی فی بھجة الاسرار، و الامام الاجل عبدالله بن الاسعد الیافعی الشافعی، والفاضل علی بن سلطان محمدالقاری الھروی المکی، والشیخ المحقق شیخ	خدام پر الله تعالٰی کی رضاہو) سے حاصل ہوئی کیونکہ "صلوٰۃ الاسرار"کا ثبوت متعدد طرق سے منقول ہے برگزیدہ دربار سے جیسا کہ اس کو بہت سے علماء نے ذکرفرمایاہے جن میں امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی صوفی شطنوفی نے بہجۃ الاسرار میں، اور امام اجل عبدالله بن اسعد یافعی شافعی و فاضل علی بن سلطان محمدالقاری الہروی المکی اور شیخ محقق علماء ہند کے شیوخ کے شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی وغیرہم رحمۃالله

عــہ: یجب ان یعلم انه لیس بابن جھضم الذی تکلم فیه الذھبی علی دابه مع الصوفیة الکرام فی"المیزان"فانه مقدم علی سیدنا الغوث رضی الله تعالٰی عنه بزمان وھذا معاصر الذھبی وبینه وبین سیدنا واسطتان صحب المولی اباصالح قاضی القضاة نصرا صحب اباہ سیدی عبدالرزاق صحب اباہ سیدنا الغوث الاعظم رضی الله تعالٰی عنھم وقد وصفه الذھبی نفسه فی"طبقات القراء"بالامام الاوحد وکذلك الامام الجلال السیوطی فی"حسن المحاضرة"اما نسبة الذھبی کتاب بھجة الاسرار الی ذلك فان کان له ایضا کتاب اسمه ھذا فذاك والاشتباہ عظیم واجب التنبیه ۱۲ (م)

یاد رہے کہ یہ ابن جھضم نہیں ہے جن کے اولیاء کرام کے بارے میں خصوصی نظریات پر ذہبی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ وہ غوث اعظم سے بہت پہلے کے ہیں یہ امام ذہبی کے معاصر ہے جب کہ ان کے اور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، انہوں نے قاضی القضاء نصر کی انہوں نے اپنے والد محترم نے حضرت عبدالرزاق کی انہوں نے اپنے والد حضرت غوث اعظم کی صحبت پائی جن کو خود امام ذہبی نے طبقات القراءِ میں ذکر فرمایا اور امام سیوطی نے بھی حسن المحاضرہ میں ذکر کیا، امام ذہبی کے ابن جھضم کی طرف کتاب بہجۃالاسرار کو منسوب کرنا جب درست ہوگا جب اس نام کی کوئی کتاب ان کی ہو ورنہ یہ نسبت درست نہیں ہے بلکہ ان کو اشتباہ ہوا ہے۔(ت)

اشیوخ علماء ھند عبدالحق بن سیف الدین المحدث الدھلوی وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی عیھم اجمعین انہ قال سیدنا ومولٰنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ من توسل بی فی شدۃ فرجت عنہ ومن استغاث بی فی حاجۃ قضیت لہ ومن صلی بعد المغرب رکعتین ثم یصلی ویسلم علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یخطوا الی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ یذکر فیھا اسمی قضی اللہ تعالٰی حاجتہ[1] ۔**قلت** وفرجت وقضیت تحتملان صیغۃ المجھول لواحدۃ غائبۃ، وصیغۃ المعلوم للواحد المتکلم وعلی ھذہ ترجمۃ الشاہ ابی المعالی رحمہ اللہ تعالٰی فی التحفۃ القادریۃ، وایاما کان فالحاصل واحد، اولٰھما تحتمل الحقیقۃ الباطنۃ الذاتیۃ عــہ۱ والظاھرۃ عــہ۲ المستفادۃ،	علیہم اجمعین سے منقول کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت میں میرا وسیلہ دیا تو اس کی مصیبت ختم ہوگی، اور جس نے اپنی حاجت کے لئے مجھ سے مدد مانگی تو اس کی حاجت پوری ہوگی، اور جس نے نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر صلٰوۃ وسلام پڑھا اور پھر عراق کی جانب گیارہ قدم میرا نام کہتے ہوئے چلا تو اللہ تعالٰی اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا۔**قلت** "**فرجت**" اور "**قضیت**" دونوں صیغے، واحد غیب مونث مجہول اور واحد متکلم معلوم بن سکتے ہیں، اور شاہ ابوالمعالی نے "تحفہ قادریہ" میں واحد متکلم معلوم کا ترجمہ فرمایا ہے (یعنی میں اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کروں گا) بہرحال جو بھی صیغہ ہو ماحصل ایک ہے کیونکہ پہلا صیغہ ہو تو یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ذاتی باطنی حقیقت کا احتمال ہے جبکہ دوسرا

عــہ۱: وھی التی تثبت بالذات من دون عطاء ولاالاستناد الی جعل وھذا مختص بصفات اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فحسب ۱۲(م)

یہ بالذات ثابت ہے عطاء اور جعل کی طرف منسوب نہیں، اور یہ صرف اللہ تعالٰی کی صفات سے مختص ہے اور بس ۱۲۔ (ت)

عــہ۲ وھی التی حصلت بالعطاء ولاثبوت لھا الابالجعل وکذا جمیع صفات المخلوق کالعلم والقدرۃ والعطاء والعون حتی الوجود ۱۲(م)

یہ صرف عطاء سے حاصل ہے اس کا ثبوت اللہ تعالٰی کے عطا فرمانے پر جیسا کہ مخلوق کی تمام صفات ہیں مثلاً انسان کا علم، قدرت، عطاء، امداد حتی کہ مخلوق کا وجود بھی عطائی ہے ۱۲(ت)

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ، وبشراھم مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۰۲

والاخری تتعین للاخیر والمرجع ماذکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اُخر بقولہ قضی اللہ تعالٰی حاجتہ ان الی ربك المنتھٰی. **ثم** ان لمشایخنا قدست اسرارھم ورحمنا اللہ تعالٰی بھم فی ھذا الصلٰوۃ طریقتین، صغرٰی، وکبرٰی، والمعمول عندنا الاسھل الاشمل من حیث السوغ لکل احد من دون الاختصاص بالقائمین فی مجالی الشھود الھائمین فی فیافی الوجود ھی الطریقۃ الانیقۃ الصغری، **صفتھا** بحیث یکون کالشرح للفظ الکریم ویتضمن مختارات ھذا العبد الاثیم، ان **من** عرضت لہ حاجۃ دینیۃ اودنیویۃ **صلی بعد** صلٰوۃ المغرب بسنتھا رکعتین من غیرفریضۃ ناویا صلٰوۃ الاسرار تقربا الی اللہ تعالٰی و ھدیۃ لروح سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، وان جددلھما الوضوء فھو اضوء، و قد عھدنا ذلك من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صلٰوۃ الحاجۃ، والا فھوبسبیل من الرخصۃ فان توضأ فلیحسن وضوءہ ھکذا امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذلك المکفوف بصرہ واحب الی ان یقدم [عہ] صدقۃ فانھا اسرع فی	صیغہ، ظاہری حاصل کردہ حقیقت کا معین احتمال ہے لیکن وہ ہے جس کو خود حضور غوث اعظم نے بعد میں یوں ذکرفرمایا ہے کہ "اللہ تعالٰی اس کی حاجت پوری کرے گا کیونکہ تیرے رب کی طرف ہر چیز کی انتہی ہے"۔ پھر ہمارے مشائخ (رحمہم اللہ تعالٰی اور ان کے سبب ہم پر رحم فرمائے) نے اس نماز کے بارے میں دوطریقے بتائے ہیں، ایک مختصر اور دوسرا طویل ہے، اور ہمارے ہاں جو مروّج ہے وہ آسان اور جامع اور ہرایک کے مناسب ہے یہ مرتبہ شہود پر فائز لوگوں یامرتبہ وجود میں طالبین کے لئے مخصوص نہیں، یہ بہترین طریقہ اختصار والاہے، اس کا طریقہ ایسا ہے جو خود لفظ (صلٰوۃالاسرار) کی شرح جیسا ہے اور اس عاجز بندے کا پسندیدہ ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، تووہ مغرب کی نماز کے بعد سنتوں کے ساتھ دورکعت "صلٰوۃالاسرار" کی نیت سے اللہ تعالٰی کی قربت اور حضور غوث اعظم کی روح کو ہدیہ کے لئے پڑھے، اور اگر اس کے لئے نیاوضو کرے تو یہ نور ہوگا کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃوالسلام نے ایک نابینا کو یہ فرمایا تھا، ورنہ نیاوضو ضروری نہیں، مجھے تو یہ پسند ہے کہ صلٰوۃالاسرار پڑھنے سے پہلے کوئی صدقہ کرے کیونکہ یہ عمل کامیابی جلدی لاتاہے اور مصیبتوں کے دروازوں کو خوب بند کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلٰوۃوالسلام سے مناجات کیلئے

[عہ] الافضل الاسرار بنص القراٰن وھی

صدقہ میں افضل یہ ہے کہ پوشیدہ دے کیونکہ قرآن کا (باقی برصفحہ آیندہ)

الانجاح واسد لابواب البلاء وقدامر الله تعالٰی من ینٰاجی رسوله ان یقدموا بین یدی نجوٰهم صدقة. فنجوی الله احق مع ان هٰذه الصلوٰة تشتمل علی نجوی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایضًا. والوجوب وان نسخ رحمة من الله تعالٰی فلامریة فی الاستحباب هذا یقرأ الاخلاص احدی عشرة مرة فهو احسن حتی اذا سلم حمد الله تعالٰی واثنی علیه بماهو اهله. والافضل الصیغ^{عـــه} الواردة عن النبی صلی الله	پہلے صدقہ دینے کو اللہ تعالٰی نے حکم دیا، تو اللہ تعالٰی سے مناجات میں اور زیادہ بہتر ہے باوجودیکہ اس نماز میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بھی مناجات موجود ہے، اگرچہ اس صدقہ کاوجوب منسوخ ہوچکا ہے جس میں اُمت کی آسانی ہے مگر استحباب کے طور پر جواز میں کوئی شک نہیں ہے، اس نماز میں فاتحہ کے بعد کوئی آسان سورت پڑھے بہتر ہے کہ سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو بہت اچھاہے، نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالٰی کی حمد وثنا اس کی شان کے مطابق بجالائے اوراس میں بہتر وہ الفاظ ہیں جو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقی مصارع السوء کمافی الحدیث وفضائلها اکثرمن ان تحصی والاحسن ان یتصدق بزوجین بفضل ذلك ورد حدیث وفلسان زوجان وخبزان زوجان ومن لم یجد فودعتان زوجان والودعة خرمهرہ ۱۲(م)

یہ حکم ہے، اور یہی بُرے احتمال سے بچاؤ ہے، جیسا کہ حدیث میں بیان کیاگیاہے اور اس میں بہت زیادہ فضیلت ہے اور بہتر یہ ہے کہ صدقہ میں جو دے، دو کی تعداد دے، دو۲ پیسے، دو۲ روٹیاں، اگراور کچھ نہ پائے توکم از کم دوخرمہرے دے ۱۲(ت)

عـــه کقوله اللهم لك الحمد حمد ایوافی نعمك ویکافیئ مزید کرمك وقوله اللهم لك الحمد انت قیم السمٰوٰت والارض ومن فیهن ولك الحمد انت ملك السمٰوٰت والارض ومن فیهن ولك الحمد انت نورالسمٰوٰت

اور جیسے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول ہے اے اللہ! تیرے لئے ایسی حمد جو تیری نعمتوں کے برابر ہو اور مزید کرم کو کفایت کرے، اور حضور کاارشاد کہ تیری حمد کہ توآسمانوں اور زمین کا نگران ہے اور تیری حمد کہ توآسمانوں اور زمین اور ان میں ہر چیز کامالک ہے، اور تیری حمد کہ توزمین اور آسمانوں اور ان میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فانه لایقدر احدان یحمد الاحدکحمد احمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومن احسنها اللهم ربنالك الحمد حمد اکثیر اطیبا مبٰرکا فیه کما تحب ربنا وترضی ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشئت من شیئ بعد، ومنها اللهم لك الحمد حمدا دائما مع دوامك ولك الحمد حمدا خالدا مع خلودك ولك الحمد حمد الا منتهی له دون مشیتك ولك الحمد حمدًا دائمًا لایرید قائله الارضاك ولك الحمد حمدًا عندکل طرفة عین وتنفس کل نفس،	بطور حمد وثنا پڑھے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام سے بڑھ کر بہتر حمد اور اچھی ثنا کوئی نہیں کر سکتا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی بیان کردہ بہترین محامد میں ایک یہ ہے: اے اللہ! ہمارے رب! تیرے لئے کثیر، طیب، مبارک حمد جیسے تجھے پسند ہے اور تو راضی ہے، زمینیں اور آسمان اور ہر وہ چیز بھر کر جس کو تو چاہے اور ان میں سے ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے دائمی حمد جیسا کہ تیرا دوام ہے اور تیری حمد جو باقی رہنے والی ہو تیری بقاء کے ساتھ، تیری ایسی حمد جو تیری مشیت کے بغیر ختم نہ ہو اور ایسی دائمی حمد جس کو بیان کرنے والا صرف رضا کا طالب ہو، اور تیرے لئے ایسی حمد جو آنکھ کی ہر پلک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والارض ومن فیهن وملك الحمد وقوله اللهم لك الحمد فی بلائك وصنیعك الی خلقك ولك الحمد فی بلائك وصنیعك الی اهل بیوتنا ولك الحمد فی بلائك وصنیعك الی انفسنا خاصة ولك الحمد بما هدیتنا ولك الحمد بما اکرمتنا ولك الحمد بما سترتنا ولك الحمد بالقراٰن ولك الحمد بالاهل والمال ولك الحمد بالمعافاة ولك الحمد حتی ترضی ولك الحمد اذا رضیت یااهل التقوی واهل المغفرة الی غیرذلك من صیغ کثیرة ۱۲ منه (م)

ہر چیز کا نور ہے اور مالک حمد ہے۔ اور آپ کا یہ قول: اے اللہ! تیری مخلوق کے لئے تیرے امتحان اور تیرے حکمت والے عمل پر تیری حمد۔ ہمارے گھر والوں کے لئے امتحان اور تیری کارسازی پر حمد۔ اور خاص ہماری جانوں میں تیرے امتحان وکارسازی پر حمد۔ ہمیں مستور کرنے پر تیری حمد، قرآن سے تیری حمد اہل ومال دینے پر، عافیت دینے پر تیری حمد، حتی کہ تو راضی ہو جائے، تیرے لئے حمد ہے جب تو راضی ہو، اے تقوٰی اور مغفرت والو۔ اور ان جیسے دیگر الفاظ کثیرہ سے حمد پڑھے ۱۲ منہ (ت)

ومنها اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطٰنك ومنها اللهم لك الحمد شكرًا ولك المن فضلا ۔ ومنها اللهم لك الحمد كما تقول وخيرا ممانقول الى غير ذلك مما وردت به الاحاديث فليجمعها اوليكتف ببعضها، ويعجبنى ان يختمها بقوله اللهم لااحصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك فانه من اجمع حمد واوسع ثناء عليه سبحنه وتعالٰى ومن لم يحسن من ذلك شيأ فليقل الحمد لله ثلثا اوليقرء الفاتحة اوٰاية الكرسى بنية الثناء فلايجدن ثناء افضل منها۔ **ثم يصلى ويسلم على النبى** صلى الله تعالٰى عليه وسلم احدى عشرة مرة اذلايستجاب دعاء الابالصلٰوة عليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وامر بالسلام احرازاللفضلين واحترازا عن الخلاف فان من العلماء من كره الافراد ثم العبد يختار ههنا الصلٰوة الغوثية المروية عن سيدنا الغوث الاعظم رضى الله تعالٰى عنه، وهى اللهم صل على (سيدنا عــه ومولٰنا) محمد

اور ہر سانس کے وقت ہو، اور ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے تیری ذات کے جلال اور تیری عظیم سلطنت کے شایان شایان حمد ہو، اور ایک یہ ہے: اے اللہ ! شکر بجالانے کے لئے تیری حمد اور تیرا احسان و فضل ہے اور ایک یہ ہے اے تیرے لئے وہ حمد جو تونے فرمائی اور وہ بہتر جو ہم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر جو احادیث میں مروی ہیں سب کو یا بعض کو پڑھے۔ اور مجھے تو پسند ہے کہ آخر میں یہ حمد پڑھے: اے اللہ! میں تیری ثناء کو بجا نہیں لاسکتا جس طرح تو نے خود اپنی ثنائ فرمائی ہے کیونکہ یہ حمد بہت جامع اور وسیع ہے۔ اور اگر کسی مذکورہ محامد میں سے کوئی حمد یاد نہ ہو تو تین بار الحمدللہ پڑھ لے یا سورہ فاتحہ یا آیۃ الکرسی حمد و ثنا کی نیت سے پڑھے، ان سے بہتر ثناء نہ پاؤگے، اور پھر آخر میں نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود و سلام گیارہ مرتبہ پڑھے کیونکہ درود شریف کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور سلام کا بھی حکم ہے تاکہ دونوں کی فضیلت ہوجائے۔ اور بعض علماء نے دونوں میں سے ایک پر اکتفاء مکروہ قرار دیا ہے اس لئے دونوں کو ملاکر پڑھنے سے اس خلاف سے بچے گا۔ پھر مجھ بندہ کو یہاں درود غوثیہ جو آپ سے مروی ہے

عــه اعلم ان لفظه سيدنا ومولانا من زيادات للفقيرعلى مابلغنا عن مشايخنا وقدزاد امير المؤمنين عمر وابنه عبدالله

سیدنا و مولانا کا لفظ اس فقیر نے بڑھایا ہے، یہ لفظ ہمارے مشائخ کا نہیں، یہ اضافہ جائز ہے جیسا کہ امیر المومنین عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے عبداللہ (باقی برصفحہ آئندہ)

معدن الجود والکرم واٰلہ وسلم والعبد یقولھا ھکذا اللھم صل علی سیدنا ومولٰنا محمد معدن الجود والکرم واٰلہ الکرام وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ یااکرم الاکرمین وبارك وسلم ثم لیتوجہ بقلبہ الی المدینۃ الطیبۃ ولیقل احدی عشرۃ مرۃ یارسول اللہ یانبی اللہ اغثنی واَمْدِدْنی فی قضاء حاجتی یاقاضی الحاجات۔ **ثم یخطو الٰی جھت العراق** وھو من بلادنا بین الشمال والمغرب افادہ سیدی حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھی ایضاً جھۃ المدینۃ المنورۃ وکربلاء والعبد الضعیف قداستخرج جھۃ حضرۃ بغداد من بلدتنا بریلی بالمؤامرۃ البرھانیۃ علی ان عرضھالحصہ ك[عہ۱] وطولھامد[عہ۲]لح وعرض بریلی	پسندیدہ ہے اور وہ یہ ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و مولٰی محمد جودو کرم کی کان پر رحمت نازل فرما اور آپ کی آل پر، اور سلامتی نازل فرما۔ جس کو یہ بندہ یوں پڑھتا ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و مولٰی محمد جودو کرم کی کان پر اور آپ کی برگزیدہ آل اور کریم بیٹے اور برگزیدہ امت پر صلوٰۃ وسلام فرما، اے برگزیدوں کے برگزیدہ، اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف دلی توجہ کرکے گیارہ مرتبہ یوں پڑھے: یارسول اللہ یانبی اللہ! میری مدد کرو، اور اے حاجات پوری کرنے والے! میری حاجت کے پورا ہونے میں مدد فرماؤ۔ پھر عراق کی طرف قدم بڑھائے اور ہمارے ہاں عراق شمال مغرب میں ہے یہ میرے آقا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا ہے اور یہی مدینہ منورہ اور کربلا معلّٰی کی جہت ہے اور اس عبدضعیف نے اپنے علاقہ بریلی سے دربار بغداد کی جہت جیومیٹری کی بنیاد پر متعین کی ہے یوں کہ بغداد کا عرض لح ک اور اس کا طول مدلح اور بریلی کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رضی اللہ تعالٰی عنھما علی تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجاز العلماء زیادۃ السیادۃ فی الصلٰوۃ کما فی ردالمحتار فکیف فی غیرھا وقصۃ الترکی فی قرأۃ دلائل الخیرات معلومۃ والولایۃ مثل السیادۃ ۱۲(م) عہ۱: ثلاث وثلاثون درجۃ وثلث ۱۲(م) عہ۲: اربع واربعون درجۃ وثمان وعشرون دقیقۃ ۱۲(م)	رضی اللہ تعالٰی عنہما نے تلبیہ کے الفاظ میں زائد الفاظ شامل کئے، اور ہمارے علماء نے بھی درود شریف میں "سیدنا" کالفظ بڑھایا جیسا کہ درمختار میں ہے تو اس کے غیر میں بھی جائز ہوگا، نیز دلائل الخیرات میں ترکی کاقصہ معلوم ہے جبکہ ولایت بھی سیادت کے معنی میں ہے ۱۲(ت) تینتیس درجے اور ایک ثلث ۱۲(ت) چوالیس درجے اور ۲۸ دقیقے (ت)

الح ص عـــہ۱ کا وطولھا عط حہ عـــہ۲ عط الرفجاء الانحراف الشمالی اعنی من نقطۃ المغرب الی نقطۃ الشمال لح ص عـــہ۳ لح فیستخرج خط الزوال ویقیم علیہ عمود الی المغرب ویدیر علیھما قوسا بجعل راس القائمۃ مرکزا فیجزّیھا اخماسا عـــہ۴ ویصل خطابین الراس والخمس الاول ممایلی المغرب فھذا الخط ھو سمت حضرۃ بغداد اما المدینۃ الکریمۃ فاربع درج اعنی حہ نر من نقطۃ المغرب الی الشمال علی ما استخرجت بعدۃ طرق برھانیۃ احدی **عشرۃ خطوۃ** معتدلۃ معتادۃ فانہ المتبادر من الکلام لا مایفعلہ بعض العوام من انھم لایرفعون قدما ولایخطون خطوۃ وانما یتقدمون کل مرۃ نحو ثلاث اصابع اواربع فلیس ھذا من الخطوۃ فی شیئ وانما امرنا بالخطا فالعدول عنھا بدون ضرورۃ	عرض الح صہ اور اس کا طول عط الر ہے۔اس سے شمالی انحراف یعنی نقطہ مغرب سے نقطہ شمال کی طرف لحصہ لح حاصل ہوا، اب خط زوال نکال کہ راس پر قائمہ کی صورت میں عمود، مغرب کی طرف کھینچا جائے اور خط زوال اور عمود پر قوس اس طرح بنایا جائے کہ راس القائمہ کو مرکز قرار دیا جائے اور قوس کے پانچ جز بنائے جائیں ا اور راس القائمہ اور مغرب کی طرف سے پہلے خمس کو خط کے ذریعے ملایا جائے تو یہ خط دربار بغداد کی جہت ہوگی۔ لیکن مدینہ منورہ نقطہ مغرب سے شمال کی جانب چار درجے ہے جیسا کہ میں نے جامیٹری کے متعدد طریقوں سے معلوم کیا ہے بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم عادت کے مطابق درمیانے قدم چلے کیونکہ کلام سے یہی سمجھا جارہا ہے اور بعض عوام کی طرح نہ کرے کہ وہ قدم چلنے کی بجائے ہر مرتبہ صرف تین یا چار انگشت آگے بڑھتے ہیں حالانکہ یہ قدم کا فاصلہ نہیں کہلاتا، جبکہ ہمیں گیارہ قدم کے بارے میں حکم ہے اس لئے بغیر ضرورت اور بلاعذر اس حکم سے عدول نہیں کرنا چاہئے، اور یہ عدول غلط ہے۔ہاں اگر

عـــہ۱: ثمان وعشرون درجۃ واحدی وعشرون دقیقۃ ۱۲(م)

عـــہ۲ تسع وسبعون درجۃ وسبع وعشرون دقیقۃ من قرنیس مرصد لندن ۱۲(م)

عـــہ۳ ثمانی عشرۃ درجۃ ومثلھا الدقائق ۱۲(م)

عـــہ۴ اقتصر علی التخمیس لعدم الحاجۃ الی تدقیق الدقائق مع فیہ من الدقۃ ۱۲(م)

۲۸ درجے اور ۲۱ دقیقے ۱۲(ت)

۷۹ درجے اور ۲۷ دقیقے، لندن کی قرنیس رصدگاہ سے ۱۲(ت)

۱۸ درجے اور ۱۸ دقیقے ۱۲(ت)

پانچ حصوں کو بیان کیا ہے کیونکہ دقیقے بنانے میں دقّت ہے ۱۲(ت)

عین الخطأنعم ان کان فی مضیق لایجد مساغا للخطوات المعهودة ولاالخروج الی مندوحة فلیأت بما استطاع واشد شناعة من هذا ما رأیت بعضهم من انه یصلی رکعتین حتی اذا کان فی اٰخر قرأة الاخری انحرف الی العراق فتخطی، ثم عاد الی مکانه فتوجه نحو القبلة واتم الصلٰوة ولایدری المسکین ان هذا مع مخالفته للوارد [عـــہ۱] مفسد [عـــہ۲] لصلٰوته وابطال العمل حرام ثم النفل یجب بالشروع فیلزمه القضاء وهو لایریده ولایدری به فیأثم مرتین [عـــہ۳]، ولمثل هذا ورد [عـــہ۴] فی الحدیث "المتعبد بغیر فقه کالحمار	عذر ہو مثلاً جگہ تنگ ہو اور پورا قدم چلنے کی گنجائش نہ ہو اور کھلی جگہ نہ ملے تو پھر حسب گنجائش قدم کا فاصلہ بنائے، اور اس سے بڑھ کر قابل اعتراض وہ صورت ہے جو میں نے بعض جہال کو کرتے دیکھا کہ وہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کی قرأت کے آخر میں نماز میں ہی عراق کی طرف منہ پھیر کر چلتے ہیں اور گیارہ قدموں کے بعد پھر واپس پہلی جگہ پر لوٹ کر قبلہ رو ہوجاتے ہیں اور پھر نماز کو مکمل کرتے ہیں، ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ مرویہ کے خلاف بھی ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، حالانکہ عبادت کو شروع کرکے توڑنا حرام ہے۔ چونکہ نفل ہیں اور نفل شروع کرنے سے لازم ہوجاتے ہیں اس لئے ان پر دو رکعتوں کی قضا لازم ہے، جبکہ اسے مسئلہ معلوم ہی نہیں تو قضا کیا کرے گا لہٰذا اس کو دوہرا گناہ ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں حدیث شریف

عـــہ۱: فی صفة هذه الصلٰوة عن سیدنا الغوث الاعظم رضی الله تعالٰی عنه کما سمعت (م)	اس نماز کو غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان کردہ طریقہ میں جیسا کہ میں نے سنا ہے ۱۲(ت)
عـــہ۲: لان المشی عمل کثیر (م)	کیونکہ چلنا، کثیر عمل ہے ۱۲(ت)
عـــہ۳ اثم الابطال حاضر الوقت واثم ترك القضاء یظهر عندالموت، والعیاذ بالله تعالٰی (م)	ایک جاری عبادت کو توڑنا وقتی گناہ اور دوسرا گناہ قضا کا ترک جو موت کے وقت ظاہر ہوگا العیاذ باللہ تعالٰی ۱۲(ت)
عـــہ۴: اخرجه ابونعیم فی الحلیة عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه، ومثله قول علی کرم الله وجهه قصم ظهری اثنان جاهل متنسك وعالم متهتك نسأل الله العفو والعافیة ۱۲(م)	اس کی تخریج امام ابونعیم نے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی کتاب حلیہ میں کی ہے، اور ایسا ہی ایک قول حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی ہے کہ دو چیزوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک جاہل عامل نے اور دوسرے متشدّد عالم نے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کے خواستگار ہیں ۱۲(ت)

فی الطاحونۃ(آسیا)[1]"واکبراثما منہ شیخہ الذی علمہ ھذا ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ھذا ولیکن عند التخطی علی ھیأۃ الھیبۃ والخضوع والادب والخشوع، وانا احب ان یتخیل کانہ حاضر فی بغداد ومرقدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بین عینیہ وھو راقد فیہ مستقبل القبلۃ الکریمۃ والعبد یتعمد کرمہ فیرید ان یتقدم الیہ اذ یعتریہ الحیاء من قبل المعاصی فیقف حیران کانہ یستأذن ویستشفع الیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسعۃ جودہ وببشری مقالتہ"انعـــہ لم یکن مریدی جیدا فانا جید[2]،"فبیناھو	میں آیا ہے کہ بغیر علم عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے جو آٹے کی چکی میں جتا ہو، ایسا عمل کرنے والے سے بڑھ کر اس کا وہ شیخ مجرم ہے جس نے اسے یہ طریقہ بتایا ہے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، اور قدم چلتے وقت خشوع، خضوع اور ادب وہیبت کی کیفیت ہونی چاہئے، اور مجھے یوں پسند ہے کہ اس وقت یوں خیال کرے کہ وہ بغداد شریف میں آپ کی مرقد شریف کے سامنے حاضر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے، اور یہ خیال کرے کہ حضور غوث اعظم اپنی قبرانور میں قبلہ روسوئے ہوئے ہیں اور قدم چلنے والا بندہ آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے آگے بڑھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے مگر اپنے گناہوں کے پیش نظر آگے جانے میں حیا کرتے ہوئے حیران کھڑا ہوجاتا ہے اور گویا اب آپ سے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کررہا ہے کیونکہ آپ کا جودوسخا وسیع ہے اور آپ کی یہ بات بشارت ہے کہ "اگر میرا مرید خوب نہیں میں تو خوب تر ہوں۔" قدم

عـــہ:اخرج الامام الشنطوفی روح اللہ تعالٰی روحہ فی بھجۃ الاسرار عن الشیخ القدوۃ ابی الحسن علی القرشی قال قال سیدی الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ اعطیت	امام شنطوفی نے بہجۃ الاسرار میں شیخ امام ابوالحسن علی قرشی سے تخریج فرمائی ہے کہ میرے آقا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ مدّبصر تک دراز ایک دفتر مجھے عطا کیا گیا جس میں میرے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] حلیۃ الاولیاء عنوان ۳۱۸ خالد بن معدان عن واثلۃ بن الاسقع مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲۱۹/۵

[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر فضل اصحابہ وبشرٰھم مطبوعہ البابی مصر ص ۱۰۰

کذلك وھو رضی اللہ تعالٰی عنه ینظر الیه و یعلم فقرہ وحیائه اذ یجیئ الکرم العمیم فیشفع للعبد الاثیم فکانه رضی اللہ تعالٰی عنه یقول "اذنت لھذا الفقر المضطر ان یخطو الی تلك الخطوات، و **یذکر فیھا اسمی** ولایخشی المعاصی عندی فانی انا ضمینه وکفیل مھماته فی الدنیا والاٰخرۃ "فینشط العبد ویتقدم علی اقدام الوجد قائلا علی کل خطوۃ یاغوث الثقلین ویا کریم الطرفین فانه رضی اللہ تعالٰی عنه حسنی الاب حسینی الام اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یاقاضی الحاجات	بڑھانے والے کی اس کیفیت کو آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کے فقر وحیا کو جان کر آپ وسیع کرفرمائیں گے اور اس بندے گنہگار کی شفاعت فرمائیں گے، اور گویا یہ فرمائیں گے کہ میں اس فقیر تنگدست کو اپنی طرف قدم بڑھانے کی اجازت دیتاہوں، یہ چلتے ہوئے میرا نام ذکر کرے اور میرے پاس آکر اپنے گناہوں کافکر نہ کرے کیونکہ میں دنیاوآخرت میں اس کی مشکلات کا کفیل اور ضامن ہوں، توبندہ یہ سن کر خوشی کااظہار کرتے ہوئے آگے بڑھتاہے اور ہر قدم پر وجدانی کیفیت میں یاغوث الثقلین، یاکریم الطرفین، پکارتا ہے (کریم الطرفین اس لئے کہ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں) اور کہتاہے میری حاجت براری میں میری مدد کروائے حاجات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سجّلامدالبصر فیه اسماء اصحابی ومریدی الی یوم القیٰمة وقیل لی قدوھبوالك وسألت مالکا خازن النار ھل عندك من اصحابی احدا فقال لاوعزۃ ربی و جلاله ان یدی علی مریدی کالسماء علی الارض ان لم یکن مریدی جیدا فانا جید وعزۃ ربی و جلاله لابرحت قدمای من بین یدی ربی حتی ینطلق بی وبکم الی الجنة [1] اھ والحمدللہ رب العٰلمین الکرم عمیم والرجاء عظیم ۱۲منه (م)

ساتھیوں اور مریدین کے نام ہیں جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے مجھے کہاگیا یہ آپ کی ملکیت ہے، اور میں نے جہنم کے خازن فرشتے سے پوچھاکہ کیا تیرے پاس میرے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ مجھے رب ذوالجلال کی عزت کی قسم کہ تمام مریدین پر میراہاتھ ایسے ہے جیسے زمین پرآسمان سایہ فگن ہے۔اور فرمایا: اگر میرا مرید خوب نہیں تومیں خوب ترہوں، اور رب ذوالجلال کی عزت کی قسم میں اس وقت اللہ تعالٰی کے دربار سے حرکت نہ کروں گاجب تک مجھے اور تم سب کوجنت کاپیغام نہ مل جائے گا، الحمد للہ رب العٰلمین الکریم ۱۲منہ (ت)

[1] بہجۃالاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

ثم لیدع الله سبحٰنه وتعالٰی متوسلا الیه بجاہ سید المرسلین صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم بجاہ ابنه هذا السید الکریم غوثنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، ولیراع اٰداب الدعاء المذکورة فی کلمات العلماء کالحصن الحصین وغیرہ ومن احسن من فضلها وجمع شتاتها مقدام المحققین امام المدققین العالم الربانی سیدی ووالدی(عه)قدس سرہ الزکی فی کتابه الشریف"احسن الوعالاٰداب الدعاء"وقد لخصها تلخیصا حسنا	پورا کرنے والے، اس کے بعد اللہ تعالٰی سے حضور علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے (غوث اعظم) کے وسیلے سے دعا کرے، مذکورہ دعا میں ان آداب کا خیال رکھے جو علماء کرام نے ذکر فرمائے جیسا کہ "حصن حصین"وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ مختلف دعاؤں کو جمع کرنے اور فضیلت بیان کرنے والوں میں میرے والد گرامی نے اپنی کتاب "احسن الوعاء لآداب الدعا" میں بہترین دعاؤں کو ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کا خلاصہ محققین کے امام مدققین کے پیشوا، عالم ربانی، میرے آقا والد گرامی قدر قدس سرہ نے اپنی بہترین کتاب

عـــه: هو البحرالزاخر، البدرالباهر، النجم الزاهر، حامی السنن، ماحی الفتن، العالم العامل، الفاضل کامل، الحاج الزائر، الجامع المفاخر مولٰنا المولوی محمد نقی علی خان المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اجل خلفاء حضرة شیخنا ومرشدنا بحر الرحمة مولی النعمة حضرة السید الشاہ آل الرسول الاحمدی مارهری قدس الله تعالٰی سرهما وافاض علینا برّهما، ولد رحمه الله تعالٰی ستهل رجب ۱۲۴۶ھ ونشأفی حجر العلم و العرفان تفقه علی ابیه الفاضل الاجل العارف الاکمل مولٰنا المولوی محمد رضا علی خاں قدس سرہ وصنّف تصانیف

یہ گہرا سمندر، روشن چاند، چمکنے والا ستارہ، سنت کی حمایت والا اور فتنوں کو مٹانے والا، عالم باعمل، کامل فاضل الحاج اور مدینہ منورہ کی زیارت والا، فخر کا جامع، مولانا مولوی محمد نقی علی خان محمدی، سنی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، خلیفہ اجل حضرت ہمارے شیخ، مرشد، رحمت کے دریا، نعمت کے مالک، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی (قدس اللہ سرہما) اللہ تعالٰی ان کی بھلائی کا ہم پر فیضان فرمائے، آپ کی پیدائش ابتدائے رجب ۱۲۴۶ھ میں ہوئی، انہوں نے علمی اور عرفانی ماحول میں پرورش پائی اور اپنے والد فاضل اجل، عارف اکمل، مولانا مولوی محمد رضا علی خاں قدس سرہ سے علم حاصل کیا، اور ۲۵ کے قریب تصنیفاتِ جلیلہ تصنیف فرمائیں، اوران کتب میں سے یہ کتاب "جواہر البیان" (باقی بر صفحہ آئندہ)

فی باب الحج من کتابه"المستطاب جواهر البیان فی اسرار الارکان"ولیبدأ بیاارحم الراحمین ثلثا فان من قاله ناداه ملك موکل به ان ارحم الراحمین قد اقبل علیك وبیا بدیع السمٰوٰت والارض یاذاالجلال والاکرام فانه اسم الله الاعظم علی قول،وکذا تسبیح سیدنا ذی النون علی نبینا الکریم وعلیه الصلٰوۃ والتسلیم ولیختمه بأمین عف ثلثا فانه خاتم الدعاء ومماخص الله تعالٰی به هذه الامة المرحومة وبالصلٰوۃ عف والسلام علی خاتم النبیین والحمدلله عف رب العٰلمین لیکون البدء وختم کلامها بالصلٰوۃ علی واهب الصلٰوۃ صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فان الدعاء طائروالصلٰوۃ جناحه فبذلك یتم الجناحان ولان الصلٰوۃ علیه علیه الصلٰوۃ و	"جواہرالبیان فی اسرارالارکان"کے باب الحج میں بیان فرمایا اور دعا کی ابتداء میں "یاارحم الراحمین" تین مرتبہ کہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے تواس کو فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ بیشک ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے اور "یابدیع السمٰوٰت والارض یاذالجلال والاکرام" بھی ابتداء میں پڑھے کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ "اسم اعظم" ہے، ایسے ہی حضرت سیدنا ذی النون علیہ السلام کی تسبیحات باری تعالٰی کو ابتداء میں پڑھے اور دعا کے آخر میں تین مرتبہ آمین کہے کیونکہ یہ دعا کی مہر ہے اور یہ خاص اس امت مرحومہ کو عطیہ ہے، اور دعا کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر درود وسلام، اور "الحمدللہ رب العٰلمین"پڑھے تاکہ دعا کی ابتدا اور اس کا خاتمہ، نمازیں عطا کرنے والے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درود شریف پر ہوجائے، یہ اس لئے کہ دعا ایک پرندہ ہے اور درود شریف اس کے پر ہیں، اور اس لئے بھی کہ درود شریف مقبول ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جلیلة تأقت خمسة وعشرین من اجلها هذا الکتاب" جواهرالیبان"الذی لم یرمثله فی بابه والتفسیر الکبیرۃ لسورۃ الانشراح وسرور القلوب فی ذکر المحبوب واصول الرشاد لقمع مبانی الفساد واذاقة الاثام لما نعی عمل المولد والقیام وغیرذلك توفی سلخ ذی القعدۃ ۱۲۹۷ھ رحمه الله تعالٰی رحمة واسعة (م)

بے مثل ہے، اور ایک سورہ الم نشرح کی تفسیر فرمائی ہے، اور ایک سرورالقلوب فی ذکرالمحبوب، اور ایک اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد، اور اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیرذلک ہیں، اور آپ کی وفات آخر ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (ت)

السلام مقبولة لاشك فاذا استجیب الطرفان فالله تعالٰی اکرم من ان یدع مابینهما ولیکن الدعاء وترا فان الله وتر یحب الوتر ولیصل بعد کل مرة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لم یرشیئ اجلب للاستجابة من الصلٰوة والسلام علی هذا النبی الکریم علیه وعلی اٰله افضل الصلٰوة والتسلیم ولیجتهد ان تخرج دمعة فانها علم الاجابة فان لم یبك فلیتباك فمن تشبّه بقوم فهو منهم ثم المختار عندی ان یبقی حین الدعاء ایضا کما هو مستقبل الجهة العراقیة فانها کما اسمعناك جهة الشفعاء الکرام ولاعلیه ان لاینحرف الی القبلة وقد عـــه سأل ابوجعفر المنصور ثانی الخلفاء العباسیة	توجب دعاء کے ابتداء وانتہاء میں درود ہوگا تواللہ تعالٰی کے کرم سے بعید ہے کہ وہ درمیان میں دعا کو قبول نہ فرمائے، اور دعا میں وتر کالحاظ ہوناچاہئے کیونکہ اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسندفرماتاہے، اورہربار درودشریف پڑھے کیونکہ درودشریف سے بڑھ کر کوئی چیز مقبولیت کوحاصل کرنے والی نہیں ہے صلی اللہ تعالٰی علی النبی الکریم وآلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم، اور کوشش کرے کہ دعامیں آنسو نکلیں کیونکہ یہ بھی قبولیت کی علامت ہے، اگررونانہ آئے تورونے والی صورت بنائے کیونکہ جوکسی کی مشابہت اختیار کرتاہے وہ بھی انہی میں شمار ہوتاہے پھرمجھے یہ پسند ہے کہ دعاء کے وقت بھی عراق کی طرف متوجہ رہے کیونکہ یہ جہت شفاعت والوں کی ہے جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، لہٰذااس دعامیں قبلہ کی طرف متوجہ نہ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابوجعفر منصور خلیفہ ثانی خاندانِ عباسیہ نے

عـــه قال الفقیر احمد رضا غفرالله تعالٰی له ابنأناسراج الحنفیة عبدالرحمٰن بن عبدالله السراج المکی عن مفتی الحنفیة جمال بن عمرالمکی عن المولی عابدالسندی المدنی عن الشیخ صالح الفلّانی عن محمد بن سنة عن الشریف محمد بن عبدالله عن محمد بن ارکماش عن الحافظ ابن حجر العسقلانی عن ابی اسحٰق القنوجی عن ابی المواهب ربیع	فقیراحمد رضا غفرلہ کہتاہے کہ مجھے خبردی حنفیوں کے چراغ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج مکی نے، انہوں نے حنفیوں کے مفتی جمال بن عمر مکی سے روایت کی، انہوں نے آقا عابدسندی مدنی سے، انہوں نے شیخ صالح فلّانی سے، انہوں نے محمد بن ارکماش سے، انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے، انہوں نے ابواسحٰق قنوجی سے، انہوں نے ابومواہب ربیع بن ابی عامر (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عالم المدینة مالك بن انس رضی اللہ تعالٰی عنه یاابا عبداللہ استقبل القبلة وادعوام استقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسیلتك ووسیلة ابیك اٰدم علیه السلام الی اللہ عزوجل یوم القیٰمة بل استقبله واستشفع به فیشفعك اللہ تعالٰی [1]اھ فمن فعل ذلك موقنا بقبله	ایک دفعہ حضرت امام مالک عالم مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال کیاکہ میں قبلہ روہوکر دعاکروں یا حضورعلیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف متوجہ رہوں، تو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیاکہ حضورعلیہ الصلٰوۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیرے کیونکہ وہ تیرااور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کاقیامت کے روزاللہ تعالٰی کے دربار میں وسیلہ ہیں بلکہ حضورعلیہ الصلٰوۃ والسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن ابی عامر یحیی بن عبدالرحمٰن بن ربیع انا الحسن بن علی الغافقی اجازنا القاضی عیاض ثنا القاضی ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الاشعری وابوالقاسم احمد بن بقی الحاکم وغیرواحد فیما اجازونیه قالوا انا ابوعباس احمد بن عمر بن دلهاث نا ابوالحسن علی بن فهرابوبکر محمد بن احمد بن فرج ناابوالحسن عبداللہ بن منتاب نایعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل ناابن حمید قال ناظر ابوجعفر امیر المؤمنین مالکا فذکر الحدیث، وفیه و قال یااباعبداللہ ما استقبل، الحدیث منه یحفظه اللہ تعالٰی ابدا۔(م)

یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن ربیع سے، انہوں نے کہاکہ مجھے حسن بن علی غافقی نے خبردی، انہوں نے کہاکہ مجھے قاضی عیاض نے اجازت دی، انہوں نے کہاکہ مجھے حدیث بیان کی قاضی ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن اشعری اور ابوالقاسم احمد بن بقی حاکم وغیرہم نے مجھے اجازت دی اور انہوں نے فرمایاکہ ہمیں بیان کیاابوعباس احمد بن عمربن دلہاث نے، انہوں نے کہاکہ مجھے بیان کیاابوالحسن علی بن فہرابوبکر محمد بن احمد بن فرج نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیاابوالحسن عبداللہ بن منتاب نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیا یعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیا ابن حمید نے اور کہاکہ ابوجعفر امیرالمومنین نے امام مالک سے بحث کی اور پوری حدیث بیان کی اور اس میں ہے کہ ابوجعفر نے کہا اے ابوعبداللہ (مالک)! میں کس طرف منہ کروں، الحدیث ۱۲منہ اللہ تعالٰی اس کی حفاظت فرمائے۔(ت)

---

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ بلاد عثمانیہ ۲/ ۳۵، نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۹۸

غیر مستعجل من ربہ یقول بیان للاستعجال دعوت فلم یجب لی **قضی اللہ تعالٰی حاجتہ** مالم یدع باثم اوقطیعۃ رحم۔فھذہ صفتھا واللفظ الکریم مکتوب فیھا بالحمرۃ، وما علیہ خط احمر فھو الذی بلغنا عن مشایخنا قدست اسرارھم، ومادون ذلك فھو من ھذا العبد الاثیم غفر اللہ تعالٰی لہ ولیعلمن العارف ان ماذکرتہ لایرکن الی خلاف لذرۃ من الکلمات العلیۃ، ولافیہ علیھا زیادۃ اجنبیۃ، وانما ھو تصریح مطوی، اوتوضیح منوی، او تبیین مجمل، اوتعیین افضل، معتمدا فی ذلك علی احادیث کثیرۃ، اشرت الیھا فی جمل یسیرۃ، یعرفھا الماھر کالشمس فی فیئ ، ویمر الغافل کأن لم یکن شیئ، فجاءت بحمداللہ عروسا ملیحۃ، مکشوفۃ النقاب عن عوارضھا الصبیحۃ، بحلیتھا حلیتھا، ثم اجتلیتھا، فالحمدللہ اولا و اٰخرا، وباطنا وظاھرا، **و المامول** من لطف مولٰنا الشاہ محمد ابراہیم، وغیرہ من اخواننا القادریۃ سلمھم المولی الکریم،

طرف متوجہ ہو کر ان کو شفیع بنا اللہ تیرے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جو شخص دلی یقین سے یہ دعا کرے گا اللہ تعالٰی اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا، بشرطیکہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مایوسی کا اظہار نہ کرے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی۔ یہ دعا قبول ہوگی جبکہ اس میں گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ ہو۔ "صلٰوۃ الاسرار" کا یہ طریقہ ہے (آپ کی طرف لکھی گئی تحریر میں) اصل منقول الفاظ سرخ سیاہی سے لکھے گئے ہیں اور جن الفاظ پر سرخ خط ہے وہ الفاظ ہمیں اپنے مشائخ کرام سے پہنچے ہیں، ان کے علاوہ باقی الفاظ مجھ گنہگار بندے کے زائد کردہ ہیں، اور عارف شخص ضرور جانے کہ میرے ذکر کردہ الفاظ اصل کلمات کے ذرہ بھر خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کوئی اجنبی زیادتی ہے بلکہ یہ مخفی کی تصریح اور نیت میں مراد کی وضاحت ہے یا پھر مجمل کا بیان یا افضل کی تعیین ہے اور یہ سب کچھ کثیر احادیث سے اخذ کردہ ہے جن کی طرف میں نے مختصر جملوں میں اشارہ کیا ہے جن کو ماہر خوب جانتا ہے جس طرح دھوپ اور سایہ کی معرفت رکھتا ہے اور غافل شخص کوئی توجہ کئے بغیر گزر جائے گا، الحمدللہ، صلٰوۃ الاسرار کا طریقہ، دلکش دلہن جس کے خوبصورت رخسار سے نقاب اٹھایا گیا ہو، کی طرح واضح طور پر حاصل ہوگیا، میں نے اس دلہن کو زیورات سے آراستہ کرکے مزید جلادی ہے، الحمدللہ اولًا وآخرًا، باطنًا وظاہرًا۔ مجھے مولانا شاہ محمد ابراہیم (سائل) کی مہربانی سے توقع اور امید ہے کہ وہ اور دوسرے ہمارے قادری بھائی (اللہ تعالٰی ان کو سلامت رکھے) اس

ان لاینسوا ھذا الفقیر فی صالح دعائھم ، غبّ ھذہ الصلٰوۃ وفی سائراٰنائھم ، ویسمحوا لہ بسؤال المغفرۃ، وکمال العافیۃ فی الدنیا والاٰخرۃ، والعبد یدعولہ ولھم، والدعاء یغنی عن ذروع بضمتین قلعھا ۱۲ واطم، لاسیما دعوۃ المسلم لاخیہ بظھر الغیب، طھرنا اللہ جمیعا من کل عیب، ووقانا شرور الجھل والریب، وحشرنا طرّافی الامۃ المحمدیۃ، والجماعۃ المبارکۃ اے جمیعا السنیۃ السنۃ، والزمۃ الکریمۃ القادسۃ القادریۃ، انہ علی مایشاء قدیر، فنعم المولٰی ونعم النصیر۔

لطیفۃ نظیفۃ: بامرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان یخطوا احدی عشرۃ خطوۃ، علم ان لھذا العدد مزیۃ اختصاص بالحضرۃ القادریۃ من زمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولیس ان القادریین ھم اختاروہ لکون العرس الشریف فی الحادی عشرولکن لم اکن اعلم سرًا فی ذلک حتی صلیت فی شاھجھان عــہ اٰباد

صلٰوۃ الاسرار کو پڑھنے کے بعد کسی مرحلہ پر بھی اس فقیر کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں گے، اور اس کے لئے مہربانی فرماتے ہوئے مغفرت اور دنیا وآخرت میں عافیت کی دعا کریں گے، اور یہ بندہ بھی ان کے لئے دعا گو رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ ہتھیاروں اور قلعوں سے دعا مستغنی کردیتی ہے خصوصًا وہ دعا جو پس پشت مسلمان بھائی کے لئے کی جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ہم سب کو ہر قسم کے عیب سے پاک فرمائے اور جہالت کے شر وشک سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو اُمت محمدیہ میں اٹھائے اور اہل سنت وجماعت کی مبارک اور قیمتی جماعت اور سلسلہ کریمہ قادریہ میں شامل رکھے، اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے پس وہ اچھا مددگار اور اچھا آقا ہے۔

پاکیزہ لطیفہ: حضور غوث اعظم کے حکم کے مطابق گیارہ قدم چلے اور یہ یقین کرے کہ اس عدد کو خاص مقبولیت دربار قادریہ سے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حاصل ہے، اور یہ خیال نہ کرے بعد میں قادری سلسلہ والوں نے گیارہویں شریف کی مناسبت سے ایسا کیا ہے، لیکن مجھے خود گیارہ قدموں کا راز معلوم نہ تھا حتٰی کہ ایک روز میں نے شاہجہاں آباد

عــہ ھی قاعدۃ دیارالھند المعروفۃ بدھلی وکان ذلک سنۃ اثنتین بعدالالف وثلثمأتہ حین شددت الیھا رحلی قاصدا زیارۃ سیدہ سلطان المشایخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالٰی سرہ المکین ۱۲منہ (م)

یہ ہندوستان کا مرکزی مقام (ضلع) ہے جو دہلی کے نام سے معروف ہے اور یہ واقعہ ۱۳۰۲ھ کا ہے جب میں وہاں سیدی سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہ کی حاضری کے ارادہ سے گیا ۱۲منہ (ت)

ذات لیلة صلٰوة الاسرار وانا مقبل علیها بشراشر عــہ۱ قلبی ماکانت منی التفاتة الی ذلك اذ لمعت بارقة سرجلیل، فی خاطر کلیل، واللّٰه اعلم منی جاءت وکیف جاءت ماشعرت بها الا وهی حلیلة ببالی فتأملتها بعد الفراغ من الصلٰوة فاذا هی کما اودو اشتهی، وهی ان فی احد عشر عقدا وواحدة، وهما عــہ۲ بالحروف یاءوالف والمجموع ، یا، ان	میں رات کے وقت صلٰوۃالاسرار پڑھی اور میں پوری توجہ قلبی سے مصروف تھا اور میرا اس راز کی طرف ذرا بھی التفات نہ تھا کہ میرے دل پر ایک عظیم رازدار تجلی چمکی، خدا کی قسم مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ کب اور کس طرح یہ چمک آئی جبکہ وہ میرے دل میں سرایت کرچکی تھی میں نے نماز سے فارغ ہوکر غوروتامل کیا تو وہ میری مراد اور خواہش میری تمنا کے مطابق تھی، وہ قلبی القاء یہ تھا کہ گیارہ کے عدد میں ایک دہائی اور ایک کاعدد ہے، اور (ابجد کے حساب سے) دس کا حرف "ی" اور

عــہ ای بجمعی اجزائه ۱۲(م)

یعنی مکمل طور پر ۱۲منہ (ت)

عــہ اعلم ان مالایوجد له حرف واحد فالمصیر فیه الی الترکیب ویجب القصر علی اقل مایمکن فلایختار الثلاثی ماامکن الثنائی ولاالرباعی ماساغ الثلاثی کمالایختار الثنائی ماوجد حرف واحد ثم الحاجة الی الترکیب انما تقع فیما بین عقد وعقد الی مائة وفی العقود غیرالمأات المحضة ایضًا من مائة الی الف ثم تدوم الی مالا نهایة له وذلك لان العقود والمئات لکل منهما حروف معلومة فالترکیب الثنائی مثلا وان تصور بجمع آحاد الی آحاد کمثل طب وحج وزد وهو فی احد عشر وهواول مایحتاج الی ذلك لکن اختیار بعض منها دون بعض ترجیح بلامرجح

جب کوئی عدد ایک حرف والا نہ ہو تو وہاں ترکیب ضروری ہے اور ترکیب حسب ضرورت ہوگی اگر ترکیب ثنائی کافی ہو ثلاثی کی ضرورت نہیں اور ثلاثی کافی ہو تو رباعی کی ضرورت نہیں ہے، پھر اکائیوں اور دہائیوں میں سوتک ہوگی، اور اسی طرح سو سے اوپر ہزار تک، لیکن خالص دہائیوں اور خالص سو کے لئے ترکیب کی ضرورت نہیں (کیونکہ ان کے لئے ایک ایک حرف ہے مثلاً ترکیب ثنائی تمام اکائیوں کی آپس میں ہوسکتی ہے مثلاً ترکیب ثنائی تمام اکائیوں کی آپس میں ہوسکتی ہے مثلاً طب، حج، زد، گیارہ میں جو کہ پہلا عدد ہے جس میں ترکیب ثنائی کی ضرورت ہے اگرچہ کوئی دو حرف ملائے جاسکتے ہیں مگر ان حروف میں سے یہاں بعض کو لینا اور بعض کو نہ لینا بے مقصد ہے، (باقی برصفحہ آئندہ)

قدمت العقد و اِی ان	ایک کاحرف "الف" ہے اور اگر دہائی کو مقدم کریں تو دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترکیب الطبعی ان یلتمس العقد۔ فیوضع حرفه ثم حرف مازاد علیه من الآحاد و هکذا فیقدم الالف ثم المئات ثم العشرات ثم الآحاد و یکفی هذا الی الف وتسعة وتسعین فلفظها 'غظصط' فاذا زاد فیدور الامر فالفان 'بغ' وثلثة آلاف 'جغ' ومائة الف 'قغ' والف الف 'غخ' وهکذا الی مالانهایة له یعرف ذلك من یعلم ارقام الهیأة والنجوم ومن منافع هذا الوضع الامن من الالتباس فی غالب الصور فان 'غظصط' المذکور مثلاً ان کتب من دون نقط التعینت الحروف بالوضع الطبعی فالاول لایمکن ان یکون ع مهملة لانه لایتقدم ص ولاالثالث ض معجمة لانها لاتعقب ظ ولاالرابع ظ معجمة لانها لاتعقب ص ولاالرابع ظ معجمة لانها لاتعقب ص وتمام الکلام فی رسالتنا اطیب الاکسیر ۱۲منه(م)

اس لئے طبعی ترکیب کو ملحوظ رکھنا ہوگا وہ یہ کہ جو دہائی مقصد ہو پہلے اسے پھر اکائی جو مقصود ہو، اگر ہزار ہو تو پہلے ہزار پھر سو اور پھر دہائی اور پھر اکائی کو ترکیب وار ذکر کرکے ترتیب دی جائے گی یہ ترکیب ایک ہزار نو سو ننانوے تک کام دے گی، اس کے لئے حروف میں غظصط سے مرکب ہوگا، اور اس پر ایک زائد ہو تو دو ہزار ہوگا جس کے حروف میں بغ، اور تین ہزار جغ، لاکھ کے لئے قغ، اور دس لاکھ کے لئے غغ، اسی طرح جتنا چاہے آگے جائے، جس کو علم نجوم اور ہیأۃ کی رقموں کی معرفت ہے خوب جانتا ہے۔ اس ترکیب کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان ہندسوں میں غلطی سے بچ جاتا ہے کیونکہ مثلاً غظصط میں اگر نقطے نہ بھی لکھے جائیں تو مذکورہ حروف اپنی طبعی ترتیب کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں کیونکہ غ کو ع اور ظ کو ط نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس ترکیب میں ظ سے غ مقدم ہوتا ہے اور ع مقدم نہیں ہوسکتا ہے، اسی طرح ص سے ظ مقدم ہے ط مقدم نہیں ہوسکتا، اور آخری دو حروف ص، ط کو ض، ظ نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ ض ظ کے بعد نہیں ہوسکتا ہے، اور آخری دو حروف ص، ط کو ض، ظ نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ ض ظ کے بعد نہیں ہوسکتا اور یونہی ظ بھی ص کے بعد نہیں ہوسکتا ہے، یہ اس لئے کہ ایک ترکیب میں بڑے عدد والا حرف پہلے اور چھوٹے والا بعد ہوتا ہے یہی ترکیب طبعی ہے اور یہ پوری بحث ہمارے رسالہ 'اطیب الاکسیر" میں ہے ۱۲منہ (ت)

عکست عـــہ۱ و یاللنداء، و اِی عـــہ۲ للایجاب فکانت فی ذلك اشارة الی معاملته رضی الله تعالٰی عنه مع السائلین والفقراء المستغیثین فانهم فی مقام الکثرة مع کثرتهم فی انفسهم، واذا اراد وسؤال حاجاتهم من الحضرة العلیة توجهوا الی الوحدة وکان علیهم افراغ القلوب من تشتت الخاطر مع کونهم ههنا علی منهج واحد، سواء منهم العاکف والباد وعظیم عـــہ۳ الملك وعدیم الزاد فقد انتقلوا بوجهین من الکثرة الی الوحدةو	حرفوں کا مجموعہ "یا" ہے اور اگر الٹ کریں تو مجموعہ "اِی" ہے جبکہ "یا" ندااور طلب کے لئے ہے اور "ای" قبول و منظوری کے لئے ہے تواس طرح گیارہ کے عدد میں حضور غوث اعظم کا سوال اور امداد طلب کرنے کا لوگوں سے معاملہ سمجھ آتا ہے (کہ جس طرح "یا" میں "ی" دہائی اور کثرت اور اس کے بعد "الف" وحدت ہے) یوں ہی سائلین کثیر تعداد والے کثیر مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبات کو دربار عالیہ میں پیش کرتے ہوئے کثرت سے وحدت کی طرف متوجہ ہوں گے (کیونکہ آپ واحد ہیں) نیزیوں بھی کہ سائلین اور حاجتمند کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود غوث پاک کی طرف متوجہ ہونے میں یکساں ہیں خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، شہنشاہ ہوں یا گدا، تو قلبی حاجات مختلف و کثیر مگر ان کے ازالہ کا ڈھنگ ایک، لہٰذا کثرت

عـــہ۱ وقوعه ههنا علی قول انه کنعم مطلقا ظاهروالا فالتقدیر یاسیدی هل تقضی حاجتی الجواب ای والله ۱۲منه (م)

یہاں اس کا استعمال "نعم" کی طرح ہے جیسا کہ ایک قول ہے ورنہ اصل میں، اے میرے آقا! کیا آپ میری حاجت روائی فرمائیں گے، جواب میں اِی واللہ ہے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲ وذلك طریق الارقام الجفریة یقدمون فیها الآحادثم عشرات الخ فالف ومائة واحد عشربار قامهم "ایقع" وبالارقام النجومیة "غقیا" ۱۲(م)

یہ جفری علم کی رقم کا طریقہ ہے جس میں اکائی کو دہائی پر مقدم کرتے ہیں مثلاً ہزار، سو کے بعد گیارہ کا ذکر ان کی رقم میں "ایقع" ہے اور نجومی رقم میں "غقیا" ہے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۳ الاضافة لفظیة ای عظیم ملکه او معنویة فالعظیم بمعنی السلطان کعظیم الروم ای سلطانه ۱۲(م)

یہ اضافت لفظی ہے یعنی اس کا ملک عظیم ہے اور اگر اضافت معنوی بنائی جائے تو عظیم بمعنی سلطان ہوگا جیسے عظیم الروم ہے ۱۲(ت)

هذا شان [عہ۱] یا وحركة الیاء لاضطرابهم فی الطلب وتخصیص الفتح یدل مالهم من فتح وفیض ببركة هذا النداء، ثم هو رضی الله تعالٰی عنه مستغرق فی بحارالوحدة رفیع مقامه عن مجامع الكثرة فاذا نودی لكشف بلاء اورشف عطاء دعاه الكرم الی التنزل من غیب الوحدة الی مشاهد الكثرة وذلك شان [عہ۲] اِی والكسر یحكی التنزل و سكون الیاء لتسكین قلقهم فكان المعنی انهم تحركوا من مقام الكثرة مضطربین وهم یوزعون متوجهین الی حضرة الوحدة متحدین هنالك فی الرغبة والرهبة وكان رضی الله تعالٰی عنه ساكنا فی مقام الوحدة فتنزل منه الی نادی الكثرة لتسكین قلوبهم و اصلاح خطوبهم والحاصل انه اذا دعی یجیب وسائله لایخیب، **ومن عجائب**	کے بعد وحدت جیسے "ی" کے بعد "الف" ہے دوطرح سے ثابت ہے۔ یہ "یا" کے لحاظ سے ہے پھر "ی" کی حرکت، طالبین کے اضطراب، اور اس حرکت کا فتح ہونا اس ندا کی برکت سے فتح وفیض کی علامت ہے، اور "اِی" کے اعتبار سے یہ کہ غوث اعظم بحر وحدت میں مستغرق ہیں اور کثیر اجتماعات سے آپ کا مقام بلند وبالا ہے، جب آپ کو مصائب مٹانے اور عطیات نچھاور کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے تو آپ کو کرم وسخا مجبور کرتا ہے کہ آپ وحدت غیب سے تنزل فرماکر کثرت مشاہد پر توجہ فرمائیں (یہ وحدت سے کثرت کی طرف رجوع ہے جیسا کہ "اِی" میں "الف" اور پھر "ی" ہے) اور "اِی" کا کسرہ (زیر) تنزل کی حکایت ہے اور "ی" کا سکون طالبین کا پریشانی سے سکون ہے۔ معنی یہ ہوا کہ حاجتمند لوگ اضطراب کی حالت میں متفرق طور پر مقام کثرت سے مقام وحدت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور سب کے سب امید وخوف میں یکساں ہیں اور آپ یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مقام وحدت پر ساکن ہیں، پھر آپ نداء کرنے والے کثیر لوگوں کی طرف تنزل فرماکر ان کے دلوں کو تسکین دیتے ہیں اور ان کی پراگندہ حالت کی اصلاح فرماتے ہیں غرضیکہ جب آپ کو نداء دی جائے تو آپ جواب دیتے ہیں اور

عہ۱ فانه ینتقل فیها من العقد الی الواحد ۱۲ (م)	کیونکہ اس میں دہائی سے اکائی کا انتقال ہے ۱۲ (ت)
عہ۲ فان الواحد مقدم فیه علی الكثیر ۱۲ (م)	کیونکہ واحد، کثیر پر مقدم ہے ۱۲ (ت)

صنع الله سبحنه وتعالٰی ان ا اول الحروف فلا حرف فوقها وی اٰخر الکل فلاحرف تحتها فمن ترقی من ی فلامظهر له وراء ا ومن تنزل من ا فلا منزل له تحت ی فدل ذٰلك ان سیدنا رضی الله تعالٰی عنه اخذ فی الطرفین بغایة الغایات فتنقطع مطایا الکاملین دون سیرہ فی الله فلذا کانت قدمه علی جمیل الرقاب ولذا قال رضی الله تعالٰی عنه الانس لهم مشایخ، والجن لهم مشایخ و انا شیخ الکل بینی وبین مشایخ الکل کما بین السماء والارض لا تقیسونی باحد ولا تقیسوا علی احداوکذا ما استکمل المکملون عــه سیرہ من الله ولذا کانت	سائل کو محروم نہیں کرتے۔اللہ تعالٰی کے عجائبات میں سے ہے کہ "الف "پہلا حرف ہے اور "ی "آخری حرف ہے جس کے بعد کوئی حرف نہیں ہے، اگر کوئی "ی" سے آگے بڑھناچاہے توآگے الف ہی پائے گا،اور اگر کوئی الف سے آگے بڑھے گا تو "ی" سے آگے کوئی منزل نہ پائے گا توگیارہ کے حرف یعنی "یا" سے پتاچلتاکہ آپ دونوں طرف انتہائی مقاصد پر رسائی رکھتے ہیں اور تمام کاملین حضرات سیر فی اللہ میں غوث اعظم کی سیر فی اللہ سے بہت پیچھے ہیں، اسی لئے آپ کاقدم گردنوں پر ہے اوراسی لئے آپ نے فرمایاکہ انسان اور جن اور ملائکہ کے اپنے اپنے مشائخ ہیں جبکہ ان سب کا شیخ میں ہوں اور میرے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین وآسمان کافرق ہے مجھے کسی دوسرے پر اور کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس نہ کرو،اور ایسے ہی کوئی کامل شخص آپ کی سیر فی اللہ کواللہ تعالٰی سے کامل طور پر حاصل نہ کرسکا۔یہی وجہ ہے کہ

عــہ۱: ای یجمع اولهم واٰخرهم ۱۲(م)

عــہ۲: ولاحاجة الی ابداء استثناء الانبیاء والمرسلین علیهم الصلٰوة والسلام فانه مرکوز فی اذهان المسلمین وکذا الصحابة والتابعون لهم باحسان لما عرف فی محله وبالجمله فسیدنا رضی الله تعالٰی عنه افضل الاولیاء الا من قائم الدلیل علی استثنائه ۱۲ (م)

عــہ۳ هذا کذلك ۱۲منه (م)

عــہ۴ هذا کذلك ۱۲منه (م)

یعنی ان کے اول اور آخر سب کو جمع کریں گے ۱۲(ت)

یہاں انبیاء ومرسلین کے استثناء کااظہار ضروری نہیں کیونکہ یہ بات تمام مسلمانوں کے ذہنوں میں مرکوز ہے یوں ہی صحابہ وتابعین کااستثناء بھی معلوم ہے حاصل یہ کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں مگراس میں وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے ۱۲(ت)

یہ بھی اسی طرح ۱۲منہ (ت)

یہ بھی اسی طرح ۱۲منہ (ت)

هدايته اتم واوفر، وطريقته انفع و ايسر، وكراماته اكثر واظهر، حتى لم ينقل عشرها ولامعشارها عن احد من الاولياء فيما نعلم ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم، واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله ربّ العٰلمين، والصلوٰة والسلام على خاتم النبيين، محمد واٰله وصحبه اجمعين، وابنه هذا الفرد المكين، والغوث المبين، وعلينا بهم ياارحم الراحمين، واوفٰى ختامه ستًا بقين من صفر الخير يوم جمع المسلمين، سنة الف وثلثمائة وخمس، من هجرة من اُتى بالصلوات الخمس، وردّت لامره من المغرب الشمس، صلى الله عليه وعلٰى اٰله اجمعين، والحمدلله رب العٰلمين۔	آپ کی رہنمائی اتم اور اکمل ہے اور آپ کا طریقہ آسان وواضح ہے اور آپ کی کرامات کثیر اور غالب ہیں حتی کہ کسی ولی کی کرامات آپ کی کرامات کی نسبت عشر عشیر بھی منقول نہیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطافرماتا ہے اللہ تعالٰی بڑے فضل والا ہے۔ ہمارا آخری اعلان ہے کہ سب تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لئے ہیں اور صلوٰۃ وسلام خاتم النّبیین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل وصحابہ پر اور آپ کے اس حاکم بیٹے اور واضح غوث پر، اور ان کے ساتھ ہم پر یا ارحم الراحمین۔ اس رسالہ کا اختتام ۲۴صفر بروزجمعہ ۱۳۰۵ھ کو ہوا، سن ہجری اس ذات کی ہجرت جس کو پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور جن کے حکم پر مغرب سے سورج واپس پلٹا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین، الحمدللہ رب العٰلمین۔(ت)

وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح ۱۳۱۲ھ

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان)

(ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۴: از اوجین، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی ملا محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۶/رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلاد ہندوستان میں کہ سب اہل سنت وجماعت بفضلہٖ تعالٰی حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سنا کہ تمام حفاظ قرآن، تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سورت پر، بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسل خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعوی کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسواء سورہ برات کے، از بس لازم ہے ورنہ ۱۱۱۳ ایک سو تیرہ اور کبھی کہتا ہے ایک سو چودہ ۱۱۴ آیت کا نقصان لازم آئے گا، بسم اللہ کا جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک تواتراً منقول ہے حنفیّہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر ہے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں، عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اسے کہا بتسویل نفسانی، منہمک سیآت کے ہوا اور تخریبِ دین محمدی میں کمر باندھ کر اصول و قواعد دینیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت اور دو فتوے مولویین مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۱۵ پر لکھا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تبیین الضاد ترجمہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہل قرات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے

والے پر، جو اُن قاریوں کی قرات پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا جزو جانتے ہیں، واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک سوچودہ ۱۱۴ آیتوں کا کم کرنا اور ترک کردینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے، ان شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک وغفلت کا کیاسبب ہے فقط، صفحہ ۷ اپر لکھا "استفتائے مولوی رشید احمد گنگوہی، بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی، یہ بھی قرا کا مذہب ہے، اگر حضرت حفص کی اقتداء کرو، درست ومقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیّہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں، سب حق پر ہیں سب کے مذاہب صحیح ودرست ہیں لیکن حفاظ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے عندالحفص ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی"، صفحہ ۱۸ اپر لکھا "استفتاء قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی، زمانہ قراء سبعہ کا، زمانہ اجتہاد وعمل بالسنۃ کا تھا، زمانہ تابعین کا تھا، اور مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں، اور مدار قراء کا فقط روایت وصحت پر ہے اور قراء سب اپنی اپنی قراءت کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہٰذا قراءت میں کسی اہل ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تازمانہ قراء، محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، ائمہ قرات کو پوچھنا کہ کیا مذہب رکھتے تھے، حمق ہے، بعد صحت روایت کے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف کا ہے، جب مدار صحت روایت پر مذاہب اربعہ میں ہوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قرات پڑھے گا اس کی قرات میں جو ہو اس کی اتباع کرے، جو کہ امام عاصم کی قرات میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایۃً، اور کہیں حنفیّہ کی کتب میں ممانعت قرات عاصم وحفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا وِالاّ پورا ختم روایت حفص میں نہ ہوا فقط واللہ اعلم بالصواب العبد عبدالرحمٰن عفی عنہ"۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوٰۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابوحنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قرائے مسبلمین، بسم اللہ کو جہرًا پڑھنا ساتھ تاکد کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمٰن صاحب کی زبانی بھی سنی ہے"۔ اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات وفتاوٰی صحیح ہیں یا غلط، اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ سرا وجھارا ولیلا ونھارا حمدا	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں آہستہ اور بلند، دن اور

كبارا ادامة واكثارا والصلوات السامية والتحيات النامية على من سن فى الصلوٰة اسرار التسمية وعلى اله وصحبه النفوس الحامية لبيضة السنة من الغوغاء العامية اٰمين اٰمين ياارحم الراحمين۔	رات کو، بڑی حمدیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچا سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنت فرمایا اور آپ کی آل واصحاب پر جو کہ خالص سنت کو عوام کے شور ش سے محفوظ رکھنے والے ہیں آمین آمین یاارحم الراحمین۔ (ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر، مذہب حنفی میں لازم وواجب ہونا محض بے اصل و باطل صریح، اور حنفیّہ کرام پر افتراء قبیح ہے تحصیل سنت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر وغیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:

البسملة من القراٰن اٰية فتقرأ فى الختم مرة[1]۔	یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

على هذا ينبغى ان يقرأها فى التراويح بالجهر مرة ولاتتأدى سنة الختم دونها[2]۔	یعنی اس بناپر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت ختم ادانہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:

من قال بكون البسملة جزء من القراٰن من غيرتعيين المحل اوجزئيتها له فى اول كل سورة قال بوجوب قراء تهافيمايختم فيه القراٰن من الصلوٰة كالتراويح الا ان الجماعة الاولى تقول بوجوب قراء تها جهرًا مرة والثانية	یعنی جو علماء بسم اللہ شریف کو جزوِ قرآن مجید مانتے ہیں خواہ بے تعیین محل (جیسے علماءِ حنفیّہ وغیرہم) یایوں کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علماءِ شافعیہ) ان سب کے نزدیک جس نماز میں قرآن مجید کا ختم کیاجائے جیسے تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک

[1] مسلم الثبوت کامل، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۱۵۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۴

تقول بوجوب قرأتها جهرا فی اول كل سورة سواء البراءة[1]۔	صرف ایک بار بآواز اورشافعی مذہب میں سورہ برات کے سواہر سورت کی ابتداپر۔

قمرالاقمار مولانا عبدالحلیم انصاری میں ہے:

اعلم ان التسمية اٰية من القراٰن كله انزلت للفصل بين السور وليست جزء من الفاتحة ولامن كل سورة فالقراٰن عبارة عن مائة واربعة عشر سورة واٰية وهی التسمية فلابد فی ختم القراٰن من قراءة التسمية مرة علی صدراٰية سورة كانت وهذا كله عندنا علی المختار[2] ھ مختصرا۔	یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی، نہ وہ فاتحہ کی جز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سوچودہ ۱۱۴ سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی سورت کے سرے پر ایک بارپڑھنا ضرور ہے یہ سب ہمارے ائمہ کامذہب مختار ہےاھ مختصراً۔

جواب مسئلہ تواسی قدر سے ہوگیامگر فقیر غفراللہ بعون رب قدیر جل جلالہ، تحقیق حق تصحیح وتلخیص قول رجیح کے لئے چند افادات عالیہ لکھے جن سے بتوفیق تعالٰی احکام مسئلہ کو نورانکشاف اور اوہام باطلہ کو ظہورانکساف ملے واللہ المعین وبہ نستعین (اللہ تعالٰی مددگار ہےاوراسی سے ہم مددطلب کرتے ہیں۔ت)

افادہ اولٰی: بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہورائمہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کامذہب حق ومحقق یہ ہے کہ وہ کسی سورت قرآن کی جز نہیں، جداگانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک وفصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہوئی۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلہ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں:

الصحيح من المذهب انهامن القراٰن لكنها ليست جزء من كل سورة عندنا بل هی اٰية منزلة للفصل بين السور كذا ذكر ابوبكر الرازی ومثله روی عن محمد رحمه الله تعالٰی[3]۔	صحیح مذہب ہمارایہ ہے کہ وہ قرآن کی جز ہے مگرہر سورت کی جزنہیں بلکہ یہ ایسی آیۃ ہے جوسورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکررازی نے ذکر کیااور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔(ت)

[1] شرح مسلم الثبوت ولی اللہ

[2] قمرالاقمار حاشیہ نورالانوار مقدمہ الکتاب مطبوعہ مطبع علیمی دہلی ص۹

[3] کتاب التحقیق شرح حسامی مقدمہ الکتاب مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤص۶

امام محقق ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

المشھور عن اصحابنا انھا لیست بآیۃ من الفاتحۃ ولامن غیرھا بل ھی اٰیۃ من القراٰن مستقلۃ نزلت للفصل بین السور[1]۔	ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی مستقل آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

ان مذھبنا ومذھب الجمھور لیست اٰیۃ من الفاتحۃ ولامن کل سورۃ[2]۔	ہمارا اور جمہور کامذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام ابوالبرکات نسفی کنزالدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر اور علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی تنویرالابصار میں فرماتے ہیں:

ھی اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین السور ولیست من الفاتحۃ ولامن کل سورۃ[3]۔	یہ قرآن کی آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا البسملۃ اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحۃ ولامن اول کل سورۃ[4]۔	ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سوتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے(ت) اسی طرح بہت کتب میں ہے:

افادہ ثانیہ: مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں دو سورہ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوکر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۶

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵، درمختار فصل واذاارادالشروع فی الصلوٰہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری خطبۃ الکتاب مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/۱۲

میں فرماتے ہیں:

تعدد نزولها یقتضی تعدد قراٰنیتها کیف و قدقیل بتکرار نزول الفاتحة ولم یقل احد بتعدد قراٰنیتها[1]۔	بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وہ متعدد بار قرآن کا جز بنے، یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورہ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا(ت)

علامہ خسرو کے حاشیہ تلویح میں ہے:

القول بتکررہ لایقتضی القول بتعددها کیف وقدقیل الیٰ اٰخر مامر[2]۔	بسم اللہ کے تکرار نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کو لازم نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سورہ فاتحہ کے بارے، الیٰ آخرہ۔(ت)

ولہٰذا علامہ بحر نے بحرالرائق میں فرمایا:

انها فی القراٰن اٰیة واحدة یفتتح بها کل سورة وعندالشافعی اٰیات فی السور[3]۔	یہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اس سے ہر سورۃ کا افتتاح کیا جاتا ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر سورۃ کی علیحدہ آیت ہے۔(ت)

اسی طرح قمرالاقمار سے بھی گزرا کہ وہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک سو تیرہ یا چودہ آیتیں ہوں اور جب آیت واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کما لا یخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو۔ت) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سو بار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔

افادہ ثالثہ: بسم اللہ شریف کا جزو سورت ہونا، ہرگز ہرگز حضور پرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہونا درکنار، ثابت کرنا دشوار، اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان وافتراء، بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ،

کحدیث قسمة الصلٰوة وحدیث ثلثین اٰیة	جیساکہ تقسیم نماز والی حدیث، اور وہ حدیث جس میں سورۃ

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح حاشیہ ۲۵ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵
[2] حاشیہ تلویح لملاخسرو مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۳۱
[3] بحرالرائق باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۳

للملك وغيرها كمافصله العلماء الكرام فى تصانيفهم ولاحاجة الى ايرادها هنافان شهرة الكلام فيه اغنتنا عن اعادته و اطالة المقال بتذكاره۔	ملک کی تیس آیتوں کاذکراور ان جیسی اور احادیث جن کو علماء کرام نے مفصل طورپر اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے سے مستغنی کردیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔(ت)

افادہ رابعہ: یونہی اس پر اجماع امت کا بیان افترا وبہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام وتابعین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزوسور نہیں، قول جزئیت اُن کے بعد حادث ونو پیداہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

| هذا ان قلنا ان البسملة ليست باٰية ولا بعض اٰية من اول الفاتحة ولامن غيرها وانما كتبت فى المصاحف للتيمن والتبرك اوانها فى اول الفاتحة لابتداء الكتاب على عادة الله جل وعز فى ابتداء كتبه وفى غيرالفاتحة للفصل بين السور قال ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايعرف فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله الرحمٰن الرحيم وهو مذهب مالك وابى حنيفة والثورى وحكى عن احمد وغيره وانتصرله مكى فى كشفه وقال انه الذى اجمع عليه الصحابة والتابعون و القول بغيره محدث بعد اجماعهم وشنع القاضى ابوبكر بن الطيب بن الباقلانى المالكى البصرى نزيل بغداد على من خالفه | یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سورۃ کی جز نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہذا سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابو حنیفہ، ثوری کا مذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا ہے اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی، اور قاضی ابوبکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ |

وکان اعرف الناس بالمناظرۃ وادقھم فیھا نظر[1]۔	قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقّت نظر رکھتے ہیں۔(ت)

امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

قال بعض اھل العلم ومن جعلھا من کل سورۃ فی غیرالفاتحۃ فقد خرق الاجماع لانھم لم یختلفوا فی غیر الفاتحۃ[2]۔	بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کاجز مانتاہے وہ اجماع کاخلاف کرتاہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں۔(ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃالقاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

فان قیل نحن نقول انھا اٰیۃ من غیرالفاتحۃ فکذلك انھا اٰیۃ من الفاتحۃ قلت ھذاقول لم یقل بہ احدولھذا قالوا زعم الشافعی انھا اٰیۃ من کل سورۃ وماسبقہ الی ھذا القول احدلان الخلاف بین السلف انماھو فی انھا من الفاتحۃ اولیست باٰیۃ منھا ولم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[3]۔	اگراعتراض کیاجائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں تواس کامعنی یہ ہوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتاہوں کہ یہ کسی کاقول نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہاکہ صرف امام شافعی کاخیال ہے کہ یہ ہر سورہ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے اسلاف میں صرف یہ تھاکہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یانہیں، اوراس کو کسی نے باقی سورتوں کاجز نہیں مانا۔(ت)

افادہ خامسہ: تمام مصاحف حفصیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشان آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورہ بقر سے لے کر سورہ ناس تک تمام سور میں آیات حفصیہ کی گنتی بتائیے، دیکھئے توکہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آئی ہے، مثلاً سورہ اخلاص چارآیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چارآیتیں ہیں، سورہ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جداہی تین آیتیں ہیں وعلی ھذا القیاس بخلاف سورہ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اوران کے نزدیک انعمت علیھم پرآیت نہیں ولھذا ہمارے مصاحف

[1] غیث النفع فی القراءات السبع باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۷
[2] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذااراد الدخول الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷
[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

میں اس پر نشان آیت، عند الغیر ۵، لکھتے ہیں نہ o، یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص، سب کے نزدیک، سوا فاتحہ کے، کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قول جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔
امام زیلعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں:

ان کتاب المصاحف کلھم عدوا اٰیات السور فاخرجوھا من کل سورۃ وقال بعض اھل العلم[1] الی اٰخر مامر۔	قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سورتوں کی آیات کو شمار کیا ہے اور انہوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات میں شمار نہیں کیا، اور بعض علماء نے گزشتہ قول کوانہوں نے آخر تک بیان کیا۔(ت)

عمدہ میں امام عینی کاارشاد گزرا: لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[2] (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیۃ نہیں مانا۔ت)

تنبیہ: شمار سے اخراج توعدم جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور ادخال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہوسکے گا، امام زیلعی نصب الرایہ اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

لعل اباھریرۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأھا فظنھا من الفاتحۃ. فقال انھا احدی اٰیاتھا و نحن لاننکر انھا من القراٰن، و لکن النزاع وقع فی مسئلتین احدٰھما انھا اٰیۃ من الفاتحۃ. والثانیۃ ان لھا حکم سائر اٰیات الفاتحۃ جھرا وسرا، ونحن نقول. انھا اٰیۃ مستقلۃ قبل السورۃ. ولیست منھا، جمعابین الادلۃ. وابوھریرۃ لم یخبر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال: ھی احدی اٰیاتھا.	ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھتے ہوئے سنا توخیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جز ہے توانہوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں شامل ہے، بسم اللہ کاقرآن کی آیت ہونے سے ہمارا انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کاحکم فاتحہ کی دوسری آیات والاہے کہ جہر وسر میں ان کی طرح پڑھی جائے گی یانہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں، یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ

[1] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷
[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

وقراء تهاقبل الفاتحة لايدل على ذلك و اذاجاز ان يكون مستند ابى هريرة قراءة النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم لها، وقد ظهر ان ذلك ليس بدليل على محل النزاع، فلايعارض به ادلتنا الصحيحة الثابتة[1] اھ۔	ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ خبر نہیں دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیۃ ہے جبکہ محض سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور جب صرف حضور کاپڑھنا ہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل ہوتو یہ محل نزاع یعنی فاتحہ کاجز ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی، لہذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہوسکتی اھ (ت)

افادہ سادسہ: جزئیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام، علمائے عظام، سے غفلت ہے بلکہ جزئیت سورت درکنار جزئیت قرآن بھی خبراً متواتر نہیں،

ولذا انكرها الامام الاوزاعى والامام مالك و بعض مشايخنا ونسب للمتقدمين بل وقع فى التلويح وحواشى الكشاف وغيرهما انه المشهور من مذهب ابى حنيفة رضى الله تعالٰى عنه[2] قال القهستانى ان هذالم يوجد[3] قال الشامى فى ردالمحتار اى بل هو قول ضعيف عندنا[4]۔	بسم اللہ کے قرآن کاجز ہونے کاامام اوزاعی، امام مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیاہے۔ متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ کامشہور مذہب ہے، امام قہستانی نے فرمایااس قول کاوجود نہیں ہے، علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایاہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔(ت)

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں:

قال الجد المحقق فى تفسير الفاتحة قال ابوحنيفة ومالك رحمهما الله تعالٰى المعتبر التواتر فى قرأنيتها لافى نقله فقط وهو الحق	بزرگ محقق نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ اس کاقرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۸۶/۵، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض الشیخ ۳۴۳/۱

[2] التوضیح والتلویح مع حاشیہ چلپی بیان ادلہ اربعہ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۰

[3] جامع الرموز فصل صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱۵۱/۱

[4] ردالمحتار مطلب قرأۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹۱/۱

اذمن الظاھر ان النقل اذالم یکن علی انہ قراٰن لایفید القراٰنیۃ والتواتر فی نقل البسامل لیس علی انہ قراٰن والالم یخالف فیہ بل کتب فی المصاحف للفصل والتبرك بھا[1] الخ	کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو تو پھر بسم اللہ کاقرآن ہوناثابت نہیں ہوگا، اور بسم اللہ کے نقل میں جوتواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا گیاہے الخ (ت)

ہمارے ائمہ کہ اثبات فرماتے ہیں، بوجہ اثبات فی المصاحف وامر بالتجرید، دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں نہ تواتر سمعی، بالجملہ حق یہ کہ بسم اللہ شریف کاجزء قرآن عظیم ہونا توہمارے نزدیک دلیل قطعی سے ثابت ہے مگرجز سور ہونا ہر گزنقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیل قطعی سے باطل، اور بعض اخبار احاد کو، کہ موہم جزئیت واقع ہوئے، مخالف قاطع کے سبب نامقبول و مضمحل بتاتے ہیں، نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کہ قائلین جزئیت ہیں خود منکر قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ امام عبدالعزیز بن احمد بخاری تحقیق میں فرماتے ہیں:

النقل المتواتر لمالم یثبت انھا من السورۃ لم یثبت ذلک[2]۔	جب نقل متواتر بسم اللہ کو سورت کاجز ہوناثابت نہیں کرتا تو اس کاجز ہوناثابت نہ ہوگا۔ (ت)

علامہ بہاری مسلم الثبوت اور علامہ بحر فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

(لم یتواتر انھا جزء منھا) فلاتثبت الجزئیۃ اذقد سبق ان تواتر الجزئیۃ شرط لاثباتھا[3]۔	اس کاجز ہونا تواتر سے ثابت نہیں، لہذا جزئیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ پہلے معلوم ہوچکا ہے جزئیت کے اثبات کے لئے جزئیت کاتواتر شرط ہے۔ (ت)

اُنہیں میں ہے:

(عارضہ القاطع) وھوعدم تواتر الجزئیۃ الدال علی عدمھا فی الواقع فیضمحل المظنون	بسم اللہ کے جز ہونے کو ایک قطعی دلیل معارض ہے اور وہ جزئیت کے تواتر کانہ ہونا جوکہ فی الواقع جزنہ ہونے

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح بیان ادلہ اربعہ حاشیہ ۲۶ متعلق ص۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] کتاب التحقیق شرح الحسامی مقدمہ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۶

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۴

وھذا ھوالجواب عن الاخبار الاحاد التی توھم الجزئیة بل یجب ان تکون ھذہ الاخبار مقطوع السھو والالتواترات[1] الخ	کی دلیل ہے پس ظنی امر کمزور قرار پائے گا، یہ جزئیت کاوہم پیدا کرنے والی اخبار احاد کاجواب ہے لہٰذا ان اخبار کا سہو قطعی ہے ورنہ اگر بسم اللہ سورۃ کاجز ہوتی توتواتر سے ثابت ہوتی۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لایثبت کونھا اٰیة من کل سورة من السور بلادلیل قطعی کمافی سائر الاٰیات واجماع الصحابة علی اثباتھا فی المصحف لایلزم منه انھا اٰیة من کل سورة بل اللازم منه مع الامر بالتجرید عن غیرالقراٰن انھا من القراٰن وبه نقول انھا اٰیة منه نزلت للفصل بین السور[2]۔	قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کاجز ہونا اور آیت ہوناثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پراجماع ہونااس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کوغیر سے مبرّا رکھنے کے حکم سے اتنالازم آتاہے کہ یہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جوکہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔(ت)

علامہ بحرالفقہ زین بن نجیم مصری شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

ھی قراٰن لتواتر فی محلھا ولاکفر لعدم تواتر کونھا فی الاوائل قراٰنا[3]۔	بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ تواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کے انکار سے کفرلازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت نہیں۔

علامہ سیدابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

ثبوت قراٰنیتھا لاعلی سبیل التواتر ولھذا علل فی النھر عدم تکفیر جاحدھا بعدم	بسم اللہ کے قرآن ہونے پرتواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کاانکار کرے توکفر

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۱۵/۲

[2] غنیۃ المستملی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۷

[3] منحۃ الخالق حاشیہ علی البحرالرائق فصل واذااراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۲/۱

تواتر کونھا قراٰنا۔[1]	نہ ہوگا نہر میں عدم تکفیر کی یہی علت بیان کی گئی ہے (ت)

علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں:

لانھا وان تواترت کتابتھا فی المصاحف ولم یتواتر کونھا قراٰنا[2]۔	مصحف میں اس کو لکھنے کے تواتر سے اس کے قرآن ہونے کاتواتر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الرازی میں فرماتے ہیں:

ولم یتواتر تسمیتھا قراٰنا واٰیۃ بالنقل عنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اذلو تواتر لکفر جاحدھا وھو لایکفر بالاتفاق[3]۔	بسم اللہ کا نام، قرآن یا سورۃ کی آیۃ، تواتر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کاانکار کفر ہوتا، حالانکہ باتفاق یہ کفر نہیں ہے۔ (ت)

اُسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ سے ہے:

المسألۃ اجتھادیۃ ظنیۃ لاقطعیۃ کماظنہ بعض الجھلۃ من المتفقھۃ۔[4]	یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کاخیال ہے۔ (ت)

اسی میں تفسیر امام سمین مسمّٰی بالوجیز سے ہے:

المطلوب ھنا الظن لاالقطع[5]۔	اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں (ت)

اسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے:

انہ اقام الدلیل علی الاکتفاء بالظن فیما نحن[6]۔	ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ صرف ظن کافائدہ دیتی ہے۔ (ت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

---

[1] فتح اللہ المعین علی شرح الکنز فصل واذاارادالدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۴۱

[3] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰

[4] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰

[5] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰

[6] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰

البسملة اٰية من الفاتحة عملا وظنا لاقطعا[1] الخ نقله عنه القاری فی المرقات۔	بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جز ہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے الخ اس کو ملاعلی قاری نے مرقات میں ان سے نقل کیا ہے (ت)

علامہ سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

ان المحققين من الشافعية وعزاه الماوردی للجمهور علی انه اٰية حكما لاقطعا قال النووی والصحيح انها قراٰن علی سبيل الحكم ولوكانت قراٰنا علی سبيل القطع لكفرنا فيها وهوخلاف الاجماع[2]۔	محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق ان کے جمہور نے کہا ہے کہ بسم اللہ کا فاتحہ کی جز ہونا حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے، اور امام نووی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا قرآن ہونا حکمی ہے اور اگر قطعی ہوتا تو ہم مخالف کو کافر کہتے جبکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

اسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلّی شافعی سے ہے:

البسملة منها ای من الفاتحة عملا لانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عدها اٰية منها صححه ابن خزيمة والحاكم ويكفی فی ثبوتها من حيث العمل الظن[3]۔	بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے جس کی ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے ظن ہی کافی ہے۔ (ت)

افادہ سابعہ: اقول: وباللہ التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لااقل ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر تمام قراء کا اجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت؎ سورت غیر برات میں اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورت کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام نافع مدنی بروایت قالون اور امام عبداللہ بن کثیر مکی و

؎ شروع تلاوت اگر ابتدائے سورت کے علاوہ، کہیں وسط سے ہو، تو بسم اللہ کی حاجت نہیں، بہتر ہے اور اگر ابتدائے سورت سوائے برات سے تلاوت آغاز کرے تو بسم اللہ بالاجماع پڑھے، پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں اُن پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲(م)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۹۶

[2] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۹

[3] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۹

امام عاصم بن بہدلہ کوفی وامام علی بن حمزہ کسائی کوفی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبداللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوفی وامام ابوعمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسہ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم بابتدائے واحد ختم کرے، تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قراء پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔ غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بینهم فی ان القارئ اذا افتتح قراء ته باول سورة غیربرائة انه یبسمل سواء کان ابتداء ه عن قطع اووقف (الی ان قال) واختلفوا فی اثبا تها بین السورتین سواء کانتا مرتبتین اوغیرمرتبتین فاثبتها قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفها حمزة ووصل السورتین (الی قوله) وانما اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء لانها مرسومة فی المصاحف فمن یترکها فی الوصل لولم یأت بها فی الابتداء لخالف المصاحف وخرق الاجماع[1] الخ۔	اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاری کسی سورۃ کو ابتداء سے شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے ماسوا سورۃ براءت کے، خواہ قاری قطع کے بعد ابتداء کرے یا وقف کے بعد، ہر طرح بسم اللہ پڑھے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا) اور تلاوت میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے خواہ دونوں کو ترتیب سے پڑھے یا غیر ترتیب پر پڑھے، امام قالون، مکی، عاصم اور علی نے بسم اللہ کو ثابت مانا ہے اور امام حمزہ نے حذف کرنا، قرار دیا ہے اور دونوں سورتوں میں وصل کا قول کیا ہے (اور پھر اس کو بیان کیا کہ) ان ائمہ نے دونوں سورتوں کے وصل کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں لکھی ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ (ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے:

اخبران رجالا بسملوا بین السورتین وهم قالون والکسائی وعاصم وابن کثیر والباقین لایبسملون بین السورتین لان هذا من قبیل الاثبات والحذف[2] ھ ملخصا۔	معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دو سورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات وحذف والا ہے اھ ملخصاً (ت)

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

[2] سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۸

اب نظر غائر کیجئے تو حذف صراحةً نافی و منافی جزئیت ہے کہ اگر جز ہوتی تو حذف کیونکر ہوسکتی، اور اثبات اصلاً مفید جزئیت نہیں کہ اثبات اعوذ پر بھی اجماع قراء ہے اور وہ بھی مثل اثبات بسملہ متواتر، حالانکہ باجماع مسلمین قرآن نہیں، غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بین العلماء ان القارئ مطلوب منه فی اول قرأته ان یتعوذ[1]	الخ علماء میں یہ کوئی اختلاف نہیں کہ قاری قرآن کی تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھے الخ (ت)

شرح الشاطبیہ لابن القاصح میں ہے:

الاستعاذة قبل القرأة باجماع وقوله مسجلا ای مطلقا الجمیع القرأة وفی جمیع القراٰن[2]۔	اعوذ باللہ قرات شروع کرنے سے قبل بالاجماع پڑھی جائے، اس کے قول مسجلا کا معنی تمام قراء کے نزدیک تمام قرآن کے شروع میں۔ (ت)

تو مجرد اثبات و روایت متواترہ قراء سے عندالتحقیق جزئیت قرآن پر بھی جزم نہ ہوسکتا نہ کہ خاص جزئیت سورت پر، ولہذا علمائے عالم جیسا کہ اثبات وتواتر تعوذ پر اجماع کرکے اس کی عدم قرآنیت پر اجماع رکھتے ہیں یونہی اثبات و تواتر بسملہ یک بار مطلقاً پر اجماع فرماکر اس کی قرآنیت میں اختلاف رکھتے ہیں تو مجرد اثبات قراء وتواتر روایت سے جزئیت پر دلیل لانی محض باطل ہے، ہاں قرآنیت بسم اللہ پر اس کے سوا ایک دلیل قطعی قائم ہوئی جس کا ذکر اوپر گزرا، جمہور ائمہ قائل قرآنیت ہولئے اور جزئیت سورت پر کوئی دلیل قطعی نہیں لہذا جمہور ائمہ جانب جزئیت نہ گئے، بحمداللہ تعالٰی اس تقریر سے مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ ائمہ قراءت کا اثبات متواتر اصلاً مفید جزئیت نہیں، اس بناپر حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تواتر جزئیت کا ادعائے باطل درکنار قراء سے تواتر قول بالجزئیت بھی ثابت نہیں ہوسکتا بالجملہ یہ کہنا حق ہے کہ اثبات وحذف دونوں متواتر قطعی اور یہ کہنا باطل کہ جزئیت و عدم دونوں القطع مروی کہ اثبات وجزئیت میں شرق و غرب کا فرق ہے اس پر ایک دلیل جلیل واضح وروشن یہ بھی ہے کہ قائلان جزئیت بعض احادیث احاد سے احتجاج واستناد کی طرف جھکے اور اس بناپر کہ ثبوت قطعی نہیں ظنیت مسئلہ کی تصریحیں کرگئے دفع اعتراض کے لئے یہاں کفایت ظن کے قائل ہولئے جیسا کہ ابھی کلمات امام حجۃ الاسلام و امام ماوردی و امام نووی محلّی و امام ابن حجر وغیرہم سے مذکور ہوا اگر اثبات قراء مثبت جزئیت ہوتا تو اسی پر تعویل کرتے قطعیت چھوڑ کر ظنیت کی طرف کیوں اُترتے هذا کله جلی واضح عند کل من له فهم وعقل فضلا

[1] غیث النفع فی القراءت السبع باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۸

[2] تذکار المقری شرح شاطبیہ لابن القاصح باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۲۶

عن اھل العلم والفضل (یہ تمام اہل فہم اور اہل عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہل علم وفضل پر واضح نہ ہو۔ت) اور یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت وسخت سفاہت ہے بلکہ حقیقتًا روایت قراء نے جزئیت میں کچھ دخل نہ دیا واژگوں فہموں نے الٹا سمجھ لیا، آخر امام قرطبی وغیرہ کاارشاد سن چکے کہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔علامہ بہاری وعلامہ بحر فرماتے ہیں:

(ترکھا نصف القراء) وھم ابن عامر ونافع بروایۃ الورش وحمزۃ وابوعمر وقال مطلع الاسرار الالھیۃ قدس سرہ فی غیرالفاتحۃ (وتواترانہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم (ترکھا) عند قراءۃ السورلان قراٰۃ القراء متواترۃ(ولامعنی عند قصد قراءۃ سورۃ ان یترك اولھا) فیجب أن لاتکون جزأ ویشھد علیہ ماروی فی الخبر الصحیح عدم الجھر بھا فی الصلٰوۃ فان قلت قدقرأھا الباقون من القراء فتواتر قراءتہ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ الصلٰوۃ والسلام فیجب ان تکون جزأ قال(وتواتر قرأتھاعنہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بقراءۃ) القراء (الاٰخرین لایستلزم کونھا) جزء (منھا) لجواز ان یکون للتبرك کالاستعاذۃ[1]۔	اس کو نصف اہل علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابوعامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الٰہیہ قدس سرہ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قراء ت متواترہ ہیں، اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑدیں لہٰذا ضروری ہے کہ بسم اللہ سورتوں کاجز نہیں، اور یہ بات اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور پر مروی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے نماز میں بسم اللہ کاجہر نہیں فرمایا اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قراء ت متواتر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واٰلہ وصحبہ سے متواتر ہوگا اس سے توثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کاجز ہے توجواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قراء ت سے حضور علیہ السلام کی قراء ت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سورتوں کا جز ہوجائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جہال زمانہ کو خبر نہیں۔

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۱۴

افادہ ثامنہ: اقول: روایت اثبات کااثبات جزئیت عندا لمبسملین سے بھی بے علاقہ ہوناتوظاہر ہوچکااور ہم یہ بھی ثابت کرآئے کہ شمارآیات وسور دلیل واضح ہے کہ قراء مبسملین بھی جزئیت سور نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کامذہب جزئیت تھاتووہ جدا بات ہےاس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم ان کے مقلد نہیں، نہ ان کی قراء ت کااختیار برخلاف مذہب، ان کے مذہب پر عمل لابد کرسکے، امر واضح پر دلیل روشن درکار ہو توسنئے، شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قرا‌ءت عاصم بروایت حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریہ وجہریہ سب میں ہمارے یہاں اخفاء بسملہ کاحکم اور شک نہیں کہ مذہب امام پر نماز جہریہ میں ایک آیت کے سہواً اخفاپر بالاجماع سجدہ اور عمداً پراعادہ لازم، توقطعاً ثابت کہ حفص وعاصم اگرچہ جزئیت فاتحہ کی طرح جزئیت ہر سورت بھی مانتے ہوں مگران کی قرا‌ءت اختیار کرنے نے ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور نہ کیاورنہ ضرور جہریہ میں جہر تسمیہ علی الفاتحہ کاحکم ہوتااور اس کاترک سجدہ سہو یااعادہ چاہتا، پھر بعد فاتحہ سر سورت پراتیان بسملہ میں عامہ متون مذہب مثل ہدایہ ووقایہ ونقایہ واصلاح وغرر وملتقی الابحر وتنویر وغیرہاانکار محض پر ہیں اوراسی پر بدائع وشرح وقایہ ودرر وجوہرہ نیرہ ومجمع الانہر وغیرہاشروح نے مشی فرمائی، محققین کے نزدیک اگرچہ اس کاحاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی فتاوٰی الرضویۃ" میں بیان کیاہے۔ت) تاہم اگر اختیار قرا‌ءت عاصم، اختیار جزئیت لازم کرتا تونفی سنیت اور التزام ترک بسملہ میں نفی کراہت پراجماع حنفیہ ناممکن تھا، ابھی مسلم وفواتح سے سن چکے کہ سورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑدینا بے معنی ہے سیّدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ھجر شیئ من القراٰن وذلك لیس من اعمال المسلمین [1] اھ نقلہ الشامی عن النھر عن الامام فی باب سجود التلاوۃ۔	اس میں بعض قرآن کاترک لازم آئے گا، حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہےاھ اس کو علامہ شامی نے باب سجود التلاوۃ میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیاہے۔(ت)

پس آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجماع تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد وعدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قراۃ عاصم موجب عمل برجزئیت نہیں، توختم میں کیانقصان، اوراگر ہے توفرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیافرائض میں ہم قرآن

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷

بقراءت عاصم نہیں پڑھتے، بھلا ختم میں اتنا ہی ہے کہ سنت ناقص رہی، یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ: اقول: بطور مناظرہ علی التنزل اگر مان لیجئے کہ اختلاف قراء روایت جزئیت و عدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقینا کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم کامل ہو، اگر اول مانو تو محض باطل اور شرع مطہر پر کھلا افتراء کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون، اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہو گیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذاللہ ناقص، حاش للہ ہر طرح تام و کامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پر نور سید العالمین و حضرت جبریل روح الامین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قراءت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات و حذف ہے، اپنے نزدیک تمامی عنداللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عنداللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سوئے ظن ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾[1] (بیشک اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ت) اگر کہئے گو یہ قرآن فی نفسہٖ تام و کامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اقول: دو حال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اُخر بھی متواترہ نہیں اور ان میں ایک کا اعتبار اس بنا پر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھا اُن کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تواتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاول بلا شبہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الٰہی پورا ختم ہو گیا اگرچہ اُن کی روایت پوری نہ ہوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا، نہ خاص ان کی روایت پر، وعلی الثانی جب ہم پر مہر نیمروز و ماہ نیم ماہ کی طرح اُن روایات کا تواتر روشن ہو گیا تو امام عاصم کا نہ جاننا، مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کا خلاف بتواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعم باطل پر چھوڑا جائے کہ **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدم اطلاع پر مبنی ہوا، اس پر جمود ایسا ضرور کہ اس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنظور۔

---

[1] القرآن ۹/۱۲۰

افادہ عاشرہ: اگر بعد طلوع فجر ساطع و ظہور حق لامع، اپنی خطا پر مطلع ہو کر دعوی نقصان ثواب سے عدول کرکے، اس راہ چلئے کہ بلاشبہہ قرآن بھی کامل ختم، ختم کامل کاثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قراءت امام عاصم اختیار کئے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعًا یہی واجب کہ انہیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول: یہ بھی محض باطل اتباع قراءت واحدہ صرف ہنگام روایت واجب ہے کہ روایت احدالقراء کا نام کرکے بعض حروف روایت دیگر پڑھے توکذب فی النسبۃ وتخلیط وتغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد، یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اس کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیین قراءت واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عندالرحمٰن ہے تو تخصیص بعض وانکار بعض کے کیا معنی، اختلاف قراءت مثل اختلافِ مذاہب نہیں کہ تعیین واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سور بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قراءت کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر کے توعندالتحقیق اصلاً ممانعت نہیں جب تک وہ تلفیق موجب اختلال نظم یا فساد معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہو کر دوسری بات شروع ہو جب تو احق واولی بالجواز ہے خصوصًا جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی اتقان شریف میں امام سیدالقراء شیخ المقرئین شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری سے نقل فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان کانت احدی القرائتین مرتبۃ علی الاخری منع ذلك منع تحریم کمن یقرأ فتلقی اٰدم من ربہ کلمٰت برفعھما اونصبھما اخذارفع اٰدم من قراءۃ غیرابن کثیر ورفع کلمات من قراءتہ ونحوذلك مما لایجوزفی العربیۃ واللغۃ ومالم یکن کذلك فرق فیہ بین مقام الروایۃ وغیرھا فان کان علی سبیل الروایۃ حرم ایضا لانہ کذب فی الروایۃ وتخلیط وان کان علٰی سبیل التلاوۃ جاز[1]۔	یہ کہنادرست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلقی اٰدم من ربہ کلمٰت میں لفظ "اٰدم" اور "کلمٰت" دونوں پر پیش پڑھے یادونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "اٰدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور "کلمٰت" کی پیش ابن کثیر کی قراءت سے اخذ کرے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسانہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں خلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیل تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔ (ت)

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

ہاں ائمہ کرام نے حفظ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قرأت غریبہ ووجوہ عجیبہ نہ پڑھیں کہ مبادا وہ انکار یاطعن یااستہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے:

یجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لایقرء بالغریبة عندالعوام صیانة لدینهم [1]۔	قرأت سبعہ پڑھنا جائز ہے مگر عوام کے لئے اجنبی قرأت کو نہ پڑھے تاکہ عوام کے دین میں خلل نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله یجوز بالروایات السبع، بل یجوزبالعشر ایضا کمانص علیه اهل الاصول،قوله بالغریبة ای بالروایات الغریبة و الامالات، لان بعض السفهاء یقولون مالایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولاینبغی للائمة ان یحملواالعوام علی مافیه نقصان دینهم،ولایقرؤ عندهم مثل قرأة ابی جعفر و ابن عامر و علی بن حمزة والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراء ات والروایات صحیحة قطعیة ومشائخنا اختارواقرأة ابی عمر وحفص عن عاصم اھ عن التتارخانیة عن فتاوی الحجة [2]۔	قولہ روایت سبعہ جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے جیسا کہ اہل اصول نے تصریح کی ہے، قولہ اجنبی یعنی روایات اور امالات اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں، اور ان کے سامنے امام ابوجعفر، ابن عامر، علی اور کسائی جیسی قرأت نہ کریں، ہوسکتا ہے کہ عوام لاعلمی کی بناپر ان کی قراءات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا شروع کردیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے اگرچہ یہ تمام قراءات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ ہمارے مشائخ نے ابوعمرو کی عاصم سے روایت کردہ قراءت کو اپنایا ہے اھ یہ فتاوی الحجہ سے تتارخانیہ کی روایت ہے۔(ت)

اسی طرح عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

افادہ حادیہ عشر: اقول: جس مصلحت کے لئے یہاں علمانے پیش عوام، روایت غریبہ کی

---

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۰

[2] ردالمحتار فصل ویجہر الامام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۴۱

تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھئے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کہ تمام حفاظ وقراء وسامعین عامہ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سن کر مخالفت کریں گے طعن واعتراض سے پیش آئیں گے تمہارے زعم میں یہ اعتراض اس امر پر ہوگا جو قرناً فقرناً حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقر ہو کہ وہ بھی حق و صحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کرکے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجئے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مسلمانوں سے انکار واعتراض کراؤ کیا اسی کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی پر قاری یاملا ہو نارہ گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ، تازی، جدا، اکثر مسلمین کے گوش ناآشنا نہ ہو، شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر پناہم بخدا، کہ قاریان قرآن، قرأت قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی، امام علامہ جلال الدین زیلعی نصب الرایہ میں نقل فرماتے ہیں:

یسوغ للانسان ان یترك الافضل لاجل تألیف القلوب واجتماع الکلمة خوفا من التنفیر، کما ترك النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بناء البیت علی قواعد ابراھیم لکون قریش کانوا حدیثی عھد بالجاھلیة، وخشی تنفیرھم بذلك، ورای تقدیم مصلحة الاجتماع علی ذلك، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود اکماله الصلٰوة خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیرہ علی ذلك فی البسملة وفی وصل الوتر وغیر ذلك مما فیه العدول عن الافضل الی الجائز المفضول مراعاة لائتلاف المامومین اولتعریفھم السنة وامثال ذلك و ھذا اصل کبیر فی سد	لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا انسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہوجائے جیسا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیسا کہ حضرت ربیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر روکا تو انہوں نے فرمایا کہ خلاف کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کرکے جائز مفضول کو

الذرائع[1]۔	اختیار کیاگیاہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیف قلبی اور ان کی سنت شناسی وغیرہ کاپاس کیاجاسکے، یہ بات فتنہ کے سدّباب کے لئے بڑاضابطہ ہے۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر تھاکہ بفرض باطل قطعیت جزئیت مان لی جائے ورنہ حق و تحقیق کاایضاح پہلے ہوچکااس تقدیرپر قاری وملااپنی اس تنفیر واثارت فتنہ کی حدیں بتائیں یہاں توبداہۃً عوام اس غیر قصدی الزام سے بھی محفوظ اور یہ تنفیر وایقاع اختلاف ویسے مستند معتمد سے نامحفوظ کما لایخفی واللّٰہ الھادی (جیساکہ مخفی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والاہے۔ت)

افادہ ثانیہ عشر: یہاں تک دعوٰی قطعیت جزئیت ولزوم نقصان ختم کارد تھاکہ بحمداللہ باحسن وجوہ ظاہر ہوااب بعونہ تعالٰی جہر واخفا کی طرف چلئے، تراویح میں جہر بسملہ کاحضورپرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر کہنا حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراہے تواتر درکنار، زنہار کسی حدیث احاد سے بھی اس کاثبوت نہیں، جہر فی التراویح توجدا، مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کابسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہرگز ہرگز متواتر نہیں، تواتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام ونزاع ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:

لایصح فی الجھر بالبسملۃ حدیث مسند[2]۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔	بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے عمدۃ القاری میں ذکر کیاگیاہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لم یصح فی الجھر حدیث[3]۔ ذکرہ فی عنایۃ القاضی۔	جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔اسے عنایۃالقاضی میں ذکر کیاگیا۔

یہی امام دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے دربارہ جہر ایک جز تصنیف فرمایا بعض مالکیہ نے قسم دے کر پوچھاکہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہ انصاف اعتراف فرمایاکہ:

کل ماروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر میں جوکچھ

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۲۸

[2] عمدۃالقاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃالطباعۃالمنیریہ بیروت ۵/۲۸۸

[3] عنایۃالقاضی علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دارصادر بیروت ۱/۳۱

وسلم فی الجهر فلیس بصحیح[1]۔ ذکرہ الامام الزیلعی عن التنقیح عن مشایخه عن الدار قطنی والمحقق فی الفتح۔	روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دار قطنی سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

امام ابن الجوزی نے کہا:

لم یصح عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الجهر شیئ[2]۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیث جہر لکھ کر فرماگئے:

هذہ الاحادیث فی الجملة لاتحسن بمن له علم بالنقل ان یعارض بها الاحادیث الصحیحة، ولولاان یعرض للمتفقة شبهة عند سماعها فیظنها صحیحة لکان الاضراب عن ذکرها اولی، ویکفی فی ضعفها اعراض المصنفین للمسانید والسنن عن جمهورها[3]۔	ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات کو فقیہ سن کر غلط فہمی کی بنا پر صحیح گمان کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو ان کو ذکر نہ کرنا مناسب تھا، اور ان روایات کے ضعف پر دلیل تمام مسانید و سنن کے مصنفین کا ان کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیث صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، وللہذا مصنفان مسانید و سنن نے ان کے ذکر سے اعراض کیا نقله فی نصب الرایة (اس کو نصب الرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) خود پیشوائے وہابیہ ابن القیم نے اپنی کتاب مسمّٰی بالهدی میں لکھا:

فصحیح تلك الاحادیث غیرصریح وصریحها غیرصحیح[4]۔نقله امام الوهابیه الشوکانی	ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وہ جہر میں صریح نہیں اور جو جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔اس کو وہابیوں کے

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۹
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۸۶
[3] نصب الرایہ بحوالہ التنقیح کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸
[4] نیل الاوطار باب ماجاء فی بسم اللہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۸

فی نیل الاوطار۔	امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان احادیث الجھر لم تثبت[1]۔ اثرہ السید الازھری فی الفتح۔	خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سیدازہری نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں:

ھذہ الاحادیث کلھا لیس فیھا صریح صحیح، ولیست مخرجۃ فی شیئ من الصحیح ولاالمسانید ولاالسنن المشھورۃ وفی رواتھا الکذّابون والضعفاء والمجاھیل[2] الخ	ان حدیثوں میں کوئی حدیث صریح و صحیح نہیں، نہ یہ صحاح ومسانید و سنن مشہورہ میں مروی ہوئیں ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ ہیں الخ

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

احادیث الجھر لیس فیھا صریح بخلاف حدیث الاخفاء فانہ صحیح صریح ثابت مخرجہ فی الصحیح والمسانید المعروفۃ والسنن المشھورۃ[3]	جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں بخلاف حدیث اخفا کہ وہ صحیح و صریح اور صحاح و مسانید و سنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

[۱]امام اعظم ابوحنیفہ و [۲]امام مالک و [۳]امام شافعی و [۴]امام احمد چاروں ائمہ مذہب اور [۵]بخاری و [۶]مسلم و [۷]ابوداؤد و [۸]ترمذی و [۹]نسائی و [۱۰]ابن ماجہ چھئوں ائمہ حدیث اور [۱۱]دارمی وطحطاوی و [۱۲]ابن خزیمہ و [۱۳]ابن حبان و [۱۴]دارقطنی و [۱۵]طبرانی و [۱۶]ابویعلٰی و [۱۷]ابن عدی و [۱۸]بیہقی و [۱۹]ابونعیم و [۲۰]ابن عبدالبر اکابر حفاظ واجلہ محدثین اپنی صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم میں باسانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلف ابی بکر و عمر و عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن	میں نے حضوراقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی کے پیچھے نمازپڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا

---

[1] تبیین الحقائق فصل اذااراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱/۱۱۲

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۵

[3] عمدۃ القاری النوع الرابع اختلاف الفقہاء فی البسملۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۱

الرحیم [1] ھذا لفظ مسلم وفی لفظ للامام احمد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم باسناد علی شرط الصحیح کما افادہ فی الفتح کانوالایجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم [2] وفی لفظ لابن خزیمۃ والطبرانی وابی نعیم کانوا یسرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم [3] ولابن ماجۃ فکلھم یخفون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم [4] ۔	وہ بسم اللہ شریف کاجہر نہ فرماتے تھے وہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد، نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیاہے، جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کاجہر نہ فرماتے تھے، اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابونعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ بسم اللہ کو پوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کااخفاء فرماتے تھے۔(ت)

یہ وہ حدیث جلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمہ مذہب اور چھوؤں اصحاب صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی ف نے انہیں سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم وابابکر وعمر وعثمٰن وعلیا [5] ۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہم بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔

امام الائمہ امام ابوحنیفہ وامام محمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہم ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

---

[1] صحیح مسلم باب حجۃ من قال لایجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۲

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۱۷۹، ۲۷۵، فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوا یسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۴۹

[4] سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۹

[5] المعجم الکبیر مروی از انس رضی اللہ عنہ حدیث ۷۳۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۵۵، صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہم کانوایسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۵۰

ف: طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کاذکر نہیں۔ نذیر احمد

سمعنی ابی وانا اقول بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقال ای بنی ایاك والحدث قال ولم ارا حدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ قال وصلیت مع النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلاتقلھا، انت اذا صلیت فقل الحمدللّٰہ رب العٰلمین[1]۔	یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمدللہ رب العالمین، سے شروع کرو۔

انہی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سنا، پکار کر فرمایا:

یاعبداللّٰہ انی صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم فلم اسمع احدا منھم یجھر بھا[2]۔ رواہ الامام الاعظم ذکرہ فی الفتح۔	اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے نہ سنا، اس کو امام اعظم رحمہ اللہ نے روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام اعظم وامام محمد وامام احمد وامام طحاوی وامام ابوعمر ابن عبدالبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

الجھر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قرأۃ الاعراب[3]۔	بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی قراءت ہے۔

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۳، سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] مسند الامام الاعظم بیان عدم الجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸، فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] شرح معانی الآثار باب قراءت بسم اللہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰، المصنف لابن ابی شیبۃ من کان لایجہر بسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/۴۱۱

نیز اسی جناب سے مروی ہوا:

لم یجھر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالبسملۃ حتی مات[1]۔ ذکرہ المحقق فی الفتح۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسند صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انا اعرابی ان جھرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[2]۔	میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی:

حدثنا حماد بن زید عن کثیر بن شنظیر ان الحسن سئل عن الجھر بالبسملۃ فقال انما یفعل ذلك الاعراب[3]۔	حماد بن زید نے کثیر بن شنظیر سے بیان کیا کہ امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا، فرمایا یہ گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی: الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ[4]۔ بسم اللہ شریف شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔ اثرم انہیں سے راوی:

ماادرکت احدا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والجھر بھا بدعۃ[5]۔	میں نے صحابہ وتابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر کرتے نہ پایا اس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر درکنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلہ صحابہ وتابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کر سکتے تھے ولکن الجھلۃ یقولون مالا یعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ت) نہایت کہ امام الفقہاء امام المحدثین اوحد الاولیا اوحد المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مہجور و مجور مانا اور اس کے اخفا کو افضل واولٰی سمجھنا تتمہ عقائد اہل سنت جانا محدث لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح راوی:

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴
[2] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴
[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸
[4] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایجہر ببسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۴۱۱
[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ الاثرم، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

حدثنا المخلص نا ابو الفضل شعیب بن محمد نا علی بن حرب بن بسام سمعت شعیب بن جریر یقول قلت لسفین الثوری حدث بحدیث السنة ینفعنی اللّٰه به فاذا وقفت بین یدیه وسألنی عنه قلت یارب حدثنی بهذا سفین فانجوانا وتوخذ فقال اکتب بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم القراٰن کلام اللّٰه غیرمخلوق منه (وجعل یسرد الی ان قال) یاشعیب لاینفعك ماکتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم افضل من الجهر به وحتی تؤمن بالقدر (الی ان قال) اذا وقفت بین یدی اللّٰه فسألك عن هذا فقل یارب حدثنی بهذا سفٰین الثوری ثم خل بینی وبین اللّٰه عزوجل[1]۔	یعنی شعیب بن جریر نے امام سفیان ثوری سے کہا مجھے عقائد اہلسنت بتادیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے نفع بخشے اور جب میں اس کے حضور کھڑا ہوں اور مجھ سے ان کے متعلق سوال ہو تو عرض کردوں کہ الٰہی! یہ مجھے سفیان نے بتائے تھے تو میں نجات پاؤں اور جو پوچھ کچھ ہو آپ سے ہو تو فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، اور اسی طرح اور عقائد و مسائل لکھوا کر فرمایا اے شعیب! یہ جو تم نے لکھا تمہیں کام نہ دے گا جب تک مسح موزہ کا جواز نہ مانو اور جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا، بآواز پڑھنے سے افضل ہے اور جب تک تقدیر الٰہی پر ایمان نہ لاؤ، جب تم اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہو اور تم سے سوال ہو تو میرا نام لے دینا کہ یہ عقائد و مسائل مجھے سفیان ثوری نے بتائے پھر مجھے اللہ تعالٰی کے حضور چھوڑ کر الگ ہو جانا۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: **ھذا ثابت عن سفٰین وشیخ المخلص ثقة**[2]۔ یہ روایت سفیان سے ثابت ہے اور راوی ثقہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

افادہ ثالثہ عشر: اقول: ہم آفتاب روشن کی طرح ثابت کر آئے کہ اگر بفرض باطل مذہب ثابت نہیں کہ ان کا طریقہ نماز میں ہر جگہ جہر بسم اللہ تھا تاہم ان کی قراءت اختیار کرنی، ہرگز اسے مستلزم نہیں کہ نماز میں درباہ جہر واخفاء اُن کی پیروی ضرور ہو کہ یہ مسئلہ فقہیہ ہے اور ہم فقہ میں اُن کے مقلد نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہمارے ائمہ کرام نے ان کی قراءت اختیار فرمائی اور نماز میں بسم اللہ شریف کے اخفاء کا حکم دیا، لاجرم ہمارے علماء نے صاف صریح تصریح فرمائی کہ جہر واخفائے بسم اللہ شریف میں امام قراءت کا اتباع بیرون نماز

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱/ ۱۹۳

[2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱/ ۱۹۳

ہے نماز میں اخفاہی کرے، اور بیرون نماز بھی اتباع قاری خاص صرف بروجہ اولویت ہے نہ بطور وجوب ولزوم وضرورت۔

لما قدمنا ان القراء ات کلھا حقة بالیقین لااحتمال فیھا للخطأ ولاینافی بعضھا بعضا فلاھجر فی شیئ منھا لاجمعا ولاافراد مالم یؤد التلفیق الی التغییر بخلاف المجتھدات الخلافیة فان المجتھد یخطئ ویصیب فلا نعد وعما اعتقدنا انه صواب یحتمل الخطأ الی ماظننا انه خطأ یحتمل الصواب ولئن لفقت لربما اتفق الاقوال علی فساد العمل۔	جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ تمام قراء ات برحق ہیں، ان میں خطاء کااحتمال نہیں ہے اورایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان کوملاکرپڑھنا یاعلیحدہ علیحدہ پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کامختلف انداز معنی کی تبدیلی پیدانہ کرے۔ اس کے برخلاف اجتہادی اختلافی مسائل میں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں درستی اور خطادونوں کااحتمال موجود ہے اس لئے وہاں ہم اپنے ظن میں درست کواپنائیں گے اور جس کو ہم خطا سمجھیں گے اس کونہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطاء کااحتمال ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کواپنانا عمل میں فساد پیدا کردے گا۔ (ت)

مجتبیٰ شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

لایجھر بھا فی الصلٰوۃ عندنا خلافا للشافعی وفی خارج الصلٰوۃ اختلاف الروایات و المشایخ فی التعوذ والتسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة والصحیح انه یتخیر فیھما ولکن یتبع امامه من القراء وھم یجھرون بھما الا حمزۃ فانه یخفیھما[1] اھ۔	ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کااختلاف ہے ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کوجہر کے ساتھ لیکن صحیح یہ ہے قاری کو اختیار ہے کہ دونوں کوآہستہ پڑھے یابلندپڑھے، لیکن ائمہ قراء میں سے اپنے امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں اھ (ت)

بحمداللہ تعالٰی یہ خیالات وہابیہ کے رَد میں ہمارے علماء کانص صریح ہے۔

افادہ رابعہ عشر: اقول: وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایات قراء

[1] ردالمحتار بحوالہ الکفایہ عن المجتبیٰ فصل واذااراد الشروع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹۰

طبقۃًفطبقۃًقرنًا فقرنًا بذریعہ تدریس و تعلیم وتلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر واخفاواوقات تعلیم واقرا کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی، حضور پرنور سیدالعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تو طریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہاکہ تلامذہ پڑھتے استاذ سنتے بتاتے، نہ یہ کہ نمازوں میں سن سن کر سیکھتے جس میں سوال وجواب وتفہیم وتفہم کا کوئی موقع نہیں، بیرون نماز بھی قراءت شیوخ کا دستور نہ تھابلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھا کہ جو طرز ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتا دریافت کرلیتا استاد اعادہ کردیتا۔ اتقان شریف میں ہے:

| اوجه التحمل عند اهل الحديث السماع من لفظ الشيخ والقراءة عليه، والسماع عليه بقراءة غيره، والمناولة والاجازة والمكاتبة والعرضية والاعلام والوجادة، فاما غيرالاولين فلاياتی هنا لما يعلم مما سنذكره، واما القراءة علی الشيخ فهی المستعملة سلفا وخلفا، واما السماع من لفظ الشيخ فيحتمل ان يقال به هنا لان الصحابة رضی الله عنهم انما اخذوا القراٰن من فی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم لكن لم يأخذ به احد من القراء والمنع فيه ظاهر لان المقصود ههنا كيفية الاداء و ليس كل من سمع من لفظ الشيخ يقدر علی الاداء كهيأته، بخلاف الحديث فان المقصود فيه المعنی او اللفظ لا بالهيأت المعتبرة فی اداء القراٰن ، واما الصحابة فكانت فصاحتهم وطباعهم السليمة تقتضی قدرتهم علی الاداء كما سمعوه من النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم لانه نزل بلغتهم ، ومما يدل للقراءة علی الشيخ | محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور پر اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قراءت کے بارے میں پہلے دو طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیساکہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قراءت میں شیخ پر شاگرد کا پڑھنا ابتداء سے آج تک مروّج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہوسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اخذ کرلے، لہٰذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کا معاملہ |

عرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القراٰن علٰی جبریل فی رمضان کل عام[1] ھ	الگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بناء پر حضور علیہ السلام سے سن کر قراءت کو اسی کیفیت سے ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کواخذ کرنے میں شیخ کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اھ (ت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادہ حضور فاعل کامل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و نہایت استعداد نفوس قوابل رضی اللہ تعالٰی عنہم حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سن کر سیکھا مگروہ بھی بطور تعلیم و تلقین ظاہر و باطن و نظم و معنی و حکم وحکمت تھا نہ یوں کہ صرف نماز میں قراءت اقدس سے لفظ یاد کرلئے، صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم و عمل کے سیکھتے جب ان پر قادر ہوجاتے دس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ برس میں سورہ بقر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک اونٹ ذبح کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد دیر زائد، ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشراٰیات من القراٰن لم نتعلم من العشر التی نزلت بعدھا حتی نعلم مافیہ. فقیل لشریك من العمل قال نعم[2]	ہم جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی دس آیات کا علم حاصل کرتے تواس کے بعد والی دس آیات کی تعلیم حاصل نہ کرتے جب تک پہلی آیات میں بیان شدہ اعمال کو معلوم نہ کرلیتے۔ شریک سے پوچھاگیاکہ آیات کے بیان شدہ اعمال سیکھنا مراد ہے، توانھوں نے کہاہاں۔ (ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابوعبدالرحمٰن سلمی سے راوی، قال:

حدثنا من کان یقرینا من اصحب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کان یقترؤن من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشراٰیات ولایأخذون فی العشر الاخری	صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قراءت پڑھاتے انہوں نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم و عمل کو

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الرابع والثلاثون الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۹۹

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر عنوان عبداللہ بن مسعود بن غافل نمبر ۲۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴/۵۹

حتی یعلموا مافی ھذہ من العلم والعمل فانا علمنا العلم والعمل[1]۔	نہ سیکھ لیتے، یوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل کرتے۔ (ت)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبداللہ بن جعفر عن ابی الملیح عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغًا راوی:

ان ابن عمر تعلم البقرۃ فی ثمان سنین[2]۔	بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھا۔ (ت)

خطیب بغدادی کتاب رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا[3]۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہنے سورہ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح کیا۔ (ت)

توظاہر ہوا کہ یہ روایات جہر واخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمداللہ تعالٰی اس ارشاد علماء کا راز واضح ہوا کہ بیرون نماز اتباع امام قراءت مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلہ تعوذ ہے عامہ قرااس کے جہر پر اتفاق ہے۔ امام اجل ابوعمرو دانی نے اس پر اجماع عـــہ اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف حکایت خلاف، تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ رواۃ اس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ میں ہے:

لااعلم خلافا بین اھل الاداء فی الجھر بھا عندافتتاح القراٰن وعند الابتداء بروس الاجزاء وغیرھا فی مذھب الجماعۃ اتباعا للنص واقتداء بالسنۃ[4]۔	قرآنی نص اور سنت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذ باللہ کو جہر سے پڑھنے میں اہل ادایعنی قراء حضرات کا اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

عـــہ ای وان جاءت الروایۃ علی انحاء وصلھا منہ	اگرچہ تعوّذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب فضائل قرآن ۱۷۵۵ حدیث ۹۹۷۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۴۶۰

[2] موطاامام مالک باب ماجاء فی القرآن مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۰

[3] رواۃ مالک للخطیب بغدادی

[4] تیسیر باب ذکر الاستعاذہ

حرز الامانی ووجہ التہانی میں ارشاد فرمایا: ؎

اذا ما اردت الدھر تقرء فاستعذ

جھارا من الشیطان باللّٰہ مسجلا[1]

(تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذ باللّٰہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجّلًا۔ت) سراج القاری میں ہے:

"قولہ مسجلا ای مطلقا لجمیع القراء و فی جمیع القرآن"۔[2]	اس کا قول مسجلًا یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک اور تمام قرآن میں۔(ت)

پھر فرمایا: ؎

واخفاؤہ فصل آباہ وعاتنا

وکم من فتی کالمھدوی فیہ اعملا[3]

اس کی شرح میں ہے:

ای روی اخفاء التعوذ عن حمزۃ ونافع اشار الی حمزۃ بالفاء من فصل والی نافع بالالف من اباہ وجھربہ الباقون وھم ابن کثیر و ابوعمرو وابن عامر وعاصم والکسائی ھذا ھو المقصود بھذا النظم بالباطن ونبہ بظاھرہ علی ان من ترجع قراء تہ الیھم من الامۃ ابوالاخفاء ولم یاخذوا بہ بل اخذوا بالجھر للجمیع ولذلك امربہ مطلقا فی اول الباب[4]۔ ملخصا	یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذ باللّٰہ کا اخفاء مروی ہے"فصل" کی فاء سے حمزہ کی طرف "آباہ" کے الف سے نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے اعوذ باللّٰہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں: ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انہوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انہوں نے اخفاء کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اعوذ باللّٰہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقًا کہہ کر تمام قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے(ت)

[1] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[2] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی، باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۱
[3] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[4] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۲

اب کون عاقل کہے گا کہ یہ اطباق جمہور رواۃ واتفاق جمیع اہل ادا، نماز وغیر نماز سب کو شامل، وہ سب تمام قراء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بجہر پڑھتے تھے، حاشا، بلکہ قطعًا یہ روایات ونقول سب محل روایت وتلاوت بیرون نماز سے متعلق ہیں لاجرم شرح میں فرمایا:

قولہ فاستعذ جھارا ھوالمختار لسائر القراء وھذا فی الاستعاذۃ القاری علی المقرئ اوبحضرۃ من یسمع قرائتہ امامن قرأ خالیا اوفی الصلٰوۃ فالاخفاء اولی[1]۔	اس کا قول "جھارا" یہ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے، لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قراءت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولٰی ہے (ت)

امام جلیل جلال سیوطی اتقان میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل:

المختار عند ائمۃ القراءۃ الجھر بھا وقیل یسر مطلقا وقیل فیما عدا الفاتحۃ وقد اطلقوا اختیار الجھر وقیدہ ابوشامہ بقید لابد منہ وھو ان یکون بحضرۃ من یسمعہ لان الجھر بالتعوذ اظھار شعار القراءۃ کالجھر بالتلبیۃ وتکبیرات العید ومن فوائدہ ان السامع ینصت للقراءۃ من اولھا لایفوتہ منھا شیئ واذا اخفی التعوذ لم یعلم السامع بھا الابعد ان فاتہ من المقر وشیئ وھذا المعنی ھو الفارق بین القراءۃ فی الصلٰوۃ وخارجھا[2] ھ۔	قراءت کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقًا آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم راجح ہے، اور ابوشامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شعار ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا تو سامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداء فوت ہوجائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہ فرق ہے۔ (ت)

افادہ خامسہ عشر: قرآنیت بسم اللہ ضرور حق ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت

---

[1] سراج القاری المبتدی شرح حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۱

[2] اتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۵

نہیں بلکہ کتابت مصاحف واجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا:

وبسمل بین السورتین بسنة

رجال نموھا دریة وتحملا

(دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سنت صحابہ سے ثابت ہے جس کوانہوں نے جاری رکھا، عقل و نقل کے طور پر)

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہ اراد بالسنة التی نموھا کتابة الصحابة لھا فی المصحف (سنۃالتی نموھا سے مراد صحابہ کرام کابسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھنا ہے۔ت) پھراس کاحاصل بھی صرف اس قدرکہ بسم اللہ کلام الٰہی ہے نہ یہ کہ ہر سورت کی جز ہے یاختم میں ہرجگہ اس کاجہرلازم کمامر فی الافادة السادسة (جیساکہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجئے اور صرف اس کی صحت کو مناط مان کر اثبات مدعا کاحوصلہ کیجئے تو یہ محض باطل وہوس عاطل، فقط صحت روایت پرمدار قراء ت ہونے سے کیامقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہوجاتی ہے توقطعًا مردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقینا مفقود، افادہ ششم میں اس کابیان موجود۔

اقول: ولانسلم انه فی القراٰن حتی عن السبعة مالم یتواتر وان اشتهر بل القراٰن متواتر قطعا بجمیع اجزاء ہ وان لم تقف انت علی تواتر بعضه فلیس من شرط المتواترہ عندک۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ سبعہ سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگاجب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگر تجھے تواتر کابعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔(ت)

اتقان میں ہے:

لاخلاف ان کل ماھو من القراٰن یجب ان یکون متواترا فی اصله واجزاء ہ واما فی محله و وضعه وترتیبه فکذلك عند محققی اھل السنة للقطع بان العادة تقضی بالتواتر فی تفاصیل مثله لان ھذا	اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جوکچھ قرآن کاحصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اوراس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہلسنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتًا تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ

المعجز العظیم الذی هو اصل الدین القویم والصراط المستقیم مما تتوفر الدواعی علی نقل جمله وتفاصیله فمانقل اٰحادا ولم یتواتر یقطع بانه لیس من القراٰن قطعا الخ[1]۔	یہ عظیم معجزہ جوکہ دین قویم اور صراط مستقیم کی بنیاد ہے اس کے اجمال وتفصیل کے دواعی وافر طور پر پائے جاتے ہیں، جو اجزاء خبر واحد یا غیر متواتر طور پر ثابت ہوں ان کے قطعی طور پر قرآن ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا الخ(ت)

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو، رد نہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑھنا جائز سمجھیں گے تو اوّلاً یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین قراء ومحدثین وفقہاء واصولیین اس کے بطلان کے قائل،

اقول: کیف لا وانما الکلام فی قراء ته قراٰنا وهی موقوفة علی ثبوت قراٰنیته الموقوف علی تواترها والا فلاشك فی جواز قراء ة الاحاد بل الشواذ للاحتجاج بها فی حکم کخبر الواحد اولاستشهاد بها علی مسئلة ادبیة مثلا اذا لم یعتقد قراٰنیتها ولم یوهمها والاحرم باجماع مسلمین کما نص علیه فی غیث النفع عن ابی القاسم النویری فی شرح طیبة النشر عن الامام ابی عمر فی التمهید۔	**اقول:** یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو احاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہوجاتا ہے جبکہ اس سے کسی ادب کے بارے مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابو القاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انہوں نے طیبۃ النشر کی شرح میں امام ابو عمر کے حوالہ سے کہ انہوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔(ت)

غیث النفع میں ہے:

مذهب الاصولیین وفقهاء المذاهب الاربعة والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحة القراء ة ولاتثبت	اہل اصول، چاروں فقہاء کرام، محدثین اور قراء حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا

[1] الاتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوته مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

بالسند الصحیح غیرالمتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیة والعربیة وقال الشیخ ابو محمد مکی القراءة الصحیحة ماصح سندها الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وساغ وجهها فی العربیة ووافقت خط المصحف وتبعه علی ذلك بعض المتأخرین ومشی علیه ابن الجزری فی نشرہ وطیبته وھذا قول محدث لایعول علیه ویؤدی الی تسویة غیرالقراٰن بالقراٰن ولایقدح فی ثبوت التواتر اختلاف القراء فقد تواتر القراءة عند قوم دون قوم[1] الخ	کافی نہیں ہے اگرچہ وہ الفاظ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط اور عربی کلام کے معیار پر کیوں نہ ہو، شیخ ابو محمد مکی نے فرمایا کہ قراءۃ صحیحہ وہ ہے کہ جس کی سند حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک صحیح ہو اور اس کا انداز عربی ہو اور قرآنی رسم الخط کے موافق ہو، اس کو بعض متاخرین نے معیار بنایا ہے اور ابن جزری نے بھی اپنی کتاب نشر اور طیبہ میں اس کی پیروی کی ہے حالانکہ یہ معیار نئی بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے قرآن اور غیر قرآن مساوی ہوجائیں گے، تواتر کے ثبوت میں قراء حضرات کا آپس کا اختلاف مانع نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تواتر سے قراءت کرتا ہے اگرچہ ہر ایک کا تواتر مختلف ہے الخ (ت)

اور بعض متاخرین کہ جائز رکھتے ہیں وہ بھی شہرت واستفاضہ وقبول قراء شرط کرتے ہیں، مجرد صحت روایت پر قناعت کسی معتمد فی الفن کا قول نہیں، خود امام ابن الجزری جنھوں نے نشر میں یہ ضابطہ باندھا کہ:

کل قراءة وافقت العربیة ولوبوجه ووافقت احدی المصاحف العثمانیة ولواحتمالا وصح سندها فهی القرأة الصحیحة[2]۔	ہر وہ قراءت جو کسی طرح عربی معیار، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہونے کا احتمال، اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیحہ ہے۔ (ت)

انہیں نے اس ضابطہ کی تشریح میں آپ ہی فرمایا:

اذا کانت القراءة مماشاع وذاع وتلقاه الائمة بالاسناد الصحیح اذ هوالاصل الاعظم و الرکن الاقوم[3]۔	جب وہ قراءۃ مشہور و معروف ہو اور امت نے صحیح سند سے اس کو قبول کرلیا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ تلقی اُمت، رکن اعظم اور مضبوط بنیاد ہے (ت)

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی ھامش سراج القاری، فوائد تشدید الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵، ۶

[2] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۵

[3] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۵

پھر فرمایا:

نعنی به ان یروی تلك القراءة العدل الضابط عن مثله وھکذا حتی تنتھی و تکون مع ذلك مشھورة عند ائمة ھذا الشان[1]۔	ہماری مراد یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل کامل ضبط شخص نے اپنے ہی جیسے سے آخر تک سلسلہ وار روایت کیا ہو اور اس کے باوجود وہ ایسے ہی عظیم شخصیات کے ہاں مشہور بھی ہو۔(ت)

امام جلیل جلال سیوطی جنھوں نے یہاں کلام امام القراء کی تعریف کی اگرچہ اس کے بعد وہ کلام، مذکور سابق افادہ فرمایا جس نے اس کے مضمون کی تضعیف عــہ۱ کی:

اعنی لاخلاف ان کل ماھو من القراٰن یجب ان یکون متواترا[2] الٰی اخر مامر۔	یعنی جو بھی قرآن ہے اس کا متواتر ہونا واجب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(ت)

اس کلام کی تلخیص میں فرماتے ہیں:

اتقن الامام ابن الجزری ھذا الفصل جدا وقد تحرر لی منه ان القراءات انواع الاول المتواتر الثانی المشھور وھو ماصح سندہ ولم یبلغ درجة التواتر و وافق العربیة والرسم واشتھر عند القراء و یقرؤ به علی عــہ ماذکر ابن الجزری الثالث الاٰحاد وھو ماصح سندہ وخالف الرسم او العربیة اولم یشتھر الاشتھار المذکور ولا یقرؤبه[3] ھ۔	امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ قراءتیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو، اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہواھ (ت)

عــہ۱ بلکہ یہاں بھی ایک لفظ سے اپنی براءت اس سے ظاہر فرمادی کماسیأتی ۱۲منہ (م)

عــہ۲ ھذہ کلمة التبری ۱۲منہ (م)

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

[3]

امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ قراء تیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو، اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ (ت)

ثانیًا اگر بالفرض یہ مسلم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا، جواز قراءت نہ بروجہ قرآنیت، یہ محض ایک امر زائد وخارج ہے جس سے نہ لزوم وضرورت ثابت ہوسکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک، حکم نقصان ختم کی راہ ملے،

اللھم الاعند مجنون نابذالعقول لایسمع ما یقال ولایدری مایقول۔	اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سنے نہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات بسملین کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔

اول: تو اولا بحث سے محض برکراں جس سے جزئیت سور درکنار، قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان،

ثانیًا: روایات جہر واثبات، سب بیرون نماز کی حکایات، اس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابل التفات۔

ثالثًا: بفرض باطل بطور مناظرہ، ادعائے نقصان ختم میں، یوں بھی کلام، کہ خلاف واثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔

دوم: ثبوت قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیت سور وجہر فی الصلوٰۃ سے علاقہ نہیں، نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول، تو ایک بار پر اقتصار میں، نقصان ختم، کازعم مخذول۔

سوم کی دو۲ صورتیں ہیں: تواتر یا مجرد صحت، اور ہر ایک درباره جہر فی التراویح یا در باب جزئیت بسم اللہ شریف میں تواتر نص تو سرے سے درباره قرآنیت ہی نہیں تا بجزئیت چہ رسد اور جہر مذکور وجزئیت سور میں نفس صحت معدوم، تا بتواتر چہ کشد، خود قائلان جزئیت، مصرحان ظنیت اور نافیان ظنیت اور عندالتحقیق انتفائے قطعیت خود انتفائے جزئیت ولہذا صحابہ وتابعین وجمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیت کے محدث ونوپیدا ہونے کا صاف اظہار، ہاں صرف درباره فاتحہ، بعض اخبار آحاد مذکور، کہ عندالمحققین مخالفت قاطع کے سبب مہجور اور مجرد صحت روایت پر اقتصار وقناعت باطل ومقہور، پھر علی التسلیم ان سے ثابت ہوگا تو وہ امر جدید جو دعوی مخالف کے عموم وخصوص دونوں کا مخالف وردّ شدید یعنی صرف جزئیت فاتحہ تو ہر سورت پر جہر کے لئے، یہ تعمیم سور کارد ہوا اور فاتحہ کے ساتھ فرائض جہریہ میں اخفاء کس وجہ سے، اس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا، یہ تو امور ثابتہ تھے ولو بوجہ جن میں مخالف کے لئے اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلے کو منصوصہ قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ ماننا، مذہب کو اس میں دخل نہ جاننا، محض جہل مسترد، اب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیت سور یا جہر فی التراویح مذہب عاصم، اور ان کی قراءت کے آخذ پر جہر واخفاء نماز میں ان کا اتباع لازم، اول ائمہ قراءت پر افترا و تہمت اور ثانی محض جہل وسفاہت مخالفت تصریح ائمہ حنفیت، غرض حفاظ حنفیہ پر سرہر سورت پر جبر جہر، محض ظلم وقہر نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلیہ وفرعیہ ہمارے قول پر حاکم، ہمارے ہی قول کی ناصر، ورائی مصالح شرعیہ ہمارے ہی قول کی طرف داعی وللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سیدالانس والجنۃ واٰلہ وصحبہ سادات الجنۃ۔ امین!

تذلیل

الحمدللہ آفتاب عالم تاب، حق وصواب بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا اب کیاحاجت کہ حشویات زائدہ ولغویات بے فائدہ کے رد وابطال میں تضیع وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدت جہالت و قوت سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اس کی بات قابل التفات ہو اس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا، زورِ تناقض و شورِ تعارض نے جابجا اپناہی لکھا، خود رد کردیا، عناد واجتزاو مکابرہ وافترا، سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماورا، جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں، متبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرفہ تماشاکیاکہ اول تواپنے پیشوا جناب قاری صاحب کاصاف رَد لکھا قاری صاحب نے فرمایاتھااس مسئلے میں مذہب کوکچھ دخل نہیں، گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبین، دخل نہ ہوناکیا معنی صریح اجتہاد یہ ہے حفص کامذہب جہر، امام اعظم کامذہب اخفاء ہے جس کی پیروی کیجئے درست وبجاہے، قاری صاحب، جہر فی الختم اگرچہ نماز میں ہو حفص کی روایت ہے، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروجہ صحت ہے، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفص کی رائے ہے عقلی اجتہاد سے، ہاں مذہب سب بجاہیں، یوں حق ارشاد ہے، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بدمذہب بھی خلاف سے کنارہ گزیں، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گزاف ہے، خود ائمہ سنت نزاع کررہے ہیں، خود امام اعظم کاصریح خلاف ہے، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحت روایت پر مدارکار ہے، گنگوہی صاحب حضرت چاروں درکنار، خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے، قاری صاحب جب مسئلہ بروایت صحیحہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہوچکاخلاف ابوحنیفہ باقی ہی کب رہا، اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرامذہب ہے۔ت) قول احناف ہے، تو بعد صحت روایت خلاف وتخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ توبداہۃً مردود، خلاف امام اعظم قطعًا موجود، قاری صاحب بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیاحاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی توکیا قابل سماعت، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق وہدایت جس کی اقتداء کرواہتداء کی بشارت، غرض اوّلاً قاری صاحب کے خیالات کارَدِ کلی فرماکر اخیر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سر دھرا، کہ یہ سب کچھ ہے مگرحافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور، ملک خدائے غالب کاحکم، جناب قاری صاحب کا، جوہرسورت پر جہر بسم اللہ نہ کرے گا ختم کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا۔

اقول: ان سب خرافاتوں کاردِ بالغ وطرز بازغ، توطرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت سے اوّلًا اتنادریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کااتباع ہدایت، سب کے اقتدا کی عام اجازت، تواب حفاظ پر خاص ایک ہی کااتباع کیوں لازم وضرور ہوگیا، حفص کاخلاف توپہلے بھی معلوم ہی تھااس وقت توآپ یہی فرمارہے تھے کہ اس میں عیب، نہ اس میں حرج، اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیاجس نے ایک حق کو ناحق، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کوناجائز کردیا۔

ثانیا: یہ آپ فتوٰی لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پنچایت، قاری صاحب کافرمان حدیث ہے یاآیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت،

ثالثًا" ثبوت تودیجئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیت بسامل تھا۔

رابعًا: پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔

خامسًا: مسئلہ اجتہادیہ ہے یانہیں، اگر نہیں تواپنے فتوٰی میں ذکرفرمان پانی پت تک جوکچھ لکھاسب پرپانی پھیر لیے اور اگرہاں تو آپ اجتہادیات میں امام اعظم ملت امام ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلید امام کوآگ دکھانا، پانی پت کی خاک پردھونی رمانا، کس نے مانااور یوں بھی سہی توآپ کواپنی ذات کااختیار مسلم حنفیہّ کواُن کے خلاف امام فتوی بتاناکیساستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلید شخصی کوایسا چھوڑاکہ سب مذہب بجاسب پر عمل روا،آخر میں پکڑاتوایسا پکڑاکہ امام کااتباع متروک ومہجوراور تقلید پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اس شتر گربگی کی کیاسند، صُلت علی الاسد وبُلتُ عن النقد (شیر پرحملہ کیااور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔ت)، خیر انہوں نے سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پرڈھال کراُن کی ڈھال پکڑی۔

قاری صاحب کی سنئے تواُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم: وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھاسکے، اور عاقل جانتاہے کہ محل فتوٰی میں ادعائے بے دلیل، ذلیل وعلیل۔

دوم: سند دکھاناکہاں کاخوب جانتے تھے کہ یہ جملے خلاف مذہب کہے، لہٰذا وہ راہ چلے کہ اتباع مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمرآئی غیر مقلدوں سے معرض ہیں، ترک تقلید پر معترض ہیں، انہیں گمراہ ومفسد بتایا کرتے ہیں، تحریرًا وتقریرًا جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وہ کچھ فرمایا کہ انہیں بھی شرمایا، بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیاحاجت، عمل بالحدیث ہی طریق انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیاخلاف ہے فھومذھبی (حدیث صحیح ہی میرامذہب ہے۔ت) خود قول احناف ہے، زمانہ قراء زمانہ اجتہاد وعمل بالسنہ گزرا، تخصیص دلیل ہے کہ جب دور تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلید ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اس کاخلاف صریح فتنہ ہے

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

سوم: اذا صح الحدیث تو سن لیا مگر صحت فقہی وصحت حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس بات میں فقیر کا رسالہ **الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی** مطالعہ کیجئے کہ مطلب کھلے، شک وریب کی ظلمت دھلے۔

چہارم: اگر تلقی والقائے بیرون نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم ماروشن دل ماشاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القتاد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع ومردود، افادہ ۱۲ و ۴ یاد کیجئے اور خدا انصاف دے اذا صح الحدیث سے اپنے عکس مراد کامژدہ لیجئے کہ حدیث صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور خصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم: مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی، مجرد کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلے کو مجتہد فیہانہ رکھے یہ تو بداہۃً مردود وکتب مع للہ خلافیہ دیکھئے ہزاروں مسائل اجتہادیہ ہیں ہر فریق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھاسکتے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اس کا جہر چاہئے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہوتا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض ربانی ادعاؤں سے مذہب حنفیّہ رَد ہوجائے حاشا یہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم: جزئیت جمیع سور میں اختلاف ائمہ قراءت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث وبے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک بسم اللہ باتفاق قراء سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم: ایک سوچودہ آیتوں کی کمی کس حساب سے جمی، قرآن عظیم میں کل سورتیں اسی قدر ہیں اور براءت میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسامل اوائل ایک سو تیرہ ہی رہیں۔ حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سو بارہ ہی کا نقصان حاصل، چودہ کس گھر سے آئیں، کیا حفد وخلع بھی دو سورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقاً تارک جہر ہی سہی تاہم کیا براءت مستثنی ہو کر بھی گنتی چودہ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ کہا۔

ہشتم: یہ تو اہل اہوا گمراہان باطعنوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں، قراءت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہٰذا اس میں کسی بدمذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گمراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیاء صراحۃً بداہۃً منکر صدہا قواطع ونصوص **ویحك یامقری کانك لاتدری ماعلی لسانك یجری۔فان کنت لاتدری** الخ (افسوس ہے اے استاذ! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے، پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخ۔ت)

نہم: قراءت میں اہل ہوا کا خلاف نہ ماننا بھی عجب بے خبری ہے یا کوتاہ نظری، خلاف کی دو صورتیں ہیں ہمارے ائمہ کی کسی قراءت پر طاعن ومنکر ہوں یا کہیں اپنی نئی گھڑت کے مظہر، اہل ہوا خذلہم اللہ تعالٰی دونوں راہ چل چکے، سردست تحفہ اثنا عشریہ ہی کا تحفہ کافی جسے ہر فارسی خواں بھی سمجھ سکے، باب دوم مکائد روافض قتلہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں:

کید سیزدہم آنست کہ گویند عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر وعمر نیز رضی اللہ تعالٰی عنہم قرآن را تحریف کردند وآیات فضائل اہلبیت اسقاط نمودند ازاں جملہ وجعلنا علیا صھرک کہ در الم نشرح بود [1]"۔ ملحضًا	تیرھواں مکر یہ ہے کہ کہتے ہیں عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے قرآن میں تحریف کردی ہے، اور انہوں نے فضائل اہل بیت کی آیات کو ساقط کردیا ہے اور ان میں سے ایک "الم نشرح" میں یہ آیت تھی کہ علی کو ہم نے تیرا داماد بنایا ہے۔(ت)

ایک سنی نے اس پر ظرافۃً کہا ہاں اس کے بعد ایک آیت اور تھی وہ رافضیوں نے گھٹادی یعنی وعلی الروافض قھرک (رافضیوں پر تیرا قہر ہے۔ت) تتمہ باب چہارم میں اُن اشقیا کا زعم نقل کیا:

"صحابہ بجائے من المرافق الی المرافق ساختند وبجائے ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم، امۃ ھی اربی من امۃ نوشتند وعلٰی ہذا القیاس"[2]	صحابہ نے من المرافق کی بجائے الی المرافق کردیا اور ائمۃ ھی ازکٰی من ائمتکم کی بجائے امۃ ھی اربی من امۃ کردیا (یعنی تمہارے اماموں سے زیادہ پاکیزہ امام" کی جگہ "امت یہ دوسری امت سے بڑی" کردیا) علٰی ہذاالقیاس۔(ت)

شرح حدیث الثقلین میں ذکر کیا کلینی رافضی نے کافی میں کہ روافض کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے روایت کی کسی نے امام جعفر صادق کے حضور قرآن کے کچھ لفظ ایسے پڑھے کہ لوگوں کی قراءت میں نہ تھے امام نے فرمایا کیا ہے ان الفاظ کو نہ پڑھ جیسا لوگ پڑھ رہے ہیں اسی طرح پڑھ، یہاں تک کہ مہدی آکر قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں[3]۔ اسی میں روایت ہے امام زین العابدین نے یہ آیت یوں پڑھی: وما ارسلنا من قبلك من رسول ولانبی ولامحدث (نہ بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہ نبی نہ محدث جس سے فرشتے باتیں کریں) اور فرمایا مولٰی علی محدث تھے[4]۔ اسی میں روایت ہے امام جعفر صادق نے فرمایا: امۃ ھی اربی من

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ فصل دوم از باب دوم کید سیزدہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸

[2] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[3] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[4] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

امة (یہ اُمت دوسری امت سے بڑی۔ت) کلام اللہ نہیں اس میں تحریف ہوئی اللہ تعالٰی نے یوں اتارا تھا ائمة هی ازکی من ائمتکم [1] (یہ ائمہ تمہارے ائمہ سے زیادہ پاکیزہ۔ت) یہیں شاہ صاحب نے ان ملاعنہ کا زعم نقل فرمایا کہ:

لفظ ویلک قبل از لاتحزن ان الله معنا نیز ساقط کردہ اند ولفظ عن ولایة علی بعدازیں آیت وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ویملکه بنوامیة بعد خیر من الف شهر وبعلی بن ابی طالب بعد وکفی الله المؤمنین القتال واٰل محمد ازیں لفظ وسیعلم الذین ظلموا، اٰل محمد منقلب ینقلبون ولفظ علی بعد از ولکل قوم هاد، وذکر کل ذلك ابن شهر اٰشوب المازندرانی فی کتاب المثالب له وعلی هذا القیاس کلمات بسیار وآیات بے شمار را کردہ اند [2]۔ملخصاً	"نہ ڈر اللہ تعالٰی ہمارے ساتھ ہے" سے پہلے لفظ "ویلک" (تجھے ہلاکت ہو) ساقط کردیا۔ "ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا" کے بعد "عن ولایة علی" (علی کی ولایت کے بارے میں) ساقط کردیا۔ "اور بنوامیہ بادشاہ نہیں بنیں گے" کو "خیر من الف شهر" (ہزار مہینوں سے بہتر) کے بعد بڑھادیا ہے اور "کفی الله المؤمنین القتال" کے بعد "بعلی بن ابی طالب" بڑھایا، یعنی "اللہ تعالٰی مومنوں کو جنگ میں کافی" کے بعد رافضیوں نے "علی کی وجہ سے" بڑھادیا۔ اور "سیعلم الذین ظلموا کے بعد "اٰل محمد" کا لفظ انہوں نے بڑھادیا، یعنی "عنقریب اللہ تعالٰی اپنے علم کو ظالموں کے بارے میں ظاہر فرمائے گا" کے بعد "آل محمد پر ظلم کرنے والے" بڑھادیا۔ اور "ہر قوم کے لئے ہادی" کے بعد لفظ "علی" بڑھادیا۔ یہ سب کچھ ابن شہر آشوب المازندرانی نے اپنی کتاب "المثالب" میں ذکر کیا، اور اسی طرح انہوں نے بہت سے کلمات اور بہت سی آیات بڑھادیں۔(ت)

نیز کلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی انہوں نے امة هی اربی کی جگہ ائمة هی ازکی پڑھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں کیا ائمۃ ہے، فرمایا ہاں خدا کی قسم، میں نے کہا لوگ تو اربی پڑھتے ہیں، حقارت سے ہاتھ جھٹک کر فرمایا اربی کیا۔[3]

دہم: آپ کے زعم میں بسم اللہ شریف کا جزءِ ہر سورت ہونا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایۃً صحیح ہوچکا

[1] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب دردلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[2] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب دردلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱

[3] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب دردلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۲

اور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحت روایت پرمدار ہے، ائمہ حنفیّہ کاحال توافادہ ۸ میں ظاہر ہولیاکہ انہوں نے کیونکر آپ کے اس مدار کادمار نکالا، مالکیہ سے پوچھئے وہ کیافرماتے ہیں، ہمارے یہاں تو باوصف جہرسور اخفاہی کاحکم تھا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامذہب مشہوریہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہرگزپڑھے ہی نہیں، نہ آواز سے نہ آہستہ، روایت اباحت ضعیف ہے، پڑھے گا تونماز مکروہ ہوگی، ہاں نفلوں میں اختیار ہے کیاانہیں اپنے شہر مبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کاحال معلوم نہ تھا کہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:

المشھور من مذھب مالك کراھتھا فی الفرض[1]۔	امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کامشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے۔(ت)

مقدمہ عشماویہ علامہ عبدالباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:

المشھور فی البسملۃ والتعوذ الکراھۃ فی الفریضۃ دون النافلۃ وعن مالك القول بالاباحۃ[2]۔	بسم اللہ اور اعوذ باللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کاپڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں، اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابوعمر قال مالك لاتقرؤالبسملۃ فی الفرض سرا ولاجھرا وفی النافلۃ ان شاء فعل وان شاء ترک[3]۔	ابوعمر نے کہاکہ امام مالک نے فرمایا بسم اللہ کوفرضوں میں نہ بلند آواز سے پڑھو نہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کااختیار ہے۔(ت)

ذرااس تفریق کو بھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تاشانزدہم: تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ ۱ زمانہ قراء سبعہ زمانہ اجتہاد تھا ۲ زمانہ تابعین تھا، ۳ ائمہ مذہب تازمانہ قراء محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ ۴ بعد قراء کے تھے ۵ قراء کامذہب پوچھنا عبث ہے، ان فقرات کو مقصود میں بھی کچھ دخل ہے یابرائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کو اصلاً دخل ہی نہیں تو زمانہ قراء زمانہ اجتہاد ہو یاعصر تقلید، عہد تابعین ہو یاوقت جدید، ائمہ مذہب اس وقت

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا

[2] المقدمۃ فی الفروع المالکیۃ للعشماوی

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر حدیث ۱۳۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۸۴

محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قراء سے سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا، اور ان کے خلاف بھی مانئے تو تفاوت کیا، فتوائے سامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اسی کے متعلق کہ زمانہ تبع تابعین و محدثین تک چار ہیں حصر مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے، جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہوگیا، اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ و اجنبی ہے۔

ہفدہم: ثبوت دیجئے کہ قراء سبعہ سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

ہیجدہم: اس زمانہ میں عدم حصر و کثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ و مجتہد تھا اس کا تو زعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل، یا انتساب گو عام نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہوگا مگر بے خبر غافل، کیا امام ابویوسف و امام محمد وغیرہا حنفیہ اور امام اشہب و امام قاسم وغیرہما مالکیہ میں معدود نہیں (کتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقینا قطعًا تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نوزدہم: در فن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ت) ائمہ مذہب بعد قراء کے تھے، شہب جانے دیجئے، بدور ہی میں کلام کیجئے، سات میں چار ہمارے امام سے وفاۃً متاخر ہیں، امام ابوعمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیات نے ۱۵۴ یا ۱۵٦ یا ۱۵۸ھ، امام نافع مدنی نے ۱٦۹ھ، امام علی کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ یا ۷۰ھ [عــہ] میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں، دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رَے میں فقہ وادب دونوں دفن کر دیئے۔ اب کون جاہل کہے گا کہ امام اعظم امام محمد کے بعد ہوئے۔

بستم: ائمہ مذہب محتاج الیہ و محصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرمایا یا مطلق، اول تو بداہۃً عقل سے عاطل، چار کبھی بھی نا محصور نہیں ہو سکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شنیع و باطل، زمانہ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہیں نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو، ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے

عــہ بلکہ ایک قول میں ولادت امام ٦۱ھ ہے کما فی وفیات الاعیان (جیساکہ وفیات الاعیان میں ہے۔ت) یوں تقریبًا ٦۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲(م)

توائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت توجنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة يحتاجون الى العلماء فى الجنة وذلك انهم يزورون الله تعالٰى فى كل جمعة فيقول لهم تمنوا على ماشئتم فيلتفتون الى العلماء فيقولون ماذا نتمنى فيقولون تمنوا عليه كذا وكذا فهم يحتاجون اليهم فى الجنة كما يحتاجون اليهم فى الدنيا[1]۔ رواه ابن عساكر عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالٰى عنهما اللهم انى اسألك بعلماء امة حبيبك محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان ترحمنا بهم فى الدنيا والاٰخرة وترزقنا بجاههم عندك العلم النافع والقلب الخاشع والعفو والعافية والمغفرة وصل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اٰمين والحمد لله رب العٰلمين۔ والله تعالٰى اعلم[2]۔	بے شک اہل جنت، جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انہیں اللہ تعالٰی کا دیدار نصیب ہوگا، مولٰی سبحانہ وتعالٰی فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو (اب جنت سے مکان میں جاکر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیامانگیں) علما کی طرف منہ کرکے کہیں گے ہم کیاتمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو، تولوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہوں گے، اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ذکر کیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دعا کرتاہوں کہ توہم پر ان کے وسیلے سے دنیاوآخرت میں رحم فرمااور ان کو جو عزت وکرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں نافع علم، خشوع والا دل، معافی، عافیت اور مغفرت عنایت فرما اور درودوسلام اوربرکت ہمارے آقاومولٰی محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمدللہ رب العالمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۳۵و۱۳۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر زیر عنوان صفوان ثقفی داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۴۳۷، مختصر تاریخ ابن عساکر زیر عنوان صفوان ثقفی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۱/ ۹۹

مآخذومراجع

	نام	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱۔۸
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التھذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الهدایة	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقه	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقه (جوامع الفقه)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیة	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرة النیّرة	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابو سعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

ر

ز

س

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدار قطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان مُلّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمۃ العشماویۃ	ابو العباس عبد الباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبد العزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

و